DAMAGE BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222546

UNIVERSAL
LIBRARY

دربارِ حسینؑ

المعروف بہ

چراغِ مجالس

اُردو زبان میں شعرا کے بہت سے تذکرے لکھے گئے ہیں لیکن جس عام پسندی کا سہرا آبِ حیات مؤلفہ حضرت آزاد دہلوی کے سر رہا وہ کسی کو نصیب نہ ہوا۔ کس قدر رنج ہوتا تھا جب ہم یہ دیکھتے تھے کہ ناک چوٹی کے گرفتاروں کے حالات تذکرہ نویسوں نے خوب دل کھول کھول کر لکھے لیکن مداحانِ آلِ محمدؐ کی سوانح عمریاں کسی عنوان سے قیدِ قلم میں نہ لائی گئیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس قابلِ ملامت کمزوری کو مولوی سید افضل حسین صاحب ثابت رضوی لکھنوی مؤلف حیاتِ دبیر جیسے بیاضِ زمانہ اور کامل الاکمل شاعر نے اپنی دماغ سوزی سے حیاتِ تازہ کا لباس پہنایا اور مرثیہ گو حضرات کی لائف اس خوبی سے قلمبند کی کہ زبان ہر مقام پر آبِ حیات کے روزمرہ کے چٹخارے لیتی ہے۔ پروردگارِ عالم جناب ثابت مدظلہ کو تادیر سلامت وقائم رکھے تاکہ وہ دربارِ حسینؑ کے داخلہ کو مکمل کر سکیں

بکسہ دوتہ بمعہ محفوظ

در مطبع اثنا عشری دہلی بزیور طبع مزین شد

سیرت الفاطمہؑ

یعنی

سوانح عمری جناب سیدہ علیہا السلام

شیعی دنیا میں یہ خبر فرحت اثر ایمانی جوش کے ساتھ سُنی جائیگی۔ کہ بضعۃ الرسول حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کی مکمل اور مبسوط سوانح عمری مطبع اثنا عشری دہلی نے نہایت محنت اور جانفشانی سے طبع کرا کے شائع کی ہے۔ تاریخی واقعات کو بالاستیعاب مورخانہ اور محققانہ حیثیت سے لکھا گیا ہے۔ اور اس طرح سیرۃ المعصومین کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کر کے قوم کے سامنے پیش کیا گیا ہے یہ کتاب مستطاب جس طرح مردوں کے لئے سبق آموز ہے۔ اسی طرح عورتوں کی پاکباز زندگی کی بھی معین و مددگار ثابت ہوگی کون بدنصیب ایسا شخص ہوگا جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت اور شیعہ علیؑ ہونے کا دعوےٰ کر کے اس بیش بہا تصنیف سے اپنے ایمان کو تازہ اور اپنی روحانی قوتوں میں اضافہ نہ کرے۔ خوش قسمت ہیں وہ افراد جو اس اعلان کو پڑھتے ہی لبیک کی صدا بلند کریں۔ قیمت صرف عہ۔

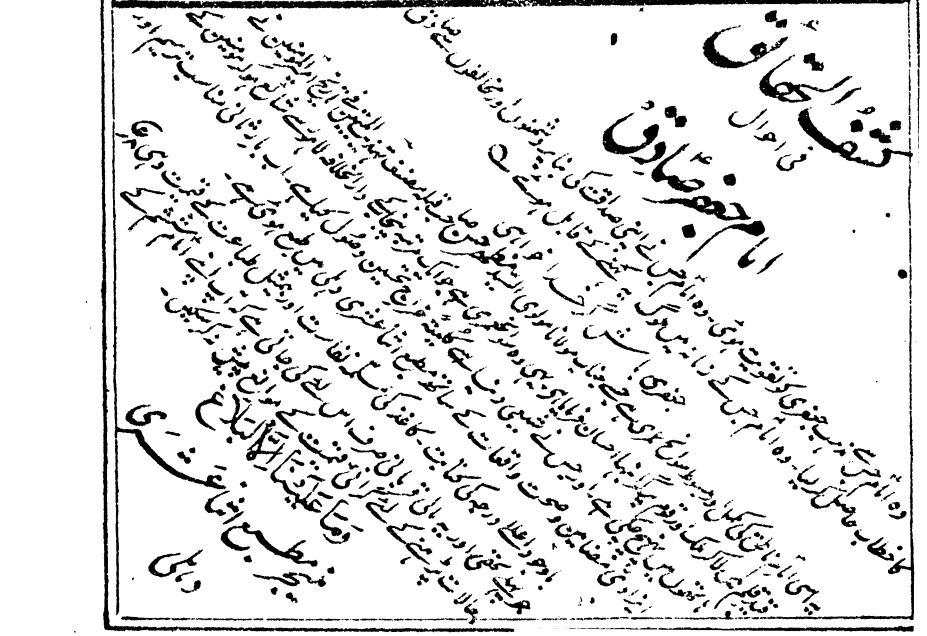

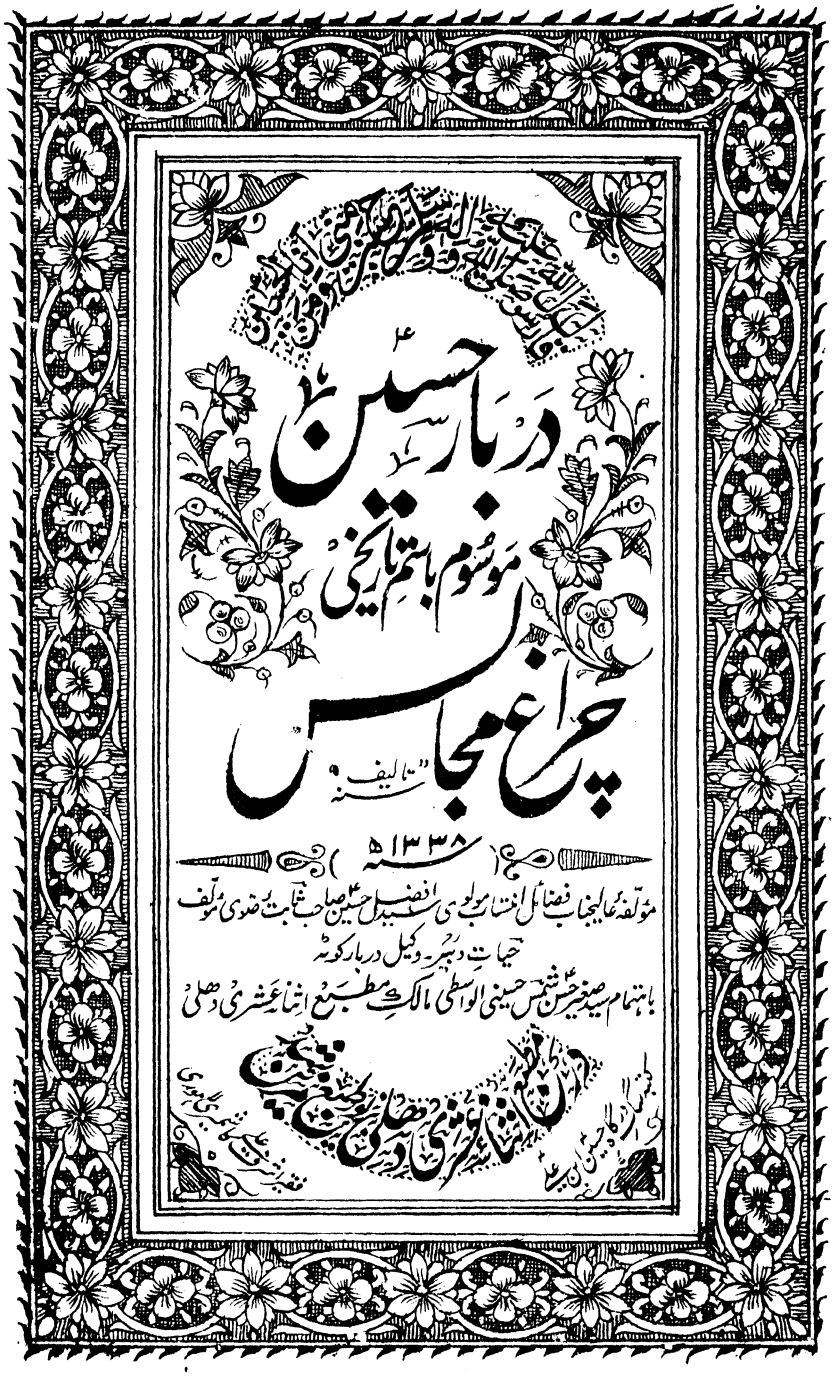
دربار حسینؑ
موسوم باسم تاریخی
چراغ مجالس
تالیفہ
سنہ ۱۳۳۸ھ
مؤلفہ عالیجناب فضائل انتساب مولوی سید فضل حسین صاحب ثابت قدوی مؤلف
حیات دبیر۔ وکیل دربار کوٹہ
باہتمام سید صغیر حسن شمس حسینی الواسطی مالک مطبع اثنا عشری دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ الصَّابِرِیْنَ حقیر افضل حسین ثابت رضوی لکھنوی عرض کرتا ہے کہ پچاس برس کے قریب عرصہ ہوا کہ میرے دا ہیں مرثیہ گویوں کے تذکرہ لکھنے کا خیال پیدا ہوا تھا چنانچہ ۱۸۸۷ء کے قریب قریب بعض اخباروں اور رسالوں میں اشتہار کے طور پر خطوط بھی بھیجنے لکھے۔ اور لکھنؤ سے میر عبدالحسین صاحب تاجر کتب کے ذریعہ سے مختلف شاعرانِ اہلبیت کے مرثیے بھی لکھوا کر فراہم کئے۔ اور بعض حضرات سے روپیہ بھی حالات مانگے۔ مگر کسی صاحب نے نہ دیئے۔ آخر مجبور ہو کر وہ ارادہ فسخ کر دیا۔ پھر جب حیات دبیر ۱۳۲۵ھ سے لیکر ۱۳۳۰ھ تک مینے مرتب کی تو اس سابق کے مواد (تذکرہ مرثیہ گویان) سے بہت مدد ملی۔ میرزا دبیر مغفور کے ساتھ ساتھ ان کے بعض نامی شاگردوں کے حالات و کلام لکھنے کا بھی ارادہ کیا تھا۔ مگر وہ کتاب اس قدر بڑھ گئی۔ کہ یہ ارادہ فسخ ہوا۔ اور ان مداحان محمدؐ و آل محمدؐ کے حالات ایک مختصر سے تذکرہ میں لکھکر بعض صاحبوں کے جو مرثیے فراہم ہوئے تھے انکو عالی جناب میر صغیر حسن صاحب شمس زیدی الواسطی مالک اخبار اثنا عشری و مطبع اثنا عشری دہلی کی مدد و عنایت سے ملک میں شائع کئے دیتا ہوں کہ یہ مرثیے شاید آیندہ نایاب ہو جائیں اور انکے مصنفوں کے کمالات سے ملک بے خبر رہے۔ آج بھی ان میں سے اکثر مرثیے نایاب ہیں۔ پھر

آیندہ بغیر چھپنے کے ان کے باقی رہنے کی کسکو امید ہوسکتی ہے۔ میرا دل یہ چاہتا تھا کہ جس طرح شاگردان حضرت دبیرؒ کے یہ حالات و مراثی شائع کیے ہیں اسی طرح تلامذہ حضرت انیسؒ و جناب عشقؒ اور اور مرثیہ گویوں کے مرثیے اور حالات شائع کرتا۔ مگر افسوس کہ نہ اور خاندانوں کے مرثیے ہات آئے نہ حالات ملے ممکن ہے کہ یہ کام اور کوئی برادر مومن انجام دیکر داخل ثواب ہوں۔ یہ جلد اول اس تذکرہ کی ہے جسمیں فقط اُن مداحوں کے حالات ہیں جو بلا واسطہ حضرت دبیرؒ کے شاگرد تھے۔ اسکے جلد دوم میں ان صاحبوں کے حالات و کلام ہیں جنکو بالواسطہ حضرت موصوف سے فیض پہنچا ہے۔ اور وہ اکثر حضرت آوج مغفور کے شاگرد ہیں۔ اس تذکرہ کا نام دربار حسینؑ (اور تاریخی نام چراغ مجالس ۱۳۳۸ھ) گویا مداح سرکار حسینؑ کا درباری ہے۔

حیات دبیر جلد اول کے صفحہ ۱۱۷ پر میں نے لکھا ہے کہ مسدس مرثیہ سب سے پہلے کہنے کا فخر سکندر پنجابی کو ہے کہ جن کا یہ مقبول مسدس فقیر تک شہروں اور قصبوں میں پڑھتے پھرتے ہیں۔ ع ہے روایت شتر اسوار کسی کا تھا رسول۔ اور سکندر مرحوم کے معاصر جناب سودا مغفور کا بھی ایک مسدس انکے کلیات میں مجھ کو ملا تھا جس کا مطلع یہ ہے ؎ کس سے اے چرخ کہوں جا کے تری بیدادی۔ اسلئے کہہ نہیں سکتا کہ یا سکندر یا سودا انکے موجد ہیں۔ کیونکہ اس قسم کے مسدس سے عرب و عجم کی تصنیفات خالی ہیں۔ مگر اب مجھے نواب میر نصیر حسین خاں صاحب خیال کے عنایت نامہ سے معلوم ہوا کہ یہ فخر حیدری مرثیہ گو شاعر کو ہے جو ان دونوں صاحبوں سے قریباً سو برس پہلے گذرا ہے۔ اور جو ولی دکھنی کا معاصر ہے۔ اس میں شک ہے کہ یہ ولی سے عمر میں مقدم ہیں یا نہیں۔ بہرحال ولی کے معاصر ہیں کہ ولی کی غزلوں پر انکے مصرع ہیں انہوں نے ولی کی بعض غزلوں کو مخمس کیا ہے۔ چنانچہ اس موقع پر میں نواب خیال صاحب کی عبارت لکھکر فرض وقائع نگاری سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ اور انکا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

نواب خیال صاحب کی عبارت

حیدر یا حیدری

سنہ ۱۰۶۷ھ سنہ ۱۱۶۷ھ

تذکرہ نویس فرنچ گارسن ڈی تاسی کا بیان (ترجمہ) نام انکا حیدر شاہ تھا۔ وطن دکن۔ بڑے پرانے شاعر ہیں۔ گھر سے دہلی آئے۔ اور بعد کو مرشد آباد زمانہ شجاع الدولہ میں پہنچے۔ بہت دن رہے

خوب خوب مرثیے کہے ہیں۔ بڑے مؤقر آدمی تھے۔ عمر بھی بہت پائی۔ لوگ سَو سے اوپر بتاتے ہیں۔ ان کے مرثیے بہت مشہور ہیں۔ احمد شاہ دُرّانی کے دوسرے حملہ تک جیتا تھا۔ مولوی کریم الدین لکھتے ہیں "میر حیدر شاہ دکنی جیسا کہ وہ قابلیت لڑائی کی رکھتا تھا۔ ویسا ہی شعر بھی کہنے میں سبقت رکھتا تھا۔ دہلی سے بنگالہ میں نواب شجاع الدّولہ کی عملداری میں۔ اور نواب علاء الدّولہ سرفراز جنگ کی خدمت میں جو اس کا بیٹا تھا۔ رہتا تھا۔ وہ قدما کے طور پر شعر کہتا تھا۔ اکثر ولی کی غزلوں کا خمسہ بنایا کرتا تھا۔

اسکی عمر قریب سَو برس کے تھی۔ عملداری احمد شاہ بادشاہ میں فوت ہوا۔"

ڈاکٹر اسپنجر صاحب کے پاس جو ایک کتاب مرثیہ کی بہت خوشخط ہے۔ اس میں حیدری کا مرثیہ بڑے دھوم دھام کا ہے جس کا اول میں لکھتا ہوں۔"

عزیزو آج ناموسِ نبیؐ پر آفت آئی ہے — شبِ رخصت ہے بہنوں سے شہ دیں کی جدائی ہے
خصوصاً بی بی باتوؑ نے عجب حالت بنائی ہے — سر اپنے بی سکینہؑ کے کھڑی دیتی دُہائی ہے

منہ اس کا چومتی ہے اور یہی کہہ کے روتی ہے
اری اٹھ لاڈلی میری غضب کی صبح ہوتی ہے

مذکورہ بالا تحریروں سے حسب ذیل باتیں ظاہر ہوئیں۔

اوّل۔ حیدری دکنی شجاع الدّولہ (بنگالہ) کے عہد میں موجود تھے۔

دوم۔ انہوں نے سو برس کی عمر پائی۔

سوم۔ احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں فوت ہوئے۔

چہارم۔ انہوں نے مسدّس کہا۔

اوّل شجاع الدّولہ کا عہد ۱۱۵۱ھ میں (جبکہ وہ دلی میں تھا) تمام ہوتا ہے۔ اسلئے حیدری ۱۱۵۱ھ سے قبل بنگالہ گئے۔

دوم۔ احمد شاہ ۱۱۶۱ھ میں تخت نشین ہوا اور ۱۱۶۷ھ میں تخت سے اُتارا گیا۔ اسلئے انہیں دونوں سنوں کے اندر حیدری فوت ہوئے۔

سوم انہوں نے سو برس کی عمر پائی۔ تو اگر ۱۱۶۷ھ ہی ان کا سنہ رحلت تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس حساب سے وہ ۱۰۶۷ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ سنہ شاہ جہاں کے قید ہونے اور عالمگیر کی تخت نشینی کا ہے۔ ۱۰۶۸ھ یعنے نو برس بعد شاہ جہاں فوت ہوا۔ اسلئے حیدری شاہ جہانی عہد کے شاعر تسلیم ہوں گے۔ گو کہ نشو و نما انکی عالمگیر کے زمانے میں ہوئی ہو۔

خلاصہ یہ کہ ان کا زمانہ ۱۰۶۷ھ اور ۱۱۶۷ھ کے اندر تھا۔ اس سے قبل کا کوئی اردو شاعر ہمکو معلوم نہیں۔ اس لئے حیدری ہی اوّل شاعرِ اُردو تسلیم ہونگے۔ اور مسدس تو ان سے قبل غالباً کسی نے کہا ہی نہیں۔ اس لئے جبتک کوئی اور مسدس گو شاعر ان سے پہلے یا ان کے عہد کا پیدا نہ کیا جا سکے یہی موجد تصوّر ہوتے رہیں گے۔ ولی کا زمانہ گو متحقق نہیں۔ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے۔ کہ "در زمانۂ عالمگیر بادشاہ موجود بودہ" یہ تسلیم کر لیا جائے تو ولی انکے ہمعصر ثابت ہو سکیں گے۔ لیکن جبکہ ولی کا سنہ پیدائش و سنہ وفات معلوم نہیں تو لامحالہ تقدم حیدری ہی کو دینا ہوگا۔ مولوی کریم الدین کا بیان ہے کہ "وہ قدما کے طور پر شعر کہتا تھا اور اکثر ولی کے غزلوں کا خمسہ بنایا کرتا تھا۔ اس سے اوّل تو یہ ظاہر ہوا کہ انہوں نے علاوہ مرثیہ و مسدس کے (جس کے یہ موجد تھے) غزلیں بھی کہیں تو حسن و جوہات سے ولی پر انکو تقدیم دیگئی۔ انہی بنا پر غزل گوئی میں بھی سبقت انہی کو دیجائیگی۔ اور ولی کی غزلوں کا خمسہ کر دینے سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ ولی کو ان پر فوق ہے۔ اکثر استادوں نے اپنے شاگردوں کی غزلوں وغیرہ پر مصرعے لگائے ہیں۔ اس زمانے میں بھی ایسا ہوا ہے۔ اور اسکی بیّن مثال میر انس اور میر وحید کا سلام ہے۔ حجاب آئینکو ہے۔ حساب آئینے کو ہے۔ اس کے مقطع پر مصرعے ملاحظہ ہوں۔

وے خدا دنیا میں جس کو ایسا فرزند سعید — پھر کرے کیونکر نہ وہ شکرِ خداوندِ مجید

انس کی اس پر بھی رہتی ہے یہ تاکید اکید — مدحِ آلِ مصطفیٰ اک دم نہ کم ہو اے وحید

عندلیبِ گلشنِ زہرا خطاب آنے کو ہے

حقیر ثابت عرض کرتا ہے کہ اور بھی استادوں نے اپنے معاصرین یا شاگردوں کے سلاموں پر تضمین فرما کر مخمس کیا ہے۔ چنانچہ میر مونس مرحوم کا مشہور سلام ہے۔ جس کا مقطع یہ ہے ؎

مونس ترے سخن کی ہوئی شش جہت میں دھوم — تیغِ زباں کے پہنچے ہیں جوہر کہاں کہاں

اس پر میر انیس مرحوم کے مصرعے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ میر انیس مغفور میر مونس کے بڑے بھائی اور اُستاد تھے اسی طرح میاں دلگیر مغفور کے مشہور و مقبول سلام پر جس کا مطلع یہ ہے ؎

سلامی ذکر و صفِ شاہؑ خوش خو ہو نہیں سکتا ردیف پیچیدہ ہے دخل اک سرِ مُو ہو نہیں سکتا

میر خلیق مبرور کے مصرعے ہیں۔ اور مرزا فصیح مرحوم کے سلام پر جس کا مطلع یہ ہے ؎

سلام اس پہ جسے حق نے کامیاب کیا جہاں میں شاہِ شہیداں عطا خطاب کیا

میر ضمیر صاحب (موجد طرز مرثیہ گوئی) کے مصرعے ہیں۔ اسی طرح مرزا دبیر مغفور نے اپنے بھائی اور شاگرد مرزا نظیر کے اس سلام پر ؎

اے فلک مجرے میں جسکے تجھکو خم دیکھا کئے حیف تو دیکھا کیا اور وہ ستم دیکھا کئے

مصرعے لگا کر مخمس کیا ہے۔ اور اپنی شاگرد سلطان عالیہ مرحومہ (دختر شاہِ اودھ نصیر الدین حیدر مرحوم) کے اکثر سلاموں پر تضمین فرما کر مخمس کیا ہے۔ بعض مخمس حیات دبیر جلد دوم میں حقیر نے لکھدیئے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ کبھی اپنے معاصر یا شاگرد کے کلام پر بھی شاعر مصرعے لگا کر تضمین کرتا ہے۔ اسی طرح ولی کی غزلوں پر حیدری کے مصرعوں کو سمجھنا چاہئے۔

افسوس کہ یہ دیباچہ بہت مختصر لکھا گیا۔ ورنہ دل یہ چاہتا تھا کہ مرثیہ گوئی کے اصولِ میں دل کھول کر بحث کرتا۔ اور اس بات کو ثابت کرتا۔ کہ اب دنیا کو ایسے مرثیوں کی ضرورت ہے جن میں زیادہ تر واقعات تاریخی نظم ہوں۔ اور ایسے مرثیہ کے ایجاد کا فخر میرے استاد حضرت میرزا اوج مغفور کو ہے[۱]۔ مگر میں اب مفصل لکھنے سے مجبور ہوں۔ کہ میرے اکلوتے لائق فرزند سیّد محمد مفضل حسینؑ مرحوم کی موت نے میری کمر توڑ دی۔ جو بیس برس ایک ماہ چھ روز دنیا میں رہ کر یکایک ہیضہ کر کے ۲۱ رماہ رمضان ۱۳۳۹ھ کو مر گیا۔ یا ۶۲ھ برس کی عمر میں مجھ کو تڑپتا ہوا چھوڑ گیا۔ یہ بچہ نہایت ذہین اور نیک تھا۔ بی۔ اے کے پہلے سال کا امتحان پاس کر کے جے پور مہاراج کالج سے آیا تھا۔ مجھے اس سے یہ امید تھی کہ ۱۰ مہینے بعد بی۔ اے کے امتحان میں پاس ہو کر مجھے

---

[۱] حقیر ثابت بھی اپنے مرثیوں میں زیادہ تر واقعات تاریخی نظم کرتا ہے۔ دیکھئے میرے مرنے پر وہ مرثیے دیمک کھاتی ہے یا کوئی قدرداں ملک میں شائع کرتا ہے۔ محمد مفضل حسینؑ سے یہ امید تھی وہ پہلے ہی چل بسا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ رضاً بقضائہ وتسلیماً لامرہ۔ ۱۲ ثابت

تصنیف و تالیف میں مدد دیگا۔ نہج البلاغہ (خطبات قرآن ناطق جناب امیرؑ) کا ترجمہ انگریزی میں شائع کرے گا۔ افسوس تمام ارمان اسکے سانحۂ خاک میں مل گئے۔ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ناظرین دربار حسینؑ سے امید وار ہوں کہ محمد مفضل حسینؑ مرحوم اور حقیر مؤلف کو دعائے خیر و مغفرت اور سورۂ فاتحہ سے یاد و شاد فرمائیں۔ اور میری اس کتاب میں جہاں کہیں غلطی نظر آئے۔ مجھ کو مطلع فرمائیں کہ میں درستی کردوں۔ و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

اللہ بس باقی ہوس۔ الملتمس حقیر افضل حسینؑ ثابت رضوی لکھنوی وکیل و مقیم ریاست کوٹہ۔ ۲۳ ذیحجہ الحرام ۱۳۳۹ھ اتوار ۲۸ اگست ۱۹۲۱ء

حضرت ثابت مدظلہ کا گرامی نامہ

دربارِ حسینی کی تمام کاپیاں تقریباً چھپ چکی تھیں اور یہ کتاب بہمہ وجوہ مکمل تھی کہ یکایک ۶ مارچ ۱۹۲۲ء کو حضرت ثابت رضوی کا افتخار نامہ ریاست کوٹہ راجپوتانہ سے بدیں مضمون موصول ہوا۔

"مخدومی دام مجدکم۔ تسلیمات۔ مزاج اقدس آج حضرت میر ضمیر مغفور کی وفات کے متعلق دو قطعہ دیوان شاعر مستند و مقبول مرزا مہدی قبول مرحوم سے عالیجناب نواب پیارے صاحب قبلہ شمس آبادی نے ارسال فرمائے ہیں ان دونوں تاریخوں کو مرحوم کے حالات کے خاتمہ پر یا جہاں موقع ہو لکھوا دیجے گا کہ یادگار رہینگی۔

تاریخ انتقال استاذ الکل حضرت میر مظفر حسین صاحب ضمیر اعلی اللہ مقامہ

فی الجنان جو مرزا مہدی صاحب قبول مرحوم کے دیوان میں ہیں

(۱)

بجناں رفت زآفاق ضمیر — ہستم از وصفِ کمالش قاصر
سال تاریخ قبول اکنوں گو — آہ۔ افسوس۔ حسینی۔ ذاکر
۶ + ۲۰۷ + ۱۳۸ + ۹۲۱
سنہ ۱۲۷۲ھ

(۲)

ذاکر عالی نسب والاحسب یعنی ضمیر — رفت حسب الحکم خالق چوں زعالم آہ وائے
سالِ فوتش صوری وہم معنوی گفتم قبول — شنبہ۔ تُو۔ بست۔ وسیم۔ بود از محرم آہ وائے
۳۵۷ + ۶ + ۴۶۲ + ۶ + ۱۲ + ۱۱۰ + ۸ + ۸ + ۲۸ + ۶ + ۱۷۶
سنہ ۱۲۷۲ھ

ضمیر

استاذ الاساتذہ جناب سیّد مظفر حسین صاحب ضمیر والد میر قادر حسین صاحب ساکن بنگھور قریب سلطان پور ضلع گونڈا کا نواں میر ضمیر کے والد ماجد میر قادر حسین صاحب خواجہ سرائے شاہی میاں الماس علی خاں کے مصاحب وملازم تھے۔ یہ میاں الماس نواب شجاع الدولہ و آصف الدولہ کے وقت سے شاہی خواجہ سرا تھے۔ نواب سعادت علی خاں مرحوم کے زمانے میں ان کا انتقال ہوا۔ انہی کا امام باڑہ معالی خاں کی سرائے کے پاس تھا۔ میاں الماس نے بڑی اینٹ ایجاد کی تھی۔ وہی اس امام باڑہ میں لگی۔ اسی وجہ سے اب تک لکھنؤ میں بڑی اینٹ کو الماس خانی اینٹ کہتے ہیں۔ میاں الماس بڑے مالدار آدمی تھے اور اُسکے ساتھ جاہل مطلق۔ میر قادر حسین صاحب انہی کی رفاقت میں پہلے فیض آباد میں رہے۔ پھر جب نواب آصف الدولہ نے فیض آباد سے مقام حکومت منتقل کر کے لکھنؤ کو بسایا میر قادر حسین صاحب اور اُنکے ساتھ اُنکے فرزند میر ضمیر صاحب لکھنؤ میں آ بسے فیض آباد میں میر ضمیر صاحب کو ایسی شہرت ہو چکی تھی کہ وہ مرثیہ گو اُستاد مانے جاتے تھے۔ اُس سے پہلے صرف غزل گو شاعر میاں مصحفی کے شاگرد تھے۔ ایک روز ایک بیوہ کے گھر میں مجلس تھی ان سے فرمائش ہوئی کہ چند بند کسی کے مرثیہ کے پڑھدیں۔ انہوں نے کسی کا مرثیہ وہیں مجلس میں لیکر پڑھ دیا۔ بہت گریہ و بکا ہوئی۔ کچھ عورتیں بھی اثنائے ذاکری میں نظر آئیں جو رو رہی تھیں۔ پھر وہ عورتیں بعد مجلس کے غائب ہوگئیں۔ یہ معجزہ دیکھکر انہوں نے مرثیہ کہنا شروع کیا۔ پہلے تو مرثیے بیٹھ کہے جیسے اُس زمانہ میں سب کہتے تھے۔ مگر ازبسکہ طبیعت میں ایجاد کا مادّہ خداداد تھا مرثیہ میں سراپا اور لڑائی کہی۔ اس طرز جدید کے یہی موجد ہیں چنانچہ ۱۲۴۹ ہجری میں یہ مرثیہ رزمیہ و بزمیہ کہا ؎ کس نور کی محفل میں مری جلوہ گری ہے۔ اسکے مقطع میں خود اس طرز کے موجد ہونیکا دعوے بھی فرمایا ہے چنانچہ مقطع میں کہتے ہیں ؎

جس سال کہے وصف یہ ہمشکل نبی کے — سنہ بارہ سو اونچاس تھے ہجرِ نبوی کے
آگے تو یہ اندازِ سخن تھے نہ کسی کے — اب سب یہ مقلد ہوئے اس طرز نئی کے

دس میں کہوں سو میں کہوں یہ ورد ہے میرا
اس طرز میں جو جو کہے شاگرد ہے میرا

یہ اس لیئے دعوے کیا تھا کہ انکی حیات ہی میں اور بزرگوں نے بھی رزم و سراپا کہنا شروع کر دیا تھا۔ میر خلیق۔ منشی

دلگیر مرزا فصیح انکے معاصر تھے خلیق و دلگیر نے تو وہی اپنا پورا رنگ بینیہ مرثیہ کہنے کا قائم رکھا مگر مرزا فصیح مرحوم نے رزم و سراپا مرثیہ میں کہا۔ اُدھر جناب منشی دلگیر کے شاگرد رشید امانت مرحوم نے واقعات میں سراپا کہا۔ اسپر جناب مرزا دبیر مرحوم نے حضرت حبیب ابن مظاہر کے مشہور مرثیہ میں ایک لطیف اشارہ کیا۔ اور ایک مضمون نکالا ہے۔ وہ بند یہ ہے ؎

معنی ضمیر اہل زباں سے نہیں اخفا — روشن ہے دلوں پر شرف نام سراپا
ہیں غیر بھی جو پیرو نظم انکے میں سمجھا — یعنی کہ سخن سب کو پسند آتا ہے دل کا

شاہی ضمیر اوج پہ ہے ملک سخن میں
جس شکل سے دل حاکم اعضا ہے بدن میں

مطلب یہ ہے کہ دوسرے شاعروں اور مداحوں نے جو میر ضمیر صاحب کی ایجاد کی تقلید کی اور ان کی دیکھا دیکھی رزم و سراپا کہا تو کچھ بیجا نہیں کیا ضمیر کے معنی دل کے ہیں اور دل تمام اعضا کا بادشاہ ہے۔ اسی طرح جناب ضمیر سب شاگردوں اور مداحوں کے سرتاج و سلطان ہیں۔

یہ بھی لکھنؤ میں بڈھے بزرگوں کی زبانی سُنا ہے کہ جب میر خلیق مرحوم فیض آباد سے لکھنؤ میں آئے ہیں اور میر ضمیر مرحوم اور میر انیس مغفور فیض آباد ہی میں رہے تو میر خلیق اپنے فرزند کو میر ضمیر مرحوم کے سپرد کر آئے تھے۔ خلیق و ضمیر دونوں کا خاندان شاعری ایک ہے۔ دونوں صاحب میاں مصحفی کے شاگرد ہیں اسلئے میر انیس کو انکی شاگردی کی ہدایت فرمائی تھی۔ اور اس حکایت کی تصدیق اُس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو میر ضمیر کے چہلم کے حال میں آیندہ لکھا جائیگا۔

منبر پر مرثیہ پڑھنے میں بنا نیکی ایجاد کا فخر میر ضمیر صاحب کو حاصل ہے۔ جناب نواب سید محمد علی خاں صاحب عرف نواب دولھا مرحوم رئیس شمس آبادی اپنے قلمی تذکرہ میں جس کا نام مرغوب دل ہے تحریر فرماتے ہیں کہ "میر ضمیر مرحوم جب تحت لفظ مرثیہ منبر پر پڑھتے تھے تو مضمون کی صورت ہو جاتے تھے انکی کسی بند پر واہ کسی پر آہ ہوتی تھی" یہ بھی وہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ بزرگوار خوش مزاج۔ لطیفہ پرداز۔ نفیس طبع خلیق مجسم۔ وضعدار۔ پختہ رنگ۔ کشیدہ ابرو۔ متوسط قامت۔ لاغر اندام۔ عادی افیون تھے۔ استعداد علمی انکی انہی کی زبانی تاریخ و حدیث فارسی کی تھی اور بقول انہوں نے سماعت داستان میر احمد علی صاحب داستان گو شاگرد مرزا قاسم علی صاحب کی بھی کی تھی۔ اس ناموس کا کلام علاوہ مرثیہ و سلام کے بھی شہرۂ آفاق ہے جیسی مثنوی مظہر العجائب۔ معراج نامہ۔ چہار دہ بند"۔

میر محمد جعفر صاحب قیصر لکھنوی مجھ سے فرماتے تھے کہ جب عہد محمد علی شاہ و امجد علی شاہ میں میر و دبیر مرحوم کا لکھنؤ میں بہت شہرہ ہوگیا۔ اور پھر عہد امجد علی شاہ مرحوم میں میر انیس مغفور نے بھی فیض آباد سے لکھنؤ میں آکر خوب خوب مجلسیں پڑھیں اور عہد واجد علی شاہ مغفور میں مقابلہ کی مجلسیں ہوئیں کہ ایک طرف میرزا صاحب دوسری طرف دوسرے محلّے یا اُسی محلّہ میں میر صاحب پڑھتے تھے۔ تو میر ضمیر صاحب نے ایک بہت بڑا مرثیہ اٹھارہ سو بند کا کہا تھا تمام شہدا کا حال اُس میں نظم کیا تھا۔ بہت سی لڑائیاں اور سراپا وغیرہ تھے۔ اگر آج وہ مرثیہ اُنکی اعزّہ اولاد کی بدولت سعد و مفقود نہ ہوتا تو شاید کوئی منصف مزاج مشکل سے دبیر و انیس کو اُن پر ترجیح دیتا۔

جناب میرزا محمد زکی صاحب زکی دائم شاگرد جناب میر انیس مغفور مجھ سے ناقل تھے کہ نواب علی نقی خاں صاحب وزیر اودھ کی مجالس عزا میں آخری تین مرثیے تین مجالس عشرۂ محرم میں یہ تین نامی اُستاد پڑھا کرتے تھے۔ ساتویں کو میر انیس۔ آٹھویں کو مرزا دبیر نویں کو میر ضمیر مگر اُس سال ابر و غبار ہونے کے سبب سے اُنتیسویں ذیحجہ کو چاند لکھنؤ میں نظر نہ آیا تھا۔ ساتویں کو جناب میر انیس مرحوم نے مجلس پڑھی۔ آٹھویں کو جا بجا سے جو آدمی آئے تھے اُن سے تصدیق ہوگئی کہ اُنتیسویں کو رؤیت جا بجا اودھ وغیرہ کے شہروں اور قصبوں وغیرہ میں ہوئی تھی۔ بس آج آٹھویں نہیں بلکہ نویں ہے۔ کل عشرۂ محرم ہوگا۔ بالاتفاق سب مجتہدین نے بھی ان مسافروں کی شہادت کو مان لیا۔ اُس روز میر ضمیر و مرزا دبیر دونوں صاحب مع مرثیوں کے مجلس میں موجود تھے۔ نواب علی نقی خاں مرحوم بانی مجلس مرزا صاحب کے شاگرد تھے مگر یہ بھی ناممکن تھا کہ اُستانو کے اُستاد کو نہ پڑھوائیں۔ اسی زمانے میں جناب میر ضمیر صاحب اور مرزا دبیر صاحب میں صفائی ہوچکی تھی۔ نواب علی نقی خاں صاحب نے منبر کے قریب آکر کہا کہ آپ دونوں اُستادوں کے اتحاد کی قدرت نے بھی تائید کی۔ آج یہ مجلس بھی بجائے ایک کے دونوں صاحبوں کے پڑھنے کے قابل ہوگئی ہے۔ پس میں امیدوار ہوں کہ پہلے میرے اُستاد پھر اُستاد الکل پڑھیں۔ میر ضمیر صاحب نے فرمایا بہتر ہے۔ مرزا صاحب آپ پہلے مرثیہ پڑھیئے اور پورا مرثیہ پڑھیئے گا۔ مختصر نہ کیجیئے گا۔ پہلے مرزا صاحب نے چند رباعیاں اور ایک پورا مرثیہ پڑھا۔ خوب رنگ ہوا۔ مآل مجلس بھی ایسا ہوا کہ گویا مجلس ختم ہوگئی تھی۔ وزیر موصوف اور مرزا صاحب کے عرض کرنے پر میر ضمیر صاحب منبر پر گئے اُس مآل میں مرزا صاحب کی رباعیاں اسی قافیہ اور ردیف میں بہت سی مشہور تھیں۔ فقیر کہتا ہے۔ دبیر آیا ہے۔ اسی قافیہ و ردیف میں بڈھا (میر ضمیر صاحب) زیبہ

رباعی پڑھی ؎

پہلے تو یہ شہرہ تھا ضمیر آیا ہے — اب کہتے ہیں اُستادِ دبیر آیا ہے
کر دی مری پیری نے مگر قدر سوا — اب قول یہی ہے سب کا پیر آیا ہے

مصرع چہارم کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ سب کا قول اب یہ ہی کہ بُڈھا آیا ہے۔ دوسرے یہ کہ سب کا پیر یعنی اُستاد آیا ہے جس مصرع میں دو معنی پیدا ہوں بشرطیکہ باہم متضاد نہوں وہ حسنِ کلام میں داخل ہے۔ علمائے معانی و بیان نے اسکو سراہا ہے اور اس صنعت کا نام ادماج ہے جیسا کہ حقیر نے مختصر المعانی وغیرہ سے حیاتِ دبیر جلد اوّل کے صفحہ ۱۸۸ پر اسکی تعریف لکھی ہے۔ مگر ہائے کیا بُرا زمانہ آگیا ہے ؎

ہنر کو عیب خطا کو ثواب جانتے ہیں — پھر اپنے آپ کو بھی لاجواب جانتے ہیں

اس زمانے کے ایک ذی علم جناب غالب مرحوم کے ایک شعر کی شرح لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جہاں شعر میں دوسرے معنی کا احتمال بھی پیدا ہوا وہ ناقص ہوگیا۔ دوسروں کا کیا شکوہ جب اپنے ملک کے عربی داں فارسی خواں ہی اُردو کی شاعری کو انگریزی کی تقلید میں اس طرح مٹائیں۔ حالانکہ بہت سے صنائع انگریزی میں پہلے سے موجود ہیں اور بعض اب یورپ میں عربی و سنسکرت پھیلنے سے بڑھتے جاتے ہیں ہمکو مشرقی علوم کی خوبیاں کھانے اور جتانے کا اچھا خاصہ موقع ہے۔ المختصر میر ضمیر صاحب نے اپنا وہ نیا مرثیہ غالباً پڑھا جسکا مطلع ذیل میں لکھتا ہوں بُڈھے نے مرثیہ کا چہرہ بھی بُڑھاپے کے بیان سے شروع کیا۔ اور یہ بھی اشارہ اس مطلع میں کر دیا کہ ہاں اب بھی باوصفِ ضعفِ پیری دبیر و انیس وغیرہ جوان شاعروں سے بہتر ہوں۔ اس مضمون کی تخیل بندش کی صفائی۔ زبان کی سلاست پر اس مطلع میں نظر کرو ؎

پھر فکر کہن سلسلہ جنبانِ سخن ہے — پھر جوشِ جوانی پہ مری طبعِ کہن ہے
خالی دُرِ دنداں سے اگر دُرجِ دہن ہے — مضمون ہے گر معدنِ دُرہائے عدن ہے

ہو نطق جواں سے سخنِ پیر زیادہ
کھنچنے سے کماں کے ہو رواں تیر زیادہ

میر ضمیر صاحب نے فقط رزم و سراپا ہی ایجاد نہیں فرمایا بلکہ ایک اور بھی مزہ دار چیز انکی ایجاد سے عالمِ ایجاد میں یادگار ہے۔ وہ کیا؟ ہر سہ بروزنِ مرثیہ شمس العلماء مولوی مرزا محمد حسین صاحب آزاد مرحوم آبِ حیات کے صفحہ ۳۹۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اُس زمانہ میں میر ضمیر ایک مرثیہ گو اور مرثیہ خواں تھے کہ طبع شعر کے ساتھ عربی فارسی وغیرہ

علوم رسمی میں استعداد کامل رکھتے تھے اور نہایت متقی و پرہیزگار شخص تھے۔ تعجب یہ ہے کہ اس کے ساتھ طبیعت میں شوخی اور ظرافت بھی اتنی رکھتے تھے کہ گویا سودا کی روح نے حلول کیا" اب سنیئے کہ اتقا اور پرہیزگاری کا تو یہ تقاضا تھا کہ کسی کی ہجو نہ کہیں۔ مگر شوخی و ظرافت طبیعی ایک طبیعت دار ظریف شاعر کو ہجو سے کب باز رکھ سکتی تھی۔ آخر اس کشاکش نے نئے رنگ میں جنم لیا۔ میر ضمیر صاحب نے ہجو کہی مگر کسی مومن کی نہیں بلکہ اُن دشمنانِ اہلبیت و قاتلان خاندان رسالت کی جنکے ظلم و جور سے فساد پھیلا۔ وہ تین آدمی مشہور ہیں جن کو شیعہ نمرود۔ شداد۔ فرعون کہتے ہیں۔ یہ تین ظالم تھے اس لیئے ہر سیہ اسکا نام رکھا کہ ان تینوں کی خبر لینے کا یہ کلام ذریعہ ہے۔ پس ناواقف جو ہر سیہ کو سرسیہ کہتے ہیں وہ شاید اس حبہ تسمیہ سے واقف نہیں یا اُنکے نزدیک سرسیہ کے بھی کچھ معنی ہونگے جن سے میں ناواقف ہوں[1]۔ کسی مرد مومن کی ہجو کرنے سے میر ضمیر مرحوم کو اس قدر پرہیز تھا کہ لکھنؤ کے ایک وزیر کشمیری حکیم مہدی مرحوم وزارت سے معزول ہو کر لکھنؤ سے بھاگے۔ جو فریق اُن کا مخالف تھا وہ وزارت و حکومت اودھ پر حاوی ہو گیا شعرائے عصر میں جو سربرآوردہ تھے اُس سے وزارت جدید کی طرف سے فرمائش ہوئی کہ فراری وزیر کی ہجو سے خبر لیں۔ شیخ ناسخ مرحوم نے فرمایا ؎ کاشور برائے بختن شلغم گزیختہ ؛ روبہ صفت زہیبت ضیغم گزیختہ۔ سی پر قناعت نہیں کی بلکہ ایک تاریخ بھی نئی صنعت میں کہی۔ وہ یہ ہے ؎

افتاد حکیم از وزارت ؛ تاریخ بطرز نو رقم کن ؛ از حائے حکیم ہشت بر گیر ؛ سہ مرتبہ نصف و نصف کم کن

حائے حطی کے آٹھ ہوئے پہلے یہ لکھے۔ آٹھ کے آدھے چار ہوئے پھر تم لکھے۔ ۴۸ ہوئے۔ پھر چار کے نصف ۲۔ پھر ۲ کا آدھا آ لکھا۔ سنہ ۱۲۴۸ ہجری نکل آئے۔

میر ضمیر مرحوم سے فرمائش ہوئی تو اُنھوں نے یہ کہکر ٹال دیا کہ میرا صاحب! وزیر معزول دشمن اہلبیت نہیں تھا۔ اس لیئے میں ہجو نہیں کہہ سکتا۔ جدید وزیر صاحب چاہے خوش ہوں چاہے ناخوش میں صرف آل محمدؐ کے دشمنوں کی ہجو کہتا ہوں۔ اتفاق یا میر ضمیر کی خوش اعتقادی و خوش نصیبی تھی کہ پھر محمد علی شاہ کے بادشاہ لکھنؤ ہونے پر وزیر معزول بحال ہو کر مسند وزارت پر آئے۔ شاہ موصوف نے

---

[1] میر ضمیر کی تقلید مرزا دبیر و میر انیس مرحومین نے بھی کی اور ہر سیئے کہے اور میرزا دبیر کے ایک شاگرد مشیر نے اسکو اوج کمال پر پہنچا دیا۔ مشیر مرحوم کے بعد کثیر تخلص میر محمد جعفر صاحب مفتی گنجی لکھنوی اور میر حواد حسین شمیم امروہوی اور میر نواب علی تمنا نے خوب ہر سیئے کہے۔ اب میر یونس حسین صاحب زیدپوری کے بھائی ہر سیہ لاجواب کہتے ہیں ۱۲

حسین آباد مبارک نام سے نیا امام باڑہ بنوایا اور وصیت کی کہ مجھے مرنے پر اسی میں دفن کرنا۔ اُس کے متعلق ایسٹ انڈیا کمپنی کو کچھ روپیہ قرض دیا۔ روپیہ کے زرِ منافع سے تمام امام باڑہ کے ملازموں کی تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ ذاکر نوکر ہوئے۔ اُنہی وزیر نے میر ضمیر صاحب کو گھر سے بُلا کر اس امام باڑہ میں سَو روپیہ ماہوار کا ملازم کرا دیا۔ یہ تنخواہ جب تک میر ضمیر صاحب زندہ رہے وہ پاتے رہے۔ اُنکے انتقال کے بعد یہی تنخواہ مرزا دبیر مغفور کو مدّۃ العمر ملتی رہی۔ مرزا دبیر مرحوم کے انتقال پر مرزا اوج مغفور کو ملا کی یہاں تک کہ بعض متولیوں کی مرزا اوج مرحوم سے چشمک ہو گئی اور اُنہوں نے یہ شرطیں اضافہ کیں کہ عشرۂ محرّم میں مرزا اوج صاحب لکھنؤ سے باہر نہ جائیں اور چوگوشیہ ٹوپی کے بدلے دربار کی ٹوپی یا عمامہ باندھکر آئیں جس کو مرزا اوج مرحوم نے یہ کہکر نامنظور فرما کر استعفا دیدیا کہ میں اپنے والدِ ماجد کی طرح عشرۂ محرّم میں عظیم آباد جانا نہ چھوڑونگا کہ والدِ مرحوم کی وصیت ہے اور جو ٹوپی پہنکر ہر دربارِ حسینی میں یعنی ہر غریب و امیر کی مجلس میں جاتا ہوں وہی پہنکر حسین آباد میں پڑھونگا۔ اپنی وضع نہیں بدل سکتا۔ ناظرین! سلسلۂ کلام کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ اب میں پھر میر ضمیر کا باقی حال لکھتا ہوں۔ میر ضمیر وہ شخص ہیں جو کسی غزل گو شاعر سے کبھی نہیں دبے۔ غزل گویوں اور مرثیہ گویوں میں مدّت سے جلی کٹی چلی آتی ہے یہاں تک کہ اوّل الذکر گروہ نے یہ مثل مشہور کر رکھی تھی کہ بگڑا شاعر مرثیہ گو ہوتا ہے۔ انکے زمانے میں شیخ ناسخ کے لکھنؤ میں جھنڈے گڑے ہوئے تھے۔ میر خلیق مرحوم کے دو مصرعوں پر شیخ صاحب نے ایک تہذیب کے پیرایہ میں اعتراض کیا کہ وہ (خلیق بھی مصحفی کے شاگرد تھے۔ وہ دونوں مصرعے یہ ہیں (۱) اکبر علی اللہ نگہبان تمہارا (۲) لیلاف پڑھا جبکہ اُسے دودھ پلایا۔ پہلے مصرع پر یہ ایراد تھی کہ علی اکبر نام تھا۔ اکبر علی نام تھا۔ یہ سچ ہے مگر اُس زمانہ تک افسردہ وگدا وغیرہ کے مرثیوں میں اکبر علی نظم ہے۔ دوسرے مصرع میں آیۂ قرآن کا لفظ غلط نظم ہے۔ گو عام لوگ خصوصاً عورتیں لیلاف بولتی ہیں۔ پہلے مصرع کو یوں بدلا ع پیارے مرے اللہ نگہبان تمہارا۔ دوسرے کو یوں تبدیل کیا ع پڑھ پڑھ کے لِایلاف اُسے دودھ پلایا۔ اور ساتھ اُسکے یہ بھی کہدیا کہ میر خلیق نے بھی یونہی کہا ہوگا۔ باقی دو مشہور اُستاد مرزا فصیح و مرزا وِلگیر ناسخ مرحوم کے شاگردوں میں داخل ہو گئے تھے۔ مگر میر ضمیر پر اُنکی کثرتِ معلومات کے سبب سے شیخ صاحب کو جرأت نہ ہوئی کہ کچھ اعتراض کرتے۔ میر ضمیر نہایت حاضر جواب شاعر تھے۔ آخر زمانہ میں نظم کے ساتھ نثر پڑھنے کا بھی ڈھنگ اختیار کر لیا تھا۔ چند بند یا چند شعر سلام کے پڑھکر چند ایسے مُسکی فقرے پڑھتے تھے کہ آنِ کا مجلس

حاصل ہو جاتا تھا جب مختصر پڑھنے کا موقع ہوتا تھا تو یہی معمول کر لیا تھا۔ اُن کی نثر بھی سیدھی سادی مگر موثر ہوتی تھی۔ بڑے خوش نصیب تھے کہ زمانہ بھی موافق پایا۔ شاگرد بھی ایسے کامل پائے جو اُنکی زندگی ہی میں اُستاد مان لیے گئے جیسے مرزا دبیر مرحوم۔ میر انیس مغفور۔

میر انیس صاحب کی شاگردی سے اُنکے شاگردوں کو انکار ہے مگر اس روایت سے جو میں نے معتبر اور معمر آدمیوں سے لکھنؤ میں سُنی ہے اُسکی تصدیق و توثیق ہوتی ہے۔ قطع نظر اسکے جب یہ بات مسلّم ہے کہ رزم و سراپا اور منبر پر بتانے کے موجد میر ضمیر صاحب ہیں اور میر صاحب نے رزم و سراپا بھی کہا اور منبر پر ہاتھ اور چشم و ابرو سے برخلاف اپنے والد و اُستاد میر خلیق مرحوم کے بتایا بھی تو شاگرد معنوی ہو گئے جیسا کہ میر ضمیر صاحب کا دعوے مشہور ہے ؎ دس میں کہوں سو میں کہوں یہ ورد ہے میرا۔ اس طرز میں جو جو کہے شاگرد ہے میرا۔

بہرحال۔ وہ روایت یہ ہے کہ جب میر ضمیر صاحب نے بعہد واجد علی شاہ مرحوم بادشاہ اودھ غالباً ۱۲۷۲ھ میں انتقال فرمایا تو اُنکے سوم کی مجلس میں تمام اہل کمال و اہل علم کا مجمع تھا۔ برابر برابر تین اُستاد مرثیہ گو مسلّم الثبوت بیٹھے ہوئے تھے (۱) میرزا دبیر (۲) میر انیس (۳) آغا عشق۔ آغا عشق مرحوم میر ضمیر صاحب کے داماد تھے مگر شیخ ناسخ مرحوم کے یہ خود اور انکے والد مرحوم محمد میرزا صاحب انس شاگرد تھے۔ کبھی میر ضمیر صاحب سے شادی کے بعد اصلاح نہ لی تھی۔ میر ضمیر صاحب کے بھانجے میر تفضل حسین صاحب ابر اور بعض اعزہ نے ان تینوں صاحبوں سے کہا کہ اب آپ صاحب جن کو چاہیں پڑھوا دیں۔ جناب میر انیس مرحوم نے فرمایا کہ حق تو جناب میرزا صاحب کا ہے۔ جناب میرزا صاحب پڑھیں۔ میرزا صاحب کہ نہایت حاضر جواب اور صاف گو تھے بولے کہ میرا اور آپ کا دونوں کا حق ہے۔ میر صاحب نے فرمایا کہ اچھا یوں بھی سہی تو آپ کا حق مرجح ہے اور میں عرض کرتا ہوں کہ آپ ہی پڑھیں۔ آغا عشق مرحوم کا حق اس لیئے نہ سمجھا گیا کہ وہ دوسرے خاندان کے شاگرد تھے ورنہ وہ بھی انیس و دبیر کی ٹکر کے تھے۔ مگر نہ اُن سے کسی نے اسی وجہ خاص سے پڑھنے کو کہا نہ وہ کچھ بولے۔ میرزا صاحب نے میر صاحب کے جواب میں کہا کہ بہتر ہے میں تعمیل ارشاد کرونگا۔ میر تفضل حسین صاحب نے کہا تو آپ اجازت دیں کہ میں پیشوائی کے طور پر کچھ قطعات پڑھوں جو میں نے فی البدیہہ کہے ہیں۔ میرزا صاحب نے فرمایا بسم اللہ! میر ابر صاحب منبر پر گئے اور گریاں ہو کر یہ قطعات پڑھے ؎ (۱)

رونق فزائے معنیٔ رنگیں بیاں اُٹھا — سرتاج شاعرانِ فصیحِ جہاں اُٹھا
پژمردگی سی گلشنِ مضموں پہ چھا گئی — جب سے ضمیر بلبلِ ہندوستاں اُٹھا

(۲)

جب سیّد ضمیر نے جامِ اجل پیا — دل نے خیالِ مصرعِ تاریخ کا کیا
آئی ندا یہ غیب سے اے آبر کان میں — دستِ اجل نے پیرہنِ آخرت سیا
۱۲۴۲

لفظ آخرت سیا سے ۱۲۴۲ ہجری نکلتے ہیں۔ یہ نظم مجھے والدِ مرحوم کے قلم کی لکھی ہوئی اُن کے کاغذات سے ملی ہے۔ اور یہ واقعہ وہ جناب اور میرزا آوج مرحوم اور اَور بزرگ بیان فرماتے تھے۔ اور نیز ذیل میں جو رباعی مصنفۂ جناب میرزا دبیر مرحوم لکھونگا وہ اُن بزرگوں سے سُنی تھی اور میرے کرم فرما جناب نواب پیارے صاحب قبلہ رئیسِ شمس آباد نے میر صفدر علی صاحب شاگرد میر ضمیر مغفور سے ایک زمانہ میں سُنکر ایک بیاض میں لکھوا لی تھی۔ وہ اُن جناب نے مجھے لکھکر بھیجی ہے۔ وہ رباعی یہ ہے جو مرزا صاحب نے میر آبر کے بعد اسی مجلس میں پڑھکر مرثیہ پڑھا تھا ؎

آفاق سے اُستادِ یگانہ اُٹھا — مضموں کے جواہر کا خزانہ اُٹھا
انصاف کا نوحہ ہے یہ بالائے زمیں — سرتاجِ فصیحانِ زمانہ اُٹھا

افسوس میرے پاس اُس زمانہ کے شعراء کے دیوان نہیں ہیں اگر ہوتے اور کسی میں میر ضمیر صاحب کی تاریخ وفات ملتی تو وہ لکھتا۔ اب میں اس زمانہ کے ایک مورّخِ بے عدیل جناب حافظ سیّد عبد الجلیل صاحب جلیل مرحوم کا قطعۂ تاریخ لکھتا ہوں۔ اِن جناب نے میرے کہنے سے یہ بے مثل قطعہ لکھکر مجھے کوٹہ بھیجا تھا۔ اور پھر ۲۳ ستمبر ۱۹۱۴ء کے اخبار اثنا عشری میں چھپوا بھی دیا تھا۔ حافظ صاحب نے افسوس کہ اسی ۱۹۲۱ء میں تخمیناً ستّر سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ نہایت ذی علم۔ ذکی طبّاع شخص تھے۔ قریب قریب تمام تفاسیر پر عبور تھا۔ اور ہر آیت کے معنی اہلبیتؑ کی تفسیر کے موافق ازبر تھے۔ مادّۂ تاریخ منٹوں میں کہتے تھے۔ میں نے انکی تاریخ کا جو قطعہ کہا ہے وہ بھی اخبار اثنا عشری دہلی میں چھپا ہے۔ مادّہ سالِ ہجری میں یہ شعر ہے ؎

ہجری سنین میں جو ہو درکار مادّہ — بے ساختہ علیؑ کا ثناخواں رقم کروں

عیسوی سال کی نسبت عرض کیا ہے ؎

تاریخ عیسوی ہو جو مطلوب صاف صاف
معنی شناس حافظِ قرآں رقم کروں
۱۹۲۱ء

خیر اب جلیل مرحوم کی بے عدیل تاریخ سُنیئے۔

قطعۂ تاریخ ارتحال سیّد مظفر حسین صاحب مرحوم متخلص ضمیر لکھنوی

موجد طرز مرثیہ گوئی

مرا دوش اتفاقاً از نظر بگذشت تاریخے
کہ می گوید مصنف بہر آرام شہ ذیشاں

سرو سردارِ دہر اہلِ کمال و مالکِ عادل
بطرزِ خوب و خوش اسلوب و خوش انداز خوش عنواں

زبر و زبینہ از ہر دو صورت سال شد بتین
ولے چوں بیدشد زیں شعر نخوت جسم من لرزاں

کسے گر زیں نمط شعرے تواند گفت بسم اللہ
بشاگردیٔ او خط می دہم در حضرتِ خاقاں

ہر آں کو ساغرِ غفلت کشد ہرگز نمی داند
کہ افضل بعض از بعض کردستی ایزدِ منّاں

ہماندم یا علیؑ بے ساختہ از لب بروں آمد
ہمیں ہنجار را از فیضِ خاصِ او شدم جویاں

چناں ایں قطعۂ تاریخ موزوں کرد طبعِ من
کہ از غیرت فرو بارید چشمِ ساغرِ باراں

قطعہ

ضمیر آں مرثیہ گوئے جنابِ سبطِ پیغمبرؐ
زگلزارِ جہاں شد بہرِ سیرِ روضۂ رضواں

ز فرطِ اندوہِ ہجراں آں رنگیں سخن مارا
جگر خوں گشت و شد ہر قطرہ اش آرائشِ مژگاں

سنش در بیّنات و ہم زبر کلکِ جلیل اکنوں
نوشت افسوس از عالم سفر کرد اکمل دوراں

۱۲۷۲

بحالِ واقعی گفتم نہ در مدح است ایں مصرع
کہ داغِ نقص باشد ہمچو مہ از جبہہ اش تاباں

مادّہ صرف ان الفاظ سے نکلتا ہے "افسوس از عالم سفر کرد اکمل دوراں"

خوبی اس تاریخ میں یہ ہے کہ اگر اس تاریخ کے زبر لیں جب بھی ۱۲۷۲ ہجری نکلتے ہیں اور بیّنات لیں جب بھی ۱۲۷۲ ہی نکلتے ہیں۔ زبر سر حرف کے عدد لینے کو کہتے ہیں جیسے الف کے سر فتحہ کا ایک عدد لیا۔ اور بیّنہ باقی حروف کے عدد لینے کو کہتے ہیں جیسے الف میں سے سر چھوڑ کر لف کے ۱۱۰ عدد لیے جائینگے۔ اس گورکھ دھندے کو میں نقشہ کے طور پر تمام اعداد مصرع لیکر بتاتا ہوں تو نئی روشنی والوں کو یہ تضییع اوقات اور کوہ کندن و کاہ برآوردن معلوم ہو مگر ابھی تک ان جواہر کے جوہری

سب مرے نہیں ہیں۔ کچھ قدرشناس زندہ ہیں۔

افسوس از عالم سفر کرد اکمل دوراں

	زبر	بیّنہ
افسوس	ا ـ ف ـ س ـ و ـ س ۱ + ۸۰ + ۶۰ + ۶ + ۶۰ = ۲۰۷	لف ـ ا ـ ین ـ او ـ ین ۱۱۰ + ۱ + ۶۰ + ۷ + ۶۰ = ۲۳۸
از	ا ـ ز ۱ + ۷ = ۸	لف ـ ا ۱۱۰ ـ ۱ = ۱۱۱
عالم	ع ـ ا ـ ل ـ م ۷۰ + ۱ + ۳۰ + ۴۰ = ۱۴۱	ین ـ لف ـ ام ـ یم ۶۰ + ۱۱۰ + ۴۱ + ۵۰ = ۲۶۱
سفر	س ـ ف ـ ر ۶۰ + ۸۰ + ۲۰۰ = ۳۴۰	ین ـ ا ـ ا ۶۰ + ۱ + ۱ = ۶۲
کرد	ک ـ ر ـ د ۲۰ + ۲۰۰ + ۴ = ۲۲۴	اف ـ ا ـ ال ۸۱ + ۱ + ۳۱ = ۱۱۳
اکمل	ا ـ ک ـ م ـ ل ۱ + ۲۰ + ۴۰ + ۳۰ = ۹۱	لف ـ اف ـ یم ـ ام ۱۱۰ + ۸۱ + ۵۰ + ۴۱ = ۲۸۲
دوراں	و ـ و ـ ر ـ ا ـ ن ۴ + ۶ + ۲۰۰ + ۱ + ۵۰ = ۲۶۱	ال ـ او ـ ا ـ لف ـ ون ۳۱ + ۷ + ۱ + ۱۱۰ + ۵۶ = ۲۰۵
	میزان = ۱۲۷۲	۱۲۷۲

میر ضمیر صاحب فارسی زبان میں بھی شعر کہتے تھے۔ چنانچہ اُن کا ایک مسدّس مرثیۂ انکے کلیات مطبوعہ نولکشوری میں صفحہ ۲۱ پر موجود ہے جسکا مطلع یہ ہے ؎ چوں آفتاب صبح شہادت بلند شد۔ اس مرثیہ کے آخر میں ایک فارسی نوحہ بھی ہے جس کا مطلع ہے ؎ رفتی زجہاں برلب کوثر علی اکبر۔

میر ضمیر صاحب کے کئی فرزند ہوئے اور اُنکی زندگی میں مرگئے۔ ایک فرزند اُنکے جو غالباً اُنکے مرنے کے زمانے میں دو برس کے ہونگے۔ وہ زندہ رہے تھے۔ لکھنؤ میں انکو میں نے دیکھا تھا۔ معمولی اُردو پڑھے ہوئے تھے۔ مرثیہ پڑھتے تھے مگر کچھ تصنیف نہ کرتے تھے۔ اِنکے شاگردوں میں میرزا اکبر علی صاحب مرحوم ضمیر تخلص ریاست دھولپور میں ملازم تھے۔ خود بھی کہتے تھے اور بالکل میر ضمیر صاحب کے انداز سے مرثیہ پڑھتے تھے۔ مصرع

پر مضمون کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔ بہت بتاتے تھے۔ ایک میر عباس صاحب وقار لکھنؤ میں تھے جو آخر میں میر ضمیر صاحب کے مرنے پر مرزا دبیر مرحوم کے شاگرد ہو گئے تھے اور ایک بزرگوار خاندان اجتہاد میں سید حسن عسکری صاحب بھی میر ضمیر مرحوم کے شاگرد تھے۔ یہ مرثیہ خوب کہتے تھے مگر خود نہ پڑھتے تھے۔ نانا مرحوم (میر محمد رضا صاحب ظہیر) انکے مرثیے پڑھتے تھے۔ یہ بھی اپنا کلام میر ضمیر صاحب کے بعد مرزا دبیر مرحوم کو دکھاتے تھے۔ ان سب صاحبوں کی زیارت میں نے کی ہے افسوس ان اہل کمال کی تصویر وں کا المیعوث نے غائب کر دیا۔ ان صاحبوں کے علاوہ میر ضمیر صاحب کے ایک ذی علم شاگرد میر امید علی صاحب امید تھے جو عہد امجد علی شاہ مرحوم میں شاہی فوج کے میر منشی تھے۔ حضرت حیدری اردو میں انکی مثنوی علاوہ مرثیہ و سلام کے ہے۔ انکے پوتے میرے کرم فرما میر طالب حسین صاحب طالب شاگرد حضرت اوج مرحوم ساکن لورپور تحصیل اکبر پور ضلع فیض آباد ایک نہایت اچھے ذاکر و مداح ہیں۔ وہ فرماتے تھے کہ امید مرحوم و مرزا دبیر صاحب یکرنگ دوست تھے اور لکھنؤ میں معتبر و معمر صاحبوں سے سنا گیا کہ منشی مظفر علی خاں صاحب اسیر مرحوم بھی مرثیہ میں میر ضمیر مرحوم کے شاگرد تھے۔

مشیر شیخ گوہر علی صاحب مرحوم

یہ مشہور مرثیہ گو شاعر۔ مرزا دبیر مرحوم کے شاگرد رشید تھے۔ غزل۔ قصیدہ۔ مثنوی۔ سلام۔ مرثیہ وغیرہ سب کہتے تھے۔ ان کے بہت شاگرد تھے اور یہ بڑے پرگو شاعر تھے[۱]

ان کا سال ولادت و وفات معلوم نہو سکا مگر ۱۲۹۰ھ کے قریب قریب سنا ہے کہ انتقال فرمایا۔ غالباً ۶۰۔ ۷۰ برس کے درمیان عمر پائی۔

---

[۱] داروغہ میر واجد علی تسخیر مرحوم اور سنا گیا ہے کہ میر محمد زکی مغفور بلگرامی بھی پہلے انہی کے شاگرد تھے۔ پھر مرزا صاحب مرحوم کے شاگرد ہوئے۔ تذکرہ سراپا سخن کے صفحہ ۲۰۴ پر شاہزادہ دہلی قیصر مغفور کے بیان میں لکھا ہے "آقائے نامدار شاہزادہ والاگوہر۔ مرزا محمد خورشید قدر بہادر خلف اکبر مرزا محمد آسماں قدر بہادر مغفور ابن مرزا محمد خورم بخت ابن مرزا جہاندار شاہ بہادر۔ مشورۂ سخن گوہر علی مشیر مرثیہ گو سے اتفاقاً ہوتا ہے اس واسطے کہ بہ سبب سیر و تصنیف کتب تاریخ فکر شعر کم کرتے ہیں۔ یہ غزل بعد مدت اس تذکرہ کے واسطے فرمائی ہے"۔ (اسکے بعد ایک غزل لکھی ہے جسکا یہاں لکھنا ضرور نہیں ہے) اس سے پایا جاتا ہے کہ اس زمانے کے بڑے بڑے ذی علم شاہزادے اور شرفا مشیر مرحوم کے شاگرد تھے ۱۲

ازبسکہ میر ضمیر صاحب کی نصیحت تھی کہ ہجو کسی مرد مومن کی نہ کرو۔ اور خود میر ضمیر صاحب کے مزاج میں اپسی شوخی تھی کہ گویا سودا انشائے وہ بالکل جواب تھے۔ آزاد مرحوم آب حیات میں لکھتے ہیں کہ میر ضمیر عربی و فارسی میں استعداد کامل رکھتے تھے۔ نہایت متقی و پرہیزگار رتھے۔ تعجب یہ ہے کہ اسکے ساتھ طبیعت میں شوخی و ظرافت بھی اتنی رکھتے تھے کہ گویا سودا کی روح نے حلول کیا تھا۔ بہرحال اس ظرافت طبع نے یہ جدت پیدا کی کہ قاتلان آل محمدؐ کی مذمت نظم کرنے کا طریقہ نکالا۔ اور اس کا نام بھی انہوں نے مرثیہ کو رکھا پر ہرسیہ رکھا۔ لکھنؤ میں یکم محرم سے ۸ ربیع الاول تک لگاتار مجالس غم ہوتی رہتی تھیں۔ اسکے بعد شعر مشہور ذیل پر عمل ہونا لازمی تھا ؎

در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست　　مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

۸ ربیع الاول کو گیارھویں امام (حسن عسکریؑ) کی وفات ہے۔ ۹ ربیع الاول کو ایک تو یہ عید ہے کہ بارھویں امام (حضرت امام مہدیؑ) خلیفہ و امام ناطق مسند نشین امامت ہوئے۔ دوسری خوشی (سونے میں سہاگہ) عمر ابن سعد قاتل امام حسینؑ کا قتل ہونا ہے جیسا کہ تواریخ شیعہ سے ثابت ہے۔ پس یہ عید شاہی زمانہ میں (لکھنؤ میں) بڑی دھوم دھام سے ہونے لگی رنج کے بعد جو خوشی ہوتی ہے اسکی کیفیت ظلم رسیدوں کے دلوں سے پوچھیے۔ اس عید میں میر ضمیر صاحب نے اول اول ہرسیہ کہکر پڑھا۔ انکی تقلید اول مرزا دبیر نے اور پھر میر انیس وغیرہ اوروں نے کی۔ جب مشیر مرحوم مرزا دبیر صاحب کے شاگرد ہوئے۔ انہوں نے بہت سے مرثیے کہے[1] مگر زمانے کے رنگ کو جو دیکھا تو سوچے کہ استاد کے آگے رنگ جمنا مشکل ہے۔ یہ ایک اتفاقی بات یا تائید خدا تھی کہ میر ضمیر صاحب کی موجودگی میں مرزا دبیر استاد مان لیئے گئے۔ انہوں نے ساری طاقت ہرسیہ پر صرف کردی اور ہرسیہ میں بہت سے ایجاد کیئے اور اسکو معراج کمال پر پہنچایا۔ مرثیہ میں تو دبیر و انیس دو بالمقابل استاد مانے جاتے تھے مگر ہرسیہ میں مشیر کے مدمقابل بننے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔

صنعت (مراعات النظیر) رعایت لفظی کی انہوں نے بھی مثل امانت مرحوم کے بڑھائی۔ ان کے ہرسیوں میں

---

[1] دو مرثیے بھی انکے بہت مقبول و مشہور ہیں (۱) دریائے فیض فاطمہؑ کا نور عین ہے (۲) دم بھرتے ہیں مسیح و لائے حسینؑ کا۔ مرثیۂ دوم میں ساری کامجزہ نظم کیا ہے جو احمد آباد گجرات کے قریب ہوا تھا اور جس کو جناب مفتی میر عباس صاحب (اعلے اللہ مقامہ) نے بھی مثنوی بیت الحزن و صحن چمن میں نظم فرمایا ہے۔ اور بھی شعرا جناب آغا عشق مرحوم و سلیس مرحوم نے نظم فرمایا ہے۔ مرثیۂ اول دریائے فیض الانہیں نے اس جلد میں نقل کیا ہے۔ جو غالباً اسکی دوسری جلد میں آپ کو ملیگا۔

زمانۂ شاہی کے اکثر صاحبان کمال کا ذکر جا بجا ہو پس ایک تذکرہ نویس کو اور نیز ایسے شخص کو جو زبان لکھنؤ کے الفاظ کا لغت تیار کرنا چاہے مشیر کے ہر سیوں سے بہت سے محاورے اور حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اُن میں ایک کمال یہ بھی ہے کہ مختلف قوموں۔ مختلف فرقوں۔ مختلف اہلِ پیشہ کی اصطلاحیں کثرت سے نظم کرتے ہیں۔ پروفیسر شہباز مرحوم نظیر مغفور کی سوانح عمری کے صفحہ ۳۳۶ پر ضمنِ ابہام کے بیان میں لکھتے ہیں کہ "امانت نے اسکو اچھی طرح برتا ہے اور مشہور ہاجی مرثیہ گو مشیر کے ہاں بھی اسکا برتاؤ کسی قدر پایا جاتا ہے اور جس قدر ہے شوخی کے ساتھ ہے۔

ایجاد ساقی نامہ کا بھی مشیر مرحوم کے سر سہرا ہے۔

اُردو مسدّس میں ساقی نامہ کے موجد مشیر مرحوم ہی ہیں۔ اور ساقی نامہ بھی لاجواب کہا ہے۔ از بسکہ یہ مشیر کا ایجاد خاص تھا۔ میر و مرزا نے کبھی ساقی نامہ نہیں کہا۔ یا یہ سبب تھا کہ مشیر نے ہر سیہ میں ساقی نامہ کہا تھا۔ ہر سیہ کے لیئے ساقی نامہ وہ موزوں سمجھتے تھے۔ مرثیہ میں کچھ مناسب نہ سمجھتے تھے کہ ساقی نامہ عیش و عشرت کی علامت ہے اور مرثیہ اسکی ضد۔ مگر ہمارے زمانہ کے (قریباً) سب مرثیہ گو ساقی نامہ (مسدّس) مرثیہ میں کہتے ہیں اس لیئے (ڈنکہ کی چوٹ کہتا ہوں کچھ مجھ کو ڈر نہیں) کہ یہ سب مرثیہ گو مشیر مرحوم کے متبع ہیں[۱]۔ اب مشیر کے ساقی نامہ کے دو تین بند بھی سُنا دوں۔

ساقی نامہ

امسال ساقیا مجھے عنقا شراب دے — شاہانہ ہے مزاج ہما کے کباب دے

---

[۱] پروفیسر شہباز کے علاوہ سید احمد صاحب مرحوم مؤلف فرہنگ آصفیہ نے بھی کتاب مذکور میں پینے گردانے کا لغت جہاں لکھا ہے ایسا اشارہ کیا ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ لغت اس معنی خاص (جماع) پر اوّل اوّل مشیر مرحوم نے کہا پھر اور لوگ بولنے لگے۔ مشیر مرحوم کا وہ مشہور شعر ایک طالبعلم کے ذکر میں یہ ہے ماضی ہونگے حال نہ پہچانے جائینگے ۔ دس مہینے ایک رات میں گزرانے جائینگے۔ مولوی شبلی صاحب نے بھی سُنا ہے کہ مشیر کے ہر مہینے منگوا کر پڑھے تھے۔ بہرحال مشیر مرحوم کی ظرافت نے ایسا دلوں پر سکّہ جمایا ہے کہ علاوہ شیعوں کے اور لوگ بھی اسکو پڑھتے ہیں ۱۲ ثابت [۲] میں خود بھی مرثیہ میں ساقی نامہ کہتا ہوں۔ اور میری دلیل یہ ہے کہ جب مرثیہ تمام اصنافِ سخن کا جامع ہے تو ساقی نامہ بھی ایک صنف سخن کی ہے۔ ساقی نامہ لڑائی کے موقع پر کہنا بیجا نہیں مگر ہاں کوئی اشارہ مرثیت کا ہونا لازم ہے۔ مثلاً میرے ساقی نامہ کے ایک بند کی ٹیپ ہے ؎ ترے نبی کے نواسے کا مدح خواں ہوں میں ؛ لبِ فرات کے پیاسے کا مدح خواں ہوں میں ۱۲ ثابت

بہر خدا بڑھاپے میں زورِ شباب دے　　اک دن تو آفتاب شبِ ماہتاب دے

ناحق خیالِ عرصۂ امید و بیم ہے
میں جس کا بندہ ہوں وہ غفور الرحیم ہے

تو اپنے[۱] ایک جام پہ نازاں ہے ساقیا　　چودہ[۱۴] پلانے والے ہیں پروا ہے مجھ کو کیا
بتلائے دیتا ہوں تجھے میخانوں کا پتا　　بطحاؔ کا مطمئن و خرآسان و سامرا

خورشیدِ مدعا مرا برجِ شرف میں ہے
اک کربلا میں اک مرا ساقی نجف میں ہے

اچھا تو اب دو تین بند اور بھی ساقی نامۂ مشیر کے سنا دوں۔ دیکھئے مفلسی کی حالت میں آرزوؤں کا خون ہونا کس طرح بیان فرماتے ہیں۔ اللہ اللہ کیسا موثر کلام ہے۔

اللہ ہے غفور شک اس میں نہیں ذرا　　لیکن شراب ہم کو میسر کہاں بھلا
زر تا ہے جنابِ الٰہی پہ ہم فدا　　کھانا تو خیر ملتا ہے پینا مگر کجا

عسرت میں ولولوں کی چڑھائی اتر گئی
افسوس، نامراد جوانی گزر گئی　　واہ۔ واہ۔

ساقی چڑھا ہے نشۂ حبِّ علیؑ مجھے　　وہ پھول دے کہ ہو نہ کبھی بے کلی مجھے
بھٹی کلال کی نہیں لگتی بھلی مجھے　　ہاں ساقیا دکھا دے نجف کی گلی مجھے

شائق ہوں اُس درِ حرمِ بوترابؑ کا
بنتا ہے جس زمین پہ سرکہ شراب کا

بہرِ خدا پلا دے کوئی جامِ دل فزا　　نشہ میں پڑھ دوں حیدرِ کرّار کی ثنا
شربِ مُدام تو جو نہ دے گا تو ہو گا کیا　　شربہ ہے خاکِ پاک کا مُنہ کو لگا ہوا

اولادِ بوتراب پہ دل سے فدا ہوں میں
اُس سرزمیں کی خاک کا پُتلا بنا ہوں میں

---

[۱] یہ بند بہت مقبول ہے اس میں تمام مقامات متبرکہ جن میں حضرات معصومین مدفون ہیں آ گئے۔ بندش و زبان چست و درست ہے مقبول الخلق رہے کہ بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ بعض سوزخواں بھی پڑھتے ہیں نادر صاحب مشہور سوزخواں اسکو خوب پڑھتے ہیں میں نے خود سنا ہے ۱۲

اچھا ایک بند منقبت میں بھی سن لیجیے۔ جناب امیر خانۂ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ اسکی نسبت فرماتے ہیں۔

نامی ہے نام نائب خیر الانام کا — مالک ہے کارخانۂ ربِّ کرام کا
مولد ہے کعبہ حیدرِ عالی مقام کا — گھر میں خدا کے نعل گڑا ہے امام کا

ہم کو حدیثِ مصطفوی خوب یاد ہے
املاکِ لاولد کا محق خانہ زاد ہے

اس مرثیہ کا ایک بند ذیل بھی سن لیجیے جس سے یہ پتہ ملتا ہے کہ مشیر مرحوم کو دربار شاہ اودھ سے پچیس[۲۵] روپیہ ماہوار ملتے تھے۔ اوپر کیمیا کا ذکر فرما چکے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بونٹی بھی ڈھونڈھ کر لائے تھے مگر کیمیا نہ بنی۔ پارہ کسی کی مستی میں اُڑ گیا۔

پارہ جو اُڑ گیا تو اُڑے اضطراب کیا — یہ بادشاہِ وقت سلامت رہے سدا
گھر بیٹھے کیمیا یہاں بنتی ہے دائما — ہے بارہ آنے روز کا نسخہ بندھا ہوا

نواب کی سلامتی یاں ہم مناتے ہیں
پچیس[۲۵] روپے وزیر خاں کی عنایت سے پاتے ہیں

صنعت مراعات النظیر یعنی رعایت لفظی و محاورہ بندی کا لطف انکی ہر سیوں میں ہے۔ جلوۂ خضر (تذکرۂ شعراء) میں انکے دو بند لکھے ہیں میں بھی اسی موقع کے چار بند لکھنا چاہتا ہوں۔ قصہ یہ نظم کیا ہے کہ ایک ایرانی سے ایک ہندوستانی عورت کی شادی ہوئی اور نہ بنی۔ اب عورت مجسٹریٹ کے روبرو گئی اور استغاثہ کیا کہ اُس کا شوہر تمام زیور و لباس چرا لے گیا۔ اس موقع پر کہتے ہیں۔

قاضی بھی دیکھتے ہی ہوئے اُسکے مشتری — سُنیئے کہ روبکاری ہوئی پہلے رنڈی کی
وہ بولی صدقے جاؤں مصیبت سُنو مری — مستی ملک نہ دی مجھے لوٹا دھڑی دھڑی

گہنا تمام لے گیا۔ بلبوس لے گیا

---

[۱] پچیس بروزن فعلن پڑھیئے۔ یائے تحتانی اسمیں نہیں ہے یوں بھی بولتے تھے اور بولتے ہیں۔ اور پچیس بروزن مفعول بھی بولتے ہیں۔ اور اب زیادہ یہی بولتے ہیں ۱۲ [۲] میر نواب علی صاحب بالواسطہ شاگرد مشیر مرحوم کی زبانی معلوم ہوا کہ پہلے پہل مشیر مرحوم کی قدر افزائی نواب میرزا حیدر صاحب نیشاپوری نے فرمائی تھی۔ انکی سرکار سے بھی مشیر مرحوم کو کچھ وظیفہ مدت تک ملتا رہا تھا۔ نواب صاحب موصوف خود جوہر قابل تھے اور کاملوں کے قدر شناس و محسن بھی تھے ۱۲

ہاتھوں کی چوہے دنیاں تک محوس لے گیا

چوڑی کا حال صاف بتانا مجھے پڑا — سُنتی ہوں شہ چھڑا کی گلی[1] میں کڑا بکا
گل کھانے کے لیئے مرا چھلا ہرا کر لیا — آئینہ گھر سے لے گیا یہ صورت آشنا

ہتیائے کنگن۔ ایسے یہ مُغلے شریر ہیں
جوشن لیئے۔ گواہ صغیر و کبیر ہیں

دم دُھکدھکی میں ہے کہوں جگنو کا حال کیا — گو گل مچایا کی وہ مرا طوق لے اُڑا
نتھ ناک سے اُتار لی مُنہ کیل کر مرا — اور چھپکا دیکے سونے کا تعویذ بھی لیا

لے بھاگا ڈھولنا مرا قرآن کی قسم
انگشتری چرائی سلیمان کی قسم

کیا کیا میں تڑپی بجلیوں کے واسطے میاں — ہالا بتا کے لے گیا بچپن کی بالیاں
پتے مرے اُتار لیئے آگئی خزاں — بچپن اننت رام کے ہاتھوں وہ انتیاں

سب چیز بست باندھکے بستے میں لے گیا
موتی کے جھمکے پانی برستے میں لے گیا

اب مراثی کا رنگ ملاحظہ فرمایئے۔ سُناری کا مشہور معجزہ ہی جو احمد آباد گجرات کی طرف ہوا تھا۔ اُس زمانے کے اکثر شاعروں نے اس معجزے کو نظم کیا ہے۔ فارسی میں مجتہد العصر شمس العلماء سید محمد عباس شوشتری لکھنوی اعلی اللہ مقامہ فی الجنان نے دو مثنویوں میں نظم فرمایا ہے۔ ایک مثنوی کا نام بیت الحزن دوسری صحن چمن ہے۔ اُردو میں میر حسین میر عشق مرحوم نے اور میر محب علی صاحب سلیس مغفور۔ اور شیخ گوہر علی مشیر مہرور نے مسدس کے طور پر نظم کیا ہے۔ حضرت عشق کا مسدس اُنکی چھپی ہوئی جلدوں میں اور سلیس مغفور کا چھپا ہوا مرثیہ میں نے دیکھا ہے اور میں نے اُسکو بھی نقل کر لیا تھا جو شاید ہزاروں مرثیوں میں مخلوط ہے۔ مشیر مرحوم کے مرثیہ کا مطلع یہ ہے ؎ دم بھرتے ہیں مسیح دلائے حسینؑ کا۔ معجزہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک سُناری باعفت تھی اُس پر ایک نام کا مسلمان عاشق ہوا اور جبکہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ جا رہی تھی یہ ناہنجار بد اطوار ایک رفیق کو ساتھ لیکر چلا۔ راہ میں دیکھکر اُس نے اپنے شوہر سے

[1] لکھنؤ میں شہ چھڑا کی گلی ایک مشہور محلہ ہے ۱۲ مؤلف

کہدیا کہ تو کہیں چھپ جا۔ وہ بدکار آپہنچا۔ وہ چھپ گیا۔ اُس فاسق نے عورت کو ڈرایا اور کہا کہ تیرے ساتھ کون تھا۔ اور اب وہ کہاں ہے۔ اُس نے کہا تو اُن امام حسینؑ کو ضامن دے کہ اُسکو ضرر نہیں پہنچائیگا جن حسینؑ کے آجکل تعزیئے رکھے جاتے ہیں۔ اُس نے ضامن دیا۔ مگر عورت کے آواز دینے اور اُس کے شوہر کے نکل آنے پر تلوار سے اُسکا سر کاٹ لیا۔ سُنار ی روئی چلائی اور حضرت امام حسینؑ کا نام لیکر پکاری اور ایک بزرگوار تشریف لائے جن کو دور سے دیکھکر وہ دونوں شخص بھاگے۔ ایک درخت کے نیچے پہنچے تو دو رسیاں اُنکے گلے میں پڑگئیں اور اُن کے گلوں میں پھانسیاں لگ گئیں۔ وہ دونوں ہلاک ہوئے۔ اور پھر اُس سُنار کو اُن جناب نے بحکمِ خدا زندہ فرمادیا۔ وہ دونوں عورت و مرد اور اُنکے ہمقوم اکثر اسلام سے مشرف ہوئے۔

اس موقع پر میں اُسی مرثیہ کے چند بند ایسے لکھتا ہوں جن میں شیر مرحوم نے رعایتِ لفظی کا مینہ برسا کر اپنا کمال دکھایا ہے ؎

خورشید رو تھی اک زنِ زرگر پری شمیم — اُس سیمتن سے چاند خجل تھا ہر ایک دم
ڈھالی ہوئی تھی حُسن کے سانچے میں وہ صنم — کُندن سے رنگِ سُرخ نہ اک رتی بھر تھا کم
دل نازکی سے ماشہ تھا اور گاہ تولا تھا
عفت کے کانٹے میں اُسے خالق نے تولا تھا

کھوٹا نہ کوئی کام تھا جو بات تھی کھری — داغِ زنا سے رہتی تھی وہ لالہ رو بری
زرگرنی تھی نہ جانتی تھی پر وہ زرگری — جلتی تھی اپنے سایہ سے وہ غیرت پری
دل میں جِلا تھی قلب کے اندر صفائی تھی
اُس لالہ رو پہ آنچ بدی کی نہ آئی تھی

لازم ہے آبِ زر سے لکھوں اُس کا ماجرا — تقدیر میں شرف تھا جو اسلام کا لکھا
سو جاں سے شاہزادۂ بو ذر پہ تھی فدا — فضہ کی لونڈیوں میں جو کہیئے تو ہے بجا
تھا یہ چلن کنیزِ شہِ مشرقین کا
سکہ تھا نقدِ دل پہ ولائے حسینؑ کا

رعایتِ لفظی جن الفاظ میں ہے اُن پر میں نے لکیر کھینچدی ہے۔ ہر روز مرثیہ پر غور فرمائیے کس قدر موقع پر

نظم کیا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیئے اس خیال کو دماغ سے نکالدیجئے کہ رعایتِ لفظی اچھی چیز ہی یا بُری اُس زمانہ کے اکثر اہلِ علم و مجتہدین مشیر مرحوم کے کلام کو سُنتے اور عزت بڑھاتے تھے چنانچہ یہ بات لکھنؤ میں مشہور ہی کہ حضرت سلطان العلماء سید محمد صاحب اعلے اللہ مقامہ ۹ ربیع الاول کو یا اُسکے ایک دو دن بعد مشیر مرحوم کو بلا کر اُن کا کلام سماعت فرما کر کمال کی داد دیتے تھے[1] بعض مومنین تہذیب مفرط کا لباس پہنکر ایسی مجالس میں شرکت سے گریز و پرہیز کرتے ہیں۔ اُنکی نسبت جناب مولوی فدا حسین صاحب پروفیسر علی گڑھ محمڈن کالج نے جو مضمون لکھکر ماہِ مارچ ۱۹۱۵ء کے ماہوار رسالہ شیعہ (لکھنؤ ضلع سارن) میں چھپوایا ہے۔ مجھے بہت پسند ہے طول سے ناظرین ملول ہونگے۔ اس لیئے خلاصہ لکھتا ہوں۔ اس مضمون کی سرخی (ہیڈنگ) یہ ہی "قیصر جرمنی کا مجسمہ برف کا"

مولانا موصوف لکھتے ہیں کہ انسانی جذبات کا زور اُسی وقت زیادہ ہوتا ہے جبکہ اُنکی خواہشوں کا حسب دلخواہ حاصل ہونا دشوار یا متعذر ہوتا ہے۔ اگر نفرت ہے تو اُس کے اظہار کے واسطے انسان اُسی طرح مجبور ہوتا ہے جس طرح محبت کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا ..... خوب یاد رکھنا چاہیے کہ اس نفرت و محبت کا اظہار اگرچہ فطرتاً ہر فرد انسانی میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ مگر اُسکا دوام و استمرار اُسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اُس قسم کے حالات پائے جائیں جنپر اُسکا دار و مدار ہی۔ وہ واقعہ اگر عظیم ہے تو انسان بھی اُسی قدر اُسکے اظہار کی بار بار کوشش کریگا کیونکہ ایک مرتبہ کے اظہار سے اسکی پوری تشفی نہیں ہوتی .....

[1] حیات دبیر جلد اوّل کے صفحہ ۲۸۹ پر میں یہ روایت علامہ جائسی اعلی اللہ مقامہ کے ارشاد کی موافق لکھ چکا ہوں یہاں دُہراتا ہوں کہ جناب علیین مکان سید العلماء میر ن صاحب قبلہ طاب ثراہ کی مجلس سوم میں جناب میر ا صاحب مرحوم کا اشارہ جناب سلطان العلماء و سید محمد صاحب قبلہ کی حضوری میں شیخ گوہر علی صاحب مشیر نے اپنی تصنیف کا ایک مرثیہ پڑھا تھا جسمیں اول اول صفات حمیدہ و خرق عادات جناب علیین مکان کی نظم کیئے تھے مطلع اُسکا یاد نہیں البتہ ایک شعر یاد ہی جس موقع پر میر ن صاحب کے غم میں سلطان العلماء کی اشکباری کی تصویر کھینچی ہی اُس مقام پر کہتے ہیں ؎

آنسو رواں تھی غیرتِ الیاس کے لیئے ۔ شبنم رو ئے تھی عباس کے لیئے۔ خاندانِ اجتہاد نے اس مرثیہ کی یہ قدر دانی فرمائی تھی کہ یہ مرثیہ ایک بیاض میں نقل کر کے کتب خانہ جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب قبلہ میں بحفاظت رکھا گیا تھا اور تمام علمائے کرام نے اس نظم کو پسند فرمایا تھا۔ یہ امر بھی فضیلت جناب مرزا صاحب کی ایک روشن دلیل ہی کہ اُنکو ایک شاگرد کی بھی اہل علم میں اس قدر عزت کیجاتی تھی! بات تو اور بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب مرثیہ سنتے سنتے دن ہی ہو گیا مشیر مرحوم نے پورا مرثیہ کہکر مجمع علما و شعرا و اہل کمال میں پڑھ دیا تو اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہی کہ مشیر مرحوم کی طبیعت میں روانی و آمد اعلے درجہ کی تھی کہ صرف دو روز میں اتنا بڑا مرثیہ کہکر پڑھ دیا۔ ہر شاعر کو یہ بات نصیب نہیں۔ یہ خدا کی دین ہے ۱۲ ثمامت

فی الحال قیصر جرمن نے جو تمام عالم کو پُر آشوب بنا رکھا ہے۔ لاکھوں گھر دنیا میں اس جنگ سے بے چراغ کر دئے بلاوجہ یورپ جیسی سرزمین کے امن عام کو جسکی وجہ سے تمام جہان میں سکون و آرام تھا۔ خلل عظیم پہنچایا ہے۔ اُس سے نفرت کرنیوالے قیصر مذکور کا مجسمہ بنا کر اظہارِ نفرت کرتے اور انتقام لیتے ہیں۔ چنانچہ ٹائمز آف انڈیا ۱۴ مارچ سنہ حال میں ایک تصویر دی گئی ہے۔ بیچ میں قیصر کا مجسمہ رکھا ہے۔ ہر طرف سے لوگ خوش ہو ہو کر اسکو بید ردی سے مار رہے ہیں۔ اور اُسکے بدن کو اس طرح نوچ رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھال کے روئیں روئیں کو جُدا کرنا چاہتے ہیں۔ کیا کوئی عقلاً اُن کو ملامت کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ مخصوص صفت ہے جو انسان کو دیگر حیوانات سے ممتاز بناتی ہے۔ اگر وہ اس سے باز رہیں یا کمی کریں تو اُنکی انسانیت میں اُسی انداز سے کمی یا نقصان ظاہر کریگا۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شیعہ جو ہر روز نہم ربیع الاوّل قاتلان آل محمدؐ کے اظہارِ نفرت میں بعض اعمال بجالاتے ہیں وہ کہاں تک اپنی تکمیلِ انسانیت کا ثبوت دیتے اور قابل مدح ہیں۔ گائے فاکیس کا پُتلا اب تک انگلستان میں ۵ نومبر کو ہر سال لڑکے بنا کر اُسے آگ لگاتے ہیں۔ یہ رسم اب تک اتنی بڑی شائستہ قوم میں جاری ہے۔ اس قوم کے بزرگ اگر اُسے ناجائز سمجھتے تو اپنے لڑکوں کو ضرور اُس سے باز رکھتے۔ گائے فاکیس کی یہ خطا تھی کہ اُسنے ہاؤس آف کامنز کو بارود سے اُڑا دینا چاہا تھا۔ کیونکہ وہ قوم کا ترقی خواہ نہ تھا۔ اس لیئے اب تک اُسکی ذلّت کی یادگار قائم رکھی جاتی ہے۔ پس اگر شیعہ بھی اپنے اعدائے دین قاتلانِ آلِ محمدؐ کی ویسی ہی خدمت کرتے ہیں تو کیا بُرا کرتے ہیں۔ اُنکو بدخواہ قوم سمجھتے ہیں۔ ہجو یا مدح کرنا بھی انسان کے انہی جذبات کو ظاہر کرتا ہے۔ حضرت مشیر مرحوم نے دشمنانِ دین کی ہجو کو اپنا مقدس وظیفہ قرار دے لیا تھا بعض حضرات تہذیب مفرط کا لباس پہنکر سب و شتم اعدائے دین کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حسن و قبح عقلی کے مسئلہ سے کسی قسم کا تعلق ہی نہیں ہے جسکی طرف ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں شرعاً بھی جہاں تک مجھے معلوم ہے اُس میں کوئی محذور (بُرائی) نہیں ہے۔ اعدائے دین کی شان میں اگر اشعار نظم کرنا اور فسانہ تراشی کے پردازمیں کسی دشمن دین کے متعلق افسانہ تیار کرنا شرعاً ناجائز ہوتا تو جناب ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ حضرت ابوالحجاج مشیر سلف کے قصائد اور منظومات سے جو حضرت مشیر لکھنوی کے کلام سے ہزار چند سخت تر ہیں۔ اپنی مقدس کتاب المثالب میں قطعاً جمع نہ فرماتے اور نہ جناب امیر علیہ السلام روضۂ مطہر کی افتتاحی رسم سے جو شہنشاہ عضد الدولہ دیلمی نے بڑی شان و شوکت سے اجلۂ علماء اور اساطین شیعہ کے حضور میں ادا کی تھی محض بلحاظ خاطر شکنی حضرت ابوالحجاج اظہار ناراضی فرماتے۔ کیونکہ ان

حضرات نے ان ہزلیات کا پڑھنا دربار جناب امیرؑ میں پسند نہیں فرمایا۔ اور حضرت ابوالحجاج کو روک دیا تھا۔ جس پر جناب امیرؑ نے نارضامندی کا اظہار اُن لوگوں سے فرمایا اور حضرت ابوالحجاج کو بشارت دی کہ علما تیری رضامندی کے لیئے تجھ سے خوشامد کرینگے تو راضی نہونا جب تک دوبارہ ویسا ہی عظیم الشان جلسہ منعقد نہ کیا جائے اور وہی ساز و سامان پھر نہو۔ اور تم اپنا پورا قصیدہ میرے دربار میں نہ پڑھ لو۔ یہ واقعہ جناب شیخ المحدثین مجلسی ثانی ملا حسین نوریؒ نے دارالسلام میں اور ملا عبداللہ سبزواری تلمیذ رشید مجلسی علیہ الرحمہ نے ریاض العلماء میں بالتفصیل درج فرمایا ہے۔

مشیر مرحوم کو میں نے اپنے بچپن میں آغا احمد علی خاں مرحوم رئیس لکھنؤ کی محفل ۹ ربیع الاول میں ہر سیہ پڑھتے ہوئے سُنا ہے۔ ہر مضمون کی خود مجسم تصویر بنجاتے تھے۔ اس قدر بتاتے تھے۔

ان کے ایک بھائی شیخ سجاد حسین صاحب عشیر مرحوم میرٹھ میں آرہے تھے۔ پنڈراول میں انکی مجھے زیارت نصیب ہوئی۔ مگر اس زمانہ میں یہ پیرانہ سالی وغیرہ کی وجہ سے مخبوط الحواس ہو رہے تھے۔ انکی اولاد میں سے بعض حضرات اب تک میرٹھ میں ہیں۔ انکے فرزند حقیر تخلص بھی پنڈراول میں ملے تھے۔

مشیر مرحوم کی اولاد کا حال لدّن صاحب نبیرۂ مشیر مرحوم کی زبانی (جو کوٹہ میں آئے تھے) حسب ذیل معلوم ہوا۔ یہ لدّن صاحب مرثیہ پڑھتے تھے۔

بڑے بیٹے شیخ کاظم حسین صاحب مطیر مرحوم تھے۔ انکے مرثیئے میری نظر سے گزرے ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ مرثیہ اپنے والد مرحوم سے بھی بہتر کہتے تھے۔ رموز شاعری سے واقف تھے۔ پٹنہ و کلکتہ میں بہت رہے۔ بھاگلپور میں عشرۂ محرم میں بابو سید دل جان علی صاحب رئیس کے یہاں مرثیہ پڑھتے تھے۔ انکی انتقال کو ۱۵-۱۶ سال ہوئے۔ مطیر کے فرزند شیخ عباس حسین عرف لدّن صاحب تھے جنکا ذکر اوپر ہوا۔ دوسرے بیٹے شیخ فرزند علی صریر مرحوم تھے جو لکھنؤ میں رہتے اور مرثیہ و ہر سیہ پڑھتے تھے۔ کچھ خود بھی کہتے تھے۔

صریر کے حسب ذیل فرزند تھے اور ہیں۔

۱ لیاقت حسین شریر۔ ۲ مے صاحب۔ ۳ علن صاحب۔ ۴ ممتاز حسین۔ ۵ ابرار حسین۔

ابرار حسین و ممتاز حسین کا تخمیناً پندرہ سال ہوئے انتقال ہو چکا ہے۔ لیاقت حسین کے بیٹے الطاف حسین ہیں۔

مشیر مرحوم نے ایک کتاب علم مناظرہ قبقاب کا جواب بھی لکھا تھا جو بطور مثنوی تھی۔ اُسکا نام کمنٹاب رکھا تھا مگر وہ اُسی زمانہ میں گورنمنٹ سے مع قبقاب کے ممنوع الاشاعۃ قرار دی گئی۔

مشیر کو اکثر علوم و فنون میں کمال تھا۔ اُنکی نظم خصوصاً ہر سیوں میں سودا مرحوم کی شان ہے کہ جس چیز کا ذکر آتا ہے اُسکے تمام جزئیات رعایتِ لفظی میں بیان کر جاتے ہیں۔

علم موسیقی میں بھی کامل تھے۔ پروفیسر مرزا محمد ہادی صاحب بی۔ اے ناقل تھے کہ میرزا اوج یا مرزا عطارد (مرحومین) کی شادی میں مرزا دبیر مرحوم کے اکثر شاگرد مصر تھے کہ جلسہ ہو میرزا صاحب مغفور سے اس لیئے ذکر نہ کیا کہ اُن کے تقدس سے امید منظوری کی نہ تھی۔ میاں مشیر اور داروغہ میر واجد علی تسخیر مرحوم وغیرہ چند شاگردوں نے اربابِ نشاط کو آنیکے واسطے پیغام بھی بھجوا دیا۔ مگر میرزا صاحب کو اطلاع نہ کی۔ ایک بڑی مکان میں فرش بچھا ہوا ہے کہ مہمان آئینگے۔ دوسرے مکان میں کھانے کا انتظام ہے۔ تیسرے میں بھی فرش بچھا ہوا ہے اور اسباب ہے۔ میرزا صاحب اسی بڑے مکان میں بیٹھے ہوئے نمازِ مغربین کے بعد وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ اب ان شاگردوں کو منظور یہ ہوا کہ کسی طرح حضرت اس مکان سے اُٹھکر دوسرے مکان میں چلے جائیں اور وہیں وہ حضرات بھی بیٹھیں جو ناچ وغیرہ نہیں دیکھتے۔ طرح طرح کے حیلے کیئے مگر میرزا صاحب اپنی دُھن میں برابر دعائیں پڑھ رہے ہیں۔ جو لوگ آتے ہیں اُن میں سے مقدس گروہ کو یہ شاگرد دوسرے مکان میں لیجا کر بٹھا رہے ہیں۔ باقی ایسے مہمان یہیں بیٹھتے جاتے ہیں جو ناچ دیکھنے والے سمجھے جاتے ہیں۔ جب ان شاگردوں نے دیکھا کہ مرزا صاحب یہاں سے اُٹھتے ہی نہیں تو مشیر مرحوم نے طبلچی سے طبلہ لیکر اپنی کمر سے باندھا اور اُسکو بجاتے ہوئے آگے بڑھے۔ پروفیسر صاحب موصوف علم موسیقی کے بھی گویا پروفیسر ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس قاعدہ سے طبلہ پر مشیر مرحوم کا ہاتھ پڑتا تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ طبلہ بجانے اور موسیقی میں اُن کو مہارت و مشق کامل ہے۔ مرزا صاحب نے اوّل تو مشیر مرحوم کو بہت نصیحت پھر ملامت کی۔ آخر الامر مجبور ہوکر اُسی دوسرے مکان میں مع جانماز کے چلے گئے۔

مشیر مرحوم کے شاگردوں اور دوستوں میں سو دس بارہ آدمی لٹھ بند تھے جو ہر وقت اُنکے ساتھ رہتے تھے۔ ان کو لوگ گروہ مشیر کہتے تھے۔ اس کا تذکرہ علامہ لکھنوی مولانا غلام حسنین صاحب لعلے اللہ مقامہ نے بھی اپنی لائف میں ایک جگہ (شاید) فخر العلماء کے بیان میں فرمایا ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مشیر کی علمی لیاقت بہت اچھی تھی۔ مگر باایں ہمہ بعض الفاظ غلط بھی جو اکثر زبان پر ہیں نظم کر جاتے تھے۔ اُنکا قول تھا کہ فارسی یا عربی سنسکرت یا انگلش وغیرہ کا جو لفظ جس طرح ہماری زبان میں بولا جاتا ہے اُسی طرح نظم کر دینا چاہیئے۔ یہ کیا بات ہے کہ بعض الفاظ غلط کو تو ہم صحیح سمجھیں اور نظیر میں اُستادوں کے اشعار پیش کریں اور بعض سے پرہیز کریں

مثلاً تمیز باب تفعیل سے ہے۔ اسکو تمیز (بروزن فعول کو) ہم یوں صحیح سمجھتے ہیں کہ شیخ سعدی فرماگئے ہیں ؎

مسکیں خر اگرچہ بے تمیز است ۔۔۔ چوں بار بر دہمیں عزیز است

اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ بمصداق غلط العام فصیح۔ عام طور پر تمیز (فعول کے وزن پر بولا جاتا ہے) اور کسی لفظ مثلاً دوات کو ہم داوات اس بنا پر نظم نہیں کرتے کہ یہ عوام (داوات) بولتے ہیں اہلِ علم نہیں بولتے پس یہ غلط العوام ہے غلط العام نہیں اس لیے غیر فصیح ہے یہ دلیل غلط ہے۔ اہل علم عربی داں تو تمیز کو بھی جب بولینگے تفعیل کے وزن پر بولینگے۔ پس داوات کو بھی یا تو اسی طرح نظم کر دیا دونوں لفظوں کو اصل لغت کے موافق باندھو۔ بات یہ ہے کہ اکثر الفاظ دوسری زبان و ملک میں جاکر متغیر ہو جاتے ہیں۔ جیسے مسافر کا حال عالمِ غربت میں اکثر متغیر ہو جاتا ہے۔ پس اگر اصل زبان میں ہم گفتگو کریں تو ہم پر صحیح و اصل لفظ بولنا فرض ہے۔ ورنہ جس طرح اس زبان میں ڈھل کر لفظ رہگیا ہے ویسا ہی بولنا چاہیئے اسکی مثال یوں سمجھیئے کہ فارسی کا صحیح لفظ دختر ہے وہ انگلستان میں جاکر ڈوٹر ہوگیا۔ اب جو شخص انگلش میں بولیگا وہ تو ڈوٹر ہی کہیگا گو فارسی کا کیسا ہی عالم و ماہر ہو۔ ہاں جب وہی شخص فارسی بولیگا تو دختر کہیگا۔ یہ ایک بہت بڑی بحث ہے جو شعرائے اُردو میں ڈیڑھ سو برس سے چلی آتی ہے اور قابلِ اطمینان آج تک اسکا فیصلہ نہو سکا۔ بہرحال مشیر مرحوم اکثر ایسے الفاظ جو لغت کی رو سے غلط ہیں مگر بولے جاتے ہیں ہر سیوں اور مرثیوں میں برابر باندھتے ہیں۔ یہاں اتنا اور لکھنا چاہتا ہوں کہ حیاتِ دبیر جلد اوّل کے صفحہ ۱۱۸ پر واقعاتِ انیس کی تنقید کرتے ہوئے میں نے اُس سلام کا ذکر کیا ہے جسکا قافیہ و ردیف یہ تھی۔ آستینوں کو زمینوں کو۔ بعد تالیف و طبع مضمون مذکور اُسکا صحیح واقعہ مجھے بعض معمّرانِ اہلِ لکھنؤ سے یہ معلوم ہوا کہ اوّل اوّل اُس زمین میں میرزا اوج (مرحوم) نے سلام کہا تھا۔ پھر میر انیس مغفور نے فرمایا۔ پھر میر مونس رحمۃ اللہ نے سلام کہکر نواب میر محمد حسین صاحب کی چھبیسویں[۲۶] کی مجلس میں پڑھا۔ اُس مجلس میں شاہزادۂ اودھ ممتاز الدولہ مرحوم بھی موجود تھے۔ جو میرزا صاحب مغفور کے شاگرد تھے۔ میر مونس مغفور نے یہ شعر اُنہی کو مخاطب کرکے پڑھا تھا ؎ بھلا تردد بجا لائیں کیا حاصل ۔۔۔ اُٹھا چکے ہیں زمینیں۔ ارجن زمینوں کو۔[۱] اور دوسرا شعر پڑھا تھا ؎ نیا مزا ہے کہ مضموں تو دستیاب نہیں ۔۔۔ مقابلے پہ چڑھاتے ہیں آستینوں کو۔ نواب صاحب موصوف اُسی وقت اُس مجلس سے اُٹھ کر

---

[۱] میر مونس یہ سمجھے ہوئے تھے کہ میر صاحب کے سلام پر میرزا اوج نے سلام کہا۔ اُسی کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے حالانکہ میرزا اوج پہلے سلام کہکر پڑھ چکے تھے۔ اسکی تصدیق خود حضرت اوج مرحوم نے بھی ایک موقع پر فرمائی تھی جس مجمع میں سرفراز حسین صاحب تبصیر لکھنوی بھی موجود تھے ۱۲

چلا آئی دبیروں اور انیسیوں میں خوب خوب چوٹیں چلیں اُس زمانہ میں اسی زمین میں ایک سلام مشیر مرحوم نے بھی کہا تھا جس میں اپنے اُستاد کی طرفداری میں بہت سے طنزیہ اشعار تھے میں اس موقع پر مشیر مرحوم کے صرف چار شعر لکھتا ہوں۔

جلی کٹی مرے اُستاد سے کرے جو کوئی ۔۔۔ تو پھونک دوں مع خرمن میں خوشہ چینوں کو
ہزار بار سزا پاکے مُنہ پہ چڑھتے ہیں ۔۔۔ مشیر کیا کہوں ان احمق الذینوں کو
جنھیں ہے پھوٹنے کا ڈر وہ خود بچالیں گے ۔۔۔ مری بلا سے لگے ٹھیس آبگینوں کو
لگا کے سرمۂ تربت بہشت دیکھ لیا ۔۔۔ خجل کیا مری آنکھوں نے ذوربینوں کو

انجام اُس جھگڑے کا وہی ہوا جو میں جلد اوّل حیاتِ دبیر میں لکھ چکا ہوں کہ میر انیس مرحوم میر مونس مغفور پر اور میر آدبیر مغفور مشیر مبرور پر بہت خفا ہوئے اور میر مونس مرزا صاحب کے حضور اور شیخ مشیر میر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر خواہ ہوئے اور صفائی ہوگئی۔

مُنیر مرحوم

سید اسمٰعیل حسین ابن سید احمد حسین شاد نقوی شکوہ آبادی۔ ایک مستند شاعر تھے۔ انکے تین دیوان مطبع ثمر ہند لکھنؤ میں سنہ ۱۲۹۶ ہجری میں چھپے ہیں۔ ایک دیوان حاشیہ پر اور دو متن میں ہیں۔ سوائے اسکے معراج المضامین ایک لاجواب مثنوی بھی چہاردہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان وحالات میں چھپکر شائع ہو چکی ہے۔ جس کو تمام کاملانِ فن نے لاجواب مانا ہے۔

ڈپٹی عبد الغفور خاں نساخ نے جو دبیر وانیس کے مرثیوں پر اعتراض کرکے ایک کتاب انتخاب نقص سنہ ۱۲۹۶ ہجری میں شائع کی تھی اُسکا نہایت معقول و دنداں شکن مگر مطوّل جواب بھی منیر مرحوم نے لکھا تھا۔ اُس کتاب کا نام (تاریخی) سنان دل خراش ہے جس سے ظاہر ہے کہ قلم برداشتہ جواب سنہ ۱۲۹۶ ہجری ہی میں لکھدیا تھا۔ یہ کتاب کمیاب ہے۔ صرف ایک نقل اسکی (جسکی خود صحت کرکے مصنف موصوف نے وقت پر شمس آباد میں حاجی نواب سید محمد جعفر صاحب قبلہ عرف نواب پیارے صاحب مدظلہ العالی کو بھیجی تھی وہ نواب صاحب ممدوح کی عنایت سے) شمس آباد میں میں نے دیکھی اُردو شاعری کے سیکڑوں نکات وحالات اُس میں نظر سے گزرے۔ نواب صاحب موصوف سے میں نے نقل کی اجازت چاہی۔ اُنہوں نے خود اپنے صرف سے ایک کاتب سے نقل کراکر مجھے مرحمت فرمائی میرے بار بار کے عرض و اصرار پر بھی اجرتِ نقل مجھے نہ دینے دی

میں اس موقع پر شکریہ جناب ممدوح کا ادا کرتا ہوں۔ افسوس کہ یہ کتاب اب تک چھپی رہی چھپی نہیں۔ اب اگر کوئی تاجر چھاپنا چاہیں تو میں دے سکتا ہوں۔ تاکہ منیر مرحوم کے کمال اور شاعری کے نکات سے عام لوگ واقف ہوں۔

کلیات منیر مطبوعہ بھی مجھے نواب صاحب موصوف نے بلاقیمت مرحمت فرمایا ہے۔ اسکا بھی شکریہ بیصرع پڑھکر ادا کرتا ہوں ع شکر نعمتہائے او چند انکہ نعمتہائے او۔ افسوس کہ یہ کلیات ناقص ہے صفحہ ۵۵۸ سے صفحہ ۵۹۶ تک ورق نہیں ہیں۔ مثنوی بھی اس وقت میرے پاس نہیں ہے۔ پس اب اسی کلیات منیر اور اپنی یادسے حالات لکھتا ہوں۔

دیباچہ دیوان اوّل میں خود منیر مرحوم نے فارسی میں اپنے حالات لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع شباب سے مجھے شاعری کا شوق تھا۔ اشعار اُستادوں کے دیکھتا رہتا تھا۔ خطوط کے ذریعہ سے مجتہد الشعراء عالی جناب شیخ ناسخ مرحوم سے اپنے کلام پر اصلاح لیتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ نواب نظام الدولہ خلف اوسط نواب معتمد الدولہ کا ملازم ہوکر کانپور پہنچا۔ وہاں اُن دنوں جناب شیخ ناسخ مرحوم۔ نواب امین الدولہ کے مہمان تھے۔ شیخ صاحب سے فیض حاصل کرتا رہا۔ وہ جناب جب لکھنؤ تشریف لے گئے تو مجھے جناب میر علی اوسط صاحب رشک سے فیض تلمذ حاصل کرنیکو فرما گئے۔ جب سے میر صاحب ممدوح کے خرمن سخن کی خوشہ چینی کرتا رہا لکھنؤ۔ کانپور۔ مرشد آباد وغیرہ کے مشاعروں میں شریک ہوا کیا۔ آخر لکھنؤ پہنچا اور برسوں بیکار رہکر ظفر الدولہ علی اصغر خاں کی خدمت میں پہنچکر ملازم ہوا۔ چند روز کے بعد نواب معین الدولہ سید باقر علی خاں ظفر جنگ خلف اصغر نواب معتمد الدولہ کا ملازم ہوکر پھر اُن کے ہمرکاب کانپور میں آیا۔ قلیل عرصہ کے بعد پھر ناکامی نے مُنہ دکھایا۔ اُس زمانہ مصیبت میں اگر امیر فیاض مولانا احمد حسن خاں صاحب عروج دستگیری نہ فرماتے تو شاید زندہ ہی نہ رہتا۔ اُسی زمانہ میں اسد الدولہ رستم الملک سید محمد ذکی خاں بہادر فیل جنگ عرف نواب بہادر ذکی تخلص نے مجھ سے اپنے کلام پر اصلاح لینا شروع کیا۔ اور مجھے ملازم رکھا پھر دوبارہ میں لکھنؤ میں پہنچا۔ نواب ذکی نے بہت کچھ میری عزت و توقیر فرمائی۔ دو سال کے بعد نواب نصیر الدولہ معین الملک تجمل حسین خاں ظفر جنگ معروف بہ حشمت جنگ رئیس فرخ آباد نے زادراہ بھیجکر بلوایا۔ مجبور لکھنؤ ایسے شہر کا داغ جدائی دل پر رکھکر فرخ آباد میں پہنچا۔ امیر موصوف نے بیحد عزت افزائی فرمائی مگر اُن کے مرنے کے بعد پھر نامرادی و ناکامی سے گزرنے لگی۔ ہر چند میں الور اور راجا دھولپور نے راہ خرچ

بھیجکر بلوایا۔ مگر دل نے گوارا نہ کیا کہ اتنے دور مقام پر جاؤں اور باقی عمر وہاں گزاروں۔ اسکے علاوہ لالہ مادھو رام صاحب جوہر کی محبت و شفقت نے (کہ جو صاحب دیوان شاعر اور میرے شاگرد ہیں) مجھے نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ پیر نصیبہ چمکا۔ نواب علی بہادر (علی تخلص) رئیس باندا نے بلوایا۔ اپنے کلام پر اصلاح لی بمعقول تنخواہ مقرر کی۔ اگر میرا تمام کلام محفوظ رہتا تو سات دیوانوں سے کم نہ ہوتے۔ اب تمام اشعار اس دیوان (اوّل) کے پانچ ہزار اور نو سو سے زیادہ ہیں اور میری عمر پینتیس ۳۵ سال کی ہے۔ اس دیوان کا تاریخی نام نواب صاحب موصوف رئیس باندا نے منتخب العالم رکھا ہے جس سے ۱۲۶۴ ہجری نکلتے ہیں۔ پس اس حساب سے منیر مرحوم کا سالِ ولادت ۱۲۲۹ ہجری معلوم ہوتا ہے۔

مرثیے میں منیر کو حضرت دبیر سے شرفِ تلمذ حاصل تھا جسکو انہوں نے فخریہ دیباچہ مثنوی معراج المضامین میں نظم فرمایا ہے ؎

عطا کی مرثیہ میں اُس کی اصلاح — کہ جس کی بزم ہے خورشید مصباح
مسیحائے سخن اعجاز گستر — دبیرِ پاک دیں مقبولِ داور
چلے جب تک نسیم صبحگاہی — سلامت اُن کو رکھنا یا الٰہی

کلیات میں بھی جا بجا میرزا دبیر مرحوم کا ذکرِ خیر اور اُن کے مرنے کی تاریخیں بھی بہت کہی ہیں۔ ملاحظہ ہو کلیات مطبوعہ کا صفحہ ۵۴۵ سے ۵۴۷ تک جس کی سرخی یہ ہے "تاریخیہا رحلت حضرت اُستادی زادی دبیر صاحب طاب ثراہ"۔ پہلی تاریخ کا مصرع مادہ بہت بے تکلف یہ ہے عقل بے دل سیدرہ ہے جبریل ۱۲۹۲ منبر بے دبیر۔ دوسری تاریخ کا شعر آخر یہ ہے ؎ منیر۔ سال و مہ و روز و وقت "تاریخش پگاہ و سلخ و سہ شنبہ مہ عزا بود"۔ یہ مادہ صوری و معنوی ہے۔ اور پھر ایک ہی مصرع میں وقت۔ ۱۲۹۲ تاریخ۔ دن۔ مہینہ سب کچھ ہے۔

صفحہ ۴۲۶ پر ایک پوری غزل حضرت دبیر کی مدح میں (دیوانِ اوّل میں) ہے جس کے مقطع سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاز پر کہی تھی۔ معلوم نہیں جب دریائے شور کو جا رہے تھے جب کہی تھی یا کب۔ وہ غزل یہ ہے

خلیل کعبۂ فکر رسا جناب دبیر — کلیم طور فصاحت ضیا جناب دبیر
جہانِ معنی و سرمایہ بخشِ دانش و علم — مربّیِ درع و اتقا جناب دبیر
شبابِ علمِ بدیع و بیان و معنی و نظم — مسیح ہر سخنِ جانفزا جناب دبیر
سپہرِ سریرِ فصاحت مہِ سپہرِ کمال — عروجِ طالعِ طبعِ رسا جناب دبیر

فردوسی و سعدی و عنصل و حسان ۔ پکارتے ہیں کہ ہیں مقتدا جناب دبیر
زبانِ فارسی و اُردو و بلاغت میں ۔ بہ رنگِ موجۂ آبِ بقا جناب دبیر
کمالِ مرثیہ میں فخرِ سابق و لاحق ۔ بہارِ جنتِ بزمِ عزا جناب دبیر
بیاضِ نقشِ قدم شرحِ سلّمِ منبر ۔ کتابِ واقعۂ کربلا جناب دبیر
حدیث و فقہ و تفاسیر کے بھی دریا سے ۔ نکالتے ہیں دُرِ بے بہا جناب دبیر
ہر ایک مرثیہ عرشِ الکمالِ مضموں ہے ۔ سخنوری میں ہیں معجز نما جناب دبیر
گُلِ حدیثِ مناقب کے روضۂ کافی ۔ پناہِ کشتیٔ بحر البکا جناب دبیر
محیطِ ہمّت و دُرِّ یگانۂ ایثار ۔ سفینۂ یمِ خلق و عطا جناب دبیر
رہیں ضمانتِ آلِ رسولؐ میں شاداں ۔ خدا کے فضل سے سرتاپا جناب دبیر
جہاز پر یہ کہا میں نے بہرِ رہ آورد ۔ کریں قبول اسے اے خدا جناب دبیر

منیر بلبلِ انصاف کا ترانہ یہ ہے
کہ ہیں گُلِ چمنِ اصطفا جناب دبیر

کلیات کے صفحہ ۵۰۶ پر رسالۂ عروض مصنفۂ حضرت اوج کی تاریخ ہے اسی رسالہ کو پھر بڑھا کر مرزا اوج مغفور نے مقیاس نام کتاب شائع فرمائی تھی۔ اور صفحہ ۵۱۶ پر عطارد (فرزندِ اصغر حضرت دبیر کی شادی کی تاریخ ہے جو ۱۲۸۵ھ میں ہوئی تھی جس میں حقیر بھی اپنے نانا مرحوم کے ہمراہ شریک تھا۔ منیر مرحوم اپنے تمام اُستادوں کی دل سے قدر کرتے تھے۔ اور سچی محبت رکھتے تھے۔ جو محبت اُستاد و شاگرد میں اب عنقا ہے۔ انکی کلیات میں جابجا شیخ ناسخ۔ سید رشک۔ میرزا دبیر مرحومین کی مدح و ثنا میں اشعار ملتے ہیں۔ اکثر کاملوں۔ عالموں کے سال وفات انکی کلیات کی تاریخوں سے معلوم ہوتے ہیں۔ سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ خود منیر مرحوم کے حالات جابجا عمدہ پیرایوں میں نظم ہیں۔ غدر ۱۸۵۷ء کی مصیبتیں خود زبانِ حال سے گویا اپنے حالات سُنا رہی ہیں۔ مولوی شبلی صاحب کی طرح اس زمانے کے بعض صاحبوں کا خیال ہے کہ جو شاعر استعارہ و تشبیہ سے زیادہ کام لیتے ہیں وہ واقعات کی تصویریں نہیں دکھا سکتے۔ منیر مرحوم کی نظموں اور مثنوی مذکورہ کو وہ دیکھیں اور اپنے دعوئے خیالی کو واپس لیں افسوس کہ مجھے منیر مرحوم کی اواخرِ عمر کے چست موتی نہیں ملے۔ جو خیال لارڈ بیکن کو اپنی

نثر ڈرامہ وغیرہ کے اپنے نام سے شائع کرنے میں ہوا تھا۔ کہ نہ معلوم پبلک اُس نظر سے اُس کلام کو دیکھیگی یا نہیں کہ جس نظر سے ایک جیّد عالم کی تصنیف کو دیکھنا چاہیئے اور اسی خیال سے لارڈ ٹموصوف نے اپنے ڈرامے اپنے ایک ملازم شکسپیر کے نام سے شائع کیئے جیسا کہ بعض محققین حال کی رائے و تحقیق ہے۔ سُنا ہے کہ یہی خیال یا اس کے قریب قریب منیر مرحوم کو ہوا تھا۔ اور اُنہوں نے یہ سمجھ کر کہ دبیر و انیس کے مرثیوں کے سامنے میرے مرثیئے مقبول نہ ہونگے۔ اُن مرثیوں کو دوسرے ایک شاعر و ذاکر کو دیدیا تھا جن کا نام میں نہ لونگا۔ خدا جانے یہ روایت سچ ہے یا جھوٹ۔ اگر افترا ہے تو ایک ذاکرِ مقبول و شاعرِ اہلبیتؑ کی توہین بھی ہوا اور اُن پر افترا بھی ہو۔ مگر افسوس کہ وہ مرثیئے اُن ذاکرِ مقبول کے نام سے بھی شائع نہوئے۔ اور ایک صاحبِ دولت ذاکر کے بستہ میں بند ھکر طاقِ نسیان پر چڑھا دیئے گئے۔ اسی طرح ایک اور شاعر و ذاکر کے مرثیوں کی نسبت بعض ساداتِ بارہہ نے مجھ سے بیان فرمایا تھا کہ بارہہ میں جب اُن کے مرثیوں کو شائقین نے ظہیر فاریابی کا یہ شعر پڑھکر چُرایا ؎ در کعبہ بدزد اگر بیابی ؛ دیوانِ ظہیر فاریابی۔ تو بند مقطع کے جس مصرعہ میں مصنّف کا تخلّص تھا وہ مقام مٹا ہوا پایا جس سے لوگوں نے یہ قیاس کیا کہ یہ مرثیئے اُن شاعر ذاکر کے نہیں ہیں بلکہ کسی اور صاحب کے ہیں انہوں نے اپنی تصنیف ان مرثیوں کو غلط ظاہر کیا ہے۔ اکثر صاحبوں نے بعض الفاظ اور بندشوں پر غور کر کے منیر مرحوم کا کلام تصوّر کیا تھا۔ مگر یہ سب قیاسات ہیں۔ مجھے منیر مرحوم کا فقط ایک ابتدائی مرثیہ ملا ہے جسکا مطلع یہ ہے ؎ مشہور جہاں خاک شفا خاکِ ہے کس کی۔ اس جلد میں وہی شامل کر دیا ہے۔ مگر یہ بات دکھانے کے واسطے کہ منیر مرحوم استعارات و تشبیہات و متروکات کے اس قدر پابند ہو کر بھی واقعات کس خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور تخئیل کا کس قدر زور ان کے کلام میں ہے۔ ان کی کلّیات سے ذیل میں کچھ اشعار نقل کرتا ہوں کہ یہ کلّیات بھی اب کمیاب سا ہے ایسا نہو آیندہ نایاب ہو جائے۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ منیر مرحوم کے کلام میں جہاں دس شعر کسی قصیدہ یا غزل میں لاجواب ہیں وہاں پندرہ شعر ایسے بھی ہیں جن سے اُستادی کی شان ظاہر نہیں ہوتی۔ پس منیر مرحوم کو سمندر سمجھیے جسمیں موتی بھی ہیں۔ مونگا بھی ہے عنبر بھی ہے۔ کوڑیاں اور گھینگے۔ کوڑا کرکٹ بھی ہے۔ پس ہم کو گیا چاہیئے بقول حضرت فصیح مرحوم ؎

مولوی کا قول یہ ہے معتبر ۔۔۔ چاہیئے خذ ما صفا دع ما کدر

اچھے اچھے اشعار چھانٹ لیں۔ بھرتی کی ابیات چھوڑ دیں ؎ قبا گر حریر ست و گر پرنیاں
بناچار خوش بود در میاں۔

میں میر مرحوم کے کچھ مصائب (اُنہی کی زبان سے) جو غدر ۱۸۵۷ء میں اُن پر پڑے ذیل میں بیان کرتا ہوں۔ سُنا ہے کہ میر مرحوم نواب باندہ اور اکثر رئیسانِ فرخ آباد کے اُستاد تھے۔ اُن میں سے بعض کی نسبت بغاوت کا شبہہ ہوا۔ بعض ماخوذ ہوئے۔ کچھ چھوٹے کچھ دنیا کی مصیبتوں سے چھوٹے۔ دوسرے عالم کو گئے۔ میر مرحوم کے خلاف بھی انکے دشمنوں نے شرکت یا مشورت بغاوت کی رپورٹ کی۔ اشتہار گرفتاری جاری ہوا اور یہ رُوپوش ہوئے۔

ایک میرے بزرگ جو نواح فرخ آباد کے رہنے والے ہیں بیان فرماتے تھے کہ ایک رات کو ایک قدآور فقیر آیا جو ایک تہمد (تہہ بند) لنگائے میلا کچیلا کرتہ پہنے ہوئے تھا۔ اُسنے نہ دستِ سوال دراز کیا نہ سُنہ سے کچھ بولا۔ تصویر کی طرح خاموش دیر تک گردن جھکائے کھڑا رہا۔ زبانِ حال سے گویا میر مرحوم کا یہ شعر پڑھتا تھا ؎

آگے کسو کے کیا کریں دستِ طمع دراز ۔۔۔ وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

والدِ مرحوم نے پوچھا بھئی تم کیا چاہتے ہو؟ جب بھی اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔ والدِ مرحوم نے نوکروں کو کسی بہانہ سے وہاں سے باہر بھیجدیا اور اُس فقیر سے کہا۔ میر صاحب! میں نے آپ کو پہچان لیا۔ مگر افسوس! میں آپ کو چھپا نہیں سکتا۔ اگر مجھے کچھ نقصان پہنچے اور آپ بچ جائیں جب بھی مضائقہ نہیں مگر افسوس کہ آپ کا اشتہارِ گرفتاری جاری ہے۔ آپ ضرور گرفتار ہوجائینگے یہ کہکر کچھ اُن کی خفیہ خدمت کی۔ نہ معلوم کتنی اشرفیاں دیں۔ وہ صاحب چلے گئے۔ دو چار دن کے بعد مجھ سے والدِ مرحوم نے فرمایا کہ بیٹا تم نے اُن فقیر کو نہیں پہچانا وہ سید میر تھے۔

سید موصوف خود ایک رباعی میں کہتے ہیں ؎

اپنے آقا کی ہر گھڑی یاد میں ہوں ۔۔۔ ہر وقت میر آہ و فریاد میں ہوں
اس شہر کے نام میں ہے تشدید بلا ۔۔۔ آرے کے تلے میں فرخ آباد میں ہوں

(اسی طرح ایک قصیدے میں جو صفحہ ۳۵ پر کلیات میں ہے) فرماتے ہیں ؎

اُس زمانے میں کہا ہے یہ قصیدہ میں نے ۔۔۔ کہ مصائب میں گرفتار ہیں اعلےٰ اسفل

روز ہوتا ہوں نئے شخص کے گھر میں روپوش
آج پھانسی کی خبر ہے تو اسیری کی ہے کل

کُنگ ہے ستر بدن فرش ہے اک کہنہ حصیر
جان و عزت کے تردد کے مصیبت پہ بل

مال و سرمایہ و اسباب ہوا سب برباد
پر کتابوں کے تلف ہونے سے ہے کرب اجل

میری تصنیف سے تھے جتنے رسالے نایاب
اُنکے گم ہونے سے ہے لذتِ ہستی میں خلل

میں نے جہاں منیر مرحوم کی تصنیفات کا ذکر کیا ہے وہاں یہ لکھنے سے رہ گیا ہے کہ قطع نظر شاعری کے حسب ذیل مذہبی کتابیں بھی اُنکی تصنیف سے تھیں۔ (ان کا بھی ذکر دیوانِ جلد اول کے دیباچہ میں موجود ہے)
(۱) رسالہ اعلان الحق (۲) سراج المنیر (۳) تنبیہ النشأتین بفضائل الثقلین (۴) امان المؤمنین عن مکائد الشیاطین۔ کتابوں کے ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کلام (مناظرہ) میں یہ سب کتابیں تھیں۔
اسکے بعد منیر مرحوم گرفتار ہو گئے۔ ان مصیبتوں کی تصویر میں منیر کے اس قطعہ میں نظر آتی ہیں قطعہ کیا ہے مصائب کا مرقع ہے۔ دیکھیے کس قدر موثر کلام ہے ؎

فرخ آباد[1] اور یارانِ شفیق
چھُٹ گئے سب گردشِ تقدیر سے

آئے باندے میں مقید ہو کے ہم
سو طرح کی ذلت و تحقیر سے

اک مراسا گرد تھا اُس شہر میں
پھل وہ پائے گلشنِ توقیر سے

لفظ خان کا جزو اوّل کر وزیر
نام اُس کا جان اس تقریر سے

کیں سعادتمندیاں اُس نے بہت
رہ گیا عاجز مری تقدیر سے

جس قدر احباب خالص تھے وہاں
در گذر کرتے نہ تھے تدبیر سے

پر کہوں کیا کاوشِ اہلِ نفاق
تھے وہ خونریزی میں بڑھکر تیر سے

شہر کا خبر زبانیں اُن کی تھیں
قتل کرتے تھے مجھے تزویر سے

مصطفےٰ بیگ ایک صاحب اُن میں ہیں
کجروی میں بڑھ کے چرخِ پیر سے

کرکے خونِ ناحق نواب جان
مجھ کو بھی پھنسوا دیا تزویر سے

خون میرا وہ سمجھتے تھے حلال
تھا جو میں ذریتِ شبیرؑ سے

کچھ شدائد قید کے کہدوں اگر
خون ٹپکے ہر لبِ تقریر سے

باندے کے زندان میں لاکھوں ستم
سہتے تھے ہم گردشِ تقدیر سے

[1] کلیات منیر کا صفحہ ۴۹۶ دیکھو ۱۲

کوٹھری تاریک پائی مثلِ قبر — تنگ تر تھی حلقۂ زنجیر سے
بول[1] و غایط کی جگہ بستر کے پاس — تھی نجس تر خانۂ خنزیر سے
پانی تھا نایاب مثلِ آبِ رو — چاہتے تھے خنجر و شمشیر سے
مثلِ گوہر جانتے اُس کو عزیز — قطرۂ پیکاں جو ملتا تیر سے
کیا تیمم کیا وضو ممکن نہ تھا — کہیئے طاہر رہتے کس تدبیر سے

میں نے منیر مرحوم کے حالات میں عمداً یہ ذکر چھوڑ دیا تھا کہ وہ مرحوم بڑے پکے نمازی اور افیونی تھے۔ سُنا ہے ایک تولہ روز افیون گھولکر پیتے تھے۔ اب اس موقع پر خود فرماتے ہیں ؎

ترک افیوں سے اذیت جو ہوئی — ہے فزوں اندازۂ تحریر سے
سختیٔ نزعِ یہودی و مجوس — سہل تھی اُس سختیٔ تقدیر سے
گالیاں تھیں کھانے گویا زخم و داغ — تھا یہ حاصل مطبخِ تقدیر سے
روٹیاں گوبر کی گویا ملتی تھیں — نانِ گندم تھی سوا اکسیر سے
گھاس ترکاری کے بدلے تھی نصیب — خشک تر تھی سبزۂ شمشیر سے
بھینس کی سانی سے بدتر دال تھی — سخت دانہ دانۂ زنجیر سے
کرکری۔ بدبو۔ کثیف و بے نمک — سرد تر وہ بھی مزاجِ پیر سے
تھا بچھونا ٹاٹ کمبل اوڑھنا — گرم تر پشمینۂ کشمیر سے
کوٹھری گرمی میں دوزخ سے فزوں — دست و پا بدتر تھے آتش گیر سے
کانپتے تھے موسمِ سرما میں یوں — جیسے عریاں سردیٔ کشمیر سے
محنت و مزدوری و تکلیف و رنج — تھا زیادہ حیطۂ تحریر سے
اس جہنم کے موکّل سب کے سب — دشمنی رکھتے تھے بے تقصیر سے
قاتلِ اشراف و اہلِ علم تھے — رنج پہنچاتے تھے ہر تدبیر سے
بے مروّت۔ بے حیا۔ اہلِ دغا — کج طبیعت ہر جوان و پیر سے
اُن کے ہونٹوں نے خلش کے واسطے — باتیں سیکھی تھیں زبانِ تیر سے

[1] بول پیشاب ؛ غایط ۔ پاخانہ ۱۲

جھل میں ٹھگ بدیا میں بے بدل
نقدِ جاں تک چھین لیں تزویر سے

کاہ سے اُٹھوائیں وہ کوہِ گراں
در نہ گزریں کوہ کب بے شیر سے

پھر الٰہ آباد میں بھجوا دیا
ظلم سے تلبیس سے تزویر سے

ننگی تلواریں کھنچی تھیں گرد و پیش
نوکیں سنگینوں کی بدتر تیر سے

جو الٰہ آباد میں گزرے ستم
ہیں فزوں تقریر سے تحریر سے

پھر ہوئے کلکتہ کو پیدل رواں
گرتے پڑتے پاؤں کی زنجیر سے

ہتکڑی ہاتھوں میں بیڑی پاؤں میں
ناتواں ترقیس کی تصویر سے

راستے میں ظلم اعدا بے شمار
ہر گھڑی تھے شامتِ تقدیر سے

بے حواس و بے لباس و بے دیار
دل گرفتہ جورِ چرخِ پیر سے

سوئے مشرق لائے مغرب سے مجھے
تھی غرض تقدیر کو تشہیر سے

نقشہ کلکتہ میں کھنچوایا مرا
رنگ مُنہ کا اُڑ گیا تصویر سے

کالے پانی میں جو پہنچے یک بیک
کٹ گئی قیدِ ستم تقدیر سے

یہ کہی تاریخ ہم نے اے منیر
صاف نکلے خانۂ زنجیر سے

۱۷۱ + ۱۱۰ + ۶۵۶ + ۲۷۰ + ۷۰ = ۱۲۷۷ سنہ ہجری

کالے پانی (جزیرۂ انڈمن) میں پہنچکر ہر قیدی کی بیڑیاں کاٹ دی جاتی ہیں چنانچہ منیر مرحوم کی بھی بیڑیاں کٹ گئیں۔ ہندوستان کی حوالات و قید میں تخمیناً دو سال تک منیر مرحوم سخت مصیبت میں رہے۔ کھانا پینا سونا حرام تھا۔ چنانچہ ذیل کی رباعی میں اس حال کو تخیل کے رنگ میں دیکھیئے کیا لاجواب رباعی فرمائی ہے۔ رباعی۔

زنداں میں تو ہم اسیر و مجہول آئے
کس طور سے نیند حسبِ معمول آئے

گھر سے نکلے جو بے حواسی میں منیر
خوابِ راحت پلنگ پر بھول آئے

ایک اور رباعی سُنیئے جس سے ظاہر ہے کہ زمین پر سونا ملا تھا۔

ہیں ضعف سے ہڈیاں عیاں سر تا پا
سونے سے زمین کے بہت ہے ایذا

اکسیر ہے فرشِ خواب زنداں میں منیر — سونا ہے پلنگ کا نصیب اعدا

ہندوستان کے جیل اور کالے پانی میں سب سے زیادہ تکلیف حقہ (حسب دلخواہ) نہ ملنے سے ہوئی کہ تمباکو بہت گراں تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں رباعی۔

حقہ اوروں کو تو میسر ہے یہاں — پردودِ جگر کام و زباں پر ہے یہاں
دیکھو یہ غضب ایک چلم تمباکو — اک نافۂ مشک کے برابر ہے یہاں

سردی کی شکایت میں فرماتے ہیں۔ رباعی۔

ہر چند کہ ہم دل کے کڑے ہوتے ہیں — جاڑے کے مگر صدمے بڑے ہوتے ہیں
سردی کا خوف دیکھو عریانی میں — کمبل کے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں

پورٹ بلیر انڈمن میں پہنچکر منیر مرحوم محرر اسیران مقرر ہوگئے۔ مگر اوّل تنخواہ چھ روپیہ پھر آٹھ پھر دس روپیہ ماہوار مقرر ہوئی۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔ رباعی۔

پہلے ہوئی چھ روپے ہماری تنخواہ — پھر آٹھ سے دس ہوئے خدا ہی آگاہ
ننانوے کا پھیر رہا قید میں بھی — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

ایضاً

ہر چند محاسبوں میں کم وقعت ہیں — پر قیدیوں کے کفیل کیفیت ہیں
لکھتے ہیں رہائی و اسیری سب کی — ہم نقلنویس دفتر قسمت ہیں

بھلا چھ روپے یا دس روپے مہینے میں کیا کھائیں کیا پئیں اور پھر افیون نایاب حقہ کا تمباکو مہنگا۔ ٹک پر جو کپڑا اتفاقاً وہ بھی ندارد ہوگیا۔ اب اور کپڑا نہیں جو لپیٹیں۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ رباعی۔

جنے مرے پینے کی سٹک تاڑی ہے — کہتا ہے کہ جنگل کی جلی جھاڑی ہے
کپڑا نہیں اور پیچ باقی ہیں منیر — گویا ناگن نے کینچلی جھاڑی ہے

حقہ کے لیے آگ سلگاتے جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں۔ رباعی۔

تمباکو بھی ہو اہے کڑوا ہم سے — رُک رُک کر بولتا ہے حقا ہم سے
برسات میں کس غضب کی گرمی ہے منیر — جھلوائے لگی آگ بھی پنکھا ہم سے

بھلا جزیرہ شور میں لکھنؤ کے نیچہ بند کہاں سے آتے۔ سید صاحب دھجیاں نیچے پر خود لپیٹتے جاتے ہیں

اور خود فرماتے ہیں۔ رباعی۔

دم ناک میں عسرت سے ہو میرا کب تک — حقہ نہ ملے پینے کو اچھا کب تک
تا چند لپیٹوں دھجیاں نیچے پر — بدلا کروں پوست استخواں کا کب تک

ہائے مفلسی اور تو اور لنگیاں بھی جواب دے گئیں۔ اس باب میں بھی ایک رباعی کہہ ڈالی۔ رباعی۔

پامال ہوئے زمانے کی چالوں سے — کیا ملئے سفید پیرہن والوں سے
بوسیدہ ہوئی ہیں لنگیاں جب سے منیر — پھرتی ہے برہنگی پھٹے حالوں سے

اب لیجئے مفلسی میں آٹا گیلا۔ پانی پینے کے کوزے بھی ٹوٹ گئے۔ یہ مصیبت اور سن لیجئے۔ رباعی۔

افلاس میں سب کو ہم سے کینا ٹھیرا — داغ غم و رنج کھا کے جینا ٹھیرا
ٹوٹے کئی بار کوزۂ آب منیر — آنسو آنکھوں میں بھر کے پینا ٹھیرا

مثل مشہور ہے کہ مصیبت جب آتی ہے تو سہنا نہیں آتی۔ دریائے شور میں تین مہینے گرمی باقی نو ماہ تک برابر بارش رہتی ہے۔ آب و ہوا مرطوب و خراب ہے۔ اور آفت آئی۔ خارش ہوگئی۔ اب ہاتھ سے کچہری میں لکھیں یا کھجلائیں۔ اسی کا رونا اس رباعی میں روتے ہیں۔ رباعی۔

تحریر کچہری سے تو پنجہ سن ہے — کھجلانے کی خارش کو برابر دھن ہے
کیونکر لکھنے میں جسم کھجلاؤں منیر — افسوس انگشت خامہ بے ناخن ہے

تحریر کچہری میں۔ تحریر۔ لفظ عربی کی اضافت۔ کچہری۔ لفظ ہندی کے ساتھ دیکھکر پرانی لکیر کے فقیر (بعض غزل گو) شاعر غالباً ناک بھوں چڑھائینگے۔ حالانکہ منیر مرحوم کو دنیا جانتی ہے کہ ان باتوں کا حد سے بڑھکر لحاظ کرتے تھے مگر اب کیا کریں۔ واقعہ نویسی میں ایسی قیدیں نہیں نبھ سکتیں۔ اسی وجہ سے مرثیہ گو شاعروں کے کلام میں ہندی الفاظ یا بالمعنی مہند لفظوں کی اضافت فارسی و عربی الفاظ کی ساتھ آپ کو جا بجا نظر آئیگی۔ اسکے ساتھ یہ بھی سوچنا چاہیئے۔ کچہری بمنزلہ عَلَم ہے پس ایسی اضافت کو یوں بھی جائز سمجھنا چاہیے۔ اگر کچہری کے بدلے عدالت فرماتے تو وہ بھی بالمعنی مہند تھا۔ دوسرے اُس میں وہ اثر نہ رہتا جو کچہری میں ہے۔ اچھا اب خارش کے حال میں ایک اور رباعی بھی سن لیجئے۔

رباعی

طالع کی کمال نارسائی ٹھہری — خارش کی بدن سے آشنائی ٹھہری

ان دونوں میں صلح سخت مشکل ہے مؔنیر ناخن کی گوشت سے لڑائی ٹھہری

دریائے شور میں پہنچنے پر لباس بھی باقی نہ تھا۔ مرزا ولایت حسین صاحب نے (جو جناب مؔنیر کے عزیزوں اور دوستوں میں تھے) نئے کپڑے بنوا دیئے۔ مگر قسمت کی شومی دیکھیئے کیا رنگ لاتی ہے جس کی مذمت میں میر صاحب فرما چکے ہیں ؎

بیکس سمجھ کے غیب سے آئی نہ میرے ساتھ تقدیر بارگاہِ الٰہی میں رہ گئی

نئے لباس کا جو انجام ہوا وہ قطعۂ ذیل سے ظاہر ہوگا۔ **قطعہ**

اسیر ہو کے جو ہم آئے کالے پانی میں ہوئی مصائب و آلام کی فراوانی
محال شرح ہے ادنےٰ سی بھی مصیبت کی اگر بیان کریں ملکے انسی و جانی
برہنگی میں مگر سب سے تھی سوا تکلیف وبالِ دوش ہوا تھا لباسِ انسانی
شفیقِ بندہ ولایت حسین مرزا نے کہ ہیں وہ دوست قدیمی برادر جانی
بنا دیئے مجھے کپڑے بڑے تردد سے چھپا دیئے مرے بالکل عیوبِ جسمانی
ہنوز صرف میں بھی اس قدر نہ آئے تھے چُرا کے لے گئے غارت گرانِ زندانی
یہاں[۱] کے چور وہ شاطر ہیں فنِ دزدی میں چُرا لیں آنکھ نہ سمجھے نگاہِ انسانی
جو دست بُرد دکھائیں وہ اپنی عید کے دن اجل نہ پائے کبھی نقدِ جانِ قربانی
کمند وجست کی ہو احتیاج اگر اُن کو اُڑا ہی لائیں رمِ آہوئے بیابانی
تو نگری جو وہ پائیں کسی کی قسمت میں چُرا لیں غیب سے مضمونِ خطِ پیشانی
تراش لائیں نقاطِ نجوم دم بھر میں نہ رہنے پائے بیاضِ سپہرِ افشانی
گہر سے آنسوؤں کو اب نہ دے کوئی تشبیہ یہ لوگ آنکھ چُرا لینے میں ہیں لاثانی
سحابِ تیرہ نہیں یاکسوف بن جائیں جو جامِ مہر میں سُن پائیں سونے کا پانی
برہنہ مثلِ بہشتائم[۲] بنا دیا سب کو اُتار لے گئے بالکل لباسِ انسانی

بہ اُن کی چوری کی تاریخ کہدی ہاتف نے
وہ کہنہ دزد چرا لیں گے ثوبِ عریانی

۱۱ + ۸۰ + ۱۵ + ۲۰۴ + ۳۰ + ۵۰۸ + ۳۴۱ = سنہ ۱۲۷۹ ہجری

سید صاحب نے اس قطعہ کے کہنے میں کمال شاعری دکھایا تھا بخت محنت سے کہا تھا۔ خدا کسی کی محنت کو برباد نہیں کرتا۔ ایک ذی علم پارسی جہانگیر نام بمبئی سے اسیر ہو کر پہنچا۔ اور میر صاحب کا شہرۂ کلام و کمال سُنکر حاضرِ خدمت ہو کر شاگرد ہوا۔ یہ پارسی ہندی۔ فارسی۔ انگریزی۔ تینوں زبانوں میں علوم پڑھا ہوا تھا۔ میر صاحب کو نئے کپڑے بھی بنوا دیئے اور کچھ نذر بھی دیا۔ (خدا کرے ابکی دفعہ میر صاحب کو غافل پاکر کوئی اور چور لباس نہ چُرا لیجائے۔ اور پھر اور قطعہ نہ کہنا پڑے) خیر۔ اس پارسی کی شان میں میر صاحب کی فارسی نظم بھی سن لیجئے۔ دیکھئے کیسی سلیس زبان ہے۔

قطعہ

مغ پسرے طرفہ زساسانیاں — نغز چوانیست جہانگیر نام
نکتہ رس زمزم و اوستاؤزند — فرخ و فرخ گہر و شاد کام
ہندوی و فارسی و انگلشی — آمدہ زیں ہر سہ ہمایش بدام
تازہ اسیر آمدہ از بمبئی — یافت دریں قید ہمایوں مقام
خود برِ من آمدہ دانش پژوہ — دادمش از بادۂ فرہنگ جام
پوشش و سرمایۂ آسودگی — داد بمن گشتم از و شاد کام

سالِ دعائیہ نوشتم منیر
بادۂ شوق و سرورش بجام

۷۰۰ + ۵۰ + ۴۰۶ + ۴۴ + ۷۶۶ + ۴۶ = ۱۲۸۱ سنہ ہجری

پورٹ بلیر انڈمن میں منیر مرحوم کے جانے سے مالی جسمانی۔ روحانی بہت سے صدمے پہنچے جو اُنہوں نے جابجا اپنی نظموں اور نثروں (رقعات وغیرہ) میں لکھے ہیں مگر بقول حقیر ثابت ؎

مصرتوں میں بھی اکثر مفاد ہوتے ہیں — کہیں ملول کہیں قلب شاد ہوتے ہیں

بہت سے فائدے بھی ہوئے۔ چنانچہ غدر اور بعد غدر ۱۸۵۷ء کا کلام منیر مرحوم کا جب ملاکر غور سے ہم دیکھتے ہیں تو زمین آسمان کا ایسا فرق نظر آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ گھنٹہ دو گھنٹہ دفتر کا کام کر لینے کے بعد منیر مرحوم کتب بینی و تصنیف میں مشغول رہتے تھے۔ اتفاق سے جس کامل بلکہ اکمل روزگار مولوی فضلِ حق صاحب خیرآبادی کی صحبت سے حضرت غالب دہلوی کو فیض پہنچا تھا وہی بزرگوار قید ہو کر دریائے شور میں سید صاحب

موصوف کے پاس پہنچ گئے۔ ان سے دن رات سیّد صاحب ہم صحبت رہتے تھے۔ ہزاروں علمی مسائل کی بحث رہا کرتی تھی۔ اس زمانے میں جو قصائد منیر مرحوم نے کہے وہ کُل نہیں تو بعض تو ضرور لاجواب ہیں چنانچہ جنابِ امام حسن علیہ السّلام کی مدح میں جو قصیدہ منیر مرحوم نے کہا ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

اشک زلیخا ہوئے بحر صفت جوش زن　　غرق ہوا نیل میں یوسفِ گُل پیرہن

یہ قصیدہ مولانا ممدوح کی فرمائش ہی سے کہا جس میں مصطلحات و استعارات و کنایات کا مینہ برسایا ہے۔ اسی قصیدہ کے آخر میں فرماتے ہیں ؎

مولوی بے نظیر۔ فضلِ حق اسم شریف　　دہلی سے تا لکھنؤ مشتہر و مؤتمن

قید میں میں اور وہ رہتے تھے ایک ہی جگہ　　عین سمندر میں تھے غرقۂ بحرِ محن

کہنے لگے ایک دن کچھ سبب اس کا بتا　　شاعرِ اُردو زباں اس میں ہوں نوٗ یا کہن

مصطلحاتِ عجم اور کنایاتِ فرس　　کس لیئے کرتے نہیں زینتِ نظمِ سخن

یا متحمل نہیں لہجۂ اُردو زباں　　یا کوئی لائق نہیں تم میں سے بے ریب وطن

گو کہ غزل میں نہو پر ہے قصیدہ میں فرض　　دقّتِ مضموں سے ہے حُسن بوجہ حسن

حضرتِ سوداؔ بغیر کس نے قصیدے کہے　　وہ بھی پر اس راہ میں ہونہ سکے قطرہ زن

شاعروں میں جز غزل پھر نہ کسی نے کہا　　زعم میں گو اپنے ہوں طوطیِ شکّر شکن

میں نے کہا راست ہے آپ جو فرماتے ہیں　　آپ سُنیں تو کہے کچھ یہ اسیرِ محن

مصطلحاتِ غریب جو کہ نہ معروف ہوں　　نظم کرے کس طرح شاعرِ ہندی سخن

جو متعارف ہوا شاعروں میں پہلے سے　　اُسکو بھی سُن سُن کے آج ہوتے ہیں سب طعنہ زن

کہنے لگے یہ کلام مہمل و بے مغز ہے　　ہیں شعرا بے سواد جہل ہے اُن کا وطن

گرم ہوئے بڑھ گیا سلسلۂ قہر و خشم　　بسکہ تھے نازک مزاج ماتھے پر آئی شکن

کہتے تھے وہ بار بار ہندیوں سے ہے محال　　رمز و کنایات میں دقّت و لطفِ سخن

ہو کے ادب سے خموش پھر یہ قصیدہ کہا　　کوچۂ نو میں چلا قاصدِ مشقِ کہن

قید میں قحطِ کتاب حافظہ از بس ضعیف　　پر مددِ غیب سے خامہ ہوا حرف زن

نصف قصیدہ کیا سامنے اُن کے رقم

ختم ہوا جب وہ تھے ہمدم گور و کفن[1]

سنہ ۱۲۸۹ ہجری میں یہ قصیدہ کہا گیا ہے۔ اُسی سنہ میں غالباً مولانا ممدوح کا انتقال ہوا ہے۔ افسوس آج وہ زندہ نہیں ورنہ اس زمانہ کے جاہل تو جاہل بعض مدعیان علم شمس العلماء خطاب یافتہ بزرگوار وں کی تصانیف میں ہم یہ آفت دکھا دیتے کہ ایسے ذی علم استعارات و تشبیہات لانیوالے اُستاد شاعروں کے کلام کو مالیخولیائے خام سمجھتے اور لکھتے ہیں۔ ایسی آنکھ پھوٹنی روشنی پھیلی ہوئی ہے کہ بڑی بڑی آنکھوں والوں کو اندھا بتاتی ہیں۔ بدمذاق کہتے ہیں۔ یہ انسے کون کہے کہ حضرت آپکا مذاق ہی سلیم ہے اسکا کیا ثبوت ہے؟ جس کا مذاق آپ سے مخالف ہے وہ آپ کو بدمذاق کہیگا۔ مگر ہم تو ایسے بزرگواروں کو بھی اچھا کہینگے۔ بقول ملک الشعراء ابو طالب کلیم ہمدانی رح ؎

دشنام خلق را ندہم جز دعا جواب ابرم کہ تلخ گریم و شیریں عوض دہم

الحاصل منیر کے وہ قصیدے پڑھنے کے قابل ہیں۔ میں اس مقام پر ایک قصیدے میں سے صرف حیات و موت کا مناظرہ لکھتا ہوں۔ دیکھیئے دونوں کے فائدے کس خوبی سے بیان فرمائے ہیں تخیل اس کا نام ہے ؎

زمانے بھر کی بلاؤں میں مبتلا تھا میں خفا ہیں جان سے تھا جان مجھ سے تھی بیزار
ادھر تو کھینچتی تھیں سخت جانیاں دامن اُدھر قضا مرے لیجانے کے لیئے تیار
بیں طرفہ ردّ و بدل تازہ کش مکش میں تھا مرے لیئے ہوئی ہستی و مرگ میں تکرار
ہر ایک کو دونوں میں دعوائے افضلیت تھا ہر ایک کرتی تھی اپنی فضیلتیں اظہار

(پہلے ہستی کے فائدے سُنیئے)

بیانِ دعویٔ ہستی یہ تھا کہ سُن اے مرگ میں تجھ سے بڑھکے ہوں آگاہ میں صغار و کبار
مرے طفیل سے قائم ہیں آسمان و زمیں مجھی سے ہیں مہ و خورشید مطلع انوار

[1] عالیجناب نواب حاجی سید محمد جعفر صاحب عرف نواب بیا صاحب ظلہ رئیس شمس آباد نے مجھ سے بسبیل تذکرہ فرمایا کہ خود میں نے منیر مرحوم سے پوچھا تھا کہ آپکی وہ تصنیف (قصائد و غزل وغیرہ) جو دریائے شور کی ابتدائی کلام سے اس قدر چست کیوں ہے کہ زمین و آسمان کا سا فرق معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا۔ جہاں اور اسباب ہیں مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی کی صحبت اور رات دن کی بحث و گفتگو کا بھی اثر ہے ۱۲ ثابت

مرے سبب سے ہیں مہدیِ دینِ حق قائم
مرے سبب سے ہیں ابدال صاحبِ اسرار

خدا نے کھائی قسم ہستیٔ محمدؐ کی
تو کیا ہے۔ عرش سے بھی میں ہوئی بلند وقار

مرے سبب سے خضرؑ رہنمائے عالم ہے
مرے سبب سے مسیحا ہے آسمان ستیار

محیط دہر میں میں ہوں برنگ کشتیٔ نوحؑ
ترے وجود میں طوفان قہر کے آثار

مرے پیالے میں آبِ حیات ہے لبریز
تری شراب میں مخلوط زہرِ عقرب و مار

خراب ٹوٹے ہوئے مقبرے تری جاگیر
مرے نصیب میں سونے کے قصر مینا کار

ترے دماغ کو حاصل عفونتِ اموات
مرے مشام میں عطرِ نفیسِ مشکِ تتار

جہان بھر میں تباہی تری نحوست سے
زمانہ میرے قدم کے طفیل باغ و بہار

ترے نصیب میں ہیں استخوانِ فرسودہ
مرے کنار میں خوش قطع شاہدانِ تتار

ترا ہے نام زمانے میں ہادم لذات
جہان و جاں کی بنا کے لیئے ہوں میں معمار

خطاب سب نے دیا مجھ کو جانِ شیریں کا
ہر ایک تلخیٔ بے نفع سے تری بیزار

مرا جلو میں سواری ہے صحت و طاقت
ترا غبارِ قدم رنگِ چہرۂ بیمار

مرے ہی دم سے ہیں ایوانِ زینگار آباد
ترے قدم سے خرابی کے ہر طرف آثار

ترے نصیب میں ہے بوریا صفِ ماتم
مجھے خدا نے دیا بادشاہوں کا دربار

مرے نصیب میں بانگِ نشاط۔ نغمۂ عیش
تری لباط میں ہے نوحہ اور نالۂ زار

(اب موت کا جواب سُنیئے اور اُسکے فائدوں پر غور کیجیئے)

کہا یہ مرگ نے بس بس خموش اے ہستی
کچھ اس میں راست ہے کچھ لاف ہو تری گفتار

میں وہ ہوں جس سے لرزتے ہیں کشانِ جہاں
میں وہ ہوں جس سے ہیں عاجز ستمگر و اشرار

جو میں نہ ہوتی تو کرتا نہ کوئی طاعتِ حق
جو میں نہ ہوتی تو ہو جاتے سب غریب آزار

مرے سبب سے شہیدوں کو ہے حیاتِ ابد
مرے سبب سے ہیں پیوندِ خاک بد کردار

مرے وسیلے سے ابرار زینتِ فردوس
مرے طفیل سے اشرار ہیں وقود النار

پسند آتی ہے تو کس کو ضعفِ پیری میں
کہ اپنی جان سے ہو جاتے ہیں بشر بیزار

ترے سبب سے ہیں محلوں میں چند دولتمند
ہزاروں رنج سے ہیں نالہ کش پسِ دیوار

تری شراب نہیں ہے خمار سے خالی
نہفتہ نوش میں تیرے ہیں نیش زہر ہزار

ہزاروں ہیں مرضِ مفلسی سے جاں برلب
بتا تو کس کو پلاتی ہے شربتِ دینار

ہزاروں قید میں روتے ہیں جان کو تیری
مجھے بُلاتے ہیں سر پھوڑ پھوڑ کر ہر بار

زمانے بھر میں ہے شکوہ ترے تلوّن کا
کسی کے ساتھ نہیں تیری ایک سی رفتار

کسی کو کھینچکے مسند سے خاک پر پھینکا
کسی کو ڈالدیا چاہِ غم میں یوسف وار

امیر تھے جو سلیمانِ عہد دنیا میں
برنگِ مور وہ پھرتے ہیں دانے کو ناچار

غضب ہے تخت سے جمشید کو اُتار دے تو
ستم یہ اور ہے ضحّاک کو کرے مختار

بتا جو نزع کی مشکل نہ میں کروں آسان
تو تا بحشر پڑا تڑپے نیم کُشتہ شکار

اگر کروں نہ سبکدوش میں دمِ سکرات
تو بارِ خاطرِ اہل و عیال ہو بیمار

غرضکہ رکھتی ہوں میں ہر غریب کا پردہ
تجھے بھی چاہیئے ہو دل سے میری منّت دار

غرور کرکے ہوئے مدّعی خدائی کے
ترے سبب سے سلاطین ظالم و جبّار

خوشی میں تو نے شہانِ عنید کو رکھا
ملول تجھ سے رہے انبیائے عزّ و وقار

خدا نے حکم دیا قبل ان تموتوا[1] کا
جہان میں مرے مشتاق رہتے ہیں ابرار

گریز قصیدے کی جان ہے یہ قصیدہ حبیب خدا محمد مصطفٰے صلعم روحی لہ الفدا کی شان میں ہے۔ فرماتے ہیں۔

گزشتہ را صلوات اب بنورِ حال کو دیکھ
کہ تیرے پاس بہت بد ہیں کم ہیں نیکوکار

پیمبرانِ خدا میرے شہر میں سب ہیں
کہ جن کے نقشِ کفِ پا سے خلد ہے گلزار

خصوصاً اُن میں شہِ انبیا حبیبِ خدا
شفیعِ امّت و محبوبِ ایزدِ غفّار

صفائے آئنہ لا الٰہ الا اللہ
جلائے سرمۂ مازاغ واقفِ اسرار

دل تو چاہتا ہے اور کچھ قصائد کے اشعار لکھوں مگر خوف یہ ہے کہ بعض ناظرین کی طبیعتوں پر اتنا انتخابِ کلام بھی گراں گزریگا۔ میں نے اس قدر طولانی جو حال لکھا ہے اور کلام بھی ہر قسم کا زیادہ چھانٹا ہے اس کے دو سبب ہیں۔ اوّل تو کلیاتِ منیر کمیاب ہے۔ لوگ منیر اور اُن کے کلام کو بھولتے جاتے

[1] موتوا! قبل ان تموتوا! یعنی مرنے سے پہلے مرو۔ بظاہر مراد یہ ہے کہ خاکساری اختیار کرو دبا اپنے نفسوں کو مارو ۱۲

ہیں۔ دوسرے اس زمانے میں بھی سیتاگرہ کے نام سے غدر ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اعتدال سے بڑھکر جو لوگ حق طلبی میں شور مچاتے ہیں۔ اُسکا انجام غدر اور غدر کی مصیبتیں ہوتی ہیں۔ ایک بُرائی کرتا ہے۔ ہزار بے گناہ مارے جاتے ہیں۔ منیر مرحوم کا حال چشم عبرت سے ناظرین دیکھیں۔ یہ غریب عالم۔ شاعر۔ عابد۔ گوشہ نشین۔ حاسدوں کی بدولت کیسا تباہ ہوا۔ جہانتک مجھ کو علم ہے محض بے گناہ تھا معلوم ہوتا ہے دس سال کی قید سخت کی سزا پائی تھی۔ اُس میں سے دو سال ہندوستان میں قید بھگتنے کے بعد دریائے شور کے جزیرے میں آٹھ سال قید سخت میں رہنے کے واسطے گئے۔ نیک چلن رہے۔ دو سال نیک چلنی کے ملے۔ چھ سال کے بعد ۱۵ صفر ۱۲۸۲ ہجری روز شنبہ رہائی پائی۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں ع

روز شنبہ نیمۂ ماہ صفر مسعود بود۔ آب جہاز دودی پر سوار ہوکر کلکتہ کو آرہے ہیں۔ ناظرین! دل گوارا نہیں کرتا کہ چند شعر رہائی کے متعلق منیر کے قصیدے کے نہ سُناؤں۔ لیجئے سُنیئے ؎

بارے آئی نجات کی باری	کھل گیا عقدۂ گرفتاری
ہمکو منصب ملے رہائی کا	قید کو جائداد بیکاری
پاؤں کو چھوڑ بھاگے مار دوسر	سر کو پشتارۂ گرانباری
کوچ ٹھیرا مقام غربت سے	اب وطن چلنے کی ہے تیاری
رخصت اے دوستان زندانی	الوداع اے غم گرفتاری
الرحیل اے مشقت ہر روز	الفراق اے ہجوم بیماری
دال۔ نے عین اے کتاب قید	گاف میم اے حساب سرکاری
دال چاول سے کہدو رخصت ہوا	پانی میں ڈوبے یہ نمک کھاری
مچھلیوں سے کہو کہ مٹ کے مریں	گھاس کھودے یہاں کی ترکاری
چینی۔ برہما۔ خطائی۔ مدراسی	اہل آسام جنگلی[1] تاتاری

[1] بعض بزرگوار آتش مرحوم کے مشہور شعر پر اعتراض کرتے ہیں ؎ کسی چشم سیہ کا جب ہوا ثابت دیوانہ ۔ تو مجھ سے مست ہاتھی کی طرح جنگلی ہرن بھڑا۔ لفظ جنگلی پر اعتراض ہوا کہ اس میں ایک نون گرتا ہے۔ لفظ صحیح جنگل بروزن فعلن ہے جنگلی فاعلن کے وزن پر لانا چاہیے تھا۔ بایں ہمہ کہ لفظ جنگل سنسکرت اور ہندی میں مشترک ہے میں نے ایک سنسکرت داں کتاب لغت لیکر اپنی آنکھ سے دیکھا اور جنگل کے معنی بن کے لکھکر نون کو نون غنہ لکھا۔ پس جنگلی فعلن کے وزن پر ہندی ہے اور صحیح ہے منیر مرحوم نے بھی ع اہل آسام جنگلی تاتاری (دیکھو صفحہ آیندہ)

اپنے دیدار سے معاف کریں — اپنی باتوں سے دیں سبکباری
کالے پانی سے ہوتے ہیں رخصت — اشکِ شادی ہیں آنکھوں سے جاری
بیٹھتے ہیں جہاز دودی پر — اُٹھتے ہیں لنگر گرانباری
کرم اے خضر۔ المدد اے نوحؑ — رحم اے فضلِ حضرتِ باری
السّلام اے خروشِ بحرِ محیط — السّفر اے سفینۂ جاری
زادِ راہِ سفر توکّل ہے — رہنمائی کو اُسکی غفّاری
ہمسفر قافلے ہیں موجوں کے — خضرؑ و نوحؑ کو ہے سالاری
جامِ بلّور ہر حباب میں ہے — عکسِ خورشید کی طلاکاری
خشک ہو خونِ نخلِ مرجاں کا — موجِ دریا کی نبضِ فشاری
کیسۂ ہر حباب کو حاصل — فلسِ ماہی سے فیضِ زرداری

(سمندر کے دن اور رات)

دن کو خورشید کی زرافشانی — رات کو اُوجسؔ کی گہرباری
بحرِ اخضر کی بیتی رنگت — فلکِ سبز کی ضیا باری (یکرنگی)
اس طرف فرشِ طلسِ آبی — اُس طرف سائبانِ زنگاری (دورنگی)
پانی کے اُٹھتے ہیں بلند پہاڑ — اُس پر آتی ہے موج کی باری (سمندر کی موجیں)
پانی پر چڑھکے پانی بہتا ہے — قدرتِ حق کی ہے نموداری
بل بے شور آتشیں سفینے کے — اُف ری پہیوں کی گرم رفتاری
ناخداؤ معلّم و ملّاح — چست و چالاک محوِ ہشیاری
ابر و باران و موسمِ طوفاں — یا علیؑ ہر زبان پہ جاری
شوقِ بادِ مراد کا ہر دم — خوفِ طوفاں سے دل کو بیزاری
نکلے دریائے شور سے صد شکر — بحرِ شیریں کی آ گئی باری

(بقیہ صفحہ گزشتہ) صحیح باندھا ہے۔ جو لوگ جنگل کو محض فارسی لفظ سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اسی طرح رنگ ہندی و فارسی میں ایک معنی پر ہے۔ لغت ہندی میں رنج ہے۔ جیم اور گاف کا بدل اکثر زبانوں میں ہے ۱۲

نظر آیا سوادِ کلکتہ — شکر ہے شکرِ حضرتِ باری
سیکڑوں آ گبوٹ اور جہاز — جن سے دریا کی گرم بازاری
جیسے زلفِ پری دمِ پرواز — لٹ دھوئیں کی ہوا میں یوں پھیلی
بادبان سفید جلوہ کناں — دامنِ صبح کی صفا کاری

کلیات کی اکثر نظموں سے پتہ چلتا ہے کہ آگ بوٹ سے اُتر کر کلکتہ میں سید منیر ریل پر بیٹھ گئے اور سیدھے الٰہ آباد آئے۔ یہاں منشی غلام عباس صاحب اور اپنے شاگرد رشید سید علی عباد صاحب نیساں کے مہمان اور مریض رہے کانپور آئے۔ یہ سنہ ۱۲۸۳ ہجری کا ذکر ہے۔ اسی سال منیر مرحوم لکھنؤ پہنچے اور اپنے دوستوں اور اُستاد مرزا دبیر مغفور سے ملے۔ اور اُس بڑی یادگار مجلس میں شریک ہوئے جو دارو غہ میر واجد علی صاحب تسخیر (خیر خواہ کمپنی و گورنمنٹ) کے امام باڑہ واقع گولا گنج لکھنؤ میں ہوئی تھی جس کا مفصل حال میں نے حیاتِ دبیر جلد اوّل میں میر دستور علی صاحب بلگرامی مرحوم کی زبانی لکھا ہے جس مجلس میں میرزا صاحب نے یہ نیا مرثیہ پڑھا تھا ؎ پرچم ہے کس علم کا شعاعِ آفتاب کی۔ عالیجناب نواب پیارے صاحب قبلہ رئیس شمس آباد مدظلہ العالی کا بیان ہے کہ مرزا صاحب اکثر مقاماتِ مرثیہ پر جناب منشی منیر صاحب کو خاص طور پر مخاطب کر کے پڑھتے جاتے تھے۔ المختصر چند سال منیر مرحوم کو بیکاری کے عالم میں کبھی لکھنؤ کبھی کانپور کبھی الٰہ آباد میں گزرے۔ جابجا خطوط بھی روانہ کیے مگر کہیں سے کسی رئیس نے طلب نہ کیا۔ اللہ اللہ کیسا کتابِ زمانہ کا ورق انقلاب کی ہوائے مخالف نے اُلٹا تھا کہ ایسے کامل شخص کو کوئی نہ پوچھتا تھا۔ یا وہ زمانہ تھا کہ نواب یوسف علی خاں صاحب رئیس رامپور نے بعہدِ ولیعہدی زادِ راہ بھیجکر انکو طلب کیا تھا اور ایک حادثہ ہو جانیکے سبب سے انہوں نے وہ روپیہ واپس کر کے لکھا تھا ؎

ناچار بھیجتا ہوں عطیہ حضور کا — عرضی میں ہے یہ حالِ مفصل لکھا ہوا
ہو میری یاد بعدِ محرم تو خوب ہے — اُس وقت مرحمت ہو جو کچھ اب عطا ہوا

یہ مقطع اس قطعہ کا مقطوع الجواب ہے ؎

دربار میں منیر غزل خوانیاں کرے — طوطی حضور مول لیں یہ بولتا ہوا

دیوان اوّل میں یہ قطعہ ہے جس کا نام تاریخی منتخب العالم ہے جس میں سے ۱۲۶۴ سنہ ہجری نکلتے ہیں پس معلوم ہوا کہ یہ قطعہ سنہ ۱۲۶۴ ہجری یا اس سے پہلے کا مصنفہ ہے۔ سید منیر کا رام پور اُس وقت جانا نہ ہوا۔ پھر غدر سنہ ۱۸۵۷ء ہو گیا۔ اُسکے بعد منیر مرحوم دریائے شور پہنچے۔ ادھر نواب یوسف علی خاں صاحب

ناظم۔ ولیعہد سے خود مختار نواب ہو گئے تھے بعلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب کو منیر سے محبت تھی کہ وہاں بھی اُنہوں نے شقہ بھیجا۔ سید منیر نے کچھ اپنا کلام بھی بھیجا جس میں یہ غزل بھی تھی جو دیوانِ اوّل میں صفحہ ۲۰۳ پر ہے اور جس کا مقطع یہ ہے ؎

میرے ہنر کا کوئی نہیں قدرداں منیر
شرمندہ ہوں میں اپنے کمالوں کے سامنے

قدردان نواب ممدوح نے جواب میں جو غزل اسی طرح میں بھیجی اُسکا مقطع تھا ؎

ناظم۔ منیر آئے یہاں ہم ہیں قدرداں
شرمندہ کیوں ہے اپنے کمالوں کے سامنے

کلیات میں صفحہ ۶۰۵ پر جو بزبان فارسی نواب صاحب ممدوح کے نام ایک عرضی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزل کسی فرخ آبادی دوست کی معرفت سید منیر مرحوم کو پہنچی تھی۔ چنانچہ یہ فقرہ بھی درجِ عرضی ہے "در مقطع فیض منبع اشارہ بطلبِ ایں کس میپرس چوں ہلالِ عید جلوہ نماست" یعنی مقطع میں مجھے بلانے کا اشارہ ہے۔ اسکے بعد لکھا ہے کہ زمانہ میری رہائی کا قریب ہے۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو فوراً حاضر ہوتا۔ یہ عریضہ اواخر دسمبر ۱۸۶۴ء کا ہے جس کو کاتب (کاپی نویس) نے سہواً ۱۲۶۴ھ لکھدیا ہے۔ اب جو سیّد صاحب ہندوستان میں آئے تو قدرداں نواب ممدوح خلد بریں کی سیر کو تشریف لے گئے تھے۔ دبیر ؎

عجب سرا ہے یہ دنیا کہ جس میں شام و سحر
کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

جنابِ منیر مرحوم نے ایک منظوم عرضی نواب کلب علی خاں صاحب کی خدمت میں بھیجی جس کا لفافہ بھی منظوم ہے۔ اس نظم (مثنوی) میں غدر میں رئیسوں (قدردانوں) کی تباہی لکھکر کنجوس بھی چوس۔ منحوس رئیسوں کی دل کھولکر ہجو کی ہے۔ درجۂ رسمر سننے کے قابل ہیں ؎

جہاں اُن کا ہے عرش کبریائی
فرشتے کی وہاں مشکل رسائی

اگر پڑھی اُنہوں نے طبِّ اکبر
ارسطو کو گنا شاگرد کمتر

کہے جو فارسی میں چند اشعار
تو خاقانی نگاہوں میں ہوا خوار

نہیں دیکھی مطوّل اور مفتاح
فرزدق کو دیا کرتے ہیں اصلاح

زبانِ فارسی کو بھی نہ مانیں
نہ کیوں اُردو کو اپنا ننگ جانیں

سخاوت کو کہیں اسرافِ بیجا
عروسِ بخل پر تقوے کا پردا

جو سائل مستحق بھی ہو کرم کا — تو بوذرؓ کو کہیں بندہ درم کا
اگر دیدیں کسی کو ایک پائی — تو سمجھیں بخشدی ساری خدائی
نمازِ پنجگانہ پر ہیں نازاں — خدا کو کرتے ہیں ممنونِ احساں
دورنگی اُن کی ظاہر کرسکے کون — لباسِ حضرتِ موسےٰ میں فرعون (واہ)

ولیعہد کی شادی کی تقریب درپیش تھی۔ اس عرضی کے ساتھ چند قطعاتِ تاریخ بھی بھیجے تھے۔ یہ مثنوی (مذکورہ) مندرجہ کلیات صفحہ ۱۴۰/۱۴۴ بہت موثر نظم ہے۔ غدر میں جو منیر کے قدرشناس رئیس برباد و مرحوم ہوگئے تھے اُن کی قدردانی اور بربادی کی تصویر کھینچدی ہے جس کو پڑھکر ناظر کا دل بیتاب ہوجاتا ہے۔ یہ نظم خالی نہ گئی۔ نویں شعبان ۱۲۸۷ ہجری کو یہ عرضی الہ آباد سے رامپور کو روانہ کی تھی۔ دہم ماہِ مبارک رمضان ۱۲۸۷ ہجری کو سو روپیہ کی ہنڈوی رامپور سے الہ آباد میں منیر مرحوم کو پہنچی۔ اس ہنڈوی کی رسید میں جو عرضی منیر مرحوم نے نواب صاحب رامپور کو بھیجی ہے وہ کلیات میں صفحہ ۶۱۷ پر موجود ہے۔

سید منیر ایسے آدمی تھے کہ اُنسے خالی نہ بیٹھا جاتا تھا۔ تعجب یہ ہے کہ افیونی ہوکر اُن میں اس قدر کام کرنے کا مادّہ تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں آنے پر ۱۲۸۵ھ و ۱۲۸۶ھ یہ دونوں سال بیکاری و بربادی کے تھے مگر سید موصوف ان دونسال میں بھی خالی نہ بیٹھے۔ ایک بہت بڑا کام کیا جس سے اُن کی آخرت سُدھر گئی۔ دنیا میں بڑا نام ہوا۔ وہ کیا کام تھا معراج المضامین ایسی مثنوی تصنیف فرمائی جس میں چہاردہ معصومؑ کے حالات ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اور بھی کچھ ایسا کیا ہے جس کو تمام ہندوستان کے شعرا نے لاجواب مانا ہے۔ بہتر ہے خود سید منیر کی زبان سے اسکی تعریف عرض کروں صفحہ ۱۵۲ پر راجہ امیر حسن خاں صاحب مرحوم والی محمود آباد کے نام جو مثنوی ہے وہ سنیئے ؎

مری تصنیف جتنی ہوچکی ہے — اُسی میں سے یہ جلدِ مثنوی ہے
ائمہؑ کی ثنا سے ہے یہ مشحون — فضائل معجزات اس میں ہیں موزوں
رقم ہیں اس میں آیات و احادیث — سراپا ہیں روایات و احادیث
بیانِ بزم ہے مرغوب جمہور — خصوصاً گھاٹ کے میلے کا مذکور
بہارِ گل خزانِ باغ باہم — نیا گرماؤ سرما کا ہے عالم

خصوصًا جنگِ میداں دیدنی ہے — گُلِ مضمونِ تازہ چیدنی ہے
جہاں گھوڑے کی تعریفیں ہیں منظوم — تعلّی اُس جگہ خود ہوگی معلوم
مضامیں اس میں ہیں بے شل و تازہ — عروسِ فہم کے چہرے کا غازہ
خدا کے فضل سے اُردو زباں میں — جواب اس کا نہیں ہندوستاں میں
جو ہیں اردو زباں کے شاعرِ اُستاد — سبھوں نے کر دیا اس نظم پر صاد
لکھے ہیں سب نے تاریخوں میں اوصاف — رقم ہیں خاتمے پر اسکے وہ صاف
بطورِ ارمغانِ عاجزانہ — میں اک جلد اسکی کرتا ہوں روانہ

خاتمۂ کلیات پر جو بعض رقعات وغیرہ ہیں اُن کے پڑھنے والے کو (بشرطیکہ سمجھکر پڑھے) یقین ہو جاتا ہے کہ سیّد منیر نہایت محقق شاعر تھے اور ہر رنگ میں اُن کا کلام تھوڑا بہت ملتا ہے۔ اور تو اور نثرِ مرجّز بھی انکے دیوان میں موجود ہے۔ نثرِ مرجّز کیا ہے؟ وہی بے قافیہ کی نظم جسکو انگریزی خواں بلینک ورس کہکر تعریفیں کرتے ہیں۔ اور جس سے مشرقی شاعری خصوصًا اُردو کو خالی سمجھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں اسکو نثر سمجھا گیا۔ قافیہ نہونے سے یہ نظم نہ رہی۔ مگر جب محقق طوسی خواجہ نصیر الدّین علیہ الرّحمہ کا معیار الاشعار میں یہ ارشاد ہے کہ نفسِ شعر (نظم) میں قافیہ داخل نہیں تو پھر ہم بھی اسکو (اہلِ یورپ کی طرح) نظم کیوں نہ کہیں۔ بہرحال اسکو نظم سمجھو یا نثر یا بلینک ورس۔ سیّد منیر کے یہاں یہ موجود ہے۔ کلیات کے صفحہ ۶۱۶ پر ایک رقعہ نواب آغا سیّد علی حسن خاں بہادر (مرحوم) کے لڑکے کی تعزیت میں (فارسی زبان میں) ہے جسکو میں یہاں نقل کرتا ہوں (بعض لفظ میں چھاپے کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ مجھے جیسی یہ نثر ملی ویسی ہی لکھے دیتا ہوں۔

درخدمتِ ذی حشمت نیساں کف و دریا دل — فیاضِ زمانِ من۔ اقبال فزوں باد
با دولت و عمر و جاہ تسلیم و گزارش است — یک ماہ کما ہیش است۔ کز خدمت آں حضرت
آمد گہریں نامہ۔ مشحون عنایت ہا — دل بر ورقش سودم۔ جاں بر سرِ وجاں دادم
ہرگاہ کشادستم۔ دیدم خبرے دروے — کز دیدنش اشک خوں۔ از دیدہ رواں کردم
وز پیرہنِ چاکم۔ چاکے بجگر در شد — اے وائے کہ آں نوگل۔ زیبِ چمنِ ہستی
کو چک پسرِ حضرت۔ از بادِ خزانِ مرگ — افسردہ و پژمردہ۔ اُفتاد بخاک اندر

چشم از من و تو بستہ - در مہدِ فنا خفتہ
او باغِ ثمر تازش واں نخلِ چمن پرور

بر چید بایں زودی گلچینِ اجل یک بار
افسوس کہ بے آں گل بلبل بفغاں اندر

ہر غنچہ بدل تنگی - گل چاک بہ پیراہن
ہم سنبل و ہم سوسن - اینست پریشاں مو

واں پیرہنش نیلی - ہے ہے بقضائے حق
انساں چہ تواند کرد جز صبر و شکیبائی

کاں مرہم ایں زخم است ہم چارۂ دردِ دل
در بارۂ ایں معنی - حرفے بقلم دادن

گل را بچمن بردن ہم سرمہ باصفاہاں
چوں حضرتِ والا خود بہتر ز من آگاہند

پس خوشتر ازیں نبود - از بہرِ دعا دستے
تا عرش برافرازم - گویم کہ خداوندا

دادارِ جہاں پرور - از بہرِ رسولِ پاک
واز بہرِ ائمہؑ اش آغائے مرا عمرے

چوں خضر کرامت کن - اقبالِ سکندر ہم
ہم عمر مہیں پورش - باجاہ و جلال و علم

تا دورِ سپہر افزوں - جز خط ادب حالا
دیگر چہ توانم گفت - آں عرضۂ اخرے را

باید بقلم آرم - فریاد حزیں استی
مکتوبِ منیر استی بست و سوئین استی

از ماہِ رجب امروز - الف و مأتین استی
ہشتاد و شش افزوں تر -

اب تک ہم ہندیوں کے کان ایسی نظم بے قافیہ سے آشنا نہیں اس لیئے یہ طرز کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی - اگر اسکا رواج ہوجائیگا تو پھر ہر شخص پسند کریگا - بعض وقت واقعہ نگار شاعر کو قافیہ و ردیف کی پابندی ایسا مجبور کردیتی ہے کہ ایک مصرع تو بہت عمدہ ہوجاتا ہے - دوسرا اچھا نہیں ہوتا - پھر شاعر جو مصرع پر مصرع لگاتا ہی تو صاف تکلف نظر آتا ہے - یہ مبتدیوں کا ذکر نہیں - کاملوں کے کلام میں بھی کہیں کہیں یہی بات پائی جاتی ہی - اگر شاعر اُردو مرثیہ گو یا مثنوی گو کو یہ اختیار دیدیا جائے کہ جب وہ چاہے ضرورتاً بے قافیہ کا شعر لے آئے تو میرے خیال میں اُردو شاعری کو بہت ترقی ہو - میں ہر اُستاد شاعر اُردو کے کلام میں سے ایسے اشعار پیش کرسکتا ہوں جن میں مصرع پر اچھا مصرع قافیہ کی پابندی کی وجہ سے نہیں لگا ہے - محض تکلف اور بناوٹ ظاہر ہے - مگر عمداً ایسے اشعار نہیں لکھتا کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ یہ (ثابت) اس پردے میں اُستادوں کا پردہ فاش کرتا ہے - بہرحال یہ منیر کی بلینک ورس کا نمونہ ہے - جس کی نسبت آج تک قابلِ اطمینان طے نہ ہوسکا کہ یہ نظم ہے یا نثر - بلکہ یہ کہا جائے تو شاید بیجا نہ ہوگا کہ جس طرح مذکر - مؤنث کے علاوہ خنثےٰ ایک قسم ہے اسی طرح نظم و نثر کے علاوہ یہ ایک قسم کلام کی ہے - شعر کو مذکر - نثر کو مؤنث - اس قسم (مرجّن)

کو خفتہ سمجھو۔ عالیجناب نواب پیارے صاحب قبلہ مدظلہ سے معلوم ہوا کہ جناب میر صاحب مغفور نے سماعتِ داستان جن میر احمد علی صاحب شاگرد میرزا قاسم علی صاحب سے کی تھی۔ اُن میر احمد علی صاحب کے ایک داستان گو شاگرد نامی انبہ پرشاد تھے جو مسلمان ہو کر بھی اسی نام سے لکھنؤ میں مشہور تھے۔ داستان گوئی میں انہی انبہ پرشاد کے شاگرد منشی منیر صاحب تھے۔ زینتِ سخن جو آگرہ سے ایک گلدستہ ۱۸۸۱ء یا ۱۸۸۲ء میں سرآج الشعرا مرزا عاشق حسین صاحب بزم کی نگرانی میں نکلتا تھا مجھے یاد پڑتا ہے اُس میں بھی ایک داستان منیر مرحوم کی کہی ہوئی چھپتی تھی۔

اب میں منیر مرحوم کی نثر کا بھی نمونہ دکھاتا ہوں۔ منیر مرحوم کی نثر اُردو کی اکثر اُس زمانے کے نثاروں سے اچھی ہے۔ جا بجا بتکلف نثر مقفّٰی لانا اُس زمانہ کا فیشن تھا۔ وہ انکے یہاں بھی موجود ہے۔ دوسرا عیب یا صواب جس کو اس زمانے کے اکثر مصنفین و مولفین بھی مثل مولوی شبلی صاحب و مولوی حالی صاحب کے برتتے تھے یہ ہے کہ اکثر عربی کے الفاظ ٹھُسے ہوئے نظر آتے ہیں۔ گو اُس زمانے کے اہلِ علم کی زبانوں پر یہ الفاظ جاری تھے مگر متوسط درجہ کے لوگ انکو نہ بولتے تھے۔ حقیر کے نزدیک محاورہ و روزمرہ وہ ہے جس کو سب بولیں، اور جس کو کسی خاص طبقے یا گروہ کے آدمی استعمال کریں وہ اصطلاح ہے جس کا درجہ محاورہ سے گرا ہوا ہے۔ مگر افسوس کہ اس زمانہ کے نثار اخباروں میں جو مضامین لکھتے ہیں وہ بھی خواہ مخواہ عربی کے لفظ غیر مانوس و ثقیل ٹھونستے ہیں۔ بہرحال منیر مرحوم کی یہ نثر ہے۔ اور نثروں میں عربی ثقیل الفاظ بہت ہیں۔ مگر اس نثر میں غیر مانوس و غیر مشہور الفاظ بہت کم ہیں۔

(الٰہ آباد کی کیچڑ کی شکایت میں)

تیرہ بختی نے یہاں برسات میں بیداد کی　　فیلِ شب کا بیل ہے کیچڑ الٰہ آباد کی

اگرچہ ان دنوں ہر گلی کوچہ یہاں کا پاؤں پڑے کے سب سے اختلاط کرتا ہے لیکن بعض محلّوں کی زمین نے جیسے داؤد خاں کی سرائے۔ شاہ گنج۔ نور گنج۔ دوندی پور وغیرہ ہیں۔ تمام دنیا کی کیچڑ کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ چلنے پھرنے کا تو کیا ذکر ہے۔ دیکھیے تو پائے نظر پھسلا پڑتا ہے۔ سُنیے تو کان کا میل بڑھ کر گوشِ فیلِ مست پکڑتا ہے۔ لاٹھی کا ہونا اگرچہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہے مگر پائے چوبیں کا زور کب تک چلے بلکہ بہرام چوبینہ کا نیزہ اس جگہ مورچۂ ضعیف کا خلال ہے۔ دیواروں کے پاؤں خود اُکھڑے ہیں۔ وہ کس کی دستگیری کر سکتی ہیں۔ وہی مثل ہے ؎

ایک قطرے کی بھی شبنم کے اگر آمد سنی　　پاؤں دیواروں کے اُٹھے پیشوائی کے لیے

کیا بڑا وقت ہے کہ پاؤں کے نیچے کی زمین نکلی جاتی ہے۔ آٹھ مہینے وہ خاک اُڑتی ہے کہ لوگ خاکی وردیاں پہنے پھرتے ہیں۔ اس چار مہینے کی کیچڑ کی بدولت چھینٹوں کا لباس مفت حاصل ہے۔ اور چھینٹ بھی وہ نپختہ مزاج کہ ہزار شوب تک رفاقت نہیں چھوڑتی۔ کپڑا پھٹ جائے۔ داغ نہ جائے۔ ٹھوکریں کھانے کو اور ایسی پوشاک پہننے کو۔ واہ رے غریب پرور شہر۔ کہ کوئی ننگا بھوکا نہیں ہے۔ بھلا میلے کچیلے تو ہم رنگ ہیں مگر سفید پوش کی مٹی خراب ہے۔ واہ ری زمین کہ بعضی جگہ کی مٹی تو پاؤں پکڑ کے نہیں چھوڑتی اور بعضی جگہ پاؤں نہیں جمنے دیتی۔ وہ افراط ہے یہ تفریط۔ غرضکہ اعتدال کا مقام نصیب اعدا ہے۔ کہیں کہیں تو ایسی بدبو کیچڑ کا خمیر صد سالہ تیار ہے کہ اگر اُسکا پُتلا بنایا جاوے تو حبشی گندہ دہن گندہ بغل بھی اُسکے تعفن سے بیمار پڑ جائے۔ ابلیس کے مایۂ طینت میں اگر یہ کیچڑ شریک ہوتی تو آدمی پر اُسکا فریب نہ چل سکتا۔ کیونکہ اُسکے قریب آتے ہی تعفن سے انسان متنبہ ہو کر تدبیر حفظ کر لیتا۔ گویا دنیا بھر کی عفونت و ملامت اسی کیچڑ کی بغل پروردہ ہے جب کبھی بھولے سے اسے دھوپ چھو جاتی ہے تو آفتاب کو عفونتِ اختلاط سے تپ حدید آجاتی ہے۔ قرص کا فورِ صبح کی حاجت ہوتی ہے ع مردار باآفتاب مرداد۔ کا مفہوم بھی کثرتِ تہوّع سے عاجز آجاتا ہے۔ ادھر سے آواز آتی ہے کہ کوئی چھڑائے ہم کیچڑ میں پھنسے ہیں۔ دوسرا کہتا ہے۔ ہائے ہائے ہم تو کمر تک دھنسے ہیں۔ کوئی صاحبان میونسپل کمشنروں کو پکارتا ہے کہ ہماری دستگیری کرو۔ وہ ایسی کب سُنتے ہیں۔ اور اگر سُنتے تو کہتے۔ ہماری بلا سے جیو یا مرو۔ واقعی تحصیلِ زر اُن کا کام ہے۔ صفائی شہر سے کیا کام ہے ؎

حسینوں ظلم سے پہلو تہی نہیں کرتے　　کہ دل کو لیکے بھی کچھ دلبری نہیں کرتے

صاحب فسانۂ عجائب نے جو کہا ہے وہ اس سرزمین کا ماجرا ہے ؎

دیکھی نئی رسم اس نگر میں　　جوتا ہے گلی میں آپ گھر میں

بیل بھینسوں کا ذکر کیا چلے۔ دل بادل سا ہاتھی آئے تو بھی نہ پتا چلے ؎

یہ دھوم پیرزالِ جہاں نے مچائی ہے　　دلدل میں بوڑھی بھینس پھنسی ہے دوہائی ہے

مٹی کا یہ حال ہے کہ پانی کی طرح ہر رنگ میں مل جاتی ہے۔ نرم ہو کر موم میں اور سختی سے سنگ میں مل جاتی ہے

ایک بوند میں گارا۔ ذرا سی دیر میں خارا۔ کیچڑ میں گر کر جس نے ذرا گردن ہلائی فوراً منہ کی کھائی ؎

چھوٹ کر دیوار سے پیٹ پڑ لگا　　دھول سر پر منہ پر اک تھپڑ لگا

صفائی شہر کی جان پر بنی ہے۔ کیچڑ سے گاڑھی چھنی ہے اگر شاعر یہاں کی زمین غزل میں موزوں کرے کمیتِ فکر منہ کے بھل گر کر سوار کو سرنگوں کرے۔ غور کرنے سے پائے تصور لتھڑ پتھڑ ہو۔ لکھیئے تو قلم کے پاؤں میں سیاہی کیچڑ ہو۔ باطن میں دل غبارِ کدورت سے پاک نہیں۔ ظاہر میں تیمم کو بھی خاک نہیں۔ یہاں میر انشاء اللہ خاں کے دریائے لطافت کے اگھورے کے نامۂ اعمال کی کثافت ہے ابر بار بار اس لیئے بلندی سے پانی برساتا ہے کہ یہاں کی کیچڑ کی چھینٹ سے دامن بچاتا ہے۔ نجاستِ غلیظہ کا ہر طرف ریلا ہے۔ اگر خشک ہے تو ریگ مثانہ یا استنجے کا ڈھیلا ہے۔ یبوست مزاج خاک پر رطوبت غالب ہے۔ بلغم و سودا ایک جان دو قالب ہے۔ مواد کثیفہ سے معدۂ زمین کو امتلاء فضلاتِ ردیہ کو منصب زمینداری ملا ہے۔ ہفت قلزم میں اگر اس منجلاب کا لغت ہوتا تو اُس کا مصنف اپنے لکھے کو روتا۔ بلکہ سات سمندر سے اگر نہ دھوتا تو اپنی پاکیزگی طبع کا نام ڈبوتا۔ اس کیچڑ سے جو خائف رہتی ہے تربیتی شہر چھوڑ کر دور رہتی ہے۔ یہ کیچڑ جس کی آب و گل کا خمیر ہو۔ کیا ممکن کہ طوفانِ نوحؑ سے بھی اُس کی تطہیر ہو۔ جس گھر میں اس کیچڑ کی کہگل ہو وہاں رہنا مشکل ہو۔ بیت الخلا کی بو باس ہو۔ بلکہ ہر والان بم پولیس اور ہر کوٹھری سنڈاس ہو۔ جس سے اس کیچڑ کی چھینٹ ہم بغل ہو۔ اُس کا پسینا بھی گندی دلدل ہو۔ تالاب میں نہائے تو پانی کیچڑ سے مبدّل ہو۔ اور وہی مثل ہو کہ ؎

سگ بدریائے ہفت گانہ بشو　　چونکہ تر شد پلید تر باشد

ابر جو برابر برستا ہے۔ راہ چلنے والا گھر جانے کو ترستا ہے۔ ہر چند کیچڑ راہ دینے والی نہیں۔ لیکن اس کا برسنا دو باتوں سے خالی نہیں۔ یا تو دلدل میں پھنسے ہوؤں کی کیچڑ دھوتا ہے۔ یا مینو سپلٹی کی جان کو روتا ہے۔ جب یہ مٹی جوتے سے لپٹ جاتی ہے تو گوشت بنکر پوست میں ڈٹ جاتی ہے۔ رباعی۔

یہ گوشت ہے عین پوست اے اہلِ جہاں　　پھر پوست کو گوشت چھوڑ کر جائے کہاں

جوتے میں لگی ہے سیکڑوں من مٹی　　مردوں کا بھی پاؤں بھاری ہوتا ہے یہاں

اگر حضرت آتش لکھنوی اس کیچڑ کا رنگ دیکھ پاتے تو یہ مطلع کبھی نہ فرماتے ؎

نہ چھوٹیگا چھڑا کر اس کو اے قاتل نہ بن لڑ کا　　وفاداروں کے خوں کا داغ کیا دھبہ ہے کیچڑ کا

آج کل جو کسی کی ملاقات کو جاتا ہے اگر ایک چھینٹا پڑ گیا تو کیچڑ کے ڈر سے پھر نہیں آتا ہی صاحب خانہ کی چھاتی کا پتھر ہوتا ہے۔ میزبان اُس کی جان کو وہ کیچڑ پانی کو روتا ہے۔ اشارے کنائے میں خصوصاً احافظ کا اظہار ہوتا ہی۔ مرزا سودا علیہ الرحمہ کی اس بیت کا معاملہ روبکار ہوتا ہے ؎

جوں لگی ہونے قطرہ افشانی　　لا رکھی اُس کے آگے بارانی

اگر غیرت سے چل نکلا۔ تو کیچڑ کا مہمان ناخواندہ۔ ازیں سو راندہ وزیں سو ماندہ بہرام گور جس دلدل میں مع گھوڑے کے پھنسکر زیر زمین رسیدہ تھا۔ شاید وہ چھیلا اسی کیچڑ کا نطفۂ گندیدہ تھا۔ ابر کیچڑ کے خوف سے مجبور ہے۔ چلنے پھرنے سے معذور ہے۔ لکاتبہ فی الغزل بطور ضرب المثل ؎

عالم بالا بھی گل در گل ہے جوش اشک سے　　تنگ ہے دلدل سے فیل آسمان برسات میں

کیا کہیں کہ اس فصل میں دل تو بہت کچھ کہنے کو کہتا ہے مگر یہ مطلع جناب سیدی و مولانا حضرت رشک طاب ثراہ کا باندک تصرف زبان پر رہتا ہے ؎

رنج بے صورت نہ دیکھوں آخدا برسات کی　　تیر سی لگتی ہے سینے پر ہوا برسات کی

زیادہ خوف طول مقال ہے اور سامع و ناظر کی نزاکت طبع کا خیال ہے۔ شبدیز خامہ کیچڑ میں چلتے چلتے تنگ ہے۔ اور پائے گفتار کوچۂ متعفن تفریح میں ٹھوکریں کھاتے کھاتے لنگ ہے۔ دواتیں کیچڑ کی آب و ہوا سے سڑتی ہیں۔ دامن پاکیزہ اوراق پر نقطوں کی چھینٹیں پڑتی ہیں۔ کیچڑ سے ہر کوچہ خرابہ بلکہ گڑھا ہے۔ کہنے کو الہ آباد دوآبہ ہے۔ فقط۔ تاریخ یکم اگست ۱۸۷۰ء ۱۳ جمادی الاول ۱۲۸۷ھ اخبار نور الابصار میں مطبوع ہوئی۔ مگر حسب الحکم جناب مالک مطبع وہ مختصر ہے۔ یہ تمام و کمال ہے۔ مستعیر عفی عنہ۔

نثر کی نسبت اتنا اور عرض کروں کہ جناب منیر افیون کی بدولت داستاں گو بھی تھے۔ انکی ایک داستان بھی میرے عنایت فرما۔ انکے نواسے اور جانشین میرزا عاشق حسین صاحب بزم اکبر آبادی نے ایک گلدستہ میں شائع کی تھی جس کا نام شاید "زینت سخن" تھا۔ اور جو ۱۸۸۲ء میں آگرہ سے نکلتا تھا۔

غزل کی نسبت اوپر میں عرض کر چکا ہوں کہ بہت بڑی غزل فرماتے ہیں۔ میاں سحر تو فرماتے تھے ع

نو شعر تک غزل ہے پھر آگے قصیدہ ہے۔ مگر منیر مرحوم کی ۹۰-۸۰-۷۰ شعر کی اکثر غزلیں موجود ہیں جن میں سے ۷۰-۸ شعر بیشک لاجواب ہوتے ہیں۔ مگر ۷-۸ شعر بہت گھٹیا بھی ہوتے ہیں۔ بلکہ ایسے بھی جن پر ہنسی آئے۔ چنانچہ میرے اُستاد حضرت اوج مرحوم فرماتے تھے کہ ایک روز جناب منیر مرحوم دیوان خانہ میں بیٹھے ہوئے حضرت (دبیر) مرحوم کو کچھ اپنا کلام سُنا رہے تھے۔ ہم لڑکے کھیلتے کھیلتے قریب دروازے کے جا کھڑے ہوئے۔ اُنکے کلام سُنتے جاتے تھے۔ پڑھتے پڑھتے منیر نے پڑھا ؎

چھڑا چلا فلک پہ بہت خانہ جنگ کا　　چھوٹا ہے نیل گاؤ پہ کُتا تفنگ کا

ہم سب لڑکے کھل کھلا کر بے اختیار ہنس پڑے اور ہنستے ہوئے بھاگے۔ بھاگتے جاتے تھے اور یہ مصرع پڑھتے جاتے تھے ع چھوٹا ہے نیل گاؤ پہ کتا تفنگ کا۔ جناب مرحوم نے فرمایا۔ دیکھا آپ نے یہ شعر کس مذاق کا ہے جس پر لونڈے لاڈھیئے بھی ہنستے ہیں۔ اس کو کاٹیئے اور آیندہ اس قسم کے شعر نہ کہا کیجیے۔ منیر مرحوم نے عرض کی بہتر۔ اور فوراً اُسی وقت اُسکو کاٹ دیا[1]۔ ایک بات میرزا صاحب مرحوم یہ اُن سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بھئی منیر تمہاری شاعری کو میر علی اوسط صاحب رشک کی قیدوں نے بہت نقصان پہنچایا۔ بعض وقت اچھے سے اچھا شعر ان قیدوں کی بدولت یا کاٹنا پڑتا ہے یا بھونڈے الفاظ لاکر بگاڑنا پڑتا ہے۔ تم خیر غزل میں اُن کی تقلید لازم سمجھتے ہو تو تمکو اختیار ہے مگر مرثیہ۔ مثنوی۔ قصیدہ وغیرہ میں خصوصاً جب کوئی واقعہ نظم کرنا ہو تو ان قیدوں اور متروکات کا لحاظ نہ کرنا۔ منیر عرض کرتے تھے حضور! ایسا ہی میرا بھی خیال ہے۔ منیر غزل میں ان قیدوں کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ رامپور میں پہنچے تو نواب کلب علی خاں صاحب مرحوم نے ایسی عام طرح فرمائی کہ جس میں قریباً ہر اُستاد شاعر کی غزل موجود ہے خصوصاً ناسخ مرحوم کا مطلع بہت مشہور ہے۔ وہ یہ ہے ؎

مرا سینہ ہے مشرق آفتابِ داغِ ہجراں کا　　طلوع صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا

اور فرمایا کہ دیکھیں گریبان کا قافیہ کون صاحب سب سے بہتر کہتے ہیں منیر مرحوم نے عذر کیا کہ

---

[1] یہ غزل تفنگ کا۔ رنگ کا۔ دیوان اوّل میں صفحہ ۸۷ پر کلیات میں موجود ہے۔ مگر یہ شعر اُس میں نہیں ہے معلوم ہوتا ہے مصنف نے قطعی کاٹ دیا ۱۲ ثابت۔

میرے اُستاد ثانی حضرت رشک کے ارشاد و ہدایت کے موافق حقیر ایسا قافیہ غزل میں بغیر عطف یا اضافت کے نہیں لاسکتا۔ کیونکہ عطف و اضافت کے بغیر ہم لائیں تو نون کا اعلان واجب ہے اور اعلان ہونے کی صورت میں مصرع ہی ناموزوں ہوجاتا ہے کہ بحر تقطیع سے نکلی جاتی ہے۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ غزل تو آپ ضرور فرمائیں۔ منیر نے عرض کی بہت بہتر۔ تعمیل حکم کرونگا۔ مگر اُستاد کی ہدایت کے ساتھ۔ چنانچہ مشاعرہ میں جو غزل پڑھی وہ ۳۷ شعر کی ہے۔ اور ایک قافیہ گریبان کا ہے۔ اور کہیں سادہ گریبان نہیں ہے۔ کہیں عطف کی چمکن کا کام ہو رہا ہے۔ کہیں اضافت کا اُتو ہے۔ چنانچہ مطلع اوّل یہ ہے ؎

اگر چھڑوا دے آزادی علاقہ بند و زنداں کا　　الف کھنچوائے ماتھے پر جنوں چاکِ گریباں کا

آخر میں فرماتے ہیں ؎

خداوندِ نعم کے حکم سے چارہ نہ تھا ورنہ　　نہ کہتا یہ غزل ہی ذکر کیا جیب و گریباں کا

منیر افسردہ ہوں پابندیٔ عطف و اضافت سے　　نہیں تو لطف دکھلاتا مضامینِ گریباں کا

اس مقطع سے ظاہر ہے کہ منیر مرحوم خود بھی ایسے لزوم مالایلزم کے نقصانات کو سمجھتے تھے مگر اُستاد کی ہدایت کی پابندی کو وضعداری سمجھتے تھے۔ ایک اور مطلع منیر مرحوم کا جناب مخدومی حاجی نواب پیارے صاحب قبلہ شمس آبادی مدظلہ العالی نے مجھے سنایا۔ وہ یہ ہے ؎

گنبدِ قبرِ عاشقاں ٹوٹے　　اے زمیں تجھ پہ آسماں ٹوٹے

فرماتے تھے کہ جناب منیر نے جب پہلے پہل اپنا یہ مطلع سید رشک مغفور کو سُنایا تو اُنہوں نے فرمایا کہ مطلع تو تم نے خوب کہا مگر یوں بولتے ہیں آسمان ٹوٹے۔ آسماں ٹوٹے تو کوئی بھی نہیں کہتا۔ دوسرا مصرع بدلو۔ منیر نے وہ مصرع بدلا۔ مگر میرے نزدیک مطلع کا ستیاناس ہوگیا۔ اب دیوانِ اول میں صفحہ ۲۷۷ پر یوں ہے ؎

روزِ دلہائے کشتاں ٹوٹے　　اے خدا جامِ آسماں ٹوٹے

دشمنی اس زمین کی دیکھو　　گنبدِ قبرِ دوستاں ٹوٹے

میں کہتا ہوں کہ بیشک یونہی بولتے ہیں۔ آسمان ٹوٹے۔ اور اعلانِ نون نثر میں ہر شخص کرتا ہے مگر نثر و نظم میں ہر قوم و ہر مُلک والا کچھ نہ کچھ فرق رکھتا ہے۔ اور بولنے کا تو یہ حال ہے کہ عام

ہندوستان کے آدمی (چند پرانے شاعروں کو چھوڑ کر) عطف و اضافت کے ساتھ بھی اعلان نون سے ہی بولتے ہیں مثلاً یوں کہنا ہوگا کہ جزدانِ قرآن لاؤ تو کوئی ایسے موقع پر قرآن کے نون کا اخفاء (نشر میں) نہیں کریگا۔ پس جس طرح شاعر نے یہاں نون کا اعلان نہ کیا (کہ اکثر قواعدِ فارسی کے خلاف پڑتا ہے) حالانکہ خود اہلِ ایران کے کلام میں بھی کہیں اعلان موجود ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ع جانہا پیدا و پنہاں جان جاں۔ ایرانیوں میں اعلان نون کا بغیر عطف و اضافت کے بھی نہیں ہوتا۔ مگر اس مصرع میں جان کے لفظ میں جو شروع مصرع میں ہے جان باعلان نون موجود ہے۔ اسی طرح بغیر عطف و اضافت کے بھی اُردو کی نظم میں کہیں آسمان یا جوان وغیرہ بغیر اعلان نون کے بندھ جائے تو کیا قباحت ہے۔ منیر مرحوم بھی اس کی احتیاط صرف قافیۂ غزل میں کرتے ہیں۔ مرثیہ و مثنوی و قصیدہ میں وہ ذہیر کے پیرو نظر آتے ہیں۔ چنانچہ قصیدۂ اوّل کا حسبِ ذیل شعر اور اُس میں لفظ عریاں کو بغور دیکھیئے۔ بغیر عطف و اضافت کے ہے اور پھر نون کا اعلان نہیں ہے ؎

خوشی کا دن بھی عریاں تھا ایرانِ فلک رفعت ہلالِ عید کرتا کس کے جامے کی گریبانی

میر تسنک مغفور کیا۔ مارا۔ جہلا۔ اس قسم کے قافیے خصوصاً مطلع میں لانے کو ایطا سمجھتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ صرف وہ صیغے باہم قافیہ ہو سکتے ہیں جن کے مصدر (ہندی کے) باہم قافیہ ہو سکتے ہیں جیسے مرنا۔ دھرنا۔ کرنا۔ بھرنا۔ ان کے صیغے بھرے۔ مرے۔ دھرے وغیرہ بھی قافیہ ہو جائینگے۔ خلاف اسکے منشی منیر مرحوم ایک مثنوی میں جو کلیات میں صفحہ ۱۴۹ پر ہے فرماتے ہیں ؎

دیکھکر میں نے پہلے سر پیٹا پھر کچھ اُس نظم کو صحیح کیا

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ مثنوی میں ایسے قافیے لائے۔ اگر غزل ہوتی تو غالباً نہ لاتے۔ اسی طرح صفحہ ۱۳۹ پر جو قصیدہ ہے اُسکے قوافی میں اخفائے نون ہے چنانچہ ایک شعر یہ ہے ؎

پہرا ہوائے عیش کا دیتی ہیں رات دن چاروں طرف کھڑی ہوئی جھولی کی ڈوریاں

اسی میں یہ شعر بھی ہے ؎

ہر سمت بول بالا پھر اسلام کا ہوا جس وقت اسکے گوشِ مبارک میں دی اذاں

یہاں اذاں میں باوصفیکہ عربی لفظ ہے اعلان نون کا نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہے کہ وہ تمام پابندیاں

غزل میں واجب سمجھتے تھے۔ جن کی ہدایت جنابِ رشک مرحوم نے فرمائی تھی۔ قصیدہ و مثنوی میں زیادہ تر اتباع حضرت دبیر مرحوم کا فرماتے تھے۔ میں اس موقع پر میر مرحوم کی غزل کے اشعار نہیں لکھونگا کہ یہ مرثیہ گو شاعروں کا تذکرہ ہے۔ البتہ اخلاقی نظم لکھ سکتا ہوں۔ مگر کہاں تک لکھوں میر مرحوم کے اکثر قصیدوں کی تشبیبیں اور بعض قطعے اخلاقی نظم میں داخل ہیں۔ وہ سب لکھوں تو بھی طول ہو۔ اس لیئے چند رباعیاں اور دو ایک قطعے لکھکر یہ حال ختم کرتا ہوں۔

حضرت علی اکبرؑ کے حال میں یہ رباعی اُن کی لاجواب ہے۔ رباعی۔

شبیرؑ کی طرح اشجع و صفدر ہیں — اخلاقِ حسن میں ثانیِ شبّرؑ ہیں
سن فاطمہؑ کا شکل نبیؐ۔ نام علیؑ — مجموعۂ پنجتنؑ علی اکبرؑ ہیں

سنہ ۱۲۹۴ھ (سمت ۱۹۳۴) قحط میں بہت سی رباعیاں کہی ہیں۔ اُن میں سے فقط تین رباعیاں درج کرتا ہوں۔

(۱) غلّہ سے ہے ہر کشتِ تمنّا خالی — ہاتھوں کی طرح پیٹ ہی سب کا خالی
سب بھوک کے مارے قحط میں مرتے ہیں — دوزخ نہ بھرا ہو گئی دنیا خالی

(۲) پامال جہاں سرآمدوں میں ٹھیرے — جو نیک تھے قحط سے بدوں میں ٹھیرے
اشراف چبینے کے لیئے مرتے ہیں — عالی گھر اب دانہ زدوں میں ٹھیرے

(۳) گو قحط دکھائے زور بڑھ کر اپنا — تکیہ ہر دم ہے معصیت پر اپنا
سوکھے دریا۔ کنوؤں میں پانی نہ رہا — پر خشک ہوا نہ دامنِ تر اپنا

عبرت انگیز قطعہ۔ جو دیوان سوم میں صفحہ ۱۷۹/۱۸۰ پر ہے۔

جس بزمِ جانفزا میں ابھی کل کی بات ہے — خالی سرور سے دلِ پیر و جواں نہ تھا
فرشِ نفیس دامنِ نظارہ سے لطیف — ذی رتبہ میر فرش سے تاجِ شہاں نہ تھا
فانوس میں تھیں گلوئے پریزاد سے سوا — روشن تھیں صاف نور کی شمعیں دھواں نہ تھا
ہر روشنی تھی برقِ تجلّی سے آشنا — بیگانہ شمع طور سے اک شمعداں نہ تھا
پھولوں کی ہر طرف تھیں ہزاروں مسہریاں — بیدار بختِ خوابِ مسرّت کہاں نہ تھا
میوے کی ڈالیاں کہیں پھولوں کی ڈالیاں — سرسبز جن کے سامنے باغِ جناں نہ تھا

آبِ گہر کی موج تھی ہر نہر سے بلند
فوّارہ وہ نہ تھا کہ جو گوہر فشاں نہ تھا

نکمیرے تھے اساورے کے بادلے کے جال
جھالر سے موتیوں کی جدا سائباں نہ تھا

ارباب عیش کی کہوں کیا خوش سلیقگی
وہ کون تھا کہ ہمسرِ شائستہ خاں نہ تھا

صحبت بزنگِ خاطرِ اطفال روزِ عید
کمتر جوانِ تازہ سے پیرِ مغاں نہ تھا

پریوں کے جھنڈ تھے کہیں جھرمٹ حسینوں کے
محبوب جن کے آگے مہ آسماں نہ تھا

غنچے کے عطر کو سرِ مو بھی نہ تھی جگہ
آشفتہ کوئی گیسوئے عنبر فشاں نہ تھا

چھائے ہوئے تھے چمپئی رنگوں کے قہقہے
جن سے شگفتہ تر چمنِ زعفراں نہ تھا

چٹکی بجا بجا کے بلاتے تھے عیش کو
گانے کی دھوم تھی کہیں نامِ فغاں نہ تھا

شورے کے پٹے شاہ سدا رنگ کے خیال
بلبل کے بھی ترانے کو رتبہ وہاں نہ تھا

مستانہ غزلیں تھیں طرب انگیز ٹھمریاں
وہ کون تھا جو عاشقِ رقصِ بتاں نہ تھا

وہ ناچ سحر کا وہ بتانا طلسم کا
وہ بھاؤ تھے کہ نرخِ محبت گراں نہ تھا

طنبوروں سے ملے ہوئے سارنگیوں کے سُر
بین اور سُرسنگار میں خلطہ کہاں نہ تھا

حیرت سے دم بخود تھے نکیسا و باربد
حاصل کسی کو مرتبۂ پیارخاں نہ تھا

باہیں گلے میں تھیں کہیں طوقِ کمر تھے ہاتھ
ایسا پری معانقۂ جسم و جاں نہ تھا

مسکی ہوئی مسالے کی باریک کرتیاں
لاہی کی محرموں میں جو کچھ تھا نہاں نہ تھا

وہ بزمِ دلفریب تھی ایسی کہ رات بھر
رنج و ملال کے لیے رستہ جہاں نہ تھا

دیکھا اُسی طلسم خوشی کو جو صبح دم
جز چغد اور کوئی وہاں نوحہ خواں نہ تھا

انقلابِ عیش لکھنؤ کی (مصنف مرحوم نے) گویا تصویر کھینچی ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے زمانۂ انقلاب میں مصنف مرحوم نے غالباً یہ قطعہ کہا ہے۔ جن لوگوں نے اوّل اوّل کسی مقام پر عیش میں بسر کی اور پھر وہ مقام اُجڑ گیا ہو۔ اور اُس کو وہ لوگ دیکھتے ہیں۔ خیال فرمائیے۔ اُن کے دلوں پر ویرانی کا سماں دیکھکر کیا گزرتی ہے۔ بس وہی نقشہ اس قطعہ میں کھنچا ہوا نظر آتا ہے۔ اس مقام پر میں اپنا ایک شعر لکھنا چاہتا ہوں ؎

صورتیں آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ نقشے یاد ہیں　　کیسی کیسی صورتیں خواب پریشاں ہوگئیں

منیر مرحوم کا سالِ وفات تذکرۂ یادگارِ ضیغم سے (بذیل ذکر مرزا عاشق حسین صاحب بزم) ۱۲۸۹ھ ہجری معلوم ہوتا ہے۔ ٹھیک تاریخ وفات اب تک معلوم نہ ہوسکی۔

منیر مرحوم کے اکثر شاگرد کامل اور صاحبِ دیوان و مصنف و مؤلف گزرے ہیں۔ اور اب بھی بعض کا ان موجود ہیں۔ اُن میں سے سراج الشعراء مرزا عاشق حسین صاحب بزم اکبرآبادی اور سید محمد نوح صاحب شہیر مچھلی شہری اور مولوی کلیم صاحب (عبدالرحیم صاحب) لکھنوی اکمل فن ہیں۔ قسم کا کلام ان صاحبوں کا موجود ہے۔ حقیر ثابت کو بھی ان صاحبوں کی خدمت میں نیاز حاصل ہے۔ میر افضل علی صاحب ضو بدایونی بھی تلامذۂ حضرت منیر مرحوم میں غنیمت تھے۔ افسوس سالِ گزشتہ ۱۹۲۰ء میں سفرِ جنت فرما گئے۔

باقی شاگردوں کے نام کلیاتِ منیر مرحوم سے جو معلوم ہوئے وہ لکھتا ہوں۔

(۱) نواب واجد علی خاں مرحوم رضوان تخلص رئیس فرخ آباد۔ جن کی شان میں خود منیر مرحوم صفحہ ۵۰۱ پر فرماتے ہیں ؎

بہت سے مستفیدوں نے بھلایا　　سوائے ہمت نواب رضواں

معانی رس سخن سنج و سخن فہم　　رفیع المنزلت واجد علی خاں

حقوق تربیت میرے نہ بھولے　　کیا اس بُعد پر لطف نمایاں

اس قطعہ میں جناب منیر نے اُن شاگردوں کا شکریہ ادا کیا ہے جنھوں نے دریائے شور میں جانے پر بھی منیر مرحوم کی خدمت کی۔ چنانچہ نواب رضوان کے بعد نواب حیدر جنگ صاحب اور حمید الدین صاحب اور وزیر خاں صاحب وزیر اور تسلیم صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دعا دیتے ہیں ؎

رہیں یہ دوستانِ فرخ آباد　　ہمیشہ خرم و آباد و خنداں

انکے شاگردوں میں سید علی عباد صاحب نیساں تحصیلدار الہ آبادی بھی بڑے پایہ کے شاعر تھے۔ جو غزل کے علاوہ مرثیہ بھی خوب کہتے تھے۔ تین سال ہوئے ہونگے کہ انتقال فرما گئے۔ انکے حسنِ نکاح کی تاریخ بھی منیر مرحوم کے کلیات میں صفحہ ۵۳۶ پر ہے۔ اسی طرح ایک شاعر ماہر میر محمد حسن صاحب داعی پوری مرحوم تحصیلدار ریاست بھرتپور تھے۔ جن کو سراج الشعراء کی بہن منسوب تھیں۔ جناب

منیر کے شاگردوں میں لالہ مادھو رام صاحب جوہر فرخ آبادی بھی بڑے کامل شاعر اور اُستاد کے حق شناس اور صاحب جوہر تھے۔ باقی شاگردوں کے تخلص اور نام جو کلیات سے معلوم ہوئے وہ یہ ہیں۔
پنڈت سندر لال صاحب نجیم۔ محوؔ فرخ آبادی۔ افسرؔ فرخ آبادی۔ تاثیرؔ فرخ آبادی۔ پنڈت جودتؔ فرخ آبادی بخشش فرخ آبادی۔ پروینؔ فرخ آبادی۔ ہشیارؔ اکبر آبادی۔ مولوی محمد ناصر صاحب الہام سید فرزند حیدر صاحب صفدر فرخ آبادی۔ ان سب صاحبوں کی تاریخیں دیوان اول کے خاتمہ پر ہیں باقی جو رئیس و نواب منیر مرحوم کے شاگرد تھے اُن کا ذکر خیر پہلے ہو چکا ہے۔
منیر مرحوم ایک بافیض۔ ماہر فن مسلّم الثبوت شاعر تھے۔ جو کچھ اپنے اُستادوں سے فیض پایا اُس کو عرش الکمال پر پہنچایا۔ اپنے تمام اُستادوں کی دل سے عزت کرتے تھے۔ اپنی وضع کے پابند۔ نیک نہاد بزرگوار تھے۔ اب ایسے آدمی کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ انکے جانشین سراج الشعرا بزم اکبر آبادی ہیں۔ جن کا ذکر خیر پہلے ہو چکا ہے۔ افسوس کہ حضرت منیر کا ایک ہی مرثیہ ملا۔ وہ بھی ابتدائی زمانہ کا مجبوراً وہی اس جلد میں شامل کر دیا۔ اُسکا مطلع یہ ہے ؎ مشہور جہاں خاک شفا خاک ہے کسکی۔ اس مرثیہ ابتدائی سے ناظرین کو انکے کمالات کا پورا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مفصل حالات ہدیۂ ناظرین کیے گئے۔
ایک اور مرثیہ جناب منیر مرحوم کا مشہور ہے جس کا مطلع یہ مشہور ہے ؎ جب مصحفِ اعجاز کے ٹکڑے ہوئے رن میں۔ مگر یہ مرثیہ بھی مجھے نہ ملا۔
یہ بھی لکھدوں کہ انتخاب یادگار میں جو حال منشی منیر مرحوم کا درج ہے اُس میں شاگردیٔ حضرت دبیر کا قطعی اشارہ نہیں۔ اگرچہ اُستاذی امیر مینائی ایک رقعہ میں لکھتے ہیں کہ جسکا مفہوم یہ ہے کہ وہ تذکرہ دوسرے کسی صاحب کی مرضی کے موافق لکھا گیا تھا۔ مؤلف مجبور تھا جیسا منشا پایا ویسا حال لکھدیا۔ مگر علاوہ اس کے ایک یہ بات غزل گویوں میں عام ہے کہ مرثیہ گو شاعر دنکایا تو حال ہی نہیں لکھتے یا لکھتے بھی ہیں تو بے اعتنائی سے۔ کچھ اس تذکرہ پر موقوف نہیں۔ عام تذکروں میں یہی حال نظر آتا ہے سیکڑوں برس سے غزل گویوں اور مرثیہ گویوں میں ڈانڈا اینڈی اور جلی کٹی چلی آتی ہے۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ غزل گویوں نے بگڑے شاعر مرثیہ گو کا مقولہ مشہور کر رکھا ہے حالانکہ مرثیہ گوئی کو میری تحقیق میں غزل گوئی پر سبقت اور فضیلت حاصل ہے جس کا مفصل بیان اپنے مقام پر انشاء اللہ ہوگا۔

اس قدر لکھنے کے بعد میری تحریر پر اُن کے جانشین سراج الشعرا میرزا عاشق حسین صاحب بزم اکبرآبادی نے غازی آباد سے جو تاریخ وفات ۵ مارچ ۱۹۲۱ء کو لکھکر بھیجی ہے وہ لکھنا مناسب ہے۔ اس سے روشن ہے کہ یہ آفتاب شاعری ۱۸۸۰ء (اٹھارہ سو اسی) میں چوتھی ماہ رمضان شب جمعہ کو غروب ہوگیا

منیر ماہ اوجِ نظم روشن — سخنوری ہنر زاہد مہذب
گئے دنیا سے وہ خُلدِ بریں کو — مجھے دے صبر اس ماتم میں یارب
دلِ محزوں کو ہے صدمہ نہایت — جگر ٹکڑے ہے غم سے نالہ برلب
مہینہ۔ وقت۔ دن رحلت کا اُنکی — چہارم ماہ صوم اور جمعہ کی شب

کہی یہ عیسوی تاریخ اے بزم
چراغ شاعری گُل ہو گیا اب

۱۲۰۴ + ۵۸۱ + ۵۰ + ۱۱ + ۳۱ + ۳ = سنہ ۱۸۸۰ء

صفیر

سیّد فرزند احمد صفیر مرحوم بلگرامی آرہ مقامی ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔ دریائے سخنوری کے تیراک تھے۔ اس کثرت سے ان کی نظم و نثر تصنیف و تالیف ہے جس کو دیکھکر تعجب ہوتا ہے[۱]۔

بڑی معلومات تھی۔ راقم آثم سے برسوں کتابت رہی۔ آرہ گزٹ ایک اخبار بھی برسوں انہوں نے نکالا۔ میرے پاس ہر ایک اپنی تصنیف یا تالیف ضرور بھیجتے تھے۔ غلام حسنین ان کا تاریخی نام ہے۔ آرہ گزٹ

---

[۱] چنانچہ تذکرہ جلوۂ خضر جلد اول کے مروّق پر بعض تصانیف و تالیفات صفیر مرحوم درج ہیں جو یہاں لکھتا ہوں (۱) رشحات صفیر در بیان تانیث و تذکیر (۲) گلبن سخنوراں (۳) جوہر مقالات نادرہ (۴) مرغوب القلوب حال انبیاء و ائمہ (۵) صراط مستقیم (۶) قیامت نامہ (۷) جنت طفلی (۸) دغدغۂ موت (۹) شور محشر (۱۰) جوش وحشت (۱۱) معراج العقول در عظمت آل رسول (۱۲) ثنائے معراج (۱۳) قصۂ بوستان خیال ۱۸ جلد (۱۴) محشرستان خیال ۳ جلد (۱۵) چشمۂ کوثر در تذکرۂ مرثیہ گویاں (۱۶) تحقیق اللسان در تحقیق زبان اردو (۱۷) طبقات کرام در تاریخ بلگرام ۳ جلد (۱۸) ترجمۂ تفسیر منہج الصادقین (۱۹) مثنوی خوان یغما (۲۰) دیوانہائے فارسی و اردو مع مثنویات دو اسوختہ و رباعی و قطعات و قصائد و پہیلی و چیستان مرثیہ ہائے خورد و کلاں حسین ہند و نادعلی و مطالع الانوار و میلاد ۱۲

میں بعض اشعار میں نے بھی لکھے تھے۔ یہ غزل میں شیخ امان علی صاحب سحر لکھنوی کے۔ مرثیہ میں مرزا دبیر مرحوم کے۔ فارسی اور نیز اُردو کی غزل وغیرہ میں مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی مرحوم کے شاگرد تھے۔ ہر رنگ میں کہتے تھے اور کثرت سے کہتے تھے۔ اگر انکا کلام انتخاب کیا جائے تو اچھا کلام بہت نکل سکتا ہے۔ جن اساتذہ کو انہوں نے اپنے واسطے انتخاب کیا تھا اس امر پر غور کرنے سے بھی انکی لیاقت و ذہانت ظاہر ہوتی ہے۔ پٹنہ۔ آرہ وغیرہ اور اُن اطراف میں انکے بہت شاگرد تھے۔ اور بعض شاگردوں سے انسے برسوں اس بات پر ناچاقی بھی رہی کہ وہ کہتے تھے ہم شاگرد نہیں ہیں۔ بلکہ صفیر ہمارے کلام میں عیب نکالا کرتے تھے۔ ہم اُن کے کلام میں۔ مگر یہ بھی اپنی بات کے ایسے پکّے تھے کہ ایک محضر تیار کیا۔ اکثر رؤسا و شرفائے عظیم آباد نے اُس محضر پر مُہریں کیں کہ میر صفیر (مرحوم) سے اُن صاحب نے اصلاح لی ہے۔ ازبسکہ اکثر اہلِ عظیم آباد صفیر کے ہم صفیر تھے۔ بظاہر صفیر کو کامیابی ہوئی۔ مگر ان تمام لڑائی جھگڑوں میں فریق ثانی کو ایک شگوفہ ہاتھ آیا۔ اُسی زمانہ میں ڈپٹی عبدالغفور خاں صاحب نسّاخ نے دبیر و انیس (مرحومین) پر اعتراضات جوڑ کر انتخابِ نقص شائع کیا تھا لکھنؤ کے تمام شعرا (خواہ وہ کسی خاندان اور کسی مذہب کے ہوں) دبیر و انیس کو کامل سمجھتے تھے اور درحقیقت اکثر اعتراض پوچ بھی تھے۔ اور اکثر چھاپے کی غلطیوں کی بنا پر تھے۔ بہرحال نسّاخ مرحوم سب بیزار تھے۔ فریق ثانی کے بعض طرفداروں نے اکثر اہل لکھنؤ کو لکھا کہ ہم نسّاخ کا کلام بھیجتے ہیں آپ دل کھولکر اعتراض کیجئے۔ کچھ نسّاخ کا کلام لیا۔ کچھ صفیر کا کلام مخلوط کیا اور لکھنؤ بھیجدیا۔ منشی مظفر علی خاں صاحب اسیر مرحوم ایک ہی تجربہ کار شاعر تھے۔ ایسے خواب پریشان بہت دیکھے ہوئے تھے یا تو اپنی قدرتی و جبلّی عادت کے مطابق۔ یا کچھ کلام کو دیکھکر اور یہ خیال فرماکے کہ اسمیں ایسا بھی کلام ہے جو واقعی قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ اعتراض فرمانے سے انکار کرگئے۔ اور بہت سے شعرانے اعتراضوں کی بھرمار کردی۔ اور بعض ایسی ہی کتابیں بھی مثل تفضیح و گستاخی معاف وغیرہ شائع ہوئیں۔ نسّاخ کے ساتھ بیچارے میر صفیر بھی ہدفِ سہامِ اعتراضات ہوگئے۔ اُدھر نسّاخ نے اپنے ایک شاگرد مولوی عصمۃ اللہ صاحب انسخ کے نام سے ایک ایسی کتاب طومار اغلاط شائع کی جس میں ناسخ۔ آتش۔ صبا۔ رند۔ وزیر۔ منیر۔ امیر (باستثنائے اسیر مرحوم) سب پر اعتراضوں کی بوچھار کردی۔ جاؤ بیجا سیکڑوں اعتراض کیئے۔ لکھنؤ والوں کی طرف سے اس کتاب کا جواب بھی چھپ کر شائع ہوا۔ یہ کتابیں

طالب فنِ شعر کے واسطے ایک اُستاد کا کام دیتی ہیں۔ بشرطیکہ اعتراضوں اور اُنکے ساتھ جوابوں کو انصاف کی عینک اور غور کی نظر سے دیکھے۔ بعض معاصرین کی یہ روش مجھے سخت ناپسند ہے کہ صرف معترض کا قول نقل کر دیتے ہیں۔ اس میں وہ اگر بدنیتی کے مجرم نہیں ہیں تو غفلت کے قصوروار تو ضرور ہیں۔ مولوی نسّاخ کے بھائی مولوی عبداللطیف صاحب نے مرزا اوج صاحب قبلہ مدظلہ العالی سے ایک مجمع میں معذرت کرتے ہوئے کہا تھا کہ نسّاخ کی غرض دبیر و انیس پر اعتراض کرنے سے صرف اپنی شہرت تھی مگر ہوا کچھ ہوا۔

بہرحال صفیر مرحوم بڑے کامل اور مومن اور نیک نہاد تھے۔ اُنکے مرنے کے بعد اُنکے فریقِ ثانی نے بھی اُن مرحوم کو نیکی سے یاد کیا ہے۔ میرے پاس اس مضمون کا خط اُنکا بھی ایک زمانہ میں آیا تھا۔ یوں تو اُنکی بہت کتابیں ہیں مگر اخیر میں ایک تذکرۂ شعرا جلوۂ خضر بہت اچھا مرتب کیا ہے۔ دو جلدیں شعرائے دہلی و لکھنؤ کے حالات میں چھپ چکی ہیں جو حقیر کے پاس موجود ہیں۔

اب صفیر کا کلام متعلق مرثیہ ملاحظہ ہو جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فطری شاعر اور اس فن سے۔ بخوبی ماہر تھے۔ میرے پاس اُنکے تین بڑے بڑے مرثیے موجود ہیں جن کے یہ مطلعے ہیں۔

(۱) اے رونقِ جناں مرے باغِ سخن میں آ (۲) اے تو لائے علیؑ خلدِ معلا دکھلا (۳) جب دشت میں بہارِ گلِ نیلوفر ہوئی۔ پہلا مرثیہ جناب امیرؑ کے حال میں ۲۷۸ بند کا ہے منہج الصادقین تفسیر کا اُردو میں ترجمہ بھی انہوں نے کیا تھا۔ اُسی تفسیر سے حدیثِ بساط کو نظم فرمایا ہے۔ زبان سلیس ہے جا بجا مضامین نو و تشبیہات و استعارات کے دریا بہائے ہیں۔ یہ مرثیہ ۱۸۸۵ء کے قریب قریب خود اپنے ہاتھ سے لکھکر صفیر مرحوم نے مجھے بھیجا تھا۔ اُس زمانہ میں مرثیہ گویوں کا تذکرہ میں نے مرتب کرنا شروع کیا تھا۔ جواب ۳۲ برس کے بعد گویا قوۃ سے فعل میں آنا چاہتا ہے۔ ع قیامت آمد امّا بعد چندیں انتظار آمد۔

دوسرا مرثیہ حضرت حرؑ کے حال میں ہے۔ جو جناب سید خلیل صاحب بلگرامی سے مجھے پہنچا ہے۔ یہ بڑا مرثیہ ہے۔ اس میں ۵۰۰ بند کے قریب ہیں۔ تیسرا مرثیہ بھی اُسی زمانہ میں جسکو تیس بتیس سال ہوئے خود صفیر مرحوم نے مجھے بھیجا تھا جس میں سے چند بند بطور نمونہ اس موقع پر لکھتا ہوں۔ اور مرثیۂ اول پورا پورا اس جلد میں نمبر ۲ پر آپ کو ملیگا۔

جناب میر خلیل صاحب بلگرامی کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں جنکی بدولت ایک قطعہ صفیر مرحوم کا ملا جس میں خود صفیر نے اپنا حال نظم فرمایا ہے۔ اور اُس کے ساتھ حسب ذیل حالات معلوم ہوئے۔

(۱) وفات صفیر مرحوم کی ۲۱ ماہ رمضان ۱۳۱۰ ہجری میں واقع ہوئی۔

(۲) مرحوم نے ایک فرزند سید نور احمد صاحب مرحوم کو اولاد نرینہ میں چھوڑا تھا جن کا ۳۱ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ ان مرحوم نے دو صاحبزادے چھوڑے (۱) سید عنایت احمد صاحب (۲) سید وصی احمد صاحب۔ عنایت احمد صاحب آرہ میں سب ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں۔ وصی احمد صاحب ضلع مظفر پور میں ملازم ہیں۔

وہ قطعہ حسب ذیل ہے

ہستم صفیر گوہر بحرین عقل و دیں — وز سلسلہ مسلسل نسل پیمبری
زیبد مرا کہ ناز کنم بر عطائے حق — کو تا کجا رساند ز پاکیزہ گوہری
زاولادِ پاکِ زید شہیدم زہے شرف — یعنی حسینی و حسنی ایم و حیدری
از پیرو ائمۂ اثنا عشر منم — مشرب کہ حیدری شدہ مذہب کہ جعفری
شمس الضحےٰ کہ سالِ ولادت بود مرا — مارہرہ ہست مولدِ پاکم ز برتری
شکرِ خدا کہ موطنِ من بلگرام شد — در ہند اوست مطلعِ شمسِ ہنروری
آرہ کہ گشت مسکنِ من یافتم بدل — یوسف نہاں ست در چہ کنعانِ مشتری
الکن اگر شدم چہ غم ایں کلک دو زباں — دارد یکے ز من دگر از خود بہ ساحری
اُستادِ من بہ شیوۂ اُردو بود سحر — کز ناسخ است یافتہ تمغائے شاعری
در مرثیہ دبیر بود اوستادِ من — مقبولِ کبریا شدہ از مدحِ حیدری
غالب بود ہنرورِ شعرم بپارسی — کوہست در زمانہ علم با ہنروری
دارم بدل ذخیرہ از ینہا صنوفِ علم — چوں ابر مخزنِ گہر نکتہ پروری
از نظم و نثر بسے قسم قسم را — دارم ز کلکِ خویش نگارش بزیوری

ناظرین! اس نظم سے آپکو معلوم ہوا ہوگا کہ صفیر ہکلاتے تھے۔ خوشنویس بھی تھے۔ اور اکثر اپنی کتابوں کی خود کاپی لکھکر چھپواتے تھے۔ عظیم آباد میں برسوں رہے۔ کئی سال تک مظفر پور اور اُس سے

زیادہ لکھنؤ میں رہے۔ آرہ میں انکی جائداد و ذاتی مطبع تھا۔ بالطبع مہماں نواز تھے۔ خود کامل تھے۔ ہر کامل و اکمل کی دل سے قدر اور خاطر کرتے تھے۔ اکثر ہندوستانی اور بعض ایرانی مہینوں ان کے مہمان رہے ہیں۔ نیک نہاد۔ خوش اعتقاد مومن تھے۔ مجھ سے انسے برسوں تک کتابت رہی۔ مگر ملاقاتِ ظاہری کی نوبت نہ آئی۔

نمونۂ کلام جناب سیّد فرزند احمد صاحب صفیر بلگرامی آرہ مقامی مرحوم

از مرثیہ ؎ جب دشت میں بہار گلِ نیلوفر ہوئی۔

(رات کا سماں)

نظروں میں کم نما۔ نظر آنے لگے جبال — ڈوبا جو مہر۔ ماہ کا بڑھنے لگا کمال
گلشن میں طائروں کی سہانی وہ بول چال — تاروں کا آسماں پہ چمکنا بصد جمال

سورج چھپا نجوم کے چہرے دمک گئے
ذرّے ہوئے جو ماند ستارے چمک گئے

دریا میں مچھلیوں کا ابھرنا وہ ہمدگر — شاخوں پہ طائروں کا بسیرا ادھر اُدھر
اوڑھے ہوئے بنفشئ چادر ہر اک شجر — ٹھیرا ہوا فرات کہ آئینہ جلوہ گر

صف بندی آہوؤں کی ہوئی سبزہ زار میں
جنگل کے شیر آگئے پھر کر کچھار میں

ہنگامِ شام وہ گلِ خودرو کی کیفیت — ریتی کے ٹیلے۔ چرخ مکاں۔ عرش منزلت
جنگل میں لطفِ باغ۔ شگفتہ ہر اک جہت — شاخوں کو جوشِ گل سے نہ ہلنے کی تھی سکت

بلبل لطیفہ سنج تھی۔ کیا کیا۔ اُمنگ میں
ڈوبے ہوئے تھے پھول بھی اپنے رنگ میں (سبحان اللہ)

گردوں پہ کہکشاں تھی تو جادہ زمیں پہ تھا — لیکن سماں فلک سے زیادہ زمیں پہ تھا
یعنی ملائکہ کا خوزادہ زمیں پہ تھا — صحرائے فیض بخش کشادہ زمیں پہ تھا

کیا روشنی تھی اہلِ فلک کے ہجوم میں
شب۔ روغنِ سیہ تھی چراغِ نجوم میں (بالکل نئی بات ہے)

(مرثیت کا پہلو)

اس دشتِ پُر بہار میں اور آمدِ خزاں — ہر شے غمِ حسینؑ میں گریاں و نوحہ خواں
کانٹے برہنہ پائے عابد سے تر زباں — لالے کے دل میں داغ علی اکبرِ جواں
نرگس نے آستین گلوں کی بھگوئی تھی
شبنم بھی تشنہ کائے اصغر پہ روئی تھی

فوجِ خدا و لشکرِ یزید کی کیفیتِ مختصر

حلقے میں جاہلوں کے وہاں دورِ جام تھا — یاں سُمرنوں کے دور و تسلسل سے کام تھا
واں لب پہ جوشِ کثرتِ آبِ حرام تھا — یاں خشک لب پہ رازقِ عالم کا نام تھا
واں خود پرست شاد تھے ساغر بدست تھے
اللہ والے ساغرِ عرفاں سے مست تھے

امام حسینؑ کی اپنے اصحاب سے باتیں

مغرب کی جب نماز ادا کر چکے امامؑ — سنّت سے بھی فراغ ہر اک کو ہوا تمام
پھر بیٹھا جا نماز پہ وہ قبلۂ انام — صف بستہ گرد بیٹھ گئے سارے تشنہ کام
دانائے دہر سبحہ کی صورت تمام تھے
دانے تھے گرد۔ اوّل و آخر امام تھے

فرمایا سر اُٹھا کے امامِ انام نے — کیا کیا زمانے دیکھے ہیں مجھ تشنہ کام نے
کیا کچھ نہ ہو گیا انہی آنکھوں کے سامنے — کیسے مزے زباں کو دیئے حق کے نام نے
تحقیق کی بھی راہ عجب پیچ پیچ ہے
(واہ واہ) سب کچھ ہے پھر یہ عالمِ اسباب ہیچ ہے

یکرنگی میں نیرنگی

ہر چند ہے یہاں کا دورنگی پر انتظام — اک آن۔ ایک آن کو ممکن نہیں قیام

قربانِ انتظامِ خداوندِ خاص و عام ہنگامِ صبح صبح ہے۔ ہنگامِ شام۔ شام
پوشیدہ کچھ یہ رازِ بد و نیک سے نہیں
دن۔ رات۔ ایک سے ہیں مگر ایک سے نہیں

فلسفۂ کلام

ہر صبح شرق ہی سے نکلتا ہے آفتاب جاتا ہے غرب ہی کی طرف کو بآب و تاب
اک رنگ۔ ایک ڈھنگ۔ نہ تسکیں نہ اضطراب پر کوئی دن نہیں ہے کسی روز کا جواب
گھٹ بڑھ قمر کی تیس دنوں میں مدام ہے
آخر ہلال و بدر کا دورہ تمام ہے

دورِ فلک کے ہاتھ ہے دنیا کا کاروبار اور گردشوں پہ ہے فلکِ پیر کا مدار
جو بے قرار ہے۔ نہیں کام اسکا برقرار سمجھیگا اس کنایہ کو جو ہوگا ہوشیار
کیا بے ثبات اپنی روانی سے آب ہے
عُقدہ کھُلا ہوا ہے کہ دنیا حباب ہے

جب یہ کھُلا جہاں میں ہر اک کو ہے اضطرار پھر کس لیئے دل اپنا ہو آفت میں بے قرار
آرام بے ثبات مصیبت ہے بے مدار آخر رجوع اصل پہ ہے خاک ہو کہ نار
پھولوں پہ کتنے دورۂ افلاک ہو گئے
مُرجھائے سُوکھے۔ ٹوٹے۔ گرے خاک ہو گئے (یہ بیت بے مثل ہے)

صبر و شکر کی تعلیم

ناراستوں کو طالع واژوں کا ہے گِلا جو ہیں مطیعِ ربِّ ہُدا۔ اُن کو فکر کیا
واجب ہر ایک حال میں ہے طاعتِ خدا اُلٹا ہوا نصیب بھی سجدہ ہے کر رہا
صاحبدلوں کو نفع و ضرر پر نظر نہیں (اے سُبحان اللہ)
اتنی خبر ملی ہے کہ اپنی خبر نہیں

انبیاء کا تمثیلاً بیان اور بعد رنج مراد بر آنے کا پہلو۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا کی شرح
حق گویوں کی زبان مہیائے شکر ہے ہر عضو بے زبان کو تمنائے شکر ہے

دل کو ہر ایک وقت تقاضائے شکر ہے — جس حال میں ہو اُسکی رضا جائے شکر ہے

سر سے چلے جو حکم خدائے جلیل پر
جلنا تو کیا نہ آنچ بھی آئی خلیل پر

ایوبؑ لاکھ رنج میں گو مبتلا ہوئے — لیکن ہر ایک حال میں صبر آزما ہوئے
دکھ سہکے مورد کرم کبریا ہوئے — قطرے لہو کے زخم کی خاطر دوا ہوئے

چشم کرم نگاہوں میں ناسور ہو گئے
موئے سفید مرہم کافور ہو گئے

یعقوبؑ سے جو حضرت یوسف ہوئے جُدا — آنکھوں کا نور نورِ نظر کے لیئے گیا
لیکن نگاہ اُن کی رہی جانب خدا — جب عین فضل حق کو ہوا جوش وصل تھا

پھر یوسف اُن کا مل گیا فضل الٰہ سے
آب آیا جوئے چشم میں کنعاں کی چاہ سے

یونس شکم میں مچھلی کے تھے صرف شکر حق — کھو کر انگوٹھی کب تھا سلیمانؑ کو قلق
طوفاں میں نوحؑ پڑ گئے لیکن نہ مُنہ تھا فق — حق پر نظر رہی تو ملا محنتوں کا حق

سُولی سے حق نے حضرت عیسےٰ کو کیا دیا
سورج کی آنکھ کا اُنہیں تارا بنا دیا

نانا پہ بھی بہت رہی بوجہل کی جفا — کھودے کبھی کنوئیں کبھی کانٹوں کا دکھ دیا
ہجرت کی شب تو روز قیامت نظر پڑا — مغموم سوئے غار گئے فخر انبیاؑ

پا یا سُراغ تک نہ کسی نے پہنچ گئے
حکم خُدا کی طرح مدینے پہنچ گئے

پتھر سے ٹوٹا گوہر دندان مصطفےٰ — خندق میں کس طرح کی بلا پر رہی بلا
کیا کیا جہاد میں شہ دیں پر ہوئی جفا — لیکن خدا نے فضل کیا جب تو کچھ نہ تھا

ہر ناری اُن کی تیغ کی آنچوں سے آب تھا
مکے میں دَور دَورِ رسالت مآبؐ تھا

تلامذۂ دبیر مرحوم

اوج

سرتاج مرثیہ گویانِ حال جناب مرزا محمد جعفر صاحب قبلہ اوج مرحوم ومغفور مجدد مرثیہ گوئی سمجھے جاتے تھے۔ جناب مرزا دبیر مرحوم کے لختِ جگر اور وارثِ علوم وفنون تھے۔ ولادتِ جناب اوج اعلے اللہ مقامہ کی میں کہیں شجرہ میں لکھ چکا ہوں۔

جنابِ اوج مرحوم ومغفور اعلے اللہ مقامہ نے تقریباً ستر برس کی عمر پائی۔

آپ کے فارسی کے اُستاد جناب مولوی بہادر حسین صاحب وحید لکھنوی اور عربی کے اُستاد مولوی کمال الدین صاحب مرحوم تھے۔ اوّل الذکر (ممدوح) کی قابلیت فارسی کی اعلےٰ درجہ کی تھی۔ مرثیہ گو شاعر تھے۔ غزل میں خواجہ آتش مرحوم اور منشی مظفر علی خاں صاحب اسیر سے اور مرثیہ میں مرزا صاحب مرحوم سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ حرف واؤ میں انکا ذکر آئیگا۔ آخر الذکر اُستاد لکھنؤ میں ایک بے مثل عدیل پڑھانیوالے عالم معقول ومنقول مانے جاتے تھے۔ سید العلماء رحمہ اللہ کی اعلےٰ درجہ کے شاگرد اور جناب مفتی میر عباس صاحب طاب اللہ رمسہ کے ساتھ کے پڑھے ہوئے اور ہم پلہ تھے۔ مفتی صاحب اور ان سے زمانۂ دراز تک مباحثۂ علمی بھی ہوا کیا جسکا اختتام جناب سید العلما رحمہ اللہ کے بیچ میں پڑنے سے ہوا تھا۔

جنابِ اوج مرحوم ومغفور کی تعلیم معقول ومنقول کی باقاعدہ ہوئی۔ اُسکا اثر اُنکے کلام میں ظاہر ہے۔ جناب ممدوح کا کلام دقیق وبلیغ اکثر ہوتا تھا۔ مگر جب سلاست پر آتے تھے تو اس شفاف پانی کے بھی دریا بہاتے تھے۔ یہ سادگی وصفائی اکثر مرثیوں میں رخصت اور بین میں اور کمتر دوسرے مقامات پر نظر آتی ہے۔ اور دونوں قسموں کی نظموں کے دریا بہاکر آپ نے یہ ثابت فرمادیا کہ میں دبیر مرحوم کا فرزند اور سید انشا کا نواسا ہوں۔ اس لیئے دونوں کا وارث ہوں۔ چنانچہ ایک مرثیہ میں فرماتے ہیں ع انشا کا طرز ہو کہیں طرزِ دبیر ہو۔

ایجاد۔ مرثیوں میں روایات کو (جوں کا توں) نظم کردینا۔ اس ایجاد کا فخر جنابِ اوج مرحوم ومغفور کو حاصل تھا۔ علاوہ اسکے مرثیہ گوئی کے کوچہ کو اس قدر وسعت دی کہ اب وہی گویا فہرستخن ہوگیا ہے۔

ایک مرثیہ ثبوتِ حضرت باری تعالےٰ میں کہا جس کا نام دلیلِ عقل مشہور ہے۔
دوسرا مرثیہ حالِ مختار میں بڑی شوکت و شان سے کہا جس میں تاریخی صحیح حالات نظم فرمائے۔
تیسرے مرثیہ میں زمانہ اور ابنائے زمانہ کے حالات کا فوٹو کھینچکر دکھایا ہے۔
مرثیوں میں (فطری) نیچرل شاعری کو قائم فرمادیا۔ جنابِ مسلم ابنِ عقیل اور اُنکے فرزندوں کے حال میں جو مرثیہ فرمایا ہے اُس میں عرب کی ریتیلی سرزمین اور وہاں کے کھجوروں کے درختوں اور جنگلوں کا نقشہ کھینچکر (نظم میں) دکھایا ہے۔
آپ کو انشاء اللہ جو کچھ صلہ آپ کے ممدوحین ائمہ طاہرینؑ عنایت فرمائینگے۔ اُس کا اندازہ ہم ایسے گنہگاروں کی طاقتِ فہم سے بالا ہے۔ دنیا میں وہ عزت ملی جس کو قریباً ہندوستان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ ہندوستان میں سب سے بڑے صاحبِ عزت و دولت جناب نظام دکن میر محبوب علی خاں آصف مرحوم آپ کو سُننے کے واسطے نواب فیاض علی خاں صاحب رئیسِ حیدرآباد کی مجلس میں تشریف لائے اور پھر لگاتار سات مجلسوں میں برابر آیا کیئے۔ اُن مرحوم کی یہ دینداری قابلِ تقلید ہے کہ معمولی فرش کے سوا جو خاص فرش سوزنی و تکیہ بانے مجلس نے بچھایا تھا اُس پر نہ بیٹھے۔ جنابِ اوج مرحوم کو سُنا اور پسند فرماکر یکتائے فن کے لفظ سے مخاطب کیا۔ اور اپنا ایک سلام اور تحفۂ خاص خربوزہ اور آم بھجوائے جو عزت وہاں کے بڑے بڑے امیروں کو نصیب نہیں ہوئی تھی جس کے شکریہ میں جناب اوج اعلے اللہ مقامہ نے یہ قطعہ لکھکر بھیجا تھا (جو بیسہ اخبار وغیرہ میں چھپا تھا جس کو مولانا اشہری مرحوم نے بھی نقل فرمایا ہے) قطعہ۔

اوج کو اوج ملا پرورشِ آصف سے — کشتیِ نور میں ہر خوردہ خورشید بنا
انبۂ تازہ و تر دیکھکے دل سینے میں — بول اُٹھا انبتک اللہ نباتاً حسنا

جناب اوج مرحوم و مغفور اُس وقت بھی اپنی اور اپنے والدِ ماجد (جناب میر مرحوم) کی عادت کے موافق اپنے اصلی لباس میں تھے۔ وہی بنجگوشیہ ٹوپی سر پر۔ وہی کُرتہ اور انگرکھہ اور پائجامہ زیبِ بدن تھا۔ جنابِ میر انیس و میر انیس اور اور مرثیہ گو جن سے ہمارے شہر اور ملک کی زیب و زینت تھی۔ سب حیدرآباد میں تشریف لے گئے مگر یہ اوج جنابِ اوج قبلہ کا حصۂ خاص تھا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ مولوی امجد علی صاحب اشہری مؤلف حیاتِ انیس نے بھی یہ واقعہ لکھکر

حیات انیس کے صفحہ ۲۵۱ پر لکھا ہے کہ ایسا اوج اُنکے والد ماجد کو بھی حاصل نہ ہوا تھا۔ مگر مولانا کا ایسا لکھنا اسی وجہ سے ہے کہ اُن کو وہ واقعہ معلوم نہ تھا کہ شاہ اودھ نے ہنگام مرثیہ خوانی میں مرزا دبیر مرحوم کے سر پر چتر شاہی خود لگایا تھا۔ پس یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ مرزا اوج کو بھی وہی اوج ملا جو اُنکے والد مرحوم کو خدا نے عطا فرمایا تھا۔ سات مجلسوں میں آنا۔ مولوی اشہری صاحب مرحوم نے نہیں لکھا ہے مگر اُس وقت کے اخباروں نے لکھا تھا۔ اور میر باشاہ علی صاحب ضیا مقیم حیدرآباد نے ایک مسدس اسی حال میں آئینۂ اخلاص نام دوسو سے اوپر بندوں کا نظم فرمایا ہے اُس میں مفصل حال لکھا ہے۔ اور وہ سلام بھی لکھا ہے جو خود حضور آصف مرحوم نے تصنیف فرما کر بغرض اصلاح مرزا اوج صاحب اعلے اللہ مقامہ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اور جسکو اُن جناب نے نواب اچھے صاحب سوز خوان سے سوز میں پڑھوایا اور خود بھی بعد اصلاح بالائے منبر پڑھا تھا[1]۔ اس سے زیادہ جو عنایت و عزت افزائی حضور نظام مرحوم نے فرمائی وہ مجھے معلوم ہے۔ مگر جناب مرزا اوج صاحب اعلے اللہ مقامہ کی اجازت نہیں تھی کہ میں اُس کا ذکر ملک کے سامنے کروں۔ اس وقت جناب مرزا اوج صاحب اعلے اللہ مقامہ سے بہتر دوسرا مرثیہ گو نہیں تھا۔ اُنکی تصنیفات میں سے خاص طور پر رسالہ مقیاس قابل ذکر ہے علم عروض میں ایسی جامع و مانع کتاب اُردو میں دوسری نہیں لکھی گئی۔ ایک خاص کمال اس کتاب کا یہ ہے کہ اکثر بحروں کے امثلہ میں اُن بزرگوارانِ دین کے اشعار نقل فرمائے ہیں جو افصح عالم مانے جاتے ہیں۔ یعنی ائمۂ اطہار علیہم السلام اور اور بزرگوں کے اشعار چسپاں فرمائے ہیں۔

اب میں بہت ہی مختصر کلام بطور نمونہ جناب ممدوح کا پیش کرتا ہوں۔ مگر اُسکے پہلے یہ عرض کر دوں کہ اس وقت تک بحمداللہ تنتالیس مرثیہ کے قریب یا زیادہ جناب ممدوح تصنیف فرما چکے ہیں اور پچاس سے اوپر میر کے پاس موجود ہیں۔ سلام اور رباعیاں اور دیگر اصناف سخن کا شمار میر کے علم سے باہر ہے۔

مختصر نمونۂ کلام حضرت اوج اعلے اللہ مقامہ

رباعی بڑھاپے کی بیان میں

[1] کیونکہ جناب ممدوح اپنے والد ماجد مرحوم کا یا اپنا یا اپنے شاگردوں کا ہی کلام منبر پر پڑھتے تھے ۱۲ مؤلف حقیر

ہر چند کہ نفسِ مطمئن باقی ہے — لیکن نہ وہ دل ہے نہ وہ سن باقی ہے
موہائے سفید پر سیاہی آئی — راتیں تو کٹیں ہجر کی - دن باقی ہے

ایضاً

سرشارِ عبث ہے خوابِ غفلت کے لیئے — کھو آج کی نیند کل کی راحت کے لیئے
ہیں موئے سفید میں جو کچھ موئے سیاہ — گنتی کی یہ راتیں ہیں عبادت کے لیئے

ایضاً

کب سرورِ دیں نے مالِ دنیا رکھا — جز دستِ گدا گھر میں نہ اصلا رکھا
گر جمع بھی کچھ کیا تو قرآنِ خدا — رکھا بھی تو کیا روزے پہ روزا رکھا

سلام کے چند شعر

وائے بیتابیٔ صغرا کہ اکیلے گھر میں — آپ ہی سوچنا اور آپ ہی گریاں ہونا
کھل گیا صاعقۂ طور کی بیتابی سے — چاہتا ہے کوئی پردے سے نمایاں ہونا
سر ہے جب تک درِ سرور کا ہے سودا باقی — دل ہے جب تک ہے زیارت کی تمنا باقی
کوئی مخلوق رہا ہے نہ رہیگا باقی — بس تری ذات ہے اے خالقِ یکتا باقی
تیرے انعام سے ہے حرص کا دامن کوتاہ — اور پھر تیری عطا کا ہے خزانا باقی
کیوں نہ جاتی ہوئے دوزخ میں ہیں مڑ کر دیکھوں — رحمتِ حق سے توقع کا ہے دعوے باقی
کوچ کے وقت بتا دفترِ فانی کا حساب — ساتھ کیا کیا لیا اور رہ گیا کیا کیا باقی
شکر کر شکر کہ احباب میں کچھ ذکر تو ہے — رہ گیا بعد فنا گر ترا شکوا باقی
اے صبا ہو جو مدینہ میں گزر کہہ دینا — سرِ شوریدہ میں سجدے کا ہے سودا باقی

(معراج)

دیکھنا انجمنِ قربِ خدا و احمد — رہ گیا تھا فقط اک آنکھ کا پردا باقی
قبرِ اصغر پہ کہا ماں نے دلِ مضطر میں — رہ گئی گھٹنیوں چلنے کی تمنا باقی

عاشور محرم ۶۰ھ کی شب و سحر

آپ نے کی تھی شبِ قتل عبادت میں بسر — ہائے کیا رات تھی وہ جسکی قیامت تھی سحر
صبح تھی چاک گریباں تو وہ شب ننگے سر — پچھلے سے تھی نہ سرِ آلِ عبا پر چادر
ظلمتِ پردۂ شب چھوٹتی تھی شبنم سے
رات وہ بھیگتی جاتی تھی سرشکِ غم سے

شفق۔ ستاروں کا ڈوبنا

غازۂ عارضِ خوباں تھی جو سُرخیٔ شفق — خونِ پاکِ شہدا کا تھا عیاں جوشِ قلق
دستِ گردوں میں جو سورج کا سُنہری تھا طبق — تھا یہ نزدیک کہ مثلِ دلِ عشاق ہو شق
نہ ٹھہرنے کی جو گردوں پہ رضا اک پل تھی
جھلملاتے ہوئے تاروں میں غضب ہَل چل تھی

جنگل اور دریا کا بیان

پھیلی جنگل میں جو پیراہنِ شہ کی خوشبو — گل و ریحاں سے ہوا دامنِ صحرا ملو
نظر آنے لگی نزہت کی تراوش ہر سُو — پھول نکھرے ہوئے سنبل کے وہ بکھرے گیسو
وہ شمیمِ گلِ تر اور وہ صبا کے جھونکے
آتے تھے ڈوبکے دریا میں ہوا کے جھونکے

باغ و بہار

گلشنِ دہر میں ہر باغ کی صورت بدلی — پھیکی جو پڑ گئی تھی پھولوں کی رنگت بدلی
رُندھ گئی تھی جو عنادل کی طبیعت بدلی — پھر بہار آئی۔ ہوا جوشِ جنوں بہت بدلی
آڑ میں پتّوں کی جو پھول تھے ننگے کھل کر

شاخوں پہ پھول کے بیٹھے گل و بلبل ملکر

شاخ کے دوش پہ سنبل کے وہ گیسو لٹکے
دلربائی کے جسے یاد ہزاروں سے لٹکے
ہنسمیئے پھول بھی گلشن میں جو غنچے چٹکے
کہکے اُف بلبلوں نے خاک پہ سر دے پٹکے

آڑ کی اپنے پروں کی کہ بلا رد ہو جائے
کہیں نرگس کی نہ ان کو نظرِ بد ہو جائے

ہو کے شاداب اکڑنے لگا ہر ایک شجر
پھول شاخوں میں کھلے زرد و سفید و احمر
گونج اُٹھے قمریوں کے گونجنے سے دشت و در
بیلیں شاخوں پہ چڑھی اینڈ رہی تھیں یکسر

بڑھنے میں گرنے کا تھا خوف تو کچھ رُک رُک کر
پسِ دیوارِ چمن جھانکتی تھیں جھک جھک کر

مرثیت کا پہلو

آپ کے چہرے کا رنگ اور بہار ایک طرف
آپ کی صوتِ دعا۔ بانگِ ہزار ایک طرف
مرغزار ایک طرف اور وہ کچھار ایک طرف
اور پیاسوں میں وہ پانی کی پکار ایک طرف

شورِ دریا سے وہ سب کشتۂ غم روتے تھے
پانی بہنے کی صدا سُنکے حرم روتے تھے

تصوّف کا گہرا اور سچّا رنگ

تفہیمات الٰہیہ میں جو تصوّف کی ایک معتبر کتاب ہے شاہ ولی اللہ صاحب (پدر شاہ عبدالعزیز صاحب) محدّث دہلوی فرماتے ہیں جس کا خلاصہ اُردو میں یہ ہے کہ جب بندہ جمیل و کامل ہو جاتا ہے اور عصمت کامل ہو جاتی ہے تو جو قدم اُٹھاتا ہے یا حرکت کرتا ہے (سونے میں یا جاگتے میں) وہ سب حسنات ہوتے ہیں اور تمام افعال اُسکے عین حق ہوتے ہیں کہ حق اُسکے افعال سے اس طرح منعکس ہوتا ہے جیسے ضوء آفتاب سے اسی کی طرف جناب رسول خدا صلعم نے اشارہ فرمایا ہے جب خدا سے جناب امیرؑ کے واسطے دعا فرمائی کہ خداوندا! تو حق کو اُن کے ساتھ پھیر جس طرف وہ پھریں۔ یہ نہیں فرمایا کہ علیؑ کو اُدھر پھیر جدھر حق

پھرے۔ جناب مرزا اوج صاحب قبلہ نے اتنے بڑے مضمون کو کس فصاحت و بلاغت سے ایک بیت مندرجۂ تحت میں نظم فرمایا ہے۔ امام حسینؑ سے خطاب کرکے کہتے ہیں ؎

آپ کے حکم سے فرمانِ قضا ٹلتا ہے　　حدیہ ہے آپکی مرضی پہ خدا چلتا ہے

استغنا اور توسّل امام حسینؑ سے

نظر نہیں کسی منعم کے مال و دولت پر　　ہے تکیہ بندہ کو اللہ کی عنایت پر
رُخِ نیاز کو ہے ناز اپنی حشمت پر　　ڈھئی دیے ہوئے ہیں آستانِ حضرت پر

وہ جانے دیتا ہے اپنی گلی سے کب ہم کو
فقیر جس کے ہیں دیتا ہو بے طلب ہم کو

رُخِ نیاز سوئے اہلِ زر نہیں کرتے　　اِدھر کو وہ تو اُدھر ہم نظر نہیں کرتے
امید بنکے کسی دل میں گھر نہیں کرتے　　مجھکیں سلام کو یہ درد سر نہیں کرتے

فقیر جس درِ دولت کے ہیں پڑے ہیں وہیں
فرشتہ جا نہیں سکتا جہاں کھڑے ہیں وہیں

جو شخص انصاف سے نہیں دیکھتا۔ اُس کی مذمت میں فرماتے ہیں ؎

انصاف وقتِ دید جو صورت نما نہیں　　آنکھیں وہ دیکھنے کی ہیں کچھ سوجھتا نہیں

امین امین العلماء حاجی محمد تقی صاحب اعلے اللہ مقامہ

یہ بزرگوار لکھنؤ سے ہجرت کرگئے تھے۔ کربلائے معلّٰی میں تشریف رکھتے تھے۔ مرثیہ گوئی میں جناب مرزا صاحب مرحوم کے شاگرد تھے اور علوم دینیہ میں جناب شیخ زین العابدین مازندرانی مجتہد کربلا کے شاگرد رشید تھے۔ امین العلماء کے نام سے علمائے عراق میں مشہور تھے۔ لیاقت علمی فاضلانہ تھی۔ پیشنماز بھی تھے۔ حج و زیارات خراسان سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔ جناب اُستاذی مجتہد و محدّث مولانا و مقتدانا سیّد محمد حسین صاحب قبلہ (مقیم عظیم آباد) کے رشتہ کے چچا تھے۔ جناب ممدوح نے ۱۳۱۱ھ میں جب میں زیارات کربلائے معلّٰی کو گیا تھا۔ ان جناب کے نام مجھے ایک خط لکھدیا تھا مگر وہ خط میں یہیں بھول گیا تھا

زبانی خطا کا ذکر سنکر اور یہ معلوم فرماکر کہ میرے نانا جناب میر محمد رضا صاحب ظہیر مرحوم تھے۔ مجھے سینے سے لپٹالیا۔ اور الطاف بزرگانہ فرمائے۔ کربلائے معلّے میں ایک مکان میں مجھے اُتارا۔ اور تبرکات وغیرہ جس قدر انکے شاگردوں اور آدمیوں کے ذریعہ سے میں نے خریدے سب بکفایت آئے۔ عجب خوش اخلاق مسافر نواز تھے۔ افسوس کہ انکا کلام کچھ بھی میرے پاس نہیں جو بطور نمونہ بھی درج کرسکوں۔

امیر

"امیر مرزا صاحب مرحوم" ان کے بعض سلام دفتر ماتم میں چھپ چکے ہیں۔ جناب مرزا دبیر مرحوم کے شاگرد تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔

صریر

"سید حسن عرف سیّد حسن جان مرحوم" یہ مرزا صاحب کے ابتدائی شاگردوں میں تھے۔ ان سے مرزا صاحب مرحوم کو بہت محبّت تھی۔ سید حسین صاحب عرف سید حسین جان صاحب جو سعادت گنج میں رہتے ہیں وہ انہی کے فرزند ارجمند ہیں۔ وہ بھی مرزا صاحب کے شاگرد ہیں اور مرثیہ خوب پڑھتے ہیں۔ سید حسن جان صریر مرحوم کے مرنے کا مرزا صاحب کو صدمۂ عظیم ہوا تھا۔ انکے چہلم کی مجلس میں (جو مرزا صاحب نے مجلس پڑھی تھی۔ اُس میں) یہ رباعی کہکر پڑھی تھی۔

رباعی

بے دوست کے ہے زیست ندامت یہ ہے ۔۔۔ مرجائیں تو حسرت کی علامت یہ ہے
موقوف ہے دید رفتگاں محشر پر ۔۔۔ محشر میں ہے دیر۔ کیا قیامت یہ ہے

صریر مرحوم اور ظہیر مرحوم ایک سال میں شاگرد ہوئے تھے۔ مگر ظہیر مرحوم کچھ ماہ اُن سے پہلے شاگرد ہوئے تھے۔ یہ بات مجھے سید حسین عرف میر حسین جان صاحب کی زبانی معلوم ہوئی کہ ولادت صریر مرحوم کی تقریباً سنہ ۱۲۳۰ ہجری کی ہے۔ اور آٹھویں ماہ رمضان سنہ ۱۲۹۰ ہجری روز وفات ہے۔ انکا ایسا کلام دستیاب نہیں ہوا جو غیر مطبوعہ ہو۔ کچھ سلام انکے بھی دفتر ماتم میں سلاموں کی جلد میں چھپے ہیں وہ ناظرین دفتر ماتم میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

شاد

"خان بہادر جناب سید علی محمد صاحب" فی زمانناسلم الثبوت شاعر کامل جناب مرزا دبیر مرحوم کے فیض یافتہ شاگرد ہیں۔ آپکے مختصر حالات حسب ذیل ہیں۔

متوطن پٹنہ عظیم آباد۔ محلہ حاجی گنج۔

نسب پدری پینتیس پشت کے بعد حضرت سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام سے ملتا ہے۔ شجرۂ خاندانی خاندان میں محفوظ چلا آتا ہے۔

آپ کے بزرگوں (اجداد) میں سید حسین فیروزی بادشاہِ شیراز تھے۔ جن کی شان میں حضرت حافظ شیراز کا یہ شعر دیوان میں موجود ہے ؎

بالیقیں خاتم فیروزۂ شاہنشاہی ۔۔۔ خوش درخشید ولے دولتِ مستعجل بود

انکے جدِ اعلےٰ کو حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند سے مصاہرت (دامادی) حاصل تھی۔

جب یہ خاندان دہلی میں آیا تو سادات کمبل پوش کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ کے اجداد میں "نواب خان دوراں خاں" امیر الامراء تھے جو نادرشاہ بادشاہ ایران کی لڑائی میں بمقام کرنال ہمرکاب محمد شاہ بادشاہ دہلی قتل ہوئے۔ جاگیر در آل تمغا صوبہ بہار میں تھا۔ اس لیئے آپ کے پردادا دہلی سے پٹنہ آکر مقیم ہوئے۔ اُنکے ہمراہ دہلی ہی کے خدمتگزار و شاگرد پیشہ سب آئے تھے۔

آپکی دادی نواب سید قطب الملک وزیر اعظم (بارہہ) کی پوتی تھیں۔ اُنکے نانا کے پردادا نواب شمس الدولہ لطف اللہ خاں صادق۔ نائب السلطنۃ شہنشاہ دہلی متوطن پانی پت تھے۔ جن کا کٹہرا اور مسجد اب تک دہلی میں بمقام کشمیری دروازہ مشہور ہے۔ اور پانی پت میں اکثر بزرگوار اہل قرابت صاحب معیشت آبائی موجود ہیں۔ نواب ممدوح حضرت خواجہ عبداللہ انصاری ہیرہرات کی پوتے تھے۔ آپ کی نانی نواب محمد اسمٰعیل قلی خاں کی پوتی تھیں۔ نواب ممدوح نواب علی وردی خاں مرحوم جنگ مشہور صوبہ دار بہار و بنگالہ کے پوتے اور نواب سراج الدولہ کے (جنہوں نے بمقام پلاسی انگریزی فوج سے شکست کھائی) حقیقی خالہ زاد بھائی تھے۔

ننھیال اور ددھیال۔ دونوں خاندان پٹنہ میں امیر کبیر تھے۔ کچھ تو تقسیم در تقسیم میں جائداد کم ہوگئی۔ اور

بہت کچھ ایک مقدمہ میں تلف ہوگئی (جس کا بیان طویل ہے) آپنے زیادہ تر دہلی و لکھنؤ ہی کے لوگوں میں تربیت پائی۔ میر سید محمد مرحوم فیض آبادی (جو فیض آباد میں جناب میر انیس مغفور کے ساتھ کھیل کر جوان ہوئے اور میر سید محمد مرحوم و جناب میر انیس مغفور کے بزرگ دہلی سے لیکر فیض آباد تک ایک ہی سرکار کے ملازم رہے۔ اور جن کے بارے میں میر انیس مبرور نے بمقام پٹنہ مجمع عام میں فرمایا تھا کہ ہندوستان بھر میں اگر کوئی اُردو زبان کا جاننے والا ہے تو یہی سید محمد ہے) چالیس برس تک اس خاندان میں رہے جناب شاد نے سولہ برس کی عمر تک انہی سے تربیت پائی۔

تحصیل علوم متفرق اساتذہ سے کی۔ عربی میں معقولات صدرا وغیرہ مولوی محمد اعظم پہلواری اور فقہ مولانا سید مہدی شاہ مرحوم سے پڑھی۔ اور ادب و شعر مولوی شیخ آغا جان مرحوم سے حاصل کیا۔ اور فارسی کی تعلیم آقا حاجی محمد رضا شیرازی وغیرہ سے پائی۔

ابتدا ہی سے شاعری کا شوق رہا۔ چنانچہ شرح مُلّا جامی کی بحث حاصل و محصول، اور رسم کے بعض مسائل اُردو میں نظم کیئے۔ ایک طویل منظوم کتاب عربی کی صرف و نحو میں لکھی جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

جملہ وہ ہے جو کہ دو کلموں کے ملنے سے بنے　　جس طرح جاءَ الغُلام اور ترجمہ آیا غُلام

انگریزی داں اور سنسکرت خواں اشخاص کو برسوں ملازم رکھکر انگریزی اور سنسکرت و بھاشا اشعار کے ترجمے لکھکر اُردو میں مدتوں اُنکے مضامین کا تتبع کرتے رہے۔

اساتذۂ عرب و عجم و ہند کے موجودہ دیوان اور مثنویاں دیکھیں، اکثر پر حواشی موجود ہیں

جناب مرزا دبیر مغفور اور آپ کے عمِ بزرگوار و پدرِ عالی مقدار سے بیحد ربط تھا۔ مرزا صاحب مرحوم ۱۲۷۸ھ میں پہلی دفعہ جب عظیم آباد میں تشریف لائے تو جناب شاد اٹھارہ برس کے تھے تین چار برس پہلے سے شعر کہتے تھے۔ جناب سید شاہ الفت حسین فریاد مرحوم سے اصلاح لیتے تھے۔ پہلے پہل ۶۰ بند کا ایک مرثیہ کہا تھا۔ اپنے دلی شوق اور اپنے عمِ بزرگوار کے ارشاد سے جناب مرزا صاحب کے حضور میں اصلاح کے واسطے پیش کیا۔ ممدوح نے دس بارہ بند پڑھوا کر سُنے۔ اور فرمایا کہ "پورب میں ایسی فصیح زبان نہایت محلِ تعجب ہے"۔ بہت خوشی سے مرثیہ اصلاح کے لیئے رکھ لیا۔ کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ دو برس تک اصلاح میں توقف ہوا۔ پھر مرثیہ پر اصلاح ہوئی (سُنا ہے کہ) وہ مرثیہ بطور تبرک جناب شاد کے پاس اب تک موجود ہے۔

جناب مرزا صاحب مرحوم سے اور آپ سے فوائد سخن کے باب میں برابر خط و کتابت رہی۔ جناب مرحوم نہایت شفقت سے جواب خطوط تحریر فرمایا کرتے تھے۔

آخر میں دو واقعے ایسے پیش آئے کہ جن سے ایک طرح کی کشیدگی ہوگئی۔

(۱) عظیم آباد میں میر عطا حسین مرحوم لکھنوی مشہور بھکیت (اُستاد) چند سال مقیم تھے۔ اُن سے اور میر علی حسن بنارسی مغفور سے ایک معرکہ ہوا۔ اس معرکے کے واقعات جناب شاد نے ایک مثنوی میں نظم کیے۔ اور اپنی تحقیق یوں ظاہر کی کہ میر علی حسن نے میر عطا حسین کو چوٹ ماری۔ اور جناب مرزا صاحب مرحوم کو لوگوں نے یہ یقین دلایا کہ میر عطا حسین نے چوٹ ماری تھی۔ جناب شاد نے جناب مرزا مرحوم کے ارشاد کی بعد کو تعمیل بھی کر دی تھی۔ مگر کچھ دراندازوں نے ایسی ترکیب کی کہ مرزا صاحب کے دل میں کدورت آجائے۔

(۲) جناب مرزا مرحوم کی صحبت میں بعض حضرات نے جناب میر انیس مغفور کے شعروں پر اعتراض کیے۔ جناب شاد نے جواب باصواب دیئے۔ جناب مرزا صاحب اپنی خلقی نیکی و انصاف سے برابر جناب شاد کے ہم زبان و مؤید رہے۔ مگر پھر لوگوں نے نہ جانے کیا جا لگائی کہ آمد و رفت میں کچھ کمی ہوتی گئی[1] المختصر مذکورۂ بالا امور کی وجہ سے مرزا صاحب کی زندگی میں جناب شاد نے پھر مستقل مرثیہ ہی نہ کہا۔ اور ہر چند میر مونس مغفور (جن سے اور جناب شاد سے کمال اُنس تھا) اور بعض بزرگوں نے اصرار کیا کہ جناب شاد میر انیس (مرحوم) کے شاگرد ہو جائیں۔ مگر جناب موصوف نے وضعداری کو ہاتھ سے نہ دیا۔ اور ہر ایک کو یہی جواب دیا کہ یہ ممکن نہیں کہ مرزا صاحب سے انحراف کروں۔ چنانچہ آج بھی جناب شاد مرزا مرحوم کی شاگردی پر فخر و مباہات فرماتے ہیں۔ اور راقم الحروف کو ایک (۱۴ جنوری ۱۹۱۳ء کے) سرفراز نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جو کچھ میں نے کیا۔ اُنہی جناب (مرزا دبیر صاحب) کا فیض ہے۔ میرا کانشنس بالکل صلاح نہیں دیتا کہ میں ذرا بھی شاگردی کی حد سے تجاوز کروں۔

[1] اُسی زمانہ میں میر فرزند احمد صفیر بلگرامی مرحوم اور جناب شاد مدظلہ کا جھگڑا پیش آیا صفیر مرحوم کو دعوے تھا کہ شاد میرے شاگرد ہیں جناب شاد کو شاگرد ہونے سے انکار تھا۔ اور شاید یہ صورت بیان فرماتے تھے کہ جناب شاد میر صفیر مرحوم کے کلام پر اور صفیر مغفور جناب شاد کو شعروں پر اعتراض کرتے تھے جنہوں نے کہ ہر شخص بجائے خود اپنا کلام درست کر لیتا تھا مگر اُس معرکے میں اکثر اہل عظیم آباد نے جو عموماً جناب مرزا صاحب کے شاگرد یا طرفدار تھے جناب شاد کا ساتھ نہ دیا صفیر کے ہم صفیر رہے صفیر بھی جناب مرزا دبیر مغفور کے شاگرد رشید تھے ۱۲

آپ بے تکلف یہ لکھدیں کہ مجھ کو پورا پورا اعتراف ہے کہ مجھ کو اُنھی کا فیض ہے۔ رہی ترکیب نظم خواہ جدت طرز اس میں انسان مجبور ہے۔"

جنابِ شاد کو اس کا بھی افسوس ہے کہ نوائے وطن میں جو اتفاق سے اُسی زمانہ نا اتفاقی میں تصنیف ہوئی۔ جناب مرزا مرحوم کے کمالات کا ذکر نہ کرنے سے جناب مرحوم کی حق تلفی ہوئی۔ اور اس باب میں جناب شاد روحِ جناب مرزا مرحوم سے شرمندہ اور معافی کے خواستگار ہیں۔ جیسا کہ میں جلد اوّل حیاتِ دبیر اور اُس کے دیباچہ میں لکھ چکا ہوں۔ جنابِ شاد (تاریخ مذکور کے) دوسرے سرفراز نامہ میں معذرت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

یکتائے زماں تھے میرے اُستاد دبیرؒ — کرتا ہوں میں جان و دل سے اُنکی توقیر

ایضاً

ایسے اُستاد سے ذرا بھی اکراہ — واللہ کہ اک طرح کا قومی ہے گناہ
میں اور دبیر کی بُرائی تو بہ — لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

جناب شاد جناب میر انیس مغفور کی خدمت میں بھی باریاب ہوئے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

اے شاد دبیر کی بھی خدمت میں رہا — موجود انیس کی بھی صحبت میں رہا
حاضر رہا جتنی دیر دونوں کے حضور — واللہ کہ اُتنی دیر جنت میں رہا

جناب موصوف کو یہ بھی افسوس ہے کہ جناب میر انیس مغفور کی سوانح عمری میں اُن سے مشورہ نہ لیا گیا۔ (ورنہ بہت سے واقعے اور یادگار معرکے زیادہ قلمبند ہو جاتے اور بہت سے غلط واقعوں کی تصحیح ہو جاتی) اور جو تصویر (حیاتِ انیس میں) جناب میر صاحب کی چھاپی ہے وہ بھی سرتاپا خیالی ہے۔ میر صاحب مرحوم کا اصلی فوٹو (عطیۂ میر صاحب مرحوم) جناب شاد کے پاس تھا جس سے آئیل پینٹ نہایت عمدگی سے کیا گیا۔ جواب جناب موصوف کے پاس ہے۔

جو طرزِ جدید جنابِ شاد نے اختیار فرمایا ہے (اور جس کی کیفیت حقیر نے جلد اوّل کے دیباچہ میں لکھکر چند بند جناب شاد کے لکھدیے ہیں) اُسکی اصلیت جنابِ شاد کی تحریر سے یہ معلوم ہوئی کہ جن دنوں جناب مرزا دبیر و میر انیس (مرحومین) عظیم آباد میں پہلی دفعہ وارد ہوئے تو اُنکے سُننے کو مولوی محمد یحییٰ صاحب وکیل بھی گئے۔ جب سُنکر آئے تو جنابِ شاد سے بے حد تعریف کی مگر اُسکے

ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ یہ حضرات صبر و شکرِ اہلبیتؑ کے عوض کبھی ایسی باتیں نظم کر جاتے ہیں جو تاریخوں اور روایتوں سے غلط اور صبر کے بالکل منافی ہوتی ہیں۔ جنابِ شاد نے اُنکو تو اس کے بہت سے جواب دیئے مگر جب اس پر غور کیا تو یہ اعتراض صحیح معلوم ہوا۔ اسکی پوری کیفیت جناب (میر نواب) مونس مرحوم کو لکھی اور چاہا کہ طرزِ مرثیہ گوئی میں اصلاح کیجائے۔ جب جناب میر انیس مرحوم تک یہ بات پہنچی تو فرمایا کہ جو صاحب اس پر معترض ہیں وہ دس بند ہی ایسے کہکر سُنا دیں۔ جن میں صحیح روایات سے مطلق تجاوز نہ ہو۔ اور پھر کلام مؤثر و مبکی بھی ہو۔

جنابِ شاد نے اپنی جگہ خیال کیا کہ صحیح واقعہ اور پھر مؤثر و مبکی نہ ہو۔ اسکے کیا معنی؟ اور اسکے ساتھ ہی اس رنگ پر کوشش و محنت شروع کی۔ جنابِ شاد تحریر فرماتے ہیں کہ بیس۲۰ برس تک یہ حالت رہی کہ روزمرّہ دس بارہ بند مرثیے کے کہتا تھا اور دوسرے وقت جو (تنقیدی نظر سے) دیکھتا تھا تو محض لچر پاکر پھاڑ دیتا تھا۔ مگر مایوسی نہ تھی۔ اور برابر یہ خیال حامی رہا کہ زمانے میں علمی شاعری پھیلتی جاتی ہے ضرور ہے کہ کلام میں اصلیت سے تجاوز نہ ہو۔ بیس۲۰ برس کے بعد حسبِ دلخواہ دو سو بند کا ایک مرثیہ کہا۔ جس کو خان بہادر مولوی سیّد خیرات احمد صاحب وکیل گیا نے سید ولایت علی خاں مرحوم کے امام باڑہ میں (جہاں کثرت سے سخن شناس موجود تھے) پڑھا۔ لوگوں پر بے حد اثر ہوا۔ جب سے اب تک قریب ایک سو مرثیوں اور مولود کے کہا۔ کوئی مسدّس دو سو۲۰۰ بند سے کم نہیں ہے۔

سُنا ہے کہ اصنافِ سخن میں ایک ڈھیر تصنیفوں کا جمع ہے جس میں دیوان غزلیات پچاس جزوں کا۔ رباعیاں۔ قصائد۔ قطعات۔ مخمسات۔ سلام وغیرہ تیس۳۰ جزوں سے زیادہ میں ہیں۔ دس مثنویاں ہیں۔ بعض اوائل کے کلام چھپ بھی گئے ہیں۔ مگر تیس۳۰ برس ادھر کی کوئی تصنیف نہیں چھپی ہے۔ نثر عربی میں رسالہ یومیہ فی عقائد امامیہ اصول و فروعِ دین میں ہے۔ تاریخ صوبہ بہار تین۳ جلدوں میں صورۃ الخیال ایک جلد۔ اسی طرح صورت حال۔ تذکرۃ الاسلاف وغیرہ کتابیں چھپ گئی ہیں۔ باقی یونہی پڑی ہیں۔ سات کتابوں کا ایک نصاب تعلیم عربی و فارسی کا نہایت عمدہ لکھا ہے۔ ایک کتاب فنِ شاعری میں اچھی لکھی ہے۔ کل اصطلاحیں اور مثالیں سلاست سے اُردو ہی میں درج کی ہیں۔ یہ ذخیرہ اتنا بڑا ہے کہ برسوں اسکے دیکھنے کو چاہیے ہیں۔

اب نمونۂ کلام ملاحظہ فرمایئے۔

نمونۂ کلام جناب شاد عظیم آبادی

رباعیاں

منبر پہ ہوں رتبۂ دوبالا دیکھو
فردوس کا ہاتھ میں قبالا دیکھو
روشن ہے کہ میری شبِ عمر آخر ہے
بجھتی ہوئی شمع کا اُجالا دیکھو

مذمت عبادت ریائی

کیا مفت ریاکار نے الزام لیا
تسبیح کے دانوں سے عبث کام لیا
یہ نام وہ تھا کہ جس کو بے گنتی لیں
کیا لطف جو گن گن کے ترا نام لیا

پورانی روشنی اور نئی روشنی

چالاک ہیں جو لوگ بڑھے جاتے ہیں
افلاک ترقی پہ چڑھے جاتے ہیں
مکتب بدلا۔ کتاب بدلی لیکن
ہم اب بھی وہی سبق پڑھے جاتے ہیں

اعادۂ معدوم و بعث و نشر کے باب میں علمِ کلام میں سخت مباحثہ ہے۔ اسی مسئلہ کو ذیل کی رباعی میں بیان فرمایا ہے۔

خوابیدۂ خلوتِ عدم نکلیں گے
ذی روح ہیں جس قدر بہم نکلیں گے
برسات میں جس طرح نکل آئیں درخت
محشر میں زمیں سے یونہی ہم نکلیں گے

مسئلۂ جبر و اختیار

سچ ہے کہ ہجوم کار میں رکھا ہے
غافل! نہ کہ اضطرار میں رکھا ہے
تو غور کرے تو چند چیزوں کے سوا
سب کچھ ترے اختیار میں رکھا ہے

غرض کی عبادت

معبود سے جس وقت تلک دوری ہے
جو فعل ہے بے معنی نہیں بے ضروری ہے
لالچ سے بہشت کے عبادت کرنا
مکار! عبادت نہیں مزدوری ہے

مرثیہ کی تمہید[1]

(طلسم عالم)

کما قال علی علیہ السلام بحر لجی لا تلجہ طریق مظلم لا تسلکہ الخ

حیرت افزائے خیالاتِ بشر دنیا ہے — فہم کھو جائے جہاں خود وہ طلسمی جا ہے
سخت مشکل ہے کہ پیدا ہو نہ ناپیدا ہے — آج تک کچھ نہ کھلا راز کہ کیوں ہے کیا ہے

ہر طرف اپنے قیاسات کو دوڑاتے ہیں
سختیٔ راہ سے جا جا کے پلٹ آتے ہیں

مذہب تصوف۔ فلسفہ

کوئی مذہب ہے اس اُلجھاؤ کو سُلجھاتا ہے — کشفِ باطن کو کوئی بیچ میں لے آتا ہے
فلسفی اپنی دلائل کی طرف جاتا ہے — یوں بھی جب بن نہیں پڑتی ہے تو گھبراتا ہے

اس جگہ فکرِ رسا بے خرد و صامت ہے
عقل کیا حال کہے عقل تو خود ساکت ہے

تب تو ہر طرح سے ثابت ہے یقیناً یہ کلام — اصل شیا کے سمجھ لینے میں ادراک ہیں خام
راز خود صانعِ عالم نے چھپائے ہیں تمام — اُسکی مرضی ہے کہ اس سمت چلیں خاص نہ عام

میں بھی اس راہ سے اب عطفِ عناں کرتا ہوں
ہیں جو آسان مطالب وہ بیاں کرتا ہوں

سخت دشوار ہے توضیح کتابِ عرفاں — یہ وہ رستہ ہے کہ ادراک ہے جس میں حیراں
جس سے اسرار کھلیں وہ سمجھ انساں میں کہاں — کیونکہ پیدا ہے نہ ناپید عیاں ہے نہ نہاں

جلد حل ہوں یہ مضامین ادق مشکل ہے
اک ذرا غور سے لو کام سبق مشکل ہے

---

[1] واضح ہو کہ افلاطون نے اپنی کتاب بیان نفس میں اور ہندوؤں کی کتاب گیتا و وید میں اور حال کے حکمائے یورپ نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے اور جہاں تک اسکی تطبیق مذہب اسلام سے ہوتی ہے اُسکا خلاصہ اس نظم میں ادا کیا گیا ہے ۱۲ مصنف

حال دنیا کا نہ کچھ پوچھ اوب گاہ ہے یہ — قابل ترک نہ مستوجب اکراہ ہے یہ
کوئے مقصود دکھا دیتی ہے وہ راہ ہے یہ — اسکے جو ساتھ چلے اُسکی ہوا خواہ ہے یہ

نعمتیں جس کی مہیّا ہوں وہ دولت پائی
عقل کیا پائی کہ انساں نے شرافت پائی

مدح عقل

عقل کیا چیز ہے - ایک جوہر نورانی ہے — ہم نے ہر چند اسے عقل سے پہچانی ہے
عقل سے کام نہ لے کوئی یہ نادانی ہے — یہ وہ جوہر ہے جو اس دہر میں لاثانی ہے

غور سے کام نکالے کہ بشر عاقل ہے
کوئی تکلیف نہیں اُسپہ جو لایعقل ہے

پردہ اغراض و تعصب کا اٹھا کر دیکھے — ذہن بے وجہ نہیں ذہن لڑا کر دیکھے
عقل و قدرت کے قواعد کو ملا کر دیکھے — دونوں آئینوں کو ہاتھوں میں اٹھا کر دیکھے

چہرہ شاہد مقصود نظر آئیگا
جسکا جویا ہے وہ موجود نظر آئیگا

اس کے بعد منصف نے عقل و قدرت و فطرت کی حقیقت آٹھ دس بندوں میں بیان کردی ہے اور یہ کہا ہے کہ ہر چیز کو عقل و فطرت سے ملا کر غور کرے اور افعال خدا کو بنظر تعمق دیکھے کہ اُسنے بشر میں کونسی قوتیں پیدا کی ہیں اُسکے بعد یوں کہتا ہے ؎

جتنے مخلوق ہیں اس ارض و سما کے اندر — کتنے اقسام ہیں اُن سب کے کسے اسکی خبر
ہاں وہ مخلوق ان آنکھوں کی جو ہیں پیش نظر — جیسے یہ خاک کا پُتلا جسے کہتے ہیں بشر

اس میں پوشیدہ کوئی راز نظر آتا ہے
تب تو کل خلق سے ممتاز نظر آتا ہے

مشترک ہیں جو قوٰی اُن کا بیاں ہے بیکار — خاص اوصاف بشر کا ہے مناسب اظہار
ناطق و ضاحک و مدرک ہے یہ پاکیزہ شعار — انہی اوصاف سے کھلتے ہیں ہزاروں اسرار

؎ ماخوذ عن کلام علی علیہ السلام فی مدائح الدنیا کما اورد فی نہج البلاغۃ ۱۲

لیکن فیاض نے کیں بند نہ راہیں اسکی
ہر قدم پر ہیں نتیجوں پہ نگاہیں اس کی

ان نتیجوں سے ہمیشہ وہ لیا کرتا ہے کام — جمع ہیں اس میں خیالات وضمیر و اوہام
انہی آلات سے کرتا ہے بشر کام انجام — تابع روح ہیں یہ اس میں نہیں کوئی کلام
پاک آلے ہیں تو پاکیزہ تعقل ہوگا
کچھ بھی ناصاف اگر ہیں تو متزلزل ہوگا

کیلئے ایسے بناتا ہے ان آلوں کے سبب — بیشتر جن سے کھلا کرتا ہے مخفی مطلب
ہاں ان آلوں میں کسی طرح فساد آگیا جب — اور نہ ادراک کی صیقل سے ہوئے پاک وہ سب
تب تو انساں کے تعقل کی ہے صورت مشکل
نفس مطلب پہ پہنچنا ہے نہایت مشکل

خالق کل ہے کل اوصاف میں بیشک کامل — تب تو ہے فیض رسانی میں یہ قدرت حاصل
بعض اوصاف تو ایسے ہیں بشر میں داخل — کہ جو ہیں خالق کل کی صفتوں میں شامل
کیوں ضیا بخش یہ جوہر فقط انساں کا ہے
یہ بھی پرتو اسی خورشید درخشاں کا ہے

ہر طرح فطرت انساں سے یہ ہوتا ہے عیاں — اس کا میلان ہے اعلے کی طرف تا امکاں
سوچتا گو کہ ہے با طبع ہزاروں عنواں — بے ریاضت کے پہنچتا نہیں لیکن انساں
پہلے لازم ہے کہ اس قصد کو محکم کرلے
اس پہنچنے کے سب اسباب فراہم کرلے

صاف آتا ہے یہی دیدۂ باطن سے نظر — خود یہ انساں ہے صفات صمدی کا مظہر
پھنس گیا قید زماں اور مکاں کے اندر — اسلئے اس کے نمایاں نہیں اصلی جوہر
روح آلودۂ خاکستر دیرینہ ہے
ہاں جو یہ گرد کرے صاف تو آئینہ ہے

جن کثافات سے آغشتہ ہے انساں کا وجود — وہ کثافات حقیقت میں ہیں خود اس کی قیود

ہوگیا بسکہ اسی قید سے رستہ مسدود　　جانب مصعد اعلےٰ نہیں کرتا ہے صعود

دل میں گر صدق و صفا کا نہ اجالا ہوگا
اسی آئینہ میں سب کچھ نظر آجائے گا

فرض انسانی

سب کا ہو خیر طلب عین شرافت ہے یہی　　حسن اخلاق ہی اصل سعادت ہے یہی
ہو تعصب سے بری کیونکہ رذالت ہے یہی　　حق کا جو یار ہے ہر آن عدالت ہے یہی

ٹھیک رستہ پہ کسی روز خود آجائے گا
راہ تب کو بھی عرفاں کی بھی پاجائے گا

دین

دین کیا ہے؟ اسی اخلاق حسن کا تو ہے نام　　جسکی تعلیم کا نبیوں کو ہوا ہے الہام
فطرتاً جیسے ہر انساں کے ہے لایق اک کام　　ہے اسی طرح سے نبیوں کے تعلق یہ پیام

اپنی خلقت میں یہ طبعی صفتیں لائے ہیں وہ
انہی حکموں کے سنانے کے لئے آئے ہیں وہ[1]

حق پرستی بھی ہے پابندی اوقات بھی ہے　　حسن اخلاق بھی ہے خوبیٔ عادات بھی ہے
اس میں ہر طرح کی اصلاح سیاسات بھی ہے　　کام سب نیت خالص سے ہو یہ بات بھی ہے

سلسلہ عدل کا ہاتھوں سے نہ جانے پائے
ان قواعد میں ذرا فرق نہ آنے پائے

دیکھئے غور سے اب خلقت انساں پہ نظر　　مختلف عضو و قویٰ سے ہے مرکب یہ بشر
دیکھئے غور سے اس خاک کے پتلے کو اگر　　مصدر و مجمع خواہش ہے قدم سے تا سر

[1] اس جگہ مصنف نے آٹھ دس بندوں میں دین حق کی معیار قائم کرکے اسلام کی خوبیاں ثابت کی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ دین حق کے دو طرح کے احکام ہیں ایک شرع باطن جسکے لئے ائمہ مخصوص ہیں۔ دوسرے شرع ظاہر جسمیں عامۂ ناس سب شریک ہیں چنانچہ شرع ظاہر کے احکام کے خصوص میں کہتے ہیں کہ ان احکام میں سے حق پرستی بھی ہے۔ الخ اسکے بعد مصنف نے دس پندرہ بندوں میں احکامات شریعت ظاہری کو بیان کرکے مجتہد و مقلد کے حدود بتائے ہیں اسکے بعد شرع باطن کے اخلاقی ضروری احکام بیان کئے ہیں۔ چنانچہ یوں کہتے ہیں کہ ؎ دیکھئے غور سے اب خلقت انساں پہ نظر

نفس مطلوب سے بھی پھرے ہوئے ہیں اس کو
خواہشیں چار طرف گھیرے ہوئے ہیں اس کو

(خواہش زندگی)

خواہشوں کے بہت اقسام ہیں دُنیا میں مگر — تین مرکز فقط انکے ہیں یہ کر لو باور
ایک تمنائے بقا ہے کہ نہیں جس سے مفر — چاہتا ہے کہ ہمیشہ رہے دُنیا میں بشر

شیفتہ زیست پہ ہے موت سے گھبراتا ہے
نام آتا ہے جو مرنے کا تو ڈر جاتا ہے

چاہتا ہے کہ ہمیشہ رہے دُنیا میں قیام — لذّت زیست بہر کیف میسّر ہو دوام
گو کہ دُنیا کے مصائب اُسے کر دیں ناکام — دم بھرے جاتا ہے تو بھی اُسی جینے کا مدام

سچ ہے اک امر طبیعی ہے بقا کی خواہش
کیوں یہ انسان کی خواہش ہے خدا کی خواہش

جب یہ سمجھا کہ ہے کوشش مری اس میں بیکار — کیونکہ مرنے سے مفر ہم کو نہ ہو گا زنہار
نام کا اپنے بقا چاہتا ہے تب ناچار — نام رہ جائے مرا ہوتا ہے اس پر اصرار

ختم قصہ ہو تو ہو اپنی کہانی رہ جائے
ہم نہ عالم میں رہیں خیر نشانی رہ جائے

لاولد جو ہیں وہ اولاد کی کرتے ہیں دعا — گود لیتا ہے کوئی تاکہ رہے نام مرا
کوئی تصنیف میں کوشاں ہے کہ ہو اپنی بقا — کوئی اس دُھن میں عمارات کی کرتا ہے بنا

یعنی ہم آپ تو اس زیست سے ناکام رہے
ان نشانوں سے غرض یہ کہ فقط نام رہے

اسکے بعد بقیہ۔ دو خواہشات جسمانی کو بیان کر کے خواہشات روحانی کو بیان کیا ہے غرضکہ مرثیہ کے آغاز تک مسلسل بند ہیں۔ جہاں سے مرثیہ شروع ہوا ہے۔ غالباً دیکھنے والوں کو سخت حیرت ہو جائے گی کہ اس فلسفۂ نفس کے ساتھ آہستہ آہستہ کیونکر بیان شہادت تک آئے ہیں۔ مصنف علّام تحریر فرماتے ہیں کہ یہ مرثیہ بھی تین سو چالیس بند کا ہے۔ صبح کا سماں۔ نماز کا فلسفہ۔ صف آرائی۔ رزم پہلوان و۔ کی لڑائی وغیرہ وغیرہ حسب

دستور جیسے میرے اور مرثیوں میں ہیں اس میں بھی ہیں ۔ تعجب یہ ہے کہ مجھ سے ضعیف آدمی نے تین گھنٹہ تک برابر ہزار آدمیوں کی مجلس میں اُس کو پورا کیوں کر پڑھ دیا ۔ مسلمانوں کے علاوہ ہنود ۔ اور کالج کے بی اے ۔ ایم ۔ اے ۔ کلاس کے طلاب اور پروفیسر اور ہندو سنیاسی ذی علم سب تھے ۔ کلکٹر ۔ جج ۔ کمشنر وغیرہ حکام بھی تھے ۔ میں کیا عرض کروں کہ ان سب کی کیا حالت تھی ۔ انگریز مصر تھے کہ ترجمہ کر کے انگریزی میں چھاپا اور یورپ میں مشتہر کیا جائے ۔ مگر میری اور تصانیف کی طرح قوم کے ہاتھ سے مٹی خراب ہے ۔ آئندہ اللہ مالک ہے

بقیہ نمونۂ کلام جناب شاد عظیم آبادی

مصنف علّام نے مجھ کو تحریر فرمایا تھا کہ یہ چند بند تمہیدی اسلئے لکھتا ہوں کہ جلد اول حیات دبیر میں جہان آب نئے طریقہ کی مرثیہ گوئی کو تحریر فرمائیں ان کو ضرور داخل کریں ممکن ہے کہ مرثیہ گویوں کو فائدہ پہنچے ۔ چنانچہ چند بند جلد اول کے دیباچہ میں لکھ چکا ہوں یہاں یہ سب بند لکھتا ہوں ۔

اے خضر شوق راہ حقیقت بتا مجھے — منزل پہ جو پہنچ گئے ان سے ملا مجھے
جی جاؤں جس کی بُو سے وہ ساغر پلا مجھے — جو پلائے جس کی روح وہ عالم دکھا مجھے

آئینۂ مربع صدق و صفا کہیں
وہ مرثیہ سُنا ہے سب مرثیہ کہیں

باتیں ہوں اس طرح کی تجھے اے زباں پسند — نکتہ جنہیں کریں حکمائے زماں پسند
برسوں سُنا کئے ہیں جسے وہ کہاں پسند — اب اہل بزم کو ہے نئی داستاں پسند

ذوق سخن میں ذائقۂ طبع کھو نہ جائے
اتنا نمک ہے کہ مزا تلخ ہو نہ جائے

بلاغت

یہ بھی تو کچھ سمجھ کہ بلاغت ہے کس کا نام — جانے نہ پائے ہاتھ سے اصلیت کلام
آساں نہیں ہے لفظ و معانی کا انتظام — نظروں میں ہوں تُلے ہوئے سب موقع و مقام

تصنیف شعر کے لئے لازم شعور ہے
تقلید بے محل سے کنارا ضرور ہے

(مبالغہ)

داخل مبالغہ بھی محاسن میں ہے مگر　　اتنا نہ ہو کہ نفس مطالب کا ہو ضرر
باتیں وہ ہوں پسند کریں جن کو ذی ہنر　　آنکھوں کے آگے عین صداقت ہو جلوہ گر

اظہار مدعا میں کسی جا خلل نہو
مطلب وہ کیا کہ جسکا کوئی ماحصل نہو

مضموں نہ ہوں رکیک نہ الفاظ ہوں دقیق　　تا ہو نہ جائے سنتے ہی جنکے دلوں کو ضیق
اعلےٰ ہو فکر شعر خیالات ہوں عمیق　　لفظیں ہوں پُر اثر کہ دلوں کو کریں رقیق

مضمون وہ چست ہو کہ مزاحیج و شام دے
خلوت میں اک لطیف مصاحب کا کام دے

مشکل ہے سب سے مرثیہ گوئی ہی جسکا نام　　آساں سمجھ لیا ہے زمانے نے اب یہ کام
مذہب کی یہ بھی صنف ہیں داخل ہی لاکلام　　لازم یہ ہے کہ دل سے کرے اسکا احترام

مدِ نگاہ وردِ دمِ جاں گزار ہے
گلدستۂ سخن نہ بنے مرثیار ہے

جب دشت ماریہ میں خزاں ہو گئی بپا (بہار)　　مرجھائے پھول گر گئے شاخوں سے برگ و بار
بے آب خشک ہو گیا زہرا کا لالہ زار　　پھوٹیں العطش کی رہی تین دن پکار

باقی نہ جان تھی نہ لہو جسم زار میں
کیسی بہار آگ لگا دو بہار میں

(ساقی نامہ)

ہے یہ بیان واقعۂ شاہ خاص و عام　　چلنے نپائے ہاتھ سے سررشتۂ کلام
اس ضمن میں شراب ولا کا گر آئے نام　　بیجا کبھی نہ جام کے اوپر لنڈھائے جام

قطرے جو اں شراب کے ہوں خون ناب ہوں
ساغر تو ہاتھ میں ہو پر آنکھیں پر آب ہیں

جب تک کسی کا شستہ و رفتہ نہو بیاں　　جب تک نہ باکمال کریں خوب امتحاں

ارباب علم اُنکی بڑھاتے نہیں شان — ترکہ نہیں بٹے ورثہ کے جو درمیاں

انساں حسد میں دل کو عبث مبتلا کرے
یہ اُنکی دین ہے جسے چاہے عطا کرے

ہے جن امور کا فن اخلاق میں جواز — ہے مرثیوں میں اُن صفتوں کا فقط مجاز
لازم ہے عامیانہ مضامیں سے احتراز — سننے کے ساتھ تاکہ ہوں سامع کے دل گداز

افسانۂ مصائبِ شاہِ زماں ہے یہ
اتنا ہی لحاظ کہ کس کا بیاں ہے یہ

اس طرح سے ہو حالِ شہِ کربلا رقم — ماخوذ ہو صحیح روایت[1] سے یک قلم
رکھے بہت سنبھال کے اس راہ میں قدم — عاقل پُلِ صراط سے سمجھے اسے نہ کم

تابع رہے خیال عقیدت نیوش کے
آئے فریب میں نہ طبیعت کی جوش کے

ظاہر ہر ایک شے کا ہے ہر ایک ہے بطوں — حاوی رہیں ہر اک پہ خیالات ذوفنوں
سمجھے کہ ہم ہیں کوئی صداقت میں رہنموں — لفاظیوں سے باطنِ شہ کا کرے نہ خوں

جان آتی ہے کلام میں معنی نغز سے
کس کام کا وہ پوست جو خالی ہو مغز سے

مضموں نہ آئیں وہ جو ہیں اخلاق سے بعید — ہر طرح جن کے منع میں تاکید ہے شدید
یہ شاعری خزینۂ باطن کی ہے کلید — لازم ہیں اس کے حفظ میں بھی کوششیں مزید

حقّا یہ کام اہلِ ریاضت کا کام ہے
نااہل کو تو ہاتھ لگانا حرام ہے

---

[1] صحت روایت و حدیث کی قید۔ بڑی مشکل قید ہے جن لوگوں نے کتب احادیث و رجال کو بغور دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ایک ہی حدیث کو ایک عالم صحیح فرماتے ہیں دوسرے حسن بتاتے ہیں تیسرے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ چوتھے موضوعات میں داخل کرتے ہیں۔ ایک راوی کو ایک ثقہ کہتا ہے۔ دوسرا غیر ثقہ قرار دیتا ہے۔ پس ان اختلافات کے طوفان میں بڑے بڑے عالم مضطر نظر آتے ہیں ایک شاعر کہاں تک اسکو سمجھ سکتا ہے۔ ہاں جو روایت قطعی موضوع ثابت ہو جائے اسکو نہ نظم کرے ۱۲۔ ثابت

شاعر کے دل میں عشق کا جب تک نہو گزر ۔۔۔ ہے مثل سرو نخل ریاض اس کا بے ثمر
اے عشق جلوہ گاہ ہے تیری تبا کدھر ۔۔۔ آنکھیں کہاں سے لاؤں جو آجائے تو نظر

حاصل جو سر میں کیف ۔ تو دل کو سرور ہو
تو روشنی دکھا تو اندھیرا یہ دور ہو

اے من فدائے شیفتگانِ جمالِ عشق ۔۔۔ خونیں دلانِ وادیٔ دردو ملالِ عشق
لب تشنگانِ بادۂ آبِ زلالِ عشق ۔۔۔ جاں دادگانِ حُسن عدیم المثالِ عشق

غم کا گلہ نہ شکوۂ ظلم و جفا کریں
خوش رہ کے سر کو دوست کے اوپر فدا کریں

جس دن کرے نگار دل انکا غم شدید ۔۔۔ سمجھیں کہ میرے حق میں ہے یہ روز روز عید
ہو انکشاف صبر سے حاصل انہیں مزید ۔۔۔ جو دکھ ہو وہ خزانۂ عقبیٰ کی ہو کلید

ہر ہر قدم یہ بابِ خوشی متصل کھلے
جوں جوں بدن پہ زخم کھلیں اور دل کھلے

بالکنایہ واقعات کربلا

ہنس ہنس کے جسم پر تیر و تیغ و تبر کھائیں ۔۔۔ گہرے لگیں جو گھاؤ بدن پر تو مسکرائیں
باتیں ہزار تلخ سُنیں غیظ میں نہ آئیں ۔۔۔ شکوہ تو کیا کہ اُف بھی زباں پر کبھی نہ لائیں

غیروں کے بھی گناہ پہ آہ و بکا کریں
دشمن کی بہتری کی خدا سے دعا کریں

گرمی میں تین دن نہ میسر ہو اُن کو آب ۔۔۔ دل فرطِ تشنگی سے اگر ہو تو ہو کباب
بچوں کے اضطراب پہ کہائیں نہ پیچ و تاب ۔۔۔ ہے کس خوشی کے ساتھ کریں جادۂ ثواب

لٹ جائے یا بھرا ہوا سب گھر تباہ ہو
ہر حادثہ میں دوست کے اوپر نگاہ ہو

برچھی جگر پہ کھا کے جو تڑپے جواں پسر ۔۔۔ پھر وہ پسر کہ جبہ فدا ہو تمام گھر
بچہ تڑپ کے گود میں بیجاں بھی ہو مگر ۔۔۔ جز شکر لائیں کوئی نہ کلمہ زبان پر

ہوں لاکھ سختیاں پہ طبیعت وہی رہے
تیور وہی ہوں رُخ کی بشاشت وہی رہے

ہر دم نگاہِ شوق ہو محوِ لقائے دوست — آنکھوں میں کوئی شے نہ سمائے سوائے دوست
نازل کوئی بلا ہو تو سمجھیں عطائے دوست — کٹ جائے سر تو خلق پکارے فدائے دوست

افسانۂ مصیبتِ کربِ بلا نہ پرس
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا نہ پرس

اے قلبِ مطمئن ترے ٹھہراؤ کے نثار — قربان اس قرار کے اے سینۂ نگار
اے چشمِ داغ دیدہ و غمگین و اشکبار — کب سے نگاہِ لطف کے ہم ہیں امیدوار

مولا تعلقات جہاں کا اثر نہ ہو
ہے آرزو کہ موت کا بھی دل میں ڈر نہ ہو

اے محوِ ذات و آئینۂ حق نما حسینؑ — جاں دادۂ مشیت و صبر و رضا حسینؑ
اے مرکزِ محیطِ فنا و بقا حسینؑ — صورت نمائے حسن صفاتِ خدا حسینؑ

برتر جو عرش سے ہے ملی ہے وہ جا تجھے
تو نورِ حق ہے عالمِ سفلی سے کیا تجھے

اے آبروئے مذہبِ اسلام یا حسینؑ — اے کام بخش دیدۂ ناکام یا حسینؑ
اے ماہرِ نتائجِ انجام یا حسینؑ — اے رازدارِ گردشِ ایام یا حسینؑ

قدرت کے بھید کی تھی ازل سے خبر تجھے
کیونکر نہ اس شکست پہ ہوتی ظفر تجھے

وہ گل رخان و تازہ نہالانِ باغِ دیں — وہ شارحانِ مصحفِ حق آیۂ مبین
وہ مہر طلعتانِ قمر رو و مہ جبین — وہ خضرِ پیشگان و چراغِ رہِ یقیں

مذبوح تھے پڑے ہوئے مقتل میں اس طرح
قربانیاں ہوں عشرۂ ذی الحج میں جس طرح

واغربتا کہاں وطن انکے کہاں یہ بن — واحسرتا یہ ریگ یہ عریانیٔ بدن

یہ دھوپ اور یہ لوں یہ بیاباں یہ زخمِ تن ۔۔۔ سایہ تلک نہ تھا کسی تن پر کجا کفن

افشاں تھے خونِ جسم سے کپڑے پھٹے ہوئے
صحرا کی گرد و خاک سے گیسو اٹے ہوئے

لایا تھا سب کی لاش جو رن سے وہ حق شناس ۔۔۔ پُرخوں تھا سر سے پاؤں تلک جسم کا لباس

اعضا میں ضعف آنکھوں میں حلقے ہجومِ یاس ۔۔۔ تپنا زمیں کا۔ زخم کی ٹیس۔ انتہا کی پیاس

مرنے کی عید بھی تھی حرم کا خیال بھی
افراط میں خوشی کے ہجومِ ملال بھی

خیمہ کے در سے آئی یہ آوازِ ناگہاں ۔۔۔ مرتی ہے اب تو شدتِ غم سے یہ نیم جاں

لیکر گئے جو لاشۂ فرزندِ نوجواں ۔۔۔ آئے پلٹ کے پھر نہ ادھر سرورِ زماں

کچھ دردِ دل بہن جو سنا لے تو جائیے
مضطر ہے دل جو ہوش میں آ لے تو جائیے

سُنکر کلامِ زینبِ دل خستہ و حزیں ۔۔۔ خیمے میں آئے سر کو جھکائے امامِ دیں

زینبؑ نے سر سے پاؤں تلک کی بلائیں لیں ۔۔۔ بانو قدم سے آکے رگڑنے لگی جبیں

افراطِ غم سے ننھی سی چھاتی جو پھٹ گئی
پھیلا کے دونوں ہاتھ سکینہ لپٹ گئی

مطلع

(بطرز حضرت دبیر)

شورِ وداعِ سیدِ عالم حرم میں ہے ۔۔۔ برپا فغان و آہ اسیرانِ غم میں ہے

گردوں ہو سینہ چاک یہ حال اس الم میں ہے ۔۔۔ تن میں لہو نہ دم کسی بیکس کے دم میں ہے

کس بیکسی سے آپ سر اپنا جھکائے ہیں
بیت الشرف میں ملنے کو تشریف لائے ہیں

ہے آہنی کلہ سرِ اقدس پہ جلوہ گر ۔۔۔ تابندگی وہ ہے کہ ٹھہرتی نہیں نظر

تیغِ دو سر ہے ڈاب میں اور دوش پر سپر ۔۔۔ تن میں زرہ ہے چست مگر خوں میں تر بتر

آمادۂ وغا شہِ گردوں سریر ہیں
بالائے دوش قوس تو ترکش میں تیر ہیں

نیزہ لئے ہیں ہاتھ میں سلطانِ نام جو
تصویر ہیں جلالتِ حیدر کی ہو بہو

زخمی ہیں سر سے پاؤں تلک شاہِ نیکخو
ماتھے سے بار بار ٹپک جاتا ہے لہو

اِک زلزلہ سا چار طرف نہُہ طبق میں ہے
گویا کہ آفتابِ درخشاں شفق میں ہے

آتا ہے بہہ کے پاؤں تلک خوں جو بار بار
کُرتے سے پوچھتی ہے سکینہ جگر فگار

جب سر پہ ہاتھ پھیرتے ہیں شاہِ نامدار
کہتی ہے لے کے ہاتھ کے بوسے وہ گلعذار

ہے ہے لہو سے آپ کا تن لال ہوگیا
کیا پیچ پڑ گیا کہ جو یہ حال ہوگیا

زینبؑ کے اضطراب پہ حضرتؑ نے یُوں کہا
رکھو نظر بہن سوئے تقدیرِ کبریا

بیٹی بتولِ پاک کی ہو تم پہ میں فدا
ہیں ہیں یہ اضطراب کجا اور تم کجا

گر آ گئی ہے موت تو چارا نہیں کوئی
ہیں کیا کسی کا اس میں اجارا نہیں کوئی

تم خوب جانتی ہو کہ مرنا ہے کس کا نام
جسمی تعلقات سے بیگانگی مدام

جس کام کو ہم آئے تھے جب ہوگیا تمام
پھر کیا رہا علائقِ دنیا سے ہم کو کام

اس زندگی میں درد نہیں یا الم نہیں
روحوں کو قیدِ جسم تو محبس سے کم نہیں

دنیا محلِّ درد و تردّد ہے بیگماں
دیندار جانتے ہیں اسے دارِ امتحاں

عاقل یہاں کبھی نہیں رہنے کا شادماں
آرام اس سرا میں کسی کو بھلا کہاں

ہے بادشاہِ وقت کہ مفلس فقیر ہے
جو ہے وہ رنج و درد و تعب میں اسیر ہے

زندہ رہے ہزار برس تک کوئی اگر
ممکن نہیں کہ موت سے اسکو ملے مفر

اِک دم میں وہ ہزار برس ہو گئے بسر — اِس پُر فریب عمر نے لینے نہ دی خبر
دیکھا تو رفتہ رفتہ قُویٰ ناتوان تھے
حیراں ہے وہ کہ ہم بھی کل تک جوان تھے

ایسے بھی ہیں بشر جنہیں حاصل ہی کچھ شعور — ہوتا ہے مرگِ غیر کا ان کو اثر ضرور
وہ بھی تو اپنی موت کو سمجھے ہوئے ہیں دور — فطرت کا مقتضا ہے کچھ انکا نہیں قصور
ہر دم گرا اپنی موت کا ڈر ہو اسی طرح
دنیا کا نظم پھر نہ چلے گا کسی طرح

جب ہر طرح یقیں ہے کہ مرنا بھی ہے ضرور — تب مرگ بے اماں سے بشر کیوں رہے نفور
وہ خوب جانتا ہے جسے کچھ بھی ہے شعور — خالق کا کوئی فعل نہیں منفعت سے دُور
خائف ہے اس سے خلق یہ صرف اِک خیال ہے
مرنے پہ کوئی نفع نہ نکلے محال ہے

ہوتا ہے دل کو بعض کی تکلیف کا خیال — یعنی کہ وقتِ نزع زبوں ہوگا اپنا حال
سمجھو ذرا کہ جسم کو جب ضعف ہے کمال — بیشک بقائے قوتِ احساس ہے محال
تکلیف کا ہو درک یہ طاقت بھلا کہاں
جب حس نہیں تو ویسی صعوبت بھلا کہاں

لو مان لو کہ ہوتی ہے تکلیف سر بسر — مشکل نہیں ہے کچھ کہ یہ دُکھ بھی ہو آن بھر
یا اس طرف کی سیر تھی یا ہو گئے اُدھر — اب غم کا غم نہ صدمہ و تکلیف کا اثر
نکلی تڑپ کے روح بدن کے حجاب سے
جس طرح چونک پڑتا ہے انسان خواب سے

(سبحان اللہ)

ومنہم من قضیٰ نحبہ ومنہم من ینتظر

ہر چند دوستوں سے بظاہر چھُٹے یہاں — ہوگا وہاں تو مجمع احباب و دوستاں
یہ بھی تو ایک روز وہیں آئینگے جہاں — ہم ہوں گے اور رحمتِ خلّاقِ انس و جاں
کیوں قبل و بعد کا ہو اثر اسکی اصل کیا

منزل ہے سب کی ایک تو رستہ کا فصل کیا

مرنے سے خوف جہل ہے اے بنتِ مرتضیٰ — خاصانِ حق کو ایسی جہالت نہیں روا
خالق حیات و موت کا سب کی ہے جب خدا — انساں کو تب خدا کی مشیت میں دخل کیا

خلّاق کائنات ہے پروردگار ہے
ہم اسکے بس میں ہیں ہمیں کیا اختیار ہے

بچے ہلاک ہوتے ہیں کچھ ان کی لو خبر — سمجھا بجھا بیبیوں کو کہ روئیں نہ اس قدر
عابد کو دیکھو سوئے سکینہ کرو نظر — موقوف اب ہے میری ملاقات حشر پر

کچھ دن قیام کرچکے دنیائے زشت میں
ہو جائیگی اب اسکی تلافی بہشت میں

اس کے بعد حضرت زینبؑ نے چند سوالات کئے ہیں مثلاً آپ کیوں ایسے مہلکہ میں اپنے کو اور بچوں کو ڈالتے ہیں۔ آخر امام حسنؑ نے بھی تو صلح کرلی تھی اسکے مسکت جواب آپ نے دیئے ہیں اور امام حسنؑ کی صلح کی کافی وجہیں آپ نے بیان کرکے اکثر اخلاقی فلسفہ سے جوابات دیئے ہیں۔ مرثیہ تین سو بند کا ہے رزم بھی بڑی ہے

ظہیر

مؤلف حقیر کے مربّی۔ نانا۔ سیّد محمد رضا[1] صاحب مرحوم۔ مرزا صاحب مغفور کے بارہ برس کی عمر میں شاگرد ہوئے تھے۔ تمام معرکوں اور مجلسوں میں مرزا صاحب کے شریک رہے۔ مولوی محمد حسینؑ صاحب آزاد مرحوم نے جب آبِ حیات میں مرزا صاحب کے غلط حالات لکھے تو انکو بہت جوش آیا۔ اس لئے کہ تمام واقعاتِ صحیحہ انکی آنکھوں کے سامنے گذرے تھے جو انکو یاد تھے۔ انہوں نے تنقیدِ آبِ حیات کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور چھپوایا۔ آزاد مرحوم کوئی ہرٹ دھرم یا ضدی آدمی نہ تھے۔ میں نے بھی مقام کوٹلہ سے

[1] میر محمد رضا ابن سید فیض علی (رسالدار عہد شاہی لکھنؤ) ابن سید مستان علی شاہ ابن نواب سید فتح اللہ خان ابن سید عوض علی خان ابن سید غفور علی خان ابن سید غیاز علی خان ابن سید عنایت علی خاں یہ سب دہلی کے معزز نواب تھے یہ سب بزرگوں کے نام انکے پاس لکھے ہوئے تھے شب برات کے موقعہ پر ان بزرگوں کے نام پر فاتحہ ہوا کرتی تھی ۱۲

انکو کارڈ بھیجکر اطلاع دی تھی کہ آبِ حیات۔ حال دبیر مرحوم میں اکثر خلاف واقع۔ حالات آپنے لکھے ہیں جواب میں مجھے جو کارڈ اسی زمانہ میں انہوں نے لکھے تھے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آیندہ آبِ حیات کے چھپوانے پر وہ واقعات کی صحت فرماتے اور آب شور نکل کر آب شیریں (آبحیات میں) آجاتا۔ مگر افسوس جنون نے انکی حیات شیریں کو چھینٹے دیکر ایسا تلخ کر دیا کہ اسکی پھر نوبت ہی نہ آئی اور جنوں سے چھٹکارہ نہ ملا کہ وہ راہیٔ جنت ہو گئے ؎

حق تو یہ ہے کہ نثر میں آزاد فرد تھا　　حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

میں نے جابجا آبِ حیات و تنقید آبحیات سے اس کتاب میں بہت حالات لکھے ہیں مجھے جو نانا مرحوم سے حالات ملے ایسے صحیح واقعات مجھے دوسرے ذریعہ سے نہیں مل سکتے تھے جناب استاذی (مرزا آوج صاحب قبلہ) بھی پرانے حالات اکثر انہی سے پوچھا کرتے تھے۔ قریباً نوّے یا سو برس کی عمر پاکر ۸ ارشوال ۱۳۱۱ھ کو بمقام لکھنؤ انتقال فرمایا۔ یہ میرے استاد بھی تھے۔ مجھے باقاعدہ مرثیہ پڑھنا اور سلام کہنا انہوں نے تعلیم فرمایا۔ اپنے فرزند سید تصدق حسین صاحب مرحوم سے بڑھکر مجھے عزیز رکھتے تھے۔ اکثر جہاں کہیں مجلس میں خود پڑھتے اوّل مجھ سے ایک سلام پڑھواتے تھے۔ دوسرے خاندان کے شاعروں سے بھی اُن سے محبت تھی۔ اور سب ممبران خاندان میر صاحب اور خود میر انیس صاحب مغفور ان کے پڑھنے کے

لہ اس موقع پر مجھے آغا عشق صاحب مغفور کا ایک واقعہ یاد آگیا جو انکی انصاف پسندی اور قدرشناسی پر دال ہے اسلئے لکھتا ہوں۔ میری عمر دس برس کی ہوگی جب میں ایک مجلس میں آغا میر کی ڈیوڑھی پر دار وغہ میرزا باقر علی صاحب مرحوم کے یہاں مجلس میں گیا۔ شاید ۲۴ ر کو ہر مہینہ کی یہ مجلس ہوا کرتی تھی یہ بزرگوار بیگم صاحبہ زوجہ محسن الدولہ مرحوم کے نانا تھے۔ محسن الدولہ مرحوم کے تمام درباری انکو نانا صاحب کہتے تھے حضرت آغا عشق مرحوم اس مجلس میں پڑھا کرتے تھے اس روز آغا صاحب مجلس میں تشریف لے گئے تھے مگر انکا کوئی شاگرد نہ تھا کہ پیش خوانی میں کوئی سلام وغیرہ پڑھتا مجلس کے شروع کا وقت آگیا جناب آغا صاحب نے چاہا کہ خود منبر پر جائیں۔ نانا مرحوم نے میری طرف اشارہ کرکے فرمایا آپکی پیشخوانی کیلئے یہ بچہ حاضر ہے۔ پوچھا یہ صاحبزادے ہیں؟ جواب دیا میرانواسا ہے۔ مجھ سے فرمایا صاحبزادے بسم اللہ پڑھو میں منبر پر پہنچا اور ایک سلام پڑھا جس کا مطلع یہ ہے ؎ پیرِ دوشۂ بے سر کا ازل سے جو قلم ہے ؛ اسواسطے بھرائی سرِ خامہ قلم ہے۔ سخن شناسوں کا مجمع تھا خوب لوگوں نے تعریفیں کیں۔ جب میں منبر سے اُترا بہت لوگوں نے میرے پڑھنے کی تعریف کی۔ اسی اثنا میں ایک صاحب بول اُٹھے کہ ابھی تو یہ بہت پڑھیگے۔ آغا صاحب مرحوم اُن سے مخاطب ہوئے فرمایا یہ کیا آپنے فرمایا دیکھو صفحۂ بینی

مداح تھے میر نفیس صاحب مرحوم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میر محمد رضا مرثیہ پڑھنے کے کوچوں سے جیسے واقف ہیں لکھنؤ میں بہت کم ایسے ذاکر ہیں۔ خود منیر انکو پہچانتا ہے۔ رنگِ مجلس یہ خوب دیکھتے ہیں۔ بجز ایک مرثیہ کے (کہ بعد غدر شاید ۱۸۵۸ء یا ۱۸۵۹ء میں پٹنہ عظیم آباد گئے تھے) لکھنؤ سے باہر نہیں گئے۔ میر مونس صاحب مرحوم اور میر عشق صاحب مغفور سے بھی محبت دلی تھی۔ کبھی کبھی یہ جاتے تھے اور کبھی وہ دونوں بزرگوار تشریف لایا کرتے تھے۔

تمام شعرا اور مرثیہ گو انکی عزت کرتے تھے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ابتدائی زمانے میں اچھے پڑھنے والے کی بڑی قدر تھی۔ مرزا خانی نوازش (مرزا سرور صاحب فسانہ عجائب کے استاد) مشاعرہ میں امیروں کی غزلیں اُجرت پر پڑھتے تھے بعض ذی حوصلہ رئیس فی شعر ایک اشرفی تک دیدیتے تھے اور فی شعر للہ ۔ صلہ دینے والے تو بہت تھے۔ جناب نوازش جس امیر کی غزل مشاعرہ میں خاص تیوروں سے پڑھ دیتے تھے شہر میں اس کے اشعار زبانوں پر جاری ہو جایا کرتے تھے۔ مدتوں لوگ وہ شعر پڑھتے اور تعریف کرتے تھے۔ میں نے ایسے ایسے عمدہ پڑھنے والوں کو دیکھکر مرثیہ پڑھنے کا ایک خاص طرز ایجاد کیا۔ اور برسوں بڑا آئینہ (قد آدم) سامنے رکھکر مشق کی۔ بعض پڑھنے والے ایسے بیجز ہوتے ہیں کہ پڑھنے میں ان کا چہرہ بگڑ جاتا ہے۔ بعضوں کے ہاتھ پیر ٹیکے اُٹھتے ہیں بعض سراپا لڑائی بین۔ شہادت وغیرہ سب مقامات ایک طرز سے پڑھتے ہیں ایسی صورت میں ذاکر کے پڑھنے کا اثر سامعین پر کیا خاک ہو سکتا ہے۔ یہ بھی کبھی کبھی فرماتے تھے کہ مرزا مغل مرحوم۔ میر مدت کے بعد مرزا صاحب کے شاگرد ہوئے۔ اور میرے طرز کو سمو کر انہوں نے پڑھنے کا ایک طرز (جدید) نکالا اور لکھنؤ سے باہر جا جا کر

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) اسکے تو یہ معنی ہوئے کہ آیندہ اچھا پڑھینگے ابھی کیا پڑھتے ہیں جناب میں بڑے بڑے ذاکروں کو سنا اکثر غلط سلط پڑھتے ہیں ان صاحبزادے نے بہت صحیح اور بہت اچھا پڑھا۔ کوئی اضافت بھی نہیں چھوڑی ایسے بہتر آیندہ نہیں پڑھ سکتے پھر مجھ سے پوچھا بیٹا تم کیا پڑھتے ہو میں نے عرض کی قبلہ اور میر فرمایا ایسی کا زور ہے ذاکر بیچارے کو علم نہ صحیح نہیں پڑھ سکتا اور جب صحیح نہیں پڑھ سکتا تو لاکھ بتائیے ہم اسکی تعریف نہیں کر سکتے۔ اللہ اللہ ان آنکھوں نے کیسے کیسے کامل منصف مزاج دیکھے ہیں جب وہ بزرگوار یاد آتے ہیں اپنا شعر زبان پر بے اختیار جاری ہو جاتا ہے ؎ صد رحمتیں آنکھوں پہ پھرتی ہیں وہ جلسے یاد ہیں کیسی بھی صحبتیں خواب پریشاں ہو گئیں ۱۲

۱۲ میر واجد شاہ علی صاحب بقید مرحوم۔ مرزا محمد عباس صاحب سفیر مغفور اور میر ولادت حسین صاحب قوی مرحوم اور اکثر حضرات نے انکے طرز خوانندگی سے فیض پایا ہے اور انکے پڑھنے کی تقلید کی ہے یہ سب حضرات انکے سامنے کے بچے تھے مرزا صاحب تو بہت کم بتاتے

اکثر اچھی مجلسیں پڑھیں۔ مجھے لکھنؤ کے قدرداں رئیسوں نے (بجز ایک سال مذکورہ) کے کہ میں پٹنہ عظیم آباد وہاں کے بعض رؤسا کی طلب پر (بغیر اطلاع اپنے قدردانوں کے چلا گیا تھا) جانے نہیں دیا حسین آباد کے وثیقہ میں سے بھی انکو قریباً ۱۰۰ ماہوار ملتا تھا۔ اور لکھنؤ میں جائداد غیر منقولہ بہت تھی ماور اور رؤسا عموماً اور نواب محسن الدولہ مرحوم خصوصاً انکی بہت قدر و عزت کرتے تھے۔

لکھنؤ اور بیرونجات میں انکے سیکڑوں شاگرد تھے بعض کو صرف پڑھنا بتاتے تھے بعض جو کچھ کہہ لیتے تھے اس پر اصلاح بھی فرماتے تھے اور ایسے چست لفظ رکھدیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ سادہ کانچ کی انگوٹھی پر خوبصورت نگینہ جڑدیا۔ اکثر اصلاح دیتے وقت اپنے بعض ذی علم شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانے کے اکثر حضرات صدر الشمس بازغہ تک چاٹ جاتے ہیں مگر پھر جو دیکھو تو کورے نظر آتے ہیں بھئی (بھائی) میں نے تو فارسی کے سوا عربی میں بس قرآن شریف ہی پڑھا ہے مگر جو لفظ غلط یا ثقیل ہوتا ہے خود بخود میرے دل پر کھٹک جاتا ہے۔ اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل علم کی صحبتوں میں رات دن رہنے سے علاوہ علم مجلسی کے بہت سی علمی باتیں اور الفاظ صحیح و غلط انکو معلوم ہو گئے تھے۔

افسوس کہ میں کوٹہ میں رہا۔ اور اُن کا۔ اور اُنکے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اماموں سید تصدق حسین صاحب مرحوم کا لکھنؤ میں انتقال ہو گیا۔ اور مال و اسباب کا تو کیا ذکر۔ ان کا کلام بھی ضائع ہو گیا۔ اور جناب مرزا صاحب کے قلمی مرثیوں کی جلدیں بھی جو انکے پاس تھیں مجھے نہ ملیں۔

اس لئے اس موقع پر میں ان کا فقط ایک سلام ہدیۃً ناظرین کرتا ہوں بعض انکے سلام دفتر ماتم میں بھی چھپ چکے ہیں۔ چھپا ہوا کلام لینے اس جلد میں بہت کم درج کیا ہے۔ اس لئے یہاں دفتر ماتم کے مطبوعہ سلام نہیں لکھتا۔

نمونہ کلام ظہیر لکھنوی مرحوم

فیضیاب اعلیٰ کبھی ادنے سے ہو سکتا نہیں — چاند کا دھبہ۔ ابد تک۔ ابر دھو سکتا نہیں
منحرف عاقل گل زہر اسے ہو سکتا نہیں — اپنے حق میں آپ کانٹے کوئی بو سکتا نہیں

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) بتانے میں اکثر اس خاندان کے ممبر انہی کی روش اختیار کرتے تھے انکے ساتھ کے پڑھنے والے میر شرف الدین مرحوم میں خوب پڑھتے تھے۔ یہ بین اور لڑائی سب مقامات خوب ادا کرتے تھے۔ مرزا صاحب کے شاگردوں میں سے میر امداد حسین صاحب قوی بہت اچھے پڑھنے والے تھے۔ اور یہ بھی سب مقامات کو خوب ادا کرتے تھے ۱۲ مؤلف

گرد دل کی آب رُخ سے آب دھو سکتا ہیں
آئینہ یک رو کسی صورت سے ہو سکتا نہیں

دل میں جو تخمِ غمِ شبیرؑ بو سکتا نہیں
اُسکا محل مغفرت سرسبز ہو سکتا نہیں

ہفت قلزم سے بہر آنسو کا ہو سکتا نہیں
کوئی دریا نامۂ عصیاں کو دھو سکتا نہیں

مَن بَکیٰ[1] بھولا ہے تو لفظِ بُکا کے یاد رکھ۔
رونے والے کی بنا صورت جو رو سکتا نہیں

تارِ مژگاں میں دُرِ اشک عزائے اہلبیتؑ
جُز عزا دارانِ شہ کوئی پرو سکتا نہیں

عیب پوشی تو سراسر ہے شرافت کی دلیل
عیب میں ہرگز کبھی بے عیب ہو سکتا نہیں

کیا کسی کا عیب ڈھانپے چادرِ مہتاب سے
اپنا دھبہ چاند سے پوشیدہ ہو سکتا نہیں

شہ سے بانو کہتی تھی کانٹے پڑے ہیں حلق میں
ضعف سے اَب اصغرِ معصوم رو سکتا نہیں

بے زباں گھائل ہوا اور شکر فرماتے رہے
صبر جو شہ نے کیا انساں سے ہو سکتا نہیں

کہتے تھے زین العبا اعدائے دیں کے ظلم سے
کیا غضب ہے باپ کو فرزند رو سکتا نہیں۔

قطعہ

سینۂ اکبر سے برچھی کھینچکر کہتے تھے شاہ
کس طرح دل کو سنبھالوں ضبط ہو سکتا نہیں

لاش پر ماتم کروں یا جا کے اعدا سے لڑوں
جنگ ہو سکتی نہیں۔ روؤں تو رو سکتا نہیں

کہتے تھے اکبر سے شہ کیونکر رضا مرنے کی دوں
ایسی دولت ہاتھ سے انسان کھو سکتا نہیں

گوہرِ اشکِ عزائے شاہِ دیں انمول ہے
جُز خدا کوئی خریدار اس کا ہو سکتا نہیں

ڈوبتا بحرِ الم میں گر پکارے۔ یا علیؑ م
سر سے پانی لاکھ اونچا ہو ڈبو سکتا نہیں

مزرعِ عقبےٰ۔ ہے دنیا جانتا ہے اے ظہیر
حیف پھر تخمِ عمل تو اس میں بو سکتا نہیں۔

---

[1] حدیث مشہور من بکیٰ علی الحسین او ابکیٰ او تباکیٰ فلہ الجنۃ۔ (جو عزائے حسینؑ میں روئے یا رُولائے یا رونے پر اپنے آپکو توجہ دلائے (صورت بنائے) پس اُسکے واسطے جنت ہے) کی طرف اشارہ ہے ۱۲ مؤلف حقیر

ظفر مہدی

جناب مولوی حکیم ظفر مہدی صاحب تعلقدار علی نگر رئیس جرول قریب الاجتہاد عالم باعمل تھے آنریری اسسٹنٹ کمشنر تھانہ قیصر گنج اور آنریری منصف پرگنہ جام پور کے تھے سات معصومینؑ کے زائر بھی تھے انکی تصنیف و تالیف کا سلسلہ دراز ہے۔ میں صرف کتابوں کے نام لکھے دیتا ہوں (۱) روض الصادقین ہفت جلد (۲) تہذیب الخصائل (۳) مخجتہ الاخیار (۴) قرآن الیمین۔ (۵) معیار المحبت (۶) ہدایت الانشار (۷) عقائد حیدریہ (۸) موتیوں کا ہار۔ کل ۸ کتابیں آپکی تصنیفات سے موجود ہیں۔

ظفر مہدی تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۲۹ھ ہجری میں آپ کی پیدائش ظاہر ہوتی ہے۔ آپ سادات نیشاپور سے ۱۱۸۰ ۵۹ ۳۲۹ امام ہفتم (موسیٰ کاظم روحی فداہ) کی ساتویں پشت میں تھے۔ آپ فطرتی شاعر تھے بچپن سے شعر فرماتے تھے مگر محض اپنی طبیعت پر بھروسہ کرنا خلاف عقل سمجھکر حضرت دبیر رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہوئے

آپ کے مرثیوں میں ایک مرثیہ نئی شان کا قابل ذکر ہے۔ اُس کا نام اٹک مسلسل ہے جس میں ترتیبی حال امام حسینؑ کا نظم فرمایا ہے۔ مدینہ منورہ سے روانگی اور ہر منزل۔ اور ہر شہید کربلا کا مفصل حال روایات معتبرہ کے موافق ہے۔ پھر کربلا سے شام تک ہر کوچ اور ہر مقام کا جدا جدا حال ہے حال دربار یزید تک میں یہ مرثیہ کہا تھا کہ دربار خدا میں حضرت اسیم کی طلبی ہوئی عرفت بی بفضح المراثم پڑھ کر دنیا سے راہی ہو گئے تین ہزار سات سو چالیس بند مرثیہ کے کہہ چکے تھے گویا ایک ۳۲ مرثیہ کہہ لئے تھے زندہ رہتے تو دو سو بند شاید اور کہتے۔ مرثیہ کا مرثیہ اور ذبح عظیم کی سیرت (لایف) کی سیرت ہے جس سلسلہ وار نظم کو انگریزی میں ایک پوئم کہتے ہیں اور جس کے ایک گاہک اکثر انگلش خواں نظر آتے ہیں کہ انیسؒ و دبیرؒ کے مرثیوں سے ایک پوئم بناتے ہیں یہ کوئی پہلی ہی ویسی نظم فرما چکے ہیں میں نے اس جلد میں اسی مرثیہ طویل میں سے صرف دو ٹکڑے حال امام حسینؑ میں لئے ہیں جو نمبر ۱۶۔ و نمبر ۱۷ پر درج ہیں۔ اور جس کے مطلعے یہ ہیں (۱)

(۱) اے چشم خوں فشاں ہو قیامت قریب ہے۔ (۲) اے حسن نطق سحر بیانی دکھائے آج

آپ کا کمال یہ تھا کہ مقدمات دیوانی و فوجداری الگ فصیل فرماتے تھے۔ مطب میں علیحدہ مریضوں کا علاج کرتے تھے۔ امور ریاست اور مہمانداری کے ساتھ ساتھ سائلوں کا ہجوم۔ اعزہ و احباب کی ملاقات بچوں کی تعلیم و تربیت اور سب پر ستاد شغلہ نظم وہ بھی خاص مداحی اہلبیت علیہم السلام تھی۔ نہایت جلد کہتے تھے۔ بے تعصب ایسے تھے کہ ہر سال اودھ کی مجلس میں اپنے ہم عمر و ہم فن جناب میر خورشید علی صاحب نفیس مرحوم کو سننے جایا کرتے تھے۔ جسطرح ہر سال ۲۵ رجب کی مجلس لکھنؤ میں اپنے اُستاد زادے حضرت اوج مغفور کو سننے آتے تھے۔ میر نفیس مرحوم بھی خاص خاص مقامات پر خاص طور پر آپ سے مخاطب ہو کر داد چاہتے تھے اور آپ دل سے داد دیتے تھے گویا اخلاق دبیر کی آپ مجسّم تصویر تھے۔ ایک مجلس میں میر نفیس مرحوم نے اپنا ایک سلام پڑھا جس کا یہ ایک شعر آپ کو بہت پسند آیا ؎

جب چلے تنکر حبیب ابن مظاہر بہر جنگ ۔۔۔ جھُرّیاں سب مٹ گئیں سینہ کشادہ ہو گیا

آپ نے فی البدیہہ اسپر مصرعے لگا کر بعد ختم مجلس جناب میر صاحب ممدوح کو سُنا کر وہ داد جس کی تضمین مستحق تھی حاصل فرمائی وہ تضمین یہ ہے ؎

اسلحہ سب تن پہ سجکر کھینچکر گھوڑے کا تنگ ۔۔۔ آگئی پیرانہ سالی میں جوانی کی امنگ
عزم تھا بہر رضائے حق نہ بہر نام و ننگ ۔۔۔ جب چلے تن کر حبیب ابن مظاہر بہر جنگ
جھُرّیاں سب مٹ گئیں سینہ کشادہ ہو گیا

ناظرین! ایک تضمین ان کی فارسی مشہور سسر پر بھی سُن لیجئے یہ بھی مجھے بہت پسند ہے۔ غالباً آپ بھی پسند فرمائینگے۔

حیدرؑ کو کہتے تھے پیمبر اَنتَ مِنّی یا اَخی ۔۔۔ اور کُھُک کبھی کبھی ہوتا تھا ارشاد نبیؐ
قرآں میں جب نفس نبیؐ آیا خطاب حیدری ۔۔۔ ہنس ہنسکے فرمانے لگے شاہ رسالت یا علیؑ

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس شعر کو اُستاد انہی مصرعوں کے واسطے کہہ گیا تھا روزمرّہ میں بولتے ہیں کہ اُسنے دوسرے کے منہ سے بات چھین لی میں کہتا ہوں مہدی مرحوم نے خسرو سے گویا فارسی کا

شعر مصرعے لگا کر چھین لیا۔

رباعیات

رباعیاں بھی جناب آنجم مرحوم کی اچھی ہوتی ہیں۔ حضرت دبیر مرحوم کا رنگ عیاں ہے دیکھیے ایک رباعی پیری کے حال میں ہے۔ بالخصوص مجھ ایسے ضعیف العمر سامعین اس کو بہت پسند کرینگے

رباعی

ضعف آیا جوانی کی کمر ٹوٹ چکی — پیری سامان زندگی لوٹ چکی
ہیں یاد وہ تار کفن موئے سفید — غافل ہشیار ہو کرن پھوٹ چکی

جناب امیر کی منقبت میں ذیل کی رباعی مجھے بہت پسند آئی بالکل حضرت دبیر کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے مضمون سچا۔ بندش چست۔ الفاظ شستہ ہیں۔

رباعی

حیدر کی عطا پہ ہل اتے رشاہد ہے — اور تیغ زنی پہ لافتا شاہد ہے
کعبے کی ولادت پہ پیمبر ہیں گواہ — مسجد کی شہادت پہ خدا شاہد ہے

تاریخ

تاریخ کہنے میں جناب آنجم مرحوم کو کمال حاصل تھا ہمارے زمانے میں محسن اہل کمال عالی جناب نواب پیارے صاحب قبلہ مدظلہ اس فن خاص میں یکتا ہیں۔ جناب آنجم کی اس تاریخ کو جو میں ذیل میں لکھتا ہوں وہ جناب بھی پسند فرماتے ہیں چنانچہ ایک مقام پر اپنی کتاب میں اس کی مدح تحریر فرمائی یہ تاریخ حضرت حسینؑ کی ولادت میں ہے واضح ہو کہ حضرت امام حسنؑ ۳ھ ہجری میں اور حضرت امام حسینؑ ۴ھ ہجری میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور یہ حدیث بالخصوص کتب اہلسنت و جماعت میں معتبر اور مشہور ہے کہ بڑے صاحبزادے سر سے ناف اقدس تک اور چھوٹے شاہزادے ناف سے پائے مقدس تک اپنے جد امجد صلعم سے شابہ ہے ان تمام باتوں پر نظر کر کے مصنف کا کمال دیکھیے کہ لفظ جد سے دونوں حضرات کی تاریخ نکالی ہے اور کیا ترتیب قائم رہی ہے۔ وہ تاریخ یہ ہے۔

ہر دو فرزند کہ مرآت جمال جد اند — نصف بالا حسن و نیمہ پائیں شبیرؑ

سبحان اللہ تاریخ کیا ہے جمال محمدی کا گویا فوٹو ہے۔ مسلمانو اور دوستو الہم صل علی محمد و آل محمد آپ کے نبیرۂ ذی کمال جو آپ ہی کے آغوش کمال میں پرورش پا کر جوان ہوتے ہیں جناب سید فضل مہدی

صاحب نسیم سلمہ اللہ و ابقاہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ زبانی حساب کر کے فی البدیہ تاریخ کہدیتے تھے۔ آپکے مجموعہ تواریخ کا نام سر جواہر منتشرہ ہے اُن میں سے چند جواہر ناظرین کتاب کی نظر کرتا ہوں محض مادّے لکھوں گا کہ طول نہ ہو

(۱) مادّۂ تاریخ تعمیر چاہ کربلا واقعہ جرول ۔ ہدیہ بہر تشنگان کربلا

(۲) مادّۂ تاریخ حوض تعمیر کردۂ خود ۔ خضر تاریخ گفت از روئے ابداد ۔ برائے مومنین آب حیات است

(۳) ایضاً ایضاً اردو میں ۔ منبع فیض ہوا ای جاری

(۴) تاریخ ولادت جناب امیرؑ ۔ میدہ لا الہ الا اللہ سنہ عاد الفیل

(۵) تاریخ شہادت جناب امیرؑ بگفتا بے سر و پا گشت امّت سنہ ہجری

(۶) تاریخ شہادت امام حسینؑ ۔ شہادت داد تاریخ شہادت ۔ جفا کیسے سر پر شمر ملعون کا سر ۔ ی جدا ہوئی نوس کے ساتھ حاصل ہوئے سنہ میں حضرت کی شہادت ہے

بیان اولاد

آپ کے دو فرزند ارجمند ہوئے ۔ بڑے عالیجناب سید حیدر مہدی صاحب شمیم سابق سب جج ۔ جواب بجائے پدر بزرگوار تعلقدار ہیں ۔ شاعری مدّاحی و ذاکری و علم و فضل میں اپنے پدر مرحوم کے قائم مقام حضرت اوج اعلی اللہ مقامہ کے ارشد تلامذہ سے ہیں اگر بے ادبی نہ ہو تو میں ان مرثیوں کو دیکھکر جو حضرت شمیم مدظلہ کے عطیہ میرے پیش نظر ہیں اور جو انشاء اللہ جلد ثانی میں چھپینگے کہہ سکتا ہوں کہ شاعری و مداحی میں اپنے والد ماجد سے بھی بہتر ہیں غالباً ساٹھ برس سے اوپر عمر ہے ۔ دیوان بھی مکمل ہے جسکا نام گلزار شمیم ہے ۔ آپ اسوقت استاد فن مانے جاتے ہیں ۔ آپکے بھی دو بلند اقبال فرزند ہیں (۱) فرزند اکبر سیّد افضل مہدی صاحب نسیم (۲) اکبر مہدی صاحب سلیم یہ دونوں صاحب ذی علم و شاعر مداح اہلبیت حضرت اوج مرحوم کے شاگرد ہیں اچھے اچھے سلام و مرثیہ کہہ چکے ہیں جلد ثانی میں ان صاحبوں کے مرثیوں کی بھی ناظرین کو زیارت ہوگی ۔ جناب نسیم کی عمر ۴۰ و ۴۵ کے درمیان ۔ اور سلیم ۳۰ ۔ و ۳۵ کے مابین ہیں جناب نسیم کے صاحبزادے بلند اقبال سیّد اطہر مہدی ۔ اٹھارہ سال کے قریب نوجوان ہیں ۔ ماشاء اللہ رباعیاں اور سلام کہتے ہیں ۔ تخلص ان کا کلیم ہے

حضرت اثیم

فرزند اصغر حاجی حرمین شریفین مجتہد و حکیم سید باقر مہدی صاحب بلیغ تھے جن کو فخر سادات جرول کہنا مبالغہ نہیں۔ بلیغ کی تصنیفات سے جو کتب و خطب و مراثی و قصائد عربی و فارسی موجود ہیں وہ میرے دعوے پر شاہد عادل ہیں۔ بلیغ مرحوم نے چھتیس ۳۶ برس کی عمر میں اپنے والد ماجد کو داغ جگر دیکر خلد بریں کی راہ لی **لمولفہ**

یہ داد و ستد واہ اچھا کیا ۔۔۔ دیا داغ دل کی تواں لے گئے

۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں ان عالم دین کا انتقال ہوا ضعیفی میں باپ کو صدمہ عظیم ہوا تاریخ جو کہی وہ ایک مرثیہ ہے صرف دو تین شعر لکھے دیتا ہوں جن سے حال علالت وغیرہ کا معلوم ہوتا ہے

شد ز قضا ناگہاں۔ قطع حیاتِ جواں ۔۔۔ سال ز عمر رواں سی و ششم شد تمام
ہشتم ماہ صفر کرد بہ مجلس بسر ۔۔۔ مرثیہ باکر و فر کرد بخوبی تمام
بعد ز بزم عزا۔ گشت ظہور وبا ۔۔۔ زہر نمودش فنا کرد بہ حشا قیام
خون دلم گشت آب داد جواب ۔۔۔ پیری من شد خراب تلخ شد آب و طعام
از پئے سالش اثیم گفت بقلب دو نیم ۔۔۔ حامی دین سلیم رفت بدار السلام

سال سیمی چو گفت با دل مہجور گفت
راحت و آرام من رفت برائے دوام

۱۸۹۱ ۱۸۹۴

حضرت مہدی نے ۱۳۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ سال ولادت ۱۲۳۹ھ ہجری ہے اس حساب سے آپکی عمر اکیاسی سال کی ہوئی میرے استاد زادہ باکمال جناب مرزا محمد طاہر صاحب رفیع مدظلہ نے تاریخ وفات فرمائی جسکا آخری شعر یہ ہے ؎

داشت دستار فضیلت چوں بسر ۔۔۔ از فضیلت سال رحلت شد عیاں ۱۳۲۰

یہ تمام حالات مجھے میرے مہربان سید فضل مہدی صاحب نسیم سلمہ اللہ سے ملے ہیں اور حضرت اثیم کے چند شاگردوں کے نام بھی معلوم ہوئے ہیں جو لکھکر شکریہ جناب نسیم پر تمام کرتا ہوں۔

نام تلامذہ حضرت ابیم مرحوم

(۱) سید مجاور حسین صاحب فائق خویش جناب ابیم (۲) شیخ ذوالفقار علی صاحب محزوں۔ پوٹماسٹر جرول (۳) میر نادر حسین صاحب نادر جرول (۴) میر نصیر الدین صاحب نصیر۔ جرول (۵) سید ہادی حسن صاحب ہادی مہتمم مطبع عین الفیوض جرول (۶) لالہ شوزاین صاحب ہوش جرول (۷) محمد حسن صاحب اثر۔ جرول (۸) لالہ بہاری لال صاحب جنوں۔ جرول۔

بقا

میر بادشاہ علی صاحب مرحوم لکھنؤ کے مشہور دستند شاعر میر وزیر علی صاحب صبا مرحوم کے فرزند ارجمند اور جناب مرزا دبیر مغفور کے داماد اور شاگرد رشید تھے ۱۲۶۳ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۳ رجب ۱۳۲۳ھ یوم شنبہ کو بعارضہ سرطان اپریشن عمل جراحی ہونے پر عالم بقا کو چل بسے شاید عمر ۶۰ ساہوا رحسینیہ حسین آباد لکھنؤ سے وظیفہ پاتے تھے۔ اور ہندوستان میں جابجا حسب الطلب جا کر مرثیہ پڑھتے تھے۔ کئی سال حیدر آباد دکن میں گئے خوب خوب مجالس میں پڑھے غزل۔ قصیدہ۔ مثنوی۔ تاریخ۔ رباعی۔ سلام۔ مرثیہ۔ سب کہتے تھے۔ لکھنؤ کے مستند شعرا میں انکا شمار ہوتا تھا۔ مرثیہ جس طرح خوب کہتے تھے اُسی طرح خوب پڑھتے بھی تھے۔ مولف حقیر پر ررگانہ نظر عنایت فرماتے تھے۔ میں نے انکی تاریخ وفات بھی کہی تھی جو ان کی مجلس چہلم میں پڑھی گئی تھی۔ اور اُسی زمانے میں پرچہ ماہانہ اصلاح (جو کھنؤ ضلع سارن) میں چھپی تھی۔

اس موقعہ پر میں چند رباعیاں اور چند اشعار اُنکے لکھتا ہوں یہ کلام اُن کے شاگرد رشید میر طالب حسین صاحب۔ طالب ساکن لورپور تحصیل اکبر پور ضلع فیض آباد نے ارسال فرمایا ہے۔ اور ایک مرثیہ میر اقبال حسین صاحب اقبال ان مرحوم کے نواسے داماد نے لکھنؤ میں دیا تھا۔ جو جلد ۲ میں نمبر ۷ پر درج ہے اور جسکا مطلع یہ ہے ؎ یارب سخن تازہ کو تاثیر عطا کر۔ ان دونوں صاحبوں کا میں تشکریہ ادا کرتا ہوں اسکے ساتھ اتنا لکھدینا بھی شاید نامناسب نہ ہوگا کہ جسطرح میرے عرض کرنے پر حضرت اونام مرحوم نے اس کتاب کی رونق بڑھانے کے واسطے اپنا چوتھی کا مرثیہ توحید والا بخشا ہے میر اقبال صاحب نے میر بقا مغفور کا سب سے بہتر مرثیہ نہیں دیا۔ اگر حضرت بقا زندہ ہوتے تو مجھے یقین ہے کہ وہ بھی حضرت امج مرحوم کی طرح سب سے

اچھا مرثیہ دیتے۔

رباعیات بقا مرحوم

(۱) مداحِ ریاضِ مصطفےٰ کا ہوں میں — بلبل چمنِ آلِ عبا کا ہوں میں۔
جس کی زباں وصفِ علیؑ میں ہے بقا — وہ پھول گلستانِ صبا کا ہوں میں۔

(۲) بسم اللہ قرآن میں جو با ہے پہلے۔ — احمد میں بھی الف بجا ہے پہلے۔
دو با کے لکھے الف کا اک تو یہ کھلا۔ — قرآن میں بارہ[۱۲] کی شنا ہے پہلے

(۳) محبوب جو اللہ و نبیؐ کے دو ہیں — فرزند وہ خالق کے ولی کے دو ہیں
کیا بات ہے اے بقا شمائلِ حسنینؑ — اعداد صغیر بھی علیؑ کے دو ہیں

(۴) گھر گھر کے جو شہ کا ابر غم آتا ہے — موتی ہی نرے آنکھ سے برساتا ہے
چڑھتا نہیں پھر نظر پہ دُر یکتا — آنسو کی طرح آنکھ سے گر جاتا ہے

(۵) خالق کے ولی ابنِ ابیطالب ہیں — احمدؐ کے وصی ابنِ ابیطالب ہیں
سفحہ[۲۱۸] کے عدو جتنے ہیں اُتنے ہی بقا — اعدادِ علیؑ ابنِ[۲۱۸] ابی طالب ہیں

(۶) ارمان نہ کچھ جو خزاں سے نکلے — کیا چھپہ بلبل کی زباں سے نکلے
دیکھے نیرنگِ باغِ ہستی یہ خزاں — ہنستے ہوئے پھول بوستاں سے نکلے

(۷) رُخ شہ کا جو بے نقاب ہو جاتا ہے — شرما کے گل آب آب ہو جاتا ہے
ہنگام وضو پھول سے رخساروں کا — دھون عرق گلاب ہو جاتا ہے

(۸) پھر سوئے نجف رہ گئے چلتے چلتے — آخر ہوئی عمر ہاتھ ملتے ملتے۔
خورشید لب بام ہے پیری سے بقا — ہو جائے نہ رات دھوپ ڈھلتے ڈھلتے

(۹) سانچے میں صدف کے دُر کو ڈھلتے دیکھا — آنسو کو جو آنکھ سے نکلتے دیکھا
جیسے صدف چشم دُر افشاں ہے بقا — معدن کو نہ یوں لعل اگلتے دیکھا

سلام

وصفِ گلزارِ نبیؐ ہم نے زبانی کر دیا — بلبلِ سدرہ کو محوِ گل فشانی کر دیا
منکروں کو قائل معجز بیانی کر دیا — موم لوہے کو کیا پتھر کو پانی کر دیا

بدر مضمون لفظ خورشید میں مصرع ہلال
رنگ ہم نے اس زمیں کا آسمانی کر دیا

مدح یاقوت لب و دندان اکبر کی جو نظم
لعل کو ہم نے لہو موتی کو پانی کر دیا

قاسم گلگوں قبا کے عکس خط سبز نے
سرخ جوڑا بیاہ کا مقتل میں دھانی کر دیا

شاق تھا سب کلمہ گویوں کو پیمبر کا فراق
حق نے اکبر کو حبیب حق کا ثانی کر دیا

فرد تھا وجہ حسن سے دفتر فوج خدا
ذکر یوسف ان حسینوں نے کہانی کر دیا

حضرت عباس جب دریا پہ آئے سبز پوش
عکس پیراہن نے آب نہر دھانی کر دیا

ہم شبیہ احمد مرسل کا نقشہ کھینچکر
دیدۂ حق بیں میں باطل نقش مانی کر دیا

تھا ہر اک موسائی رن میں محو دیدار خدا
نور اکبر نے خطاب لن ترانی کر دیا

کہتی تھیں بانو پھلے پھولے نہ اکبر وا نصیب
موت نے تاراج گلزار جوانی کر دیا

شہ سے بانو نے کہا کیا قہر تھا اکبر کا داغ
سرخ رنگت کو تمہاری زعفرانی کر دیا

اشکباری سے بقا بزم غم شبیر میں
دیدۂ تر نے گھٹا کو پانی پانی کر دیا

(سلام ۲)

رخ پر نور شہ گر ہو نہاں پر نقاب آدھا
تو ہو روشن کہ ہے ابر تنک میں آفتاب آدھا

وہ کش ہیں لیں تو خم کے خم پی جائیں اے ساقی
مے حب علی بھر دے نہ دے جام شراب آدھا

شریک بزم غم ہو کر کریں جو بجل رو نیں
عجب کیا ہے قیامت میں ملے انکو ثواب آدھا

گذرتی ہے بقا جس کے دل پر وہ گذرتی ہے
بٹا سکتا نہیں کوئی کسی کا اضطراب آدھا

(تضمین ۱)

کاشف اسرار علم حق ہے دست گردگار
انگلیاں دو لا نہیں روکا در خیبر کا مار

تیغ قبضے میں بشکل لام الف ہے آشکار
بس وہاں بھی اور یہاں بھی ہے یہ ایما بس بما

لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار

(تضمین ۲)

مدّاح ہوں ریاضِ شہ قلعہ گیر کا — نغمہ سرا ہوں گلشنِ جنت نظیر کا
طوبےٰ کی شاخ پر ہے نشیمن فقیر کا — بلبل ہوں بوستانِ جناب امیر کا
روح القدس ہے نام مرے ہم صفیر کا

گھوڑے کی سرعت

بزیرراں ہے جری کے وہ نوسن چالاک — کہ پائے گرم روی نہ شعلۂ ادراک
شرر سے راہ ہے اس کو تو برق سے ہے تپاک — بڑھا تو رہ گئی پیچھے صبا اڑاتی خاک
وہ گرد پاپڑا تا جو آیا بھی رہ گیا پیچھے
کہ دوڑ دھوپ کے سایا بھی رہ گیا پیچھے

بلا کی ہے جو شرارت غضب کی شوخی ہے — نہ خور کی نہ روش یہ پری کی دیکھی ہے
خرام حشر نہ رفتار یہ فلک کی ہے — جہان بھر سے نرالی ہے چال انوکھی ہے
قدم قدم پہ کپ آواز تاپ دیتی ہے
زمیں یہ بوسۂ سُم بار بار لیتی ہے

تلوار کی معشوقانہ وضع کی مدح

اُٹھا اٹھا کے چلی۔ سر اُبھر اُبھر کے چلی — لپک لپک کے چلی گہ ٹھہر ٹھہر کے چلی
بگڑ بگڑ کے چلی گہ سنور سنور کے چلی — نہا نہا کے لہو میں نکھر نکھر کے چلی
چمک وہ گیسوئے جوہر کے ہوش اڑائے ہوئے
کہیں چھپے ہیں بھلا بال بھی نہائے ہوئے

مدح شمشیر

ادھر خرام کیا گہ اُدھر خرام کیا — یہ صف کی صف وہ پرے کا پرے تمام کیا
کسی نے اس کی روش میں اگر کلام کیا — پری دہن میں زباں کی طرح سے کام کیا
کسی کی بات اٹھانے کی کب ہے تاب اسے
ہزاروں یاد ہیں دنداں شکن جواب اسے

دن اس کے وصف میں کٹتا ہی رات کٹتی ہے — یوہیں یہ زندگی بے شبات کٹتی ہے
ثنا و مدح میں برسوں حیات کٹتی ہے — برش کا ذکر جب آتا ہے بات کٹتی ہے

ہمارے ذہن میں مضموں یہ آج آیا ہے
اسی سے قطع سخن نے رواج پایا ہے

لہو سے غسل جو میت عدو کی پاتی تھی — کفن یہ آب رواں کا اسے پہناتی تھی
گزر کے جو سر و تن سے زمیں میں جاتی تھی — شگاف دیکے زمیں میں لحد بناتی تھی

عذاب قبر بھی تھی صدمۂ فشار بھی تھی
چمک کے نکلی تو شمع سر مزار بھی تھی

والا قدر شہزادہ نواب وزیر میرزا صاحب مرحوم

یہ سلطان عالیہ مرحومہ کے دجو ایک فیاض ذی علم عزادار مداح شاعرہ تھیں جن کا ذکر خیر اس کتاب میں ہے) بھتیجے تھے۔ اور خاندان شاہی اودھ کے ایک ذی عزت شہزادے اور ذی علم رکن تھے مولوی میر سید علی صاحب قبلہ مرحوم صاحب مجالس علویہ اور مرزا رضا علی صاحب قبلہ مشہور مناظر رئیس مفتی گنج لکھنؤ ان کے مصاحبوں میں تھے۔ لکھنؤ چینی بازار میں اُن کے نام کی سڑک والا قدر روڈ ابتک برقرار و مشہور ہے۔ وہیں انکا دولت خانہ تھا۔ جناب میرزا صاحب مرحوم کے یہ بھی شاگرد رشید تھی سلام ان کے دفتر ماتم میں ہیں مگر سلاموں کی وجہ سے انکی شہرت نہیں ہوئی بلکہ ٹھمریوں کے سبب سے یہ مشہور عالم ہیں۔ جناب مرزا اوج مرحوم فرماتے تھے۔ کہ نواب نصیر الدین حیدر شاہ دوم اودھ نے جو ٹھمریاں وغیرہ بھاکا زبان میں میرزا دبیر مرحوم سے کہوائی تھیں وہ اب تک مسودوں میں موجود ہیں میرزا صاحب بھاکا زبان میں بھی شعر کہتے تھے اور نواب وزیر میرزا صاحب کو اصلاح دیتے تھے ٹھمریوں میں ان کا تخلص کدر پیا ہے۔ ہندوستان کے ہر حصہ ملک میں ان کی ٹھمریاں مشہور اور گائی جاتی ہیں ہز اکسلنسی سر مہاراجہ کشن پرشاد صاحب بہادر۔ شاد تخلص سابق وزیر حیدر آباد دکن اپنے ایک مضمون میں (جو بھاکا شاعری پر انھوں نے لکھا ہے۔ اور درحقیقت خوب لکھا ہے۔ اور جو پرچہ نومبر سنہ ۱۹۲۰ء آفتاب جہالرا پاٹن میں چھپا ہے) لکھتے ہیں کہ "بعض مقامات ہند کو اس شاعری

(بھاکا) سے خاص مناسبت تھی بدولت جو بھاکا میں اعلیٰ درجہ کی تصنیف مانی جاتی ہے اس کے مصنف اودھ کی خاک سے پیدا ہوئے۔ اور اس زمانے میں گدر پیارا (نواب وزیر مرزا) کی ٹھمریاں اور مختلف چیزیں جو مقبول عالم ہو رہی ہیں وہ بھی اودھ بلکہ خاص لکھنؤ کے نواب زادے تھے اس وقت تک اودھ کے قصبات و قریات میں عوام کی زبان وہی ہے جو برج کی زبان (بھاکا) کہلاتی ہے۔ اس سے اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اردو کا وجود ہونے سے قبل سرزمین اودھ بھاکا شاعری سے چمن ہو رہی تھی۔ ان کے دو صاحبزادوں سے میری ملاقات ہے۔ ایک تو بڑے صاحب جو نواب اکھن صاحب کہلاتے ہیں۔ اور اکثر موسم گرما میں پہاڑوں پر رہتے ہیں دوسرے نواب شاہ جہاں مرزا صاحب سلیم۔ جو جناب استادِ معظم مرزا اوج مرحوم کے مصاحبوں میں تھے اور اب کانپور میں مقیم ہیں۔ افسوس کہ بھاکا میں مجھے رسا و الا قدر مرحوم کا کوئی مرثیہ ان صاحبوں سے نہیں ملا ورنہ ضرور لکھتا۔ اور گمان غالب ہے کہ اس زبان میں بھی (کہ جسکے وہ مسلّم الثبوت و لاجواب شاعر تھے) انہوں نے مرثیہ یا سلام ضرور کہا ہوگا۔

سلطان سلطان العالیہ

نواب نصیر الدین حیدر بادشاہ دوم اودھ کی خاص محل ملکۂ زمانی کی یہ بیٹی تھیں محل میں باقاعدہ انکی تحصیل علمی ہوئی تھی۔ مرزا صاحب کی شاگرد اور بڑی فیاض تھیں۔ سالانہ پچاس ساٹھ ہزار روپیہ محض میرزا صاحب کی سفارشی رقعوں پر اہل حاجت کو دیتی تھیں۔ میرزا صاحب کو ابّا جان کہتی تھیں۔ زبان ان کی نہایت شستہ۔ شاہی محل کی زبان ہے طرز بیان بہت دلگداز ہے۔ انکے بعض سلام مشہور اور مرثیے سیکڑوں ہیں مگر نایاب۔ بعض ان کے سلاموں کو مرزا صاحب نے خود مصرعے لگا کر مخمس کیا ہے۔ جو دفتر ماتم میں چھپے ہیں۔ چنانچہ میں نے جلد ثانی میں تھوڑا سا کلام انکا ہدیۂ ناظرین کیا ہے ان کے شوہر (شاہزادۂ اودھ) نواب ممتاز الدولہ مرحوم بھی مرزا صاحب مرحوم کے شاگرد اور فدائی تھے جن کی فیاضیوں اور علم پرستی کے لکھنؤ میں جھنڈے گڑے ہوئے ہیں۔ انکے فرزند ارجمند نواب باقر مرزا صاحب متولی حسین آباد مبارک لکھنؤ کے۔ رئیس اور جناب استاذی حضرت اوج مرحوم کے شیدائے کلام۔ اور حقیر شانت کے کرم فرما ہیں۔ مگر مفصل حالات نواب ممتاز الدولہ مرحوم اور

سلطان عالیہ مرحومہ کے میری التماس پر بھی مرحمت نہ فرمائے۔ اس لئے اسی مختصر حال پر قناعت کی گئی

شمیم سید محمد صاحب مرحوم رئیس کجھوہ ضلع سارن

ان کے حالات ان کے بھائی سید محمد عباس صاحب کی عنایت سے مجھے پہنچے جو درج ذیل کرکے اول سید محمد عسکری صاحب مہتمم رسالہ شیعہ بازار بندی ضلع سارن کا جنہوں نے اُن کو تحریک فرمائی اور پھر سید صاحب موصوف کا شکریہ ادا کرتا ہوں کچھ ان کا کلام بھی انکے بھائی نے بھیجا ہے۔ ایک انکا لاجواب مرثیہ میرے پاس پہلے سے ہے جسکا مطلع یہ ہے ؎ اے نظم رزم بزم میں عالم پسند ہو کلام سے پایا جاتا ہے کہ لیاقت علمی اعلےٰ درجہ کی تھی۔ اور رموز شاعری سے بخوبی ماہر تھے طبیعت شاعری کی واسطے سوزوں پائی تھی۔

شمیم مرحوم ۲۱ ذالحجہ ۱۲۵۸ھ ہجری روز دوشنبہ کو پیدا ہوئے۔ اور ۲۸ ذالحجہ ۱۳۰۴ھ ہجری بروز دوشنبہ انتقال فرما گئے گویا ۴۶ برس دُنیا گی سیر کرکے روح رواں شمیم فردوس بریں میں جا ملی۔

تعلیم و تربیت سب ان کے مکان پر موضع کجھوہ ضلع سارن میں ہوئی وجہ معاش جائداد موروثی تھی یہ سادات عظام نقویہ سے تھے۔ ان کے والد ماجد سید محمد حسن صاحب حسن مرحوم ایک ذی علم رئیس اور شاگرد رشید جناب مرزا صاحب مرحوم کے تھے یہ بھی مرزا صاحب مرحوم کے تلمذ سے فیضیاب ہوئے اور بسکہ عربی و فارسی کی باقاعدہ تعلیم پا چکے تھے اور قدرتی و فطرتی شاعر تھے اسلئے مرثیے خوب کہے انتقال کے وقت یہ رباعی کہکر جاں بحق تسلیم کی

رباعی

تُو جاں سے سدا رہا میں قربان حسینؑ — ادنےٰ سے میں ادنےٰ ہوں ثنا خوان حسینؑ
کچھ غم نہیں بعد مرگ انشاء اللہ — ہے دست شمیم اور دامان حسینؑ

نمونہ کلام شمیم مرحوم

رباعی

اس در پہ جو بار یاب ہو جاتا ہے — گرد رہ ہو آفتاب ہو جاتا ہے
ٹپکے جو عرق کا قطرہ اس جا پہ شمیم — خوشبو میں یہ از گلاب ہو جاتا ہے

(سلام)

پیشوا سب کے حسنؑ ہیں مجرئی جد کے بعد
ہے فروغ ماہ تاباں نیرِ اکبر کے بعد

شاہ فرماتے تھے رو رو کر علی اصغر کے بعد
مرہم زخم جگر تھا بس یہی اکبر کے بعد

پیاس میں کیا کیا لڑے نو لاکھ سے ستر دو تن
کربلا کا معرکہ ہے غزوۂ خیبر کے بعد

کیا بیاں ہو آبرو اشک عزائے شاہ کی
اس سے ہاتھ آئے گی حبِ پرسش محشر کے بعد

اسعد و ضرغامہ حیدر و ہاشم و حرّ و زہیر
باد فاتھے یہ اویس و مالکِ اشتر کے بعد

کہتے تھے زینبؑ کے بیٹے جھوم کر زیرِ علم
اب یہ منصب ہے ہمارا جعفر و حیدر کے بعد

کاش مجھ کو بھی خدا دے خلد میں گھر اے نسیم
سارے مداحانِ آلِ ساقیِ کوثر کے بعد

اسی مرثیہ مشہور ع "اے نظمِ رزم بزم میں عالم پسند ہو" کے چند بند لکھتا ہوں۔

آمد حضرت عباس

ہے ہر نذر کف میں ہر اک سیم کے گہر
غنچے بھرے ہیں مٹھیوں میں اپنی سیم و زر

علے لئے ہیں اشرفی مہرات پر
کہتے ہیں اس طریق سے ہر بار ہمدگر

آناکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

قطروں کی آب و تاب صدف میں گہر گہر
ذرّوں میں ہے تجلّی انجم قمر قمر

ہر اک شجر میں طور کا جلوہ شجر شجر
ایک اک ثمر میں نکہتِ طوبیٰ ثمر ثمر

دل باغیوں کے لالہ صفت داغ داغ ہیں
پھولے نہیں سماتے ہیں گل باغ باغ ہیں

سراپا مدح لب

اوصاف میں لبوں کے ہیں چسپیدہ لب سے لب
کہتا ہے خامۂ دو زباں بھی طب و طب

کہتی ہے عقل ہو کے ورش رو۔ ادب ادب
انکے حضور نام رطب کا عجب عجب

یہ لطف تازگی نہیں آبِ حیات میں
اور کنگھی کی شاخ لگی ہے نبات میں

بینی الف ہے لام ہے زلفِ صبا نہاد — میم دہن کے میم سے حاصل ہر اک مراد
کہتے ہیں صادِ چشم کو ارباب اعتقاد — تفسیر ہے انہی کی الف لام میم صاد[1]

دانتوں کی مدح کیوں نہ ہمیشہ زباں کرے
جس رُخ پہ آپ صادِ خدائے جہاں کرے

دانتوں کی بتیسی[2]

بتیس[2] ہیں شمار میں یہ دُرِّ بے مثال — اور چاند کو علی کے بھی بتیسواں[2] ہے سال
لڑتا ہے سلکِ گوہرِ دندان سے یہ خیال — ناڑہ پہ انکے سال گرہ کا ہے احتمال

تعدادِ حق نے سالگرہ کی دکھائی ہے
ہر ایک گرہ گُہر سے برابر لگائی ہے

ناف کی مدح

حیرت فزا ہے ناف ضیا بار کی مثال — خورشید گر کہوں تو یہ ہے عقل کا زوال
لیکن کمر کے قرب سے ہوتا ہے یہ خیال — نقاش پر کھلا جو نہ اُن کی کمر کا حال

دستِ ہنر میں کلکِ قدم لیکے رہ گیا
لوحِ شکم پہ نقطۂ مشکیں لکھے رہ گیا (یہ بھی نیا مضمون معلوم ہوتا ہے)

رجز

آیا کبھی نہ فرق ہمارے سلوک میں — ہم خضر کے ہیں راہ نما بھول چوک میں
روزے پہ روزے رکھتے ہیں خوش ہو کی بھوک میں — تنہا لڑے ہزاروں سے جنگ تبوک میں

---

[1] الٓمٓصٓ قرآن شریف میں ایک سورہ ہے ۱۲

[2] حضرت عباسؑ کی ولادت ۴ یا ۱۳ جمادی الاول ۲۶ھ ہجری کی ہے اسلئے کربلا کے معرکہ ۶۱ھ یا ۶۰ھ میں تخمیناً ۳۴ سال کی عمر شریف تھی۔ کیا اچھی حسن تعلیل فرمائی ہے۔ سبحان اللہ کہ تیس دانت گویا سالگرہ کے ناڑہ کی گرہ ہیں۔ یہ مضمون اس بے بضاعت کی نظر سے کسی اور شاعر کے کلام میں نہیں گزرا۔ شیم مرحوم کے قصہ کا مضمون ہے ۱۲ منہ الفقیر

مشہور جو نجف ہے وہ بیشہ ہمارا ہے
مرتضائی راہ میں پیشہ ہمارا ہے

ضرب شمشیر غلمدار

سونگ دم میں تیغ دوستی دکھا گئی — ایمان کا اوج کفر کی پستی دکھا گئی
بے برگ و بار گلشن ہستی دکھا گئی — چنگاریوں سے آگ برستی دکھا گئی

تھی ایک سی یہ بند نہ دس سے نہ پانچ سے
دو زخ بھی مانگتا تھا اماں انکی آنچ سے

جل جل کے خاک ہوگئی اہل وغل تمام — مرمر کے سنگدل ہوئے وقف اجل تمام
ہل ہل کے چھوٹے قبضوں سے تیغوں کے پھل تمام — پس پس کے ضرب سم سے بنے سرمہ یل تمام

گر گر کے سر زمین پہ غلطاں ہوگئے
پھر پھر کے گرد تیغ کے قربان ہوگئے

صنعت فوق النقاط

(تمام بند کے حرفوں کے اوپر ہی نقطے ہیں۔ نیچے نہیں)

وہ تہلکہ تھا ہر طرف اسدم کہ الاماں — ششدر تھا ہر فرشتہ نہ قصر آسماں
الحافظ کا ورد عطارد کو ہر زماں — تھا حشر و نشر کا ملک الموت کو گماں

نالاں فساد و فتنہ۔ دل کفر شق ہوا
خوشدل شہ رسل ہوا خوشنود حق ہوا

صنعت تحت النقاط

(حرفوں کے نیچے ہی نیچے نقطے ہیں)

گرمی سے اسکی مر ہوئی گرمی اجل — آئی یہ تپش پہ رہے پہ گرا جلد سر کے بل
پلکی چمک چمک کے ہر سو یہ بر محل — پسپا ہوئے عرب کے جری اور عجم کے یل

بولی سپاہ حملہ حیدر دکھا دئے
کیا حیدری حسام کے جوہر دکھا دئے

غیر منقوط

(کسی حرف پر نقطہ نہیں ہے)

دل دو عدو کا اور مہ مہ مال دو — کاسہ سر سوار کا دو اور ڈھال دو

ہر مہر و اسم و سکہ و سر کوہ دلال دو — مہر و مہ و سماک و سمک اور سال دو

رہوار دو۔ اِدھر ہوا۔ اسوار اُدھر ہوا

اور اس کا ہم کمال حسام دو سر ہوا

پھل وزن میں تھا پھول نزاکت میں چشم حور — جلوے میں شمع طور۔ لطافت میں تھا بلور

قامت میں شمع۔ سر میں وہ لو۔ اور بدن میں نور — کٹنے کے ڈر سے پھرتا تھا سایہ بھی دور دور

سائے کے پھیلنے کی کرامات ہو گئی

ڈھلنے نہ پائی دو پہر اور رات ہو گئی

ثواب

میر علی محمد صاحب مرزا صاحب کے پرانے شاگرد تھے۔ میں نے جب انکو لکھنؤ میں دیکھا تو انکے سر میں رعشہ تھا۔ لیجم و شیم و قد آور تھے۔ اواخر عمر میں لکھنؤ سے حیدر آباد دکن میں سر سالار جنگ اوّل کے وقت میں چلے گئے تھے۔ اور وہیں رہے۔ وہیں انتقال فرما گئے۔ شاید ۱۹۰۰ء کے قریب قریب انتقال فرمایا۔ ان کے بھی بعض سلام دفتر اتم میں چھپے ہیں۔ اس سے زیادہ دریافت کرنے پر بھی کسی سے معلوم نہ ہو سکا۔ بنظر ثواب اتنا حال جناب ثواب مرحوم کا لکھدیا کہ شاید کوئی برادر مومن سورۂ فاتحہ پڑھے اور انکی روح کو اس کا ثواب پہنچے +

مجید

جناب علی میرزا صاحب وزیر ریاست پٹکاپور خلف میرزا علی حسن صاحب تمن دار ابن میرزا حسن صاحب رسالدار پسر میرزا غلام محمد صاحب۔ یہ وہی میرزا غلام محمد صاحب میرزا دبیر منصور کے حقیقی دادا ہیں جنکا حال اور شجرۂ نسب حیات دبیر کی جلد اول میں ناظرین غالباً ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

تجید مرحوم میرزا صاحب مغفور کے بھتیجے تھے۔ انکی تعلیم بھی مرزا صاحب مغفور کی نگرانی میں ہوئی ان کے حقیقی بھانجے جناب ڈاکٹر آغا سلطان مرزا صاحب ملازم ریاست بہاولپور نے ۱۱ر نومبر ۱۹۱۳ء کو جو حالات و مختصر کلام بھیجا وہ شکریہ کے ساتھ لکھتا ہوں۔

جناب تجید نے علم عروض بھی مرزا صاحب مغفور سے پڑھا تھا۔ زمانہ شاہی اور اس کے چند روز بعد تک کی مجالس میں اکثر میرزا صاحب مرحوم کے ہمراہ رہتے تھے۔ مرثیہ۔ سلام۔ غزل۔ قصیدہ ہر رنگ پر عبور تھا۔ ۱۲۴۳ھ میں آپ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۶۲ء سے ۱۸۷۴ء تک ریاست دیوان میر ناصر علی صاحب مرحوم میں وزارت کے عہدے پر رہے پھر نوکری چھوڑ کر خانہ نشین ہو گئے۔ آپ بہت پُر گو شاعر تھے کوئی سلام چالیس شعر سے کم نہ ہوتا تھا۔ عطر سے خاص شوق تھا اکثر لوگوں نے کئی عطر ملا کر دیئے آپ نے ان سب کے نام اور نقص و صواب بتا دیئے۔ خوشنویس۔ مہذب ذی علم نفیس طبع۔ خوش لباس تھے نفیس پارچہ کا بہت شوق تھا دس دس روپے سلائی دیکر ادھی[1] کا انگرکھا سلواتے تھے جسمیں کٹاؤ وغیرہ کا قطعی کام نہ ہوتا تھا۔ انکی سادی سلائی کا انگرکھا مشکل سے درزی پندرہ روز میں تیار کرتا تھا۔ آپ کے چھوٹے بھائی اور شاگرد مرزا محمد سجاد صاحب وقار تھے جن کا حال و کلام اس جلد میں آئیگا۔ جو بالواسطہ شاگردوں کے واسطے تیار ہو رہی ہے تجید مرحوم نے اٹھتر سال کی عمر پاکر لکھنؤ محلہ مغنی گنج میں (۱۳۲۰ھ میں) انتقال فرمایا۔ افسوس ع

اہلِ کمال اٹھ گئے افسانہ رہ گیا

نمونہ سلام مجید

میں بد اعمالی سے خود آپ کو رسوا کرتا
گر نہ ستّار مرے جرم کا پردا کرتا

مچھلی ابراسی طرح جو برسا کرتا
پسرِ فاطمہ پانی کو نہ ترسا کرتا

نہ کبھی عالمِ امکاں کو ہویدا کرتا
گر خدا نورِ محمد کو نہ پیدا کرتا

متفق ہوتی اگر حبِّ علی پر سب خلق
پھر خدا نارِ جہنم کو نہ پیدا کرتا

کہتے سب مثل نصیری کے علی کو اللہ
شبِ معراج میں خالق جو نہ پردا کرتا

گردِ رہ بیوؤں کے چہروں پہ تھی مانندِ نقاب
یوں غبار اڑ کے اسیروں کا تھا پردا کرتا

[1] ادھی لکھنوی تن زیب کا نام ہے کوئی صاحب دمڑی کی آدھی ادھی نہ سمجھیں ۱۲ ثابت

کربلا میں کہیں ملتی جو لحد مجھ کو مجید
عمر بھر چین سے پھر قبر میں سویا کرتا

جناب مجید کے کلام کا نمونہ

مدحتِ آلِ پیمبرؐ کا اثر دیکھو تو — خلد میں بنتے ہیں میرے لئے گھر دیکھو تو
دل میں خاصانِ خدا کے ہوا گھر دیکھو تو — ماتمِ شاہِ شہیدان کا اثر دیکھو تو
کوچ دنیا سے مرا ہوتا ہے روتے ہیں عزیز
بدشگونی یہ بھلا وقتِ سفر دیکھو تو

جنابِ مجید کے چھوٹے بھائی اور شاگرد رشید مرزا محمد سجاد صاحب وقار مرحوم تھے (جن کا حال آیندہ دوسری جلد میں انشاء اللہ لکھوں گا) جن کی نسبت مولوی مرزا الطاف حسین صاحب عالم شاگرد رشید مشتاق لکھتے ہیں کہ فارسی دریسیات میں نے مرزا محمد سجاد صاحب وقار سے پڑھے جنکی انشا پردازی اور مضمون آفرینی کا ان کے کل معاصرین کو اعتراف تھا۔

یمین

(نواب اقتدار الدولہ مستقیم الملک مرزا کلب علیخان ارسلانِ جنگ)

یہ یزدگار ہز ہائینس یمین الدولہ ناظم الملک نواب سعادت علی خاں مرحوم نواب اودھ کے چھوٹے فرزند اور ہز ہیجسٹی مرزا غازی الدین حیدر مغفور اوّل شاہ اودھ اور حضرت محمد علی شاہ سوم بادشاہ اودھ کے علاتی بھائی تھے ۱۲۱۳ھ ہجری میں بمقام درگا کنڈ بنارس پیدا ہوئے آپکی ولادت کے بعد ہی آپ کے پدر بزرگوار مسند نشین وزارت اودھ ہو کر لکھنؤ میں تشریف لائے۔ اسوجہ سے آپکا تولد باعثِ یُمن تصور کیا گیا۔ آپ علم دوست اور عربی و فارسی میں فارغ التحصیل تھے اور ایسے ذہین و علم دوست تھے کہ اُس زمانے میں جبکہ زبان انگریزی کا ملک میں بہت کم چرچا تھا سخت محنت سے انگلش بھی پڑھی اور بقدر ضرورت انگریزی لکھنے پڑھ لیتے تھے۔ شاعری سے نہایت شوق تھا تقریباً پانچ ہزار اشعار عربی و فارسی و اردو حفظ تھے۔ آپکے دو تخلص تھے ایک یمین دوسرا انتظار آپ کا ایک دیوان قلمی تھا جسمیں فارسی و اردو کے قصائد و غزل و سلام و رباعیات درج تھے

مگر افسوس وہ دیمک کی نذر ہوگیا۔ اس میں سے چند اوراق بچے جس سے یہ چند اشعار سلام لکھے جاتے ہیں حضرت میرزا سلامت علی صاحب دبیر مرحوم کا معمول تھا کہ چوتھے روز دربار میں تشریف لاکر کلام اردو پر اصلاح فرماتے تھے۔ نواب صاحب موصوف مرزا صاحب کی خدمت گذاری باعث فخر سمجھتے تھے۔ آپ کو خوشنویسی سے بھی کمال ذوق تھا۔ مرزا رضا علی صاحب اور حافظ نور اللہ صاحب سے آپ نسخ و نستعلیق میں اصلاح لیتے تھے۔ جناب میرزا صاحب مرحوم کے اکثر مرثیے آپ نے اپنے قلم سے نہایت خوشخط لکھے تھے۔ آپ نے تیر اندازی و تفنگ بازی۔ نیزہ بازی و شمشیر افگنی و شہسواری برج بہادر مرہٹی اور دلیل خان دکھنی سے حاصل کی تھی آپ کو علوم و فنون سے شوق تھا۔ آپکے رفقا بھی اس زمانے کے کامل ترین افراد مرزا ہادی صاحب صلحا و مرزا چھوٹے صاحب پیشباز و مرزا علی رضا صاحب خوشنویس و سید مظہر علی صاحب بکیت و مولوی برکت علی صاحب تواریخ داں و منشی میر محمود صاحب نثار و میر اسد علی صاحب داروغہ و میرزا سلامت علی صاحب دبیر تھے۔

آپ نے بیالیس برس کی عمر میں اپنے بھتیجے میرزا نصیر الدین حیدر دوم شاہ اودھ مرحوم کی وفات کے چند ماہ قبل انتقال فرمایا اور اپنے باغ میں جو پروۂ کلب علی خاں (واقع حیدر آباد آنروی گومتی لکھنؤ) کے نام سے موسوم ہے دفن ہوئے۔

یہ حالات و کلام مختصر میری استدعا پر بتوسل مسٹر حامد علی خاں صاحب بارسٹر مرحوم عالی جناب نواب مرتضیٰ حسین خان صاحب ٹرسٹی حسین آباد لکھنؤ نے ۱۱ ۱۰/۱۹۱۳ کو مرحمت فرمائے تھے جو نواب صاحب موصوف کے شکریہ اور حامد علی خاں صاحب مرحوم کی دعائے مغفرت کے ساتھ درج کر دیئے نواب صاحب موصوف انہی جناب یمین مغفور کے پوتے اور یادگار ہیں۔

اشعار سلام یمین مرحوم

مچری بسکہ نجل چرخ ستمگار ہوا
قتل سے سید عالم کے نگوں سار ہوا

آل سفیاں کے گھرانے سے ہوا ہے وہ ظلم
جس سے حیرت میں ہر اک کافر و دیندار ہوا

سن کے احوال علمدار شہید جعفرؑ
طائر دل قفس سینہ میں طیار ہوا

سقف تک سر پہ سکینہؑ کے نہ تھی زنداں میں
دست شفقت نہ بجز سایۂ دیوار ہوا

لبکہ سرگرم تھا سودائے محبت میں حسینؑ ۔ نقد جاں دیکے شہادت کا خریدار ہوا

منجمد ہو گیا جب غم سے دلِ افسردہ
دانۂ اشک تمین سبحۂ ابرار ہوا

سلام ۲

سوزِ دروں سے ہے متغیر جگر کا رنگ ۔ اے مجرّی ہے اشکوں سے پیدا شرر کا رنگ
قتلِ امامِ خامسِ آلِ عبا کے بعد ۔ تا اربعین سرخ تھا دیوار و در کا رنگ
مرضیٔ حق سے ہے وہ گرفتارِ اہلِ جور ۔ تبدیل کر دے ورنہ قضا و قدر کا رنگ
گودی میں شہؑ کی جب ہوا معصوم بھی شہید ق حیراں تھے آپ دیکھ کے نورِ بصر کا رنگ
خالق کی رہ میں نذر کیا جانبِ فلک ۔ گرنے دیا زمیں پہ نہ خونِ پسر کا رنگ
یہ شرب ہوا خراب شہادت سے شاہؑ کی ۔ کیا پوچھتے ہو مومنِ اُجڑے نگر کا رنگ

یا شاہِ کربلا یہ تمنّا ہمیں کی ہے
محشر میں ہو سفید رُخِ نوحہ گر کا رنگ

ہنر

قاضی غلام عباس صاحب خلف الصدق قاضی پرورش علی صاحب شیخ صدیقی ۔ حلیم الطبع معصوم صفت ۔ اپنی وضع کے پابند ۔ قصبہ نانوتہ ضلع سہارن پور کے رہنے والے تھے ۔ ان کے بزرگ محمود غزنوی کے ساتھ ہند میں آئے اور قصبہ نانوتہ و شاملی میں بود و باش اختیار کر کے عہدۂ قضا ممتاز ہوئے ۔ قاضی غلام عباس صاحب نے قصبہ نانوتہ میں جناب مولوی مظفر علی صاحب مرحوم سے اوّل فارسی پڑھی ۔ پھر تحصیل عربی کیواسطے لکھنؤ کا سفر اختیار کیا ۔ متفرق مدارسِ علم میں شمس بازغہ تک پڑھ کر سرچشمۂ علم و فضل سید العلماء جناب سید حسینؑ عرف میرن صاحب طاب ثراہ کی خدمتِ عالی میں علومِ دینیہ کی تکمیل فرمائی اور جناب ممدوح کی بدولت واجد علی شاہ بادشاہِ اودھ مرحوم کے حضور میں باریاب ہو کر چند شاہی خواجہ سراؤں کے اتالیق مقرر ہوئے اس زمانہ میں لکھنؤ علم و فضل کا گھر ہو رہا تھا ۔ اور مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کا گھر گھر چرچا تھا آسمان شاعری پر خدا کی قدرت سے دو آفتاب

(دبیر و آتش) ایک ساتھ جلوہ گر تھے۔ قاضی ہنر صاحب نے مرزا دبیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ شاگردی حاصل کیا۔ ہنر تخلص مرحمت ہوا۔ مظہر الغرائب مثنوی معجزات جناب امیر میں مطبع یوسفی دہلی میں چھپ کر مشتہر ہو چکی ہے۔ علاوہ اس کے انکی تصنیف سے چار پانچ سو سلام اور چند مرثیے اور تواریخ ہیں۔ پھر غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سہارنپور آکر یہاں مدرسی و معلمی سے گزر اوقات کرتے رہے ۱۲۳۴ھ کی پیدائش تھی۔ ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں رحلت فرمائی۔ ستر سال کی عمر پائی یہ وہ حالات ہیں جو مولانا سید مظہر حسین صاحب قبلہ نے ان کے فرزند ارجمند قاضی محمد یاسین صاحب سے لیکر مجھے لکھنؤ میں بھجوائے تھے۔ مولانا ممدوح نے سوانح ائمہ اطہار کی کتابیں شائع فرما کر تمام ہندوستان کے شیعوں پر خصوصاً اور عامہ اہل اسلام پر عموماً احسانِ عظیم فرمایا ہے! اس بڑے احسان کے ساتھ میں اس احسان کا اور جناب ممدوح کے ساتھ ساتھ قاضی محمد یاسین صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں خم خانۂ جاوید کی جلد سوم کے صفحہ ۶۱۵ پر جو حالات سید زاہد حسین صاحب زاہد سہارنپوری ارشد تلامذۂ جناب منشی امیر مینائی کے مولف نے لکھے ہیں (اور وہ حالات مرسلہ جناب زاہد صاحب کے ہیں) ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب زاہد صاحب نے انہی ہنر صاحب مرحوم سے فارسی کی درسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں! اور شفیق استاد کی صحبت سے فنِ شعر میں بھی جو فطری طور پر طبیعت میں موجود تھا مدد حاصل ہوئی دوسری یہ بات معلوم ہوئی کہ جناب ہنر کو حضرت آتش مرحوم سے بھی فیضِ تلمذ حاصل تھا غالباً غزل میں ہوگا۔ یہ عام قاعدہ تھا کہ میرزا صاحب مرحوم کا جو شاگرد غزل لکھانا چاہتا تھا مرزا صاحب کام کی کثرت کے باعث اسکو آتش مرحوم یا اسیر مغفور کی خدمت میں بھیج دیتے تھے۔ کہ یہ دونوں بزرگ ہم خاندانِ شاعری اور کاملینِ فن سے تھے۔ خم خانۂ جاوید میں صفحہ ۶۱۶ پر ان کا نام قاضی محمد غلام عباس لکھ کر تخلص منیر لکھ دیا ہے وہ غلط ہے۔ ہنر تخلص صحیح ہے کلام کا نمونہ پیش کرتا ہوں کہ مرثیہ مستقل کوئی ہاتھ نہیں آیا۔ رباعی

(۱) افسوس ہوئی عمر بسر غفلت میں — اِک دم نہ رجوع دل ہوا طاعت میں
عقبیٰ کو کبھی کیوں بھول گئے آہ ہنر — دنیا تو کٹی رنج میں یا راحت میں

(۲) مستِ مئے حُبِّ شہِ مرداں ہو نہیں — احمدؐ کے وصی پہ دل سے قرباں ہو نہیں
اَحْمَلْتُ لَکُمْ جس کے لئے آیا ہے — اُس مصحفِ ناطق کا ثنا خواں ہو نہیں

(۳) تاریکیٔ مرقد سے بہت وحشت ہے — تنہائی میں افسوس ہے اور وحشت ہے
روشن ہے جو داغِ غمِ شہؑ دل میں ہنر — مومن کے لئے قبر میں بھی فرحت ہے

(۴) لاشِ شہؑ بیکس پہ جو آئی زینبؑ — پابندِ بلا فلک ستائی زینبؑ
رو کر کہا اللہ تمہارا حافظ — لوجاتی ہے قید ہو کے بھائی زینبؑ

سلام (۱)

زباں کا کام ہے نامِ شہیدِ کربلا لینا — عطش کو یاد کرنا چشم سے آنسو بہا لینا
اذاں میں اے سلامی پہلے نامِ کبریا لینا — پھر اس کے بعد نامِ احمدؐ و شیرِ خدا لینا
مرا ہے غنچۂ دل ناشگفتہ باغِ ہستی میں — جو ممکن ہو خبر اسکی بھی اے بادِ صبا لینا
ہمارا کام گلگشتِ خیابانِ مضامیں ہے — مشامِ ککاک کو معنی کے پھولوں میں بسا لینا
طبیعت کہتی ہے گلہائے مضموں یاں ہزاروں ہیں — گلِ تازہ مگر اے عندلیبِ خوش نوا لینا

ہنرؔ کنجِ لحد میں گر عقائد کو ملک پوچھیں
نہ کھا ناخوف۔ نامِ حضرتِ مشکلکشا لینا

سلام (۲)

سلامی تھے رفقا یوں شہؑ انام کیساتھ — کہ جیسے دانۂ تسبیح ہوں امام کیساتھ
سلامی کام زباں کو ہے یوں کلام کیساتھ — کہ جس طرح سے ہے شمشیر کو نیام کیساتھ
مرے کلام کے ہمراہ یوں معانی ہیں — کہ جیسے جوہرِ شمشیر ہوں حسام کیساتھ
حسینؑ کہتے جو بھائی تو کہتے تھے عباسؑ — مناسبت بھی نہیں آپکے غلام کے ساتھ
حضورِ شاہؑ تھے یوں جلوہ گر علی اکبرؑ — کہ جیسے تیرِ تاباں مہِ تمام کے ساتھ
علم جو حضرتِ عباس نے بلند کیا — ق — تو لفظِ لشکرِ اعدا تھی انتقام کے ساتھ
وہ سرو قامتِ موزونیٔ یوں کاب میں تھا — کہ جس طرح سے الف حرفِ لا میں لام کیساتھ
میانِ خلق ہے خلقِ محمدیؐ مشہور — سلوکِ خیر کے خوگر تھے خاص و عام کیساتھ

سلام (۳)

سلامی طبعِ رنگیں سے ہوئے یوں شعر پیدا — صدف سے جوں گہر پیدا شجر سے ہوں ثمر پیدا

ہوئے ہیں طبعِ موزوں سے وہ شعر با نہیں پیدا
رگِ دل کے لئے گویا ہوئے ہیں نیشتر پیدا

فلک پر تہنیت کی دُھوم تھی فرطِ مسرت سے
ق
زمیں پر جب ہوئے شیرِ خدا خالق کے گھر پیدا

ندا ایماں نے دی بڑھکر جہالت چھوڑ دو بندو
کہ شہرِ علمِ احمدؐ کا ہوا ہے آج در پیدا

تلاشی مصطفیٰ میں رہتے ہیں دن رات گھر بیٹھے
حضر میں بھی نہیں ہوتا ہے ہر ساعت سفر پیدا

ہوا نورِ محمدؐ جلوہ گر آدمؑ سے بھی اوّل
زہے قدرت پدر سے پہلے تھا لختِ جگر پیدا

قطعہ

کھینچی شمشیرِ دو دم شاہ نے جب میدانیں
صورتِ بیدِ ہر اک شوم کو لرزاں دیکھا

چڑھ سکا کوئی نہ منہ پر یہ ہوا خوف انہیں
شیر نے لشکرِ روباہ کو ترساں دیکھا

حربے بیکار ہوئے رُعب یہ چھایا اُن پر
طائرِ ہوش کو ہر ایک نے پراں دیکھا

تیغ سر پر جو پڑی راکب و مرکب ہوئے چار
ثابت اک تازی و ترکی نہ تہ راں دیکھا

خود و چار آئینہ و بکترِ فولاد کٹے
دمِ شمشیر سے جانداروں کو بے جاں دیکھا

تھی کڑی کاٹی زرہ رستموں کے دستانے
اُٹھ کے پھر تیغ نے نیزوں کا نیستاں دیکھا

نوک کی لی جو سنانوں نے قلم ہو گئیں سب
کٹ گئیں ڈانڈیں تو برچھیتوں کو حیراں دیکھا

جا کے حلقے میں کماندروں کے۔ چلے کاٹے
بترِ شمشیر کو اُڑا کر سوئے پیکاں دیکھا

جنگی جو جو کہ رسالے تھے ہوئے سب پُرزے
دم میں جمعیتِ اعدا کو پریشاں دیکھا

جنگ کی تاب نہ لایا کوئی۔ جی چھوٹ گئے
بچ گئے تیغ سے جو ان کو گریزاں دیکھا

متین

نواب میر اسد علیؑ صاحب مرحوم۔ نواب حامد علیؑ خان مرحوم وزیر شاہ دہلی کے داماد۔ دہلی کے مستند اہل زبان شاعر تھے۔

جس زمانے میں یکجنسی بھرتپور میں منشی میر عارف علیؑ صاحب مرحوم رئیس قصبہ سلطان پور میر منشی تھے اور انہوں نے متین مرحوم کو بُلوا کر ریاست بھرتپور میں ملازم کرا دیا تھا۔ میر منوّر علی صاحب دہلوی مشہور محدث خواں کی زبانی معلوم ہوا کہ شیخ گوہر علیؑ صاحب مشہور مغفور و متین مرحوم ایک تاریخ میں مرزا صاحب

کے شاگرد ہوئے تھے میرزا صاحب میں ایک یہ بھی کمال تھا کہ ہر شخص کی چند روز ہ تصنیف دیکھکر یہ اندازہ فرما لیتے تھے۔ کہ یہ شخص کس رنگ میں اچھا کہیگا اُسے ویسی ہی قسم کا کلام کہتے رہنے کی ہمت فرماتے تھے۔ چنانچہ مشیر مرحوم کو اُنھوں نے اُس راستے پر چلنے کی ہدایت فرمائی (کہ دشمنان اہلبیت کی ہجو نظم فرمائیں) اور وہ اُس رنگ میں یکتا مانے گئے

تسلیم مرحوم کے کلام اور طبیعت میں درد و سوز تھا اسلئے اُن نوحے کہنے کو فرمایا۔ چند نوحوں پر اصلاح دی۔ پھر یہ بہت ترقی کر گئے۔ ان کے نوحوں کی بیاض چھپ چکی ہے۔ اہل دل جانتے ہیں کہ ان سے بہتر پُر درد نوحہ دوسرے شاعر کا نہیں ہوتا۔ قوت ایجاد بھی خدا نے ان کو عنایت فرمائی تھی۔ اس کے ساتھ ہی معلومات اعلیٰ درجہ کی تھی۔ چنانچہ انھوں نے حدیث پڑھنا شروع کیا۔ اس کے اخیر میں حسب حال نوحہ چیاں فرما کر پڑھا کرتے تھے یہ طرز اُن کی ایجاد ہے۔ دہلی کے مشہور و مقبول ذاکر میر حیدر علی صاحب، مرحوم کے نواب تسلیم میاں خسر تھے وہ انہیں کے شاگرد تھے۔ اور اُسی طرز پر حدیث و نوحہ پڑھتے تھے اور خوب پڑھتے تھے۔ میر حیدر علی صاحب کے یادگار و شاگرد میر منور علی صاحب آج اس فن خاص میں یکتا ہیں۔ چند بار ریاست کوٹہ میں۔ سیر و سیاحت کے طور پر تشریف لائے حقیر کے بھی مہمان رہ کر عزت افزائی فرما چکے ہیں۔ خدا زندہ رکھے جوہر قابل ہیں۔ ان کے دو فرزندوں سے بھی آستانہ مزار حضرت شہید ثالث پر آگرہ میں ملاقات ہوئی۔ دونوں ذی علم خلیق۔ ملنسار ہیں۔

نواب تسلیم۔ مرحوم بڑے باکی۔ عابد۔ زاہد تھے۔ اکثر خدا سے اپنی شہادت کی دعا مانگا کرتے تھے۔ وہ رجب و شعبان کے مسلسل روزے رکھکر صیام ماہ مبارک سے متصل فرما دیتے تھے مسلمانوں کے بچوں کو بغیر کسی اجرت لینے کے اپنے گھر پر پڑھایا کرتے تھے۔ بھرت پور میں جس مومن و مومنہ کے انتقال کی خبر سنتے تھے سب کام چھوڑ کر پہنچ جاتے تھے۔ اپنے سامنے غسل و کفن و دفن بقاعدہ شرعی فرماتے تھے ایک ایک روز قریب غروب آفتاب ایک نوحہ کہا تھا جسکا مقطع یہ تھا ؎

غیر وطن میں مجھ سے موت جو آئی کہیں ۔۔۔ کون تو دیگا کفن کون ہمیں روئے گا

یہ نوحہ لکھکر قلمدان میں رکھدیا۔ روزہ کھولنے کا وقت ہوا۔ اول نماز مغرب پڑھی۔ پھر ارہر کی کھچڑی نکالکر ایک لقمہ کھانا چاہتے تھے۔ کہ ایک شاگرد نے باہر سے آواز دی کہ مولوی صاحب ایک مومنہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ کو تجہیز و تکفین کے واسطے بلایا ہے۔ اُس زمانہ میں آپ کے اہل و عیال بھرت پور سے

وطن کو جا چکے تھے (اصل وطن پرست تھا) یہ تنہا تھے فرمایا بھئی اندر آؤ۔ وہ اندر آیا۔ ایک رامپور کی پہاڑ کا نوجوان لڑکا تھا۔ جو مولوی صاحب کے پاس روزمرہ پڑھنے کو آیا کرتا تھا۔ نواب صاحب نے فرمایا تم ذرا بیٹھ جاؤ۔ کھچڑی میرے ساتھ کھالو۔ پھر میں چلتا ہوں۔ اس نے کہا کہ آپ تو فرمایا کرتے تھے کہ تجہیز و تکفین سب کام کو چھوڑ کر کرنا چاہیئے۔ نواب صاحب یہ سنکر کھچڑی کو وہیں چھوڑ کر ہاتھ دھو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور یونہی رضائی یا دلائی اوڑھ کر اسکے ساتھ ہولئے۔ اسکے ہاتھ میں تلوار تھی مگر رضائی میں چھپائے ہوئے تھا۔ نواب صاحب ہانک بھی جانتے تھے اور اس فن میں بھی اُستاد تھے۔ مگر اسوقت لکڑی بھی جلدی میں نہ لی۔ یونہی چلدئے۔ آبادی سے باہر جاکر اس محسن کش نے پیچھے سے تلوار کے وار کرنا شروع کئے نواب صاحب بار بار فرماتے تھے کہ ہائیں میاں صاحبزادے یہ تم کو کیا ہو گیا تم تو میرے شاگرد ہو۔ مگر اس دشمن سادات نے جواب ہی نہ دیا۔ آپ نے تلواروں سے شہادت پائی۔ دعا قبول ہوئی دوسرے دن لوگوں کو تلاش کرنے پر لاش ویرانے میں ایک درخت کے نیچے ملی۔ قاتل گرفتار ہو کر دائم الحبس کا سزا یاب ہوا۔

جو لوگ تجہیز و تکفین میں شریک تھے وہ اُن مرحوم کا وہی مقطع پڑھ پڑھکر بار روتے تھے ؎

غیر وطن میں تین موت جو آئی کہیں — کون تو دیگا کفن کون ہمیں روئیگا

قطعہ مندرجہ ذیل سے ۱۶ شوال ۱۲۸۴ ہجری تاریخ شہادت معلوم ہوئی[1] نواب صاحب کے تین۔ فرزندوں میں سے۔ اب صرف ایک فرزند متوسط سیف العلما۔ مولوی سلطان حسین صاحب تحسین پیش نماز برست میں ہیں۔ اولاد ذکور بیہ باپ کی طرح علم و زہد۔ و ذاکر مقبول ہیں۔ دو فرزند (۱) محمد مرزا خاں ولد اکبر (۲) حیدر حسین ولد اصغر انتقال فرما گئے۔ حیدر حسین مرحوم آتش بازی میں جلکر خلد بریں کو سدھارے

[1] قطعات تاریخ مصنفہ عالیجناب نواب حامی سید محمد جعفر صاحب قبلہ رئیس شمس آباد حصہ ششم دفتر تاریخ سے حسب فرمائش (سید سلطان حسین تحسین مخلص خلف برادر سید علی صاحب مرحوم تحسین مخلص)

غریب الوطن نوحہ گوئے حسین	بگردید مقتول تیغ عنید	بگوئے شانزدہ شوال چارشنبہ شہید سیف عدو بیر اسد علی کہی
الٰہی پے شاہ گلگوں کفن	بخت بیاد اتین شہید	ایضاً سنہ ۱۲۸۴ ھ
بخت ارض بر تربتش افشای	بشنود ہر غریب الوطن بدرد قلق	ایضاً نوحہ گوئے امام عرش نشیں ہوا سد علی کے قریں
		۱۶ شوال کو شہید تیس سنہ ۱۲۸۴ ھ

انا للہ وانا الیہ راجعون

نواب متین مرحوم کے نوحوں کی جلدیں چھپ چکی ہیں۔ اور نوحے ملک میں جا بجا خصوصاً دہلی و اگرہ کے اطراف میں بہت پڑھے جاتے ہیں۔ غیر مطبوعہ کلام ہمیں نہیں ملا۔ اس لئے فقط حالات لکھنے پر کفایت کی جو صاحب چاہیں نوحے کی بیاض خرید فرما کر دیکھ سکتے ہیں غالباً مطبع اثنا عشری دہلی سے یا ضیاء المجالس میں

مصیب

مولوی سیّد یونس حسین مرحوم ابن مولوی سیّد غلام عباس مغفور رضوی ساکن و زمیندار قصبۂ زیدپور ضلع نواب گنج بارہ بنکی ملک اودھ۔

مصیب مرحوم ایک ذی علم باکمال فرشتہ خصال اور شاگرد رشید جناب مرزا دبیر کے تھے۔ ۶۵ سال کی عمر پاکر سنہ ۱۳۲۶ (تیرہ سو چھبیس ہجری) میں انتقال فرمایا۔ ان کے فرزند اکبر و رشید مولوی سیر یونس حسین صاحب سلّمہٗ نے لفظ مغفور ۱۳۲۶ سے تاریخ وفات نکالی ہے۔ ان کی تصنیفات سے چند مرثیے ہیں میں یہاں چند بند بطور نمونہ کے لکھتا ہوں (میر مفوّض حسین صاحب بی۔ اے۔ اور میر یونس حسین صاحب یونس انکے دونوں کامل فرزند اب لکھنؤ میں ہیں۔

نمونہ کلام مصیب

(متفرق بند مرثیے کے)

رخصت ہوئے بھوپ سے شہنشاہ انس و جاں — اہل حرم کی آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
ڈیوڑھی پر آئے روتے ہوئے شاہ دوجہاں — فوج ستم سے چلنے لگے تیر ناگہاں
بولے حضور غازیوں سے کیا صلاح ہے
لاؤ ہمارے پاس کدھر ذوالجناح ہے

ناگاہ آیا سامنے حضرت کا راہوار — عباسؑ نے رکاب کو تھاما با افتخار
پشت فرس پہ قبلۂ عالم ہوئے سوار — ہمراہ تھا علم لئے حیدرؑ کا یادگار
جس وقت پہنچے۔ فوج مخالف کے سامنے
حجت تمام کی شہ گردوں مقام نے

فرمایا ابن سعد سے اے بائی جفا! آیا ادھر بلانے پہ دلبند مصطفےٰ
پاس و لحاظ چاہیے مہمان کا سدا اور مجھ کو تین روز سے پانی نہیں ملا۔

مہماں پہ ظلم کرنا مروّت سے دور ہے
اہلِ عرب کی شانِ حمیّت سے دور ہے

بولا غضب میں آکے وہ مردود بے حیا بیعت سے میر شام کی انکار کیوں کیا
لاحول کہکے چپ ہوئے سلطان کربلا واں لحر کا جسم خوف سے تھرّا کے رہ گیا

آیا اڑا کے رخش وہ شہ کے حضور میں
ایک موج اور مل گئی دریائے نور میں

بشیر

رائے رام پرشاد صاحب کایستھ۔ افتخار الدولہ راجہ میوہ رام ہدایت علی خاں صاحب مرحوم کے بھتیجے تھے۔ یہ مرزا صاحب مرحوم کے شاگرد تھے۔ سلام و مرثیہ کہتے تھے۔ ان کا ذکر خیر بھی حیات دبیر جلد اوّل میں میر علی صاحب سوز خوں کے حال میں ہو چکا ہے۔ ایک قلمی تذکرہ سے جو میر ذاکر حسین صاحب شمس آبادی سے مجھے ملا تھا۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے کلکتہ جاکر اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا۔ اور اسلامی نام علی محمد خاں رکھا تھا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سنہ ۱۲۶۸ ہجری میں کربلائے معلّےٰ پہنچکر انتقال کیا ۵

زہے نصیب کہ خاک شفا میں خاک ملی جو پاک نفس تھے مدفن کو ارض پاک ملی

ان کے حسب ذیل مرثیے معلوم ہوئے

(۱) بچپن تھی صغرےٰ جو فراق پدری سے ۱ (۲) جب عریضہ شہ کو صغرےٰ نے بچشم تر لکھا ۲
(۳) شش دانگ خیابانِ بلا ہے گلِ زہرا (۴) قمِ سیع سے افزود ہے کلام اپنا۔
(۵) نورِ نظرِ احمد مختار ہے شبیر ۳

بشیر

میر عابد علی صاحب بشیر مرحوم۔ ابتداءً میر ضمیر صاحب مرحوم کے شاگرد تھے۔ مرزا دبیر و میر ضمیر مرحوم میں باعث

۵۔ دونوں مرثیے میر علی صاحب مرحوم نے سوز کھکر پڑھے تھے۔ آج بھی مجالس عزا میں سوز خوان پڑھتے ہیں

رخش بھی بزرگوار ہوئے تھے جیسا کہ اپنا قصہ حیات دبیر میں اپنے مقام پر میں لکھ چکا ہوں پھر جب عہد واجد علی شاہ مرحوم میں اُن دونوں بزرگوں میں صفائی ہوئی تو مرزا صاحب نے خود اپنی خطا میر ضمیر صاحب سے معاف کرائی ؎

شنیدم کہ مردان راہ خدا　　دل دشمناں ہم نکردند تنگ

پھر یہ مرزا صاحب کی طرف دل سے رجوع ہوئے اور جناب میر ضمیر مرحوم کے ارشاد سے مرزا صاحب کو اپنا کلام دکھایا اور مدّۃ العمر مرزا صاحب کے عقیدتمند شاگرد رہے۔ ان کے بعض سلام بھی دفتر ماتم میں چھپے ہیں

سعید

میر زاکبر حسین صاحب خلف مرزا غلام عباس صاحب ساکن لکھنؤ گولا گنج کوچہ خواجہ سرایان۔ مرزا صاحب مرحوم کے شاگرد رشید۔ ذی استعداد مرثیہ گو شاعر تھے۔ انکے حقیقی نواسے سید علی حامد صاحب خلیل سے میں لکھنؤ میں ملا تھا وحسب ذیل حالات بیان کرتے تھے۔

اُن کے والد کوٹھہ شاہی کے داروغہ تھے۔ بغل باغ و بیگم باغ موروثی جائداد تھی۔ بعد غدر ۱۸۵۷ء آغا علی حاکم صاحب ناظم کی مصاحبت میں بسر کی۔ دو لڑکے تھے۔ اُن دونوں نے اُن کی زندگی میں قضا کی آپ سے سوا اور کوئی پوتا یا نواسہ اُن مرحوم کا نہیں ہے۔ ۱۱ مارچ ۱۹۰۳ء کو لکھنؤ میں اُن کا انتقال ہوا۔

مشہور ہے کہ بعد انتقال انکی زوجہ ثانیہ نے اُنکے کہے ہوئے مرثیے جو سو کے قریب سنے جاتے ہیں ایک خاندانی مرثیہ گو مرثیہ خوان کے ہاتھ شاید ۵۰ میں بیچ دئے جس میں سے صرف ۵۰ روپیہ اُس بیچاری کو ملے باقی کا حال معلوم نہیں۔ اُنکی زبان نہایت سلیس کلام میں تخیل کا زور اہل لکھنؤ بتاتے ہیں۔ جن لوگوں نے وہ مرثیے سنے ہیں وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اکثر بندوں پر یہ دھوکا ہوتا تھا۔ کہ میر انیس صاحب مغفور کا کلام ہے جن صاحب کی نسبت ان مرثیوں کا خریدنا سُنا ہے میں اُن کا نہ نام لونگا نہ کوئی اشارہ کروں گا۔

داغ دہلوی کا یہ شعر یاد آگیا ؎

حسینوں میں ابھی چوری گیا دل　　میں کس کا نام لوں اپنی زباں سے

اوّل اوّل میں نے یہ ذکر لکھنؤ میں ۱۹۰۲ء میں سنا تھا پھر تو میں اُس کو غپ لگپ) اور مرثیہ گویوں کی

تہمت سمجھا مگر پھر اُن کے داماد میرزا محمد علی صاحب شاگرد میرزا دبیر مغفور نے۔ اور پھر مرزا محمد جعفر صاحب قیصر اور خلف میر اولاد حسین صاحب قوی اور مفتی سردار میرزا صاحب نے یکے بعد دیگرے تصدیق کی اور اتنی بات جلیل صاحب موصوف نے بھی دبی زبان سے کہی کہ جو کلام میری سوتیلی نانی کے ہاتھ سے بچ گیا وہ میں نے اپنی جان کے برابر عزیز سمجھ کر اپنے پاس رکھ چھوڑا ہے۔ اس اُن کے فقرے میں سمجھ گیا کہ اُن کو کوئی مرثیہ اس تذکرہ میں چھپنے کو دینا منظور نہیں۔ پھر میں نے اُنسے کوئی مرثیہ نہ مانگا مفتی سردار میرزا صاحب صفر سنہ ۱۳۳۰ ہجری میں یہ کہتے تھے کہ چوٹی کے ۱۶ مرثیہ ایک صاحب نے اور کچھ مرثیے دوسرے خاندانی مداح نے خریدے۔ وہ دونوں صاحب لکھنؤ میں اپنی اپنی تصنیف ظاہر کرکے برسر منبر پڑھتے ہیں۔ سامعین اس کو معجزہ یا اُن کے بزرگوں کی روح کی برکت یا دعائے نیم شبی کا اثر سمجھتے ہیں کہ یا تو ایک شعر نہیں کہتے تھے یا یکایک ایسے ایسے مرثیے کہنے لگے جن واقفان راز کو بعض مصرعے یاد ہیں وہ کہدیتے ہیں کہ یہ مصرع ہم نے سعید مرحوم کے مرثیہ میں سُنا تھا ہم کو یاد ہے کرایسوں کی بات کون سُنتا ہے۔ غرض دُنیا عجب تماشا گاہ ہے۔ بقول غالب مرحوم ؎

بازیچۂ اطفال ہے دُنیا مرے آگے ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

افسوس اتنے بڑے مرثیہ گو شاعر کا ہم ایک مصرع شائع نہیں کرسکتے۔ شعرا سرقہ کلام کے شاکی رہتے ہیں مگر اسکو میں ڈاکہ کہوں یا سرقہ بالجبر۔ اسی فکر میں یہ حال تمام کرتا ہوں۔

سید محمد مرتضےٰ صاحب موسوی صفوی

ولد سیّد قاسم علی خاں مرحوم بن سید نواب مہدی رضا خانصاحب جو اولاد میر جان نواب تہور خانصاحب صوبہ دار اودھ نائب اورنگزیب عالمگیر رئیس عالمگر لکھنؤ سے تھے۔ میر جان صاحب کے والد ماجد کا نام میر شہام علی صاحب تھا جب شجاع الدولہ صوبہ دار اودھ ہوئے جب رئیس نگرو غیرہ کے مالک وزمیندار نواب تہور خانصاحب بہادر رہے۔ نواب تہور خاں صاحب کے دو بھائی حیاتی اور تھے (۱) نواب مشیر الدین خاں صاحب جو اجمیر کی طرف چلے گئے (۲) نواب شاہ قلی خاں مرحوم جن کا مقبرہ سعادت گنج کے قریب نوبہاڑی میں ہے۔

سیّد محمد مرتضےٰ صاحب مرحوم جناب مرزا دبیر مرحوم کے شاگرد رشید تھے۔ مرثیہ پڑھتے تھے۔ ایکدن ۱۱

برس کی عمر پاکر ۲ محرم ۱۳۲۹ھ کو بمقام لکھنؤ محلہ فاضل نگر متصل منصور نگر میں انتقال فرمایا۔
ان کے یادگار جناب میر نثار حسین صاحب سلمہ اللہ والبقاء بحمد اللہ موجود ہیں۔ محلہ فاضل نگر لکھنؤ میں رہتے ہیں۔ جناب مرزا اوج صاحب قبلہ مدظلہ العالی کے شاگرد رشید ہیں۔ جنکا ذکر انشاء اللہ دوسری جلد میں ہوگا۔

زلیر

حاجی سید محمد علی صاحب زید پور ضلع بارہ بنکی ملک اودھ کے سادات رضویہ سے ہیں سن شریف اسوقت اسّی برس سے اوپر ہے[1]۔ یہ بزرگوار عہد شباب زمانہ شاہی میں جناب مرزا دبیر مرحوم کے شاگرد ہوئے تھے سلام و قطعات تاریخ وغیرہ ان کی تصنیفات سے بے شمار ہیں چالیس[۴۰] پچاس[۵۰] مرثیے بھی کہے ہیں۔ اور ایک مثنوی اردو حال غم غدیر میں موسوم بہ اسرار عشق۔ اردو سری زبان فارسی میں جسکا تاریخی نام فوائد آخرت ہے ان کی یادگار ہیں۔ یہ دونوں مثنویاں چھپ چکی ہیں۔ مثنوی آخر الذکر میں قصہ یوسف و زلیخا نظم فرمایا ہے۔ سرنامہ کا یہ شعر ہے ؎

کنم نظم حمد خدائے مجید — کہ بہر متکلم زباں آفرید

نمونہ کلام جناب زائر مدظلہ

(تضمین مسدس عرشی)

بیاں ہو مرتضےٰ کا وصف کیونکر — عیاں ہے حال معراج پیمبر
نصیری سب کہیں مجھکو کہوں گر — نبی پردے کے باہر تھے یہ اندر
علی کا مرتبہ اللہ اکبر

سلام جناب زائر کے چند شعر

نہ کی سیدہ پیمبر کے لئے تدبیر مٹی کی — سلامی کو نبوں نے دین کی توقیر مٹی کی
ہوا زہرہ جبیں زہرا کا جسدم مشتری غلطاں — چمک جائیگی اس صحرا میں اب تقدیر مٹی کی

---

[1] خدا انکی عمر و طاقت میں برکت عطا فرمائے۔ بالکل چراغ سحری ہیں مسلوب الحواس ہیں کچھ نہیں سمجھتے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ مولف جناب میر فراست حسین صاحب فراست کا شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے کچھ مختصر کلام اور حالات جناب ممدوح کے بھیجے حواس موقع پر لکھے گئے [2] مولف غفر

پسر زینبؑ کی تلواروں میں یوں پڑھ جاتی تھی — سمجھتے تھے وہ گویا آہنی شمشیر مٹی کی
بیاں کرتے تھے عابد اس طرح ناداں کی بیت پر — کروں اس قید میں کیا فکر اے شمشیر مٹی کی
ہوئے بے انتہا عالم پہ حیدرؑ کے سوا اب تک — نہ سمجھا خاک کوئی خلق میں تقدیر مٹی کی
جہاں کی خاک ہے واں کھینچکر لیجائے گی تشنیک — پڑی ہے پاؤں میں ہر شخص کے زنجیر مٹی کی
بشر میں ہے فقط سرتا بپا اک صنعت خالق — وگرنہ غور سے دیکھو تو ہے تصویر مٹی کی

زباں داں ہیں مفکر زائر سیری خوش بیانی کی
وہ خوش تقریر ہوں بلبل کی بھی تقریر مٹی کی

منقبت میں بند مرثیہ

آب دم شمشیر زباں ۔ وصف علیؑ ہے — سرسبزی بستان بیاں وصف علیؑ ہے
سلک گہر درج دہاں وصف علیؑ — دیندار کے ایماں کا نشاں وصف علیؑ ہے

رتبہ ہے عجب شہر قدیر ازلی کا
قرآں بھی ہے اک جزو کہن وصف علیؑ کا

عین

اس اسم کا ہر حرف سعادت سے بھرا ہے — پر عین کا کیا عرض شرف صلِّ علیٰ ہے
دیکھیں نہ اگر اہل نظر عین خطا ہے — ممتاز اسی عین سے عین عسلما ہے

جس عہد کی تارک ہے یہ اک آن جدا ہو۔
بدسب کی نگاہوں میں وہ بندہ نجدا ہو

ہے چشم زمانے کی اسی عین سے بینا — دیکھو ہے اسی وجہ سے تاج سر عیسےٰ
گر قرب سے اسکے وہ سرافراز نہ ہوتا — ملتا نہ کبھی عرش معلےٰ کو یہ رتبا

وصف اسکا ادا ہو نہیں سکتا ہے کسی سے
آفاق میں جڑ شرع کی قائم ہے اسی سے

لام

آب لام کے اوصاف ہیں صاحب اسلام — ہے ختم رسولوں کا اسی لام پر انجام

کیونکر نہ رہے وردِ زباں یہ سحر و شام — کلمہ کی بنا کے لئے مبداء ہے یہی لام
ہستی ہے اسی لام سے اسبابِ رقم کی
گر لوح کا یہ سر ہے تو ہے جان قلم کی

لن آلات

ی

یا کے بھی ہیں اوصاف دو عالم پہ ہویدا — ہے زیبدہ سورۂ یاسین یہی یا
فرقِ یدِ بیضا پہ جو یہ تاج نہ ہوتا — ہوتا نہ ضیا میں کبھی اس طرح کا شہرا
کس طرح نہ ہر دل میں موجوش اسکی ولا کا
آغاز اسی سے تو ہوا یادِ خدا کا

وہّاب

سیّد عبد الوہّاب الحسینی مرحوم بن میر صادق علی مغفور

ان کا سلسلۂ نسب حسب حضرت امام رضا علیہ آلاف التحیتہ والثنا تک پہنچتا ہے یہ سیّد جعفر بن علی بن موسےٰ کی چالیسویں پشت میں ہوتے ہیں۔ انکے آبائے کرام کا وطن مشہدِ مقدس ہے بعض بزرگ انکے ملک دکن میں آئے اور گلبرگہ کو اپنا وطن کیا۔ انکے اجداد میں شاہ سیّد ابراہیم مصطفوی الحسینی ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں جو خواجہ بندہ نواز سیّد محمد گیسو دراز کے ماموں ہیں شاہ ابراہیم مصطفوی الحسینی کی اولاد سے شاہ نور اللہ حسینی نور اللہ مشہدہ نواب سعادت اللہ خان کے عہدِ حکومت میں وارد ملک کرناٹک ہوئے اور محمد پور عرف ارکاٹ میں سکونت اختیار کی اور فرانسیسیوں کے جھگڑے میں شہادت سے فائز ہوئے شاہ نور الدین حسینی کے فرزند شاہ ابراہیم حسینی جو جد بلا واسطہ سیّد عبد الوہاب الحسینی صاحب مرحوم کے ہیں عہد نواب والاجاہ میں چنپا پٹن یعنی مدراس میں آئے اور نواب صاحب موصوف کی قدر دانی اور سادات نوازی سے یہیں بود و باش اختیار کی۔ سیّد عبد الوہاب الحسینی کی ولادت سنہ ۱۳۲۰ ہجری میں مدراس میں ہوئی اور وفات سنہ ۱۲۹۹ ہجری میں (حیدر آباد میں) تاریخ وفات ۱۹ ذیقعدہ سنہ ۱۲۹۹ھ روز چہار شنبہ ہے کتب متداولہ عربی جناب مولوی ارتضا علی خاں مرحوم قاضی القضاۃ و مولوی سیّد مرتضیٰ صاحب سے پڑھیں سنہ ۱۲۶۱ھ میں عہد وزارت نواب سراج الملک مرحوم عم نواب سر سالار جنگ مختار الملک اوّل

مغفور میں وارد حیدرآباد دکن ہوئے اور نواب صاحب کی قدردانی و شرفانوازی سے ابتداءً تو زمرۂ منصبداران دیوانی میں شریک ہوئے اور بعد متہمی باورچی خانہ کی خدمت بھی انکو ملی جس کو تاحین حیات بڑی نیکنامی سے ادا کیا۔ نواب مختار الملک اوّل مرحوم بھی انہیں بہت عزیز و محترم رکھتے تھے کسی سفر یا حضر میں نواب صاحب موصوف سے یہ جُدا نہ رہے۔ چنانچہ سفرِ انگلستان میں بھی ساتھ تھے۔

انہیں جب مدح گوئی اہلبیت علیہم السّلام کا شوق ہوا تو انہوں نے اپنا کلام جناب مرزا سلامت علی صاحب دبیر مرحوم ہی کو دکھایا۔ انہیں جناب مرزا صاحب موصوف سے کمال عقیدت تھی اور جناب مرزا صاحب کو بھی ان سے انتہا کا خلوص تھا۔ جناب مرزا صاحب انہیں اپنا سچا عقیدتمند شاگرد سمجھتے تھے چنانچہ یہ دو رباعیاں جو جناب مرزا صاحب موصوف نے انکے ایک مرثیہ پر لکھکر بھیجی ہیں ان سے جناب مرزا صاحب کی توجہ و خلوص کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اس مرثیہ کا مطلع یہ ہے ؎ رن میں ششماہے کو شہؑ لاتے ہیں۔ اور وہ رباعیاں یہ ہیں:۔

(۱)
وہاب کے اللہ و نبیؐ حامی ہیں — مدّاحوں میں مُقبل کی طرح نامی ہیں
فضل ان پہ ہے واہب العطایا کا دبیر — مضمون بھی سب وہبی والہامی ہیں

(۲)
خورشیدِ معانی کا ہے مطلع یہ نظم — یا طور مضامیں کا مرقّع یہ نظم
ہے چشم یہ نور عین زہرا سے دبیر — ہو خلعتِ صاد سے مخلّع یہ نظم

بعد انتقال جناب مرزا دبیر صاحب اعلے اللہ مقامہ انہوں نے اپنا کلام جناب مرزا محمد جعفر صاحب اوج اعلی اللہ مقامہ خلف الصدق جناب مرزا دبیر صاحب مغفور کو بھی دکھلایا۔ انہی نے جناب مرزا محمد جعفر صاحب اوج اعلی اللہ مقامہ کو ۱۲۹۲ھ میں حیدرآباد دکن میں بلا کر نواب سر سالار جنگ مختار الملک اوّل مرحوم سے ملاقات کروائی۔ نواب صاحب موصوف بڑی عزت و احترام سے ان سے ملے اور عطایائے لائقہ و ہدایائے فائقہ دے کر انہیں رخصت کیا۔ انکے فرزند سیّد کاظم حسین صاحب بدر اور بدر کے لختِ جگر سیّد مصطفےٰ حسین صاحب ہلال اچھے شاعروں اور مداحوں میں ہیں جن کا ذکرِ خیر دوسری جلد میں ہوگا۔

کلام کا انتخاب یہ ہے

سوزِ غم سے دلِ پُر داغ ہے تاباں اپنا — اشک خونیں سے ہے گلزار گریباں اپنا
رُوئے شبیر ہے اے بحرئ قرآں اپنا — یہی کعبہ یہی قبلہ یہی ایماں اپنا

خون ہو ہو کے دلِ اہلِ عزا کہتے ہیں
منہ تو دکھلائے ہمیں لعلِ بدخشاں اپنا

دیکھکر سوئے فلک شاہ یہ فرماتے تھے
ق
جز خدا کس سے کہیں حالِ پریشاں اپنا

داغ اٹھایا تھا ابھی ہمنے علی اکبرؑ کا
دردِ دل ہوگیا اصغرؑ سے دوچنداں اپنا

فیضِ ابرِ کرمِ حق سے ہے وہّاب امید
تر رہے اشکِ غمِ شاہؑ سے داماں اپنا

ولہ

چمکی ہے تیغِ حیدرِ صفدر کہاں کہاں
اے مجرئی دکھائے ہیں جوہر کہاں کہاں

پرتو فگن ہوا سرِ سرور کہاں کہاں
چمکا یہ آفتاب منور کہاں کہاں

مرحب کے سر پہ بلکہ پرِ جبرئیل پر
دکھلائے ذوالفقار نے جوہر کہاں کہاں

جاں کندنی میں قبر میں برزخ میں حشر میں
کام آئیگی محبتِ حیدرؑ کہاں کہاں

شمس و قمر پہ لوح پہ کرسی پہ عرش پہ
لکھا ہے نام حیدرِ صفدر کہاں کہاں

اِکدم میں نو فلک شبِ معراج طے کئے
پہنچے حبیبِ خالقِ اکبر کہاں کہاں

گل میں شفق میں لالے میں مرجاں میں لعل میں
ہے رنگِ خونِ سبطِ پیمبرؐ کہاں کہاں

صنعِ خدا دکھانے کو نقاش لے گئے
تصویر ہم شبیہِ پیمبرؐ کہاں کہاں

انجیل میں زبور میں اُم الکتاب میں
آیا ہے ذکرِ سبطِ پیمبرؐ کہاں کہاں

انسانوں میں جنوں میں ملائک میں حور میں
برپا ہے ایک ماتمِ سرور کہاں کہاں

سُنبل میں مشک ناب میں عنبر میں نافہ میں
پھیلی ہے بوئے گیسوئے اکبرؑ کہاں کہاں

فولاد میں چنار میں آہن میں سنگ میں
پنہاں ہے آتشِ غمِ سرورؑ کہاں کہاں

پرتو سے ذوالفقار کے ہنگامِ حربِ ضرب
ق
روشن تھے دو ہلال برابر کہاں کہاں

قلب و جناح و میمنہ و میسرہ تھا دنگ
حیرت نما تھی تیغِ دو پیکر کہاں کہاں

کی اِک زرہ نے آنکھ نہ تیغِ دوسرے چار
چار آئینہ تھا خوف سے ششدر کہاں کہاں

کٹ کٹ کے تیر و نیزہ تھے تو دہ اِدھر اُدھر
تھے ڈھیر خود و جوشن و بکتر کہاں کہاں

آگاہ سر نہ تھے کہ ہے کس کس جگہ بدن
واقف بدن نہ تھے کہ گرے سر کہاں کہاں

کشتوں میں بسملوں میں سقر میں جحیم میں — جا کر چھپا یزید کا لشکر کہاں کہاں
ہم کو نجف میں آئینۂ حق نما ملا — برسوں پھرے تباہ سکندر کہاں کہاں
خیر النساء کے چاند کو اقلیم سبعہ میں — پھرتے ہیں ڈھونڈتے ہوئے اختر کہاں کہاں
مد نظر تھا آئینہ روئے بوترابؑ — حیرت زدہ پھرے ہیں سکندر کہاں کہاں
لاکھوں کی جاں کنی میں کروڑوں کی قبر میں — ق آتے ہیں ایک وقت میں حیدرؑ کہاں کہاں
اسکی نظیر یہ ہے کہ جیسے اک آن میں — پرتو فگن ہے خسرو خاور کہاں کہاں
شبیرؑ کے گھر سناں پہ تو مقتل میں پاؤں سے — پہنچے ہیں عین وعدے پہ سرورؑ کہاں کہاں
خیمہ میں قتلگاہ میں نرغہ میں یاس میں — آتے تھے شہؑ کو یاد پیمبرؐ کہاں کہاں
گرتی ہے لاش لاش پہ زہراؑ کے پیارو کی — رن میں بچھائے فاطمہؑ چادر کہاں کہاں
کہتی تھی بانو گھر میں لحد میں بہشت میں — ہمکو رلائے گا غم اکبرؑ کہاں کہاں
یہ کہہ کے شہؑ لپٹ گئے بیٹے سے خلد میں — ہم ڈھونڈتے پھرے تمہیں اکبرؑ کہاں کہاں

وہاں آپ شرق و غرب جنوب و شمال میں
غش ہیں ترے سخن پہ سخنور کہاں کہاں

ولہ

شامی لئے پھرے سر سرورؑ کہاں کہاں — چمکا علیؑ کا بھالا سناں پر کہاں کہاں
حضرت سدھارے گھر سے تو صغراؑ نے راہ میں — آنکھیں ملیں نشانِ قدم پر کہاں کہاں
مقتل میں شاہ کہتے تھے بیٹا جواب دو — پھر آیا ڈھونڈتا تمہیں اکبرؑ کہاں کہاں
پامال رن میں ہو گئے قاسمؑ تو بولے شاہؑ — ٹکڑے بدن کے ڈھونڈوں میں دلبر کہاں کہاں
زینبؑ پکاری چور ہو زخموں سے بھائی جان — مرہم لگائے تن پہ یہ خواہر کہاں کہاں
کاٹا جگر بنی کا علیؑ کا بتولؑ کا — پہنچا گلے سے شاہؑ کے خنجر کہاں کہاں
کوفہ میں آکے ماریہ سے بولے اہلبیتؑ — دیکھیں ابھی پھرائے مقدرؑ کہاں کہاں
سبطینؑ کو ڈھونڈتے ہوئے حجروں میں خلد کے — پھرتے تھے گھٹیوں علی اصغرؑ کہاں کہاں
اکبرؑ بچھڑ کے ماں سے نہ پھر عمر بھر ملے — ہے ہے پھری تلاش میں مادرؑ کہاں کہاں

لِلکہ بدن سے دفن ہوا بعد اربعین
پھر کر حسینؑ کا سرِ اطہر کہاں کہاں

گویا زبانِ حال سے وہ جو پوچھتے یہ حال
تپ میں پھرے ہیں عابدِ مضطر کہاں کہاں

زنداں اسیرِ طوق و سلاسل کا ہے مقام
عابدؑ پھرے پہن کے یہ زیور کہاں کہاں

مقتل میں فاطمہؑ نے یہ جبریل سے کہا
ق بتلاؤ میرے پیارے ہیں بے سر کہاں کہاں

چہرے کہاں کٹے ہیں حسینی سپاہ کے
پُرزے ہوئے ہیں مالکِ دفتر کہاں کہاں

سقّا ہے نہر پر مرا شبیرؑ ریت پر
ہو سوگوار بنتِ پیمبرؐ کہاں کہاں

کوفہ میں کربلا میں خراساں میں شام میں
اُجڑا ہے پنجتنؑ کا بھرا گھر کہاں کہاں

کوثر پہ جام دینگے بچائیں گے ناسے
وہّاب کام آئیں گے حیدرؑ کہاں کہاں

ولہ

شاہؑ کہتے تھے پیمبرؐ کا نواسا ہوں میں
اور پھر شاہوں پیاسا لبِ دریا ہوں میں

جوشِ غم سے ہے یہی دیدۂ تر کا دعوے
ابر ہوں سیل ہوں طوفان ہوں دریا ہو نہیں

اشک کہتا ہے گہر سے نہ مجھے نسبت دو
وہ تو ہیں سیکڑوں اور گوہرِ یکتا ہو نہیں

نام جو پوچھتا تھا کہتے تھے عباسؑ علیؑ
دخترِ سیّدِ ابرار کا سقّا ہوں میں

رن میں یوں جا کے رجز خواں ہوئے ہمشکلِ نبیؐ
ق ثانیِ احمدِ مختار سراپا ہوں میں

جدِّ مرا شبیرِ خدا باپ حسینؑ ابن علیؑ
نبیؐ و فاطمہؑ کے پیاروں کا پیارا ہو نہیں

بعد عباسؑ اور اکبرؑ کے یہ کہتے تھے حسینؑ
یا علیؑ آیئے امداد کو تنہا ہوں میں

کہتی تھی پیٹ کے سر اہلِ جفا سے زینبؑ
چھینو چادر نہ مری دخترِ زہراؑ ہوں میں

حُبِّ حیدرؑ سے ہے مجھ پر کرمِ حق وہّاب
اس کے محبوب کے محبوب کا شیدا ہوں میں

ولہ

ابرِ نیساں کی ہے بنیاد مگر آنکھوں سے
مجھ سی صاف برستے ہیں گہر آنکھوں سے

ساتھ اشکوں کے بہا لختِ جگر آنکھوں سے
نذرِ شبیرؑ کو دیتے لعل و گہر آنکھوں سے

دیکھنا آبروئے ماتمِ شاہِ شہدا — عرضِ اشک نکلتے ہیں گہر آنکھوں سے
کہا قاصد نے یہ صغرا سے نہ رو اے بیمار — لاؤں گا میں ترے بابا کی خبر آنکھوں سے
عرض شبیر نے یہ کی شہ سے وقتِ رخصت — پھر بھی آئیگا رُخِ پاک نظر آنکھوں سے
شہ نے فرمایا کہ آئیں گے نہیں تیرے گھر — دیکھیگی غرق بخوں تو مرا سر آنکھوں سے
پیٹتی سر کو گری پشتِ شتر سے زینبؑ — دیکھا نیزے پہ جو شبیر کا سر آنکھوں سے
کیوں نہ ہو شاہ کی آنکھوں میں زمانہ تاریک — دُور اکبرؑ سا جو ہو نورِ نظر آنکھوں سے
گر کے مقتل میں یہ کہتے تھے امامِ مظلوم — لاش فرزند کی دیکھے نہ پدر آنکھوں سے
لاشِ اکبرؑ پہ عجب حال شہِ بیکس تھا — دل تھا پہلو سے جدا نورِ نظر آنکھوں سے
رو کے کہتی تھی سکینہؑ نہ ہوئی کور میں آہ — دیکھا کٹتے ہوئے حلقومِ پدر آنکھوں سے
ایک راوی نے لکھا ہے کہ بروزِ عاشور — میں نے دیکھی یہ جفا تین پہر آنکھوں سے
بوستانِ نبوی لُوٹ رہے تھے باغی — دیکھتے تھے حرمِ خیرِ بشر آنکھوں سے
جس کے ہو پیشِ نظر چہرۂ پُرنورِ حسینؑ — کیوں نہ گر جائیں بھلا شمس و قمر آنکھوں سے
یا دعا بد کو جو عاشور کی تھی شام و سحر — کام رونے کا لیا آٹھ پہر آنکھوں سے
آنسوؤں پر ادبِ محفلِ ماتم ہے ختم — پاؤں سے آتے ہیں سب اشک مگر آنکھوں سے

اب یہی دیدۂ دل کی ہے تمنا وہاب
دیکھئے روضۂ شبیرؑ کا در آنکھوں سے

صفا

آغا محمد حسن عرف نادر مرزا صاحب مخاطب بخطاب نور الدولہ مرحوم۔ یہ اُن اعلیٰ درجہ کے رئیسوں میں تھے جنہوں نے مرزا صاحب کی قدر و عزت کو شاگرد و طرفدار ہو کر بڑھایا۔ انہی کی فرمائش سے مرزا صاحب نے چہاردہ معصومین علیہم السلام کے حالات میں چودہ مرثیے کہے جیسا کہ جلد اوّل میں میں لکھ چکا ہوں۔ فیض آباد میں یہ رہتے تھے سُنا ہے چودہ ہزار روپیہ ماہوار وثیقہ پاتے تھے اکثر اہلِ کمال کو ان سے فیض پہنچتا تھا۔ غزل میں خواجہ حیدر علی آتش مرحوم کے شاگرد رشید تھے

آبحیات میں حضرت آزاد مرحوم نے آتش مغفور کے کامل تلامذہ میں انکا بھی نام لیا ہے۔ مرثیہ مرزا صاحب کو دکھاتے تھے۔ انکی طلب پر میر زا صاحب مرحوم فیض آباد پالکی میں جاتے تھے اور پھر مجلس پڑھکر لکھنؤ آجاتے تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں ایک شبہہ کی حالت میں انکی بہت بڑی پنشن گورنمنٹ نے ضبط کرلی جس سے سیکڑوں آدمیوں کو (جو ان سے فیض پاتے تھے) نقصان پہنچا۔

جو نیشا پوری شاہزادے لکھنؤ میں صاحب علم وفضل تھے ان میں بھی یہ فرد سمجھے جاتے تھے افسوس کہ مجھے ان کا کلام (اقسام مرثیہ سے) کچھ نہ ملا۔ ورنہ ضرور لکھتا۔ انتخاب یادگار میں جو ان کا حال مختصر جناب اُستاد مرحوم نے لکھا ہے وہ بالفاظہ لکھے دیتا ہوں۔

"صفا۔ آغا محمد حسن عرف نادر مرزا صاحب مخاطب بخطاب نورالدولہ ابن شاہ میر خاں صاحب نیشا پوری عجب جوہر قابل تھے۔ خوشنویسی اور شاعری سب میں کامل تھے۔ فن شعر میں خواجہ حیدر علے آتش لکھنوی سے تلمذ تھا[۱]۔ بعد غدر جب وثیقہ ان کا سرکار انگریزی میں ضبط ہوگیا۔ بندگان عالی (ریاست رامپور) نے بنظر قدردانی یاد فرمایا۔ کئی برس اس دارالریاست میں باعزاز رہے۔ رخصت ہوکر لکھنؤ گئے تھے کہ وہیں شعبان کی نویں تاریخ ۱۲۸۷ھ بارہ سو ستاسی ہجری میں انتقال کیا ساٹھ برس کا سن ہوا۔ ایک رباعی جو آغا برہان الدین حیدر انکے بھائی کو یاد تھی بطور نمونہ لکھی گئی رباعی

اے حسرتِ وصل یار بس کر بس کر — اے صدمۂ انتظار بس کر بس کر
اِتنا نہ تڑپ کہ سینہ شق ہوجائے — بس اے دلِ بیقرار بس کر بس کر

زکی

سیّد محمد زکی صاحب بلگرامی

یہ مرحوم بڑے ذہین اور ذکی تھے۔ بلگرام کی سادات عظام سے تھے۔ لکھنؤ میں آرہے تھے۔ سُنا ہے کہ پہلے شیخ گوہر علی صاحب مُنیر سے اصلاح لیا کئے۔ پھر مرزا دبیر مرحوم کے شاگرد ہوئے۔

تذکرۂ یادگار رضیعم میں صفحہ ۲۹ پر سیّد بندہ رضا صاحب آرزو کے ذکر میں مؤلف نے لکھا ہے کہ ان حضرت

---

[۱] جس طرح منشی مُنیر مرحوم کے حال میں مرزا صاحب کے تلمذ کا ذکر نہیں لکھا ہے۔ انکے ساتھ بھی شاگردی مرزا صاحب مرحوم کا حال قلم انداز فرمایا اسکی وجہ وہی معلوم ہوتی ہے جو میں جناب مُنیر مرحوم کے حال میں لکھ چکا ہوں ۱۲۔ حقیر مؤلف

(میر محمد زکی مرحوم) نے مرثیہ گوئی میں بڑی مشق بہم پہنچائی تھی۔ میرزا سلامت علی صاحب دبیر مرحوم (یہاں مؤلف نے سہواً مرزا ببر علی نام لکھدیا ہے) جو اس فن میں اکمل تھے۔ ان کے ارشدِ تلامذہ میں سے تھے۔ ہر چند کہ غزل۔ قصیدہ۔ رباعی سب قسم کی شاعری کرتے تھے لیکن اپنے ہمعصروں سے اس فنِ خاص میں سبقت لے گئے تھے۔ عظیم آباد پٹنہ کی طرف مجالس ۱۰ میں پڑھے۔ بخوبی پھولے پھلے دارالسرور رامپور میں کچھ وظیفہ وہاں کے رئیس کی قدردانی کی وجہ سے پاتے رہے پھر وہاں سے زمانہ جنت آرامگاہ مختار الملک نواب میر تراب علی خاں مغفور سر سالار جنگ مدار المہام سرکار عالی حیدرآباد میں تشریف لائے۔ یہاں سے وطن جاکر بارہویں شعبان ۱۲۸۸ھ میں انتقال کیا۔

لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے مؤلفِ خم خانۂ جاوید جلد سوم خم خانۂ جاوید کے صفحہ ۲۲۴ پر لکھتے ہیں کہ "زکی۔ سید محمد زکی۔ خلف غلام رضا بلگرامی شاگرد جناب دبیر لکھنوی۔ ان کے نسب کا سلسلہ زید شہید سے ملتا ہے۔ بڑے طباع اور قابل بزرگ تھے۔ ریاست رامپور میں ملازم تھے۔ مرثیہ اور قصیدہ کہنے میں اچھی مشق تھی۔ اور مرثیہ خوانی میں بھی کمال حاصل تھا۔ ۱۲۸۸ھ میں پچاس سال کی عمر میں وفات پائی۔ منشی افضل حسین ثابت لکھنوی سال وفات کے بارے میں ۱۸۸۸ء تحریر کرتے ہیں ان کے شاگردوں میں نواب بنے صاحب مشاق لکھنوی بڑے طبیعت دار خوش مذاق شاعر تھے انکا بھی آٹھ سات برس ہوئے انتقال ہوگیا +

میرزا محمد جعفر صاحب قیصر شاگرد حضرت دبیر مرحوم مجھ سے جنوری ۱۹۱۷ء میں بمقام لکھنؤ فرماتے تھے کہ میر محمد زکی مرحوم پہلے شیخ گوہر علی صاحب مشیر مغفور کے شاگرد تھے۔ پھر میرزا دبیر مبرور کے شاگرد ہوئے امیر الامرا قدم رسول کے یہاں مجلس پڑھی۔ میرزا صاحب موصوف تشریف رکھتے تھے میرے سامنے تعریف ہونے پر میر زکی صاحب نے کہا کہ یہ سب تصدق جناب میرزا صاحب کا ہے۔ اور پھر ۲۵ رجب کو میر باقر تاجر مرحوم کے امام باڑے میں یہ مرثیہ پڑھا ؎ آمد ہے رن میں صفدر دریا شکوہ کی۔ یہ مرثیہ جناب مرزا صاحب کا اصلاحی ہے۔ پہلے مشیر مرحوم سے اصلاح لیتے ہوئے خود مینے دیکھا ہے نواب بنے صاحب مشاق بھی برسبیل تذکرہ ایک روز مجھ سے فرماتے تھے کہ مینے ابتدا میں چند غزلوں وغیرہ پر میر زکی صاحب مرحوم بلگرامی سے اصلاح لی تھی۔ وہ جناب میرزا دبیر صاحب مغفور کے شاگرد تھے۔ اور یہی بات انہوں نے اپنے شاگرد میر عابد حسین صاحب عابد مرحوم ساکن لکھنؤ مفتی گنج

سے فرمائی تھی جس کا تذکرہ عابد صاحب نے اپنے حالات میں لکھا ہے ان کے مرثیے جو میرے علم میں ہیں اُن کے مطلعے لکھتا ہوں۔

(۱) دنیا سے بے نیاز ہے جو پاکباز ہے۔ (۲) جب چھٹ گئے انصار شہ جن و بشر کے
(۳) سبطِ رسُول فخرِ ذبیح و خلیل ہے (۴) اُلٹا جوشہ نے بہر وغا آستین کو۔
(۵) پھیلی جو سفیدی سحرِ قتل کی رنیں۔ (۶) عباس نے پایا جو علم فوجِ خدا کا۔
(۷) شمس و قمر بروج شرف آتے ہیں رنیں۔ (۸) لاشہ لئے خیمہ میں شہ بحر و بر آئے۔
(۹) زمینِ مشہدِ شبیر عرشِ ماتم ہے۔

اِن کے ایک شاگرد تو نواب مشاق لکھنؤ میں مسلم الثبوت اُستاد مانے جاتے تھے جن کا ذکر خیر ہو چکا دوسرے شاگرد جناب سید بندہ رضا صاحب آزاد بلگرامی رضے لکھنؤ میں ملاقات ہوئی تھی اچھے شاعر ہیں تیسرے شاگرد نواب حیدر علی خاں صاحب خلف دوم نواب یوسف علیخاں صاحب مرحوم والیٔ ریاست رامپور مصنف جادۂ تسخیر تھے۔ چوتھے تلمیذ با تمیز مرزا غلام حسین صاحب جوش مدراسی مقیم حیدر آباد دکن ہیں۔ ان سب صاحبوں کا حال تذکرۂ یادگار صنعم میں بھی مذکور ہے۔ جوش صاحب کا ایک مرثیہ بھی حقیر کی نظر سے گزر چکا ہے خوب کہتے ہیں۔ کمال یہ ہے کہ مدراسی وحیدر آبادی ہو کر لکھنؤ کی زبان میں مرثیہ کہتے ہیں۔ علمی لیاقت بھی اچھی معلوم ہوتی ہے۔

زکی بلگرامی مرحوم کا صرف ایک مرثیہ اس جلد میں شامل کیا گیا ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

دنیا سے بے نیاز ہے جو پاک باز ہے

صفدر

میر صفدر علی خاں صاحب مرحوم صفدر سناکھی ضلع فیض آباد کے رہنے والے۔ عہد شاہی لکھنؤ میں داروغہ دیوان خانہ شاہِ اودھ اور مرزا صاحب کے شاگرد رشید تھے۔ ان کے اکیسو مرثیہ کے قریب ایسے ہیں جو جا بجا ہندوستان میں لوگوں کے پاس ہیں۔ اور سلام تو ہزاروں ہیں۔ بڑے پُر گو شاعر تھے میرے پاس بھی انکے چند مرثیے ہیں۔ اور چند مرثیے مینے دیکھے ہیں۔ بہت طبیعت دار مضمون آفریں مرثیہ گو شاعر تھے۔ مرزا دبیر صاحب مغفور کے بعد دو ایک مرثیوں پر جناب میرزا اوج مرحوم سے بھی اِصلاح لی

چنانچہ جناب میرزا صاحب موصوف حقیر سے ایکروز بر سبیل تذکرہ فرماتے تھے کہ میر صفدر علی صاحب نے مجھ کو مجبور کیا کہ میں آپکے اس مرثیہ کو بطور اصلاح دیکھوں سے کس کا ہے مرکب دور کا بہ فرام میں۔ مینے ان کے حکم کی تعمیل کی ورنہ اُن ایسے کہنہ مشق شاعر کو میرے مشورۂ سخن کیضرورت نہ تھی۔ سنہ ۱۳۰۰ھ کے قریب انتقال کیا۔ انکے حسب ذیل مرثیے مشہور اور میرے علم میں ہیں۔

(۱) کس کے چراغِ حُسن کا پروانہ ماہ ہے۔ (۲) ہمدید بہ حیدرِ کرّار ہے عباس۔
(۳) جب لالۂ شفق نے دکھائی بہار صبح۔ (۴) رن میں اسدِ داورِ ضیغم کی ہے آمد۔
(۵) یارب فلکِ طبع کو دے اختر مضمون۔ (۶) رن میں دلبندِ شہ عقدہ کشا آتا ہے۔
(۷) آمد ہے تاجدارِ ثریا جناب کی۔ (۸) اے مومنو شبیرِ دو عالم کا شرف ہے۔
(۹) رن میں خلفِ احمدِ زہرا کی ہے آمد۔ (۱۰) یارب مجھے حیات میں باغِ جناں دکھا۔
(۱۱) فردوس کو جاتی ہے براتِ ابنِ حسن کی۔ (۱۲) ہے عزم شکلِ یوسفِ حیدر رقم کروں۔
(۱۳) زینبؑ کے لاڈلے جو ہوئے عازمِ وغا۔

۱۱ و ۱۲ و ۱۳ نمبر کے مرثیے ناظرین کو اس کی دوسری جلد میں ملیں گے۔ اور مرثیہ نمبر ۱۳ مجھے نصف ہی ملا۔ وہی چھپوا دیا۔ آیندہ اگر پورا مل جائیگا تو میں یا اور کوئی بندۂ خدا چھپوا دیگا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

وحید

شیخ بہادر حسین صاحب مرحوم لکھنؤ کے شیخ زادے تھے۔ کہ جنکی اودھ میں قبل نوابانِ اودھ حکومت تھی شیخ بہادر حسین صاحب کے فرزند ارجمند سجدہ ۱۳۳۶ھ تک زندہ ہیں۔ حکیم محمد صادق صاحب نام ہے۔ لکھنؤ میں قریب وکٹوریہ گنج کے پل کے پختہ مکان وسطیہ ہے۔ میں نے ان سے مفصل حالات ان کے چاہے وعدہ بھی کیا اور یہ بھی کہا کہ وہ حضرت آتش مرحوم و اسیر مغفور کے بھی شاگرد تھے۔ مگر کچھ حالات نہ مرحمت فرمائے۔ یادگارِ ضیغم میں صفحہ ۳۶۲ پر وحید مرحوم کے مختصر حالات درج ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا قدیم وطن لکھنؤ ہے۔ علم بقدر ضرورت ہے۔ سب قسم کی شاعری پر قادر ہیں۔ مثنوی معجزاتِ حیدرؑ انکی تصنیف سے ہے۔ تاریخ گوئی میں اچھی مہارت ہے۔ عاشقانہ غزل میں مشورہ حضرت اسیر مرحوم لکھنوی سے ہے مرثیہ و سلام وغیرہ میں مرزا سلامت علی صاحب دبیر مرحوم لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ خوشنویس بھی ہیں

جتنے اقسام خط کے ہیں سب جانتے ہیں۔ آباؤ اجداد انکے معزز رہے ہیں یہ بھی عہد واجد علیشاہ مرحوم میں داروغہ محلات تھے۔ عمر قریب پینسٹھ برس کے ہے" یہ ذکر ۱۳۰۲ھ کا ہے۔ اسی زمانے میں انہوں نے انتقال فرمایا۔ حضرت اوج مغفور کے یہ فارسی کے اُستاد بھی تھے۔ میرزا صاحب موصوف نے خطِ نسخ و نستعلیق بھی انہی سے سیکھا تھا۔ بیٹے بارہا انکی زیارت کی ہے۔ مرزا دبیر مرحوم اور مرزا اوج مغفور سے انکو کمال محبت تھی شمس الضحےٰ جو بزبان فارسی میرزا دبیر مغفور کے حال میں ہے وہ بھی انہی کے اہتمام سے چھپی تھی۔ میرزا محمد طاہر صاحب رفیع جانشین حضرت اوج و دبیر کو بھی فارسی کی درسیہ کتابیں انہی نے پڑھائی تھیں میرزا دبیر صاحب کے انتقال کے بعد جو ایک مرثیہ انہوں نے تصنیف فرمایا تھا وہ میرے پاس موجود ہے اسکا مطلع یہ ہے ؎ نقش نگینِ عرشِ معلےٰ حسن حسین۔ اس مرثیہ میں وہ خواب بھی نظم فرمایا ہے۔ جو سید احمد حسن صاحب فرقانی مرحوم رئیس میرٹھ اور ایک سیّد جلیل سیّد حسین صاحب نے دیکھا تھا جن خوابوں سے دبیر و انیس کا مقبول مداح ہونا اور سرورِ کائنات صلعم کا میرزا صاحب سے یہ مرثیہ مقبول ؎ فولاد کی مزیح میں کس کا مزار ہے۔ اور میر صاحب سے یہ مرثیہ ؎ نخلی جو رن میں تیغِ حسینی غلاف سے۔ پڑھوا کر گریۂ وبکا فرمانا اور دونوں مداحوں کو سُرخ و سبز قصر جنّتِ اعلےٰ میں ملنا پایا جاتا ہے۔

جعفر

عالیجناب نواب حاجی سید محمد جعفر صاحب عرف نواب پیارے صاحب رئیس شمس آباد ضلع فرخ آباد۔ غالبؔ

؎ زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کیلئے

حضرت غالب مرحوم نے ایک فرخ آبادی رئیس کی شان میں یہ شعر فرمایا تھا۔ میں بھی ضلع سے باہر نہیں گیا شمس آباد کے ایک آفتابِ علم و احسان کی شان میں یہ شعر لکھتا ہوں جن سے مجھے حیاتِ دبیر اور اس تذکرہ کی ترتیب میں سیکڑوں طرح کی مدد ملی ہے۔ سب سے بڑھکر جس مدد کا میں محتاج تھا وہ ان مداحوں کے مرثیے تھے جن کا کلام اس جلد میں ناظرین دیکھیں گے۔ اکثر مرثیے جناب نواب صاحب موصوف اور انکے پوتے نواب قاسم عباس صاحب سلمہٗ نے عطا فرمائے۔ اور ایک قلمی تذکرہ مختصر مداحوں کا جناب میرزا کرم حسین صاحب شمس آبادی سے ملا۔ جو سرکار نواب صاحب کے مختار عام ہیں

میں ان سب صاحبوں کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

نواب صاحب کی ولادت یکم محرم ۱۲۶۶ھ یوم شنبہ کی ہے۔ آپ نے خود اپنا تاریخی نام میر مظلوم رکھا ہے آپ نسلاً موسوی صفوی ہیں۔ جناب نواب ڈوُلہا صاحب مرحوم شمس آبادی کے آپ دوسرے فرزند ارجمند ہیں جن کا اسم اقدس نواب حکیم محمد علی خاں صاحب تھا۔ آپکی تعلیم گھر پر ہوئی۔ عربی میں ہدایۃ النحو تک فارسی نظم و نثر میں سکندر نامہ وطاہر وحید تک آپ نے پڑھے۔ بارہ برس کی عمر میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ لکھنؤ گئے میر زا صاحب مرحوم کے شاگرد تبر کا ہوئے جسکی مختصر کیفیت مینے حیات دبیر جلد اوّل کے صفحہ ۷۳ پر جناب میر الطاف حسین صاحب قبلہ عرف مُنّے نواب صاحب کی زبانی لکھدی ہے۔ نواب منے صاحب جناب نواب ڈوُلہا صاحب مرحوم کے بھانجے ہیں۔ ان دونوں صاحبوں کو نواب صاحب موصوف نے شیرینی کے خوان سانتھ کر کے حصول برکت کے واسطے میر زا صاحب سے شرف تلمذ حاصل کرنے کو بھیجا تھا۔ اس موقع پر مناسب ہے کہ میں انہی کے الفاظ میں اس موقع کا نقشہ کھینچدوں۔

فرماتے ہیں "ربیع الثانی ۱۲۷۸ھ کا واقعہ ہے میری استعداد معمولی فارسی کی تھی جب ہم دونوں بھائی جناب مرزا صاحب قبلہ کی خدمت میں پہنچے۔ تو بعد قبول نذر ہم سے ارشاد فرمایا۔ کوئی مصرع یا شعر اسی وقت کہو پہلے میں نے جو مصرع کہا تھا وہ اس طرح ہے ع خوف غالب ہے آپکا مجھے اب۔ بھائی مُنّے صاحب نے کہ مجھ سے زیادہ ذہین ہیں یُوں کہا ع خوف غالب ہے آپ کا مجھ کو۔ جناب مرحوم نے دست شفقت ہم دونوں کی پشت پر رکھا۔ اور ارشاد فرمایا کہ مناسب موقع کلام ہے۔ بھائی مُنّے صاحب جناب میر شرف الدین صاحب مرحوم (شاگرد رشید حضرت دبیر) کے فرزند اور میرے عمّ زاد بھائی ہیں"۔

ایک نوازش نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ذی القعدہ ۱۲۸۴ھ تک میں تحصیل علم میں مشغول رہا اس کے بعد یہاں سے آزردہ خاطر ہو کر لکھنؤ ہوتا ہوا اور دسرائے رامپور ہوا۔ ارادہ گوالیار کا تھا والی ریاست کو معلوم ہوا۔ بُلوایا میرے بزرگوں سے پہلے کی شناسائی تھی ملازم رکھ لیا۔ کم و بیش ساڑھے تین برس تک وہاں رہا۔ درمیان میں والدین کے پاس بھی آتا رہا۔ پھر انکے اصرار سے مکرر استعفا دیکر شمس آباد میں آگیا۔ جناب والدہ ماجدہ مرحومہ نے نصف جائداد غیر منقولہ اولاد کو تقسیم فرمادی۔ چھتیس برس تک علاقہ کا کام کرتا رہا۔ اب چار برس سے جائداد دیکے اپنے فرزندوں کو تقسیم کردی وغیرہ وغیرہ۔

رامپور میں جب آپ کا قیام تھا۔ دہلی و لکھنؤ کے کاملوں کا وہاں مجمع تھا۔ اسیر، منیر، امیر، داغ۔ بحر، تسلیم

حیا۔ عروج وغیرہ بڑے بڑے کامل موجود تھے۔ مشاعرے بڑے معرکے کے ہوتے تھے آپ برابر مشاعروں میں شریک ہوتے۔ خود غزل کہتے خود اسکو بار بار دیکھتے کسی کو نہیں دکھاتے۔ سب سے زیادہ منشی منیر مرحوم سے ربط ضبط تھا۔ شمس آباد میں آجانے پر بھی نواب صاحب رامپور بے نظیر کے میلے کے موقع پر آپکو ضرور بلواتے آپ جاتے اور مشاعروں میں بھی مہمان ریاست ہوکر شریک ہوتے۔ پہلے آپ کے والد مرحوم جو گھر پر مسالمہ فرماتے تھے اس میں سلام کہتے کہتے مہارت حاصل ہوگئی تھی۔ رامپور کے مشاعروں اور استادوں کی صحبت نے گویا طبیعت پر صیقل کر دی بڑے بڑے معرکے شعر و سخن کے آپ نے دیکھے ہیں جسدن نواب حامد علی خان بہادر رئیس حال بالقابہ پیدا ہوئے آپ رامپور میں موجود تھے۔ سب شاعروں نے ولادت کی خوب خوب تاریخیں کہیں مگر منیر مرحوم کا مصرع مادہ اور قطعہ تاریخ سب سے اعلیٰ تھا مصرع مادہ یہ ہے ؎

صاحب اقبال نورافشاں قسم پیدا ہوا

سنہ ۱۲۹۳ھ

منشی منیر صاحب مرحوم سے اور آپ سے کچھ دوستانہ بحث ہوگئی شاید ان کے منہ سے جو الفاظ نکلے اسکا مفہوم یہ تھا کہ جب تاریخ کہوگے جب تمکو خبر پڑیگی یہ کام کتنا مشکل ہے[۱]۔ اسی زمانہ سے آپنے تاریخ گوئی پر ہمت باندھی۔ چنانچہ آپکے دیوان تواریخ میں سب سے پہلے اسی کے جواب میں تاریخ ہے اسکے بعد آپنے ہزاروں تاریخیں کہیں! اور خوب خوب کہیں۔ علاوہ تاریخ کے سلام بھی آپ کے اکثر مطبوعہ ہیں آپ مثل تمام شاگردان حضرت دبیر کے میر صاحب کا بھی ویسا ہی ادب کرتے ہیں جیسا اور جتنا میرزا صاحب کا۔ گو ایک مصرعہ پر بھی میرزا صاحب مرحوم سے آپکو اصلاح لینے کی نوبت نہیں آئی۔ مگر میرزا صاحب مرحوم کو اپنا روحانی استاد اور میر صاحب مغفور کو روحانی اتالیق سمجھتے ہیں جب کبھی کسی صاحب نے میر صاحب کے طرفدار ہوکر میرزا صاحب کی تنقیص آپکے منہ پر کی۔ آپنے دنداں شکن مگر مہذب جواب دیا۔ جب اسکے خلاف کسی پیرو نے میر صاحب پر اعتراض کیا آپنے ویسا ہی اعتراض بلا تامل میرزا صاحب کے کلام پر وارد کرکے بتا دیا کہ آپکو کسی کا کامل کی

[۱] اس بحث میں ایک خط خود نواب صاحب کا ۱۸ دسمبر ۱۹۱۰ء کا نکل آیا اسلئے انہی کے الفاظ لکھدئے۔ "بینے جناب منیر مرحوم سے کہا کہ ایک مصرع مجھے بھی ملا ہے قطعہ کی فکر ہے۔ فرمایا کہوگے تو معلوم ہوگا۔ بینے کہا انشاء اللہ ہر مصرع میں تاریخ برآمد ہوگی اور جب آپ پسند فرمالینگے اسی وقت تسکین ہوگی۔ یہ تذکرہ ۳۰ رجب یا یکم شعبان ۱۲۹۳ھ کا ہے چند روز بعد وطن میں آیا ماہ مبارک کی کسی تاریخ میں قطعہ بھیجدیا منیر مرحوم نے بہت تعریف کی یہ قطعہ دفتر تاریخ جلد اول میں ہے ۱۲

منقیص کا حق نہیں۔ اور سہو بشری اور غلطی سے کوئی پاک نہیں بجز ان بزرگواروں کے جنکو خدا نے معصوم بنایا ہے آپکی فیاضی کئی طرح کی شان رکھتی ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میر صاحب اور میرزا صاحب اور اور مداحوں کے ہزاروں مرثیے کاپیوں سے لکھوائے اور جب کوئی ذاکر پہنچا اور آپ سے مانگے آپنے وہ جواہر کے ٹکڑے مفت دیدیئے۔ (غالب مرحوم) ؎

مرد است مرد ہر چہ کند بے خطا کند　　راد است راد ہر چہ دہد رائگاں دہد

منیر مرحوم کے کلیات میں ایک رقعہ آپکے نام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جب ریاست رامپور میں رہے نہایت وضعداری اور نیک چلنی سے رہے۔ حالانکہ وہ عنفوان شباب کا زمانہ تھا جس کے ولولوں کی تصویریں سب سے بڑھکر شاعروں کے کلام میں ملتی ہیں۔ آپکے بچپن میں میر صفدر علی صاحب صفدر شاگرد میر ضمیر صاحب مرحوم ہر سال عشرۂ محرم و ماہ صیام میں آکر میر ضمیر صاحب کے مرثیے پڑھا کرتے تھے ان کا آپکی طبیعت پر یہ اثر ہوا کہ ہزاروں مرثیے بہم پہنچائے اور لکھوائے۔ میر ضمیر صاحب کے کلام کی نسبت آپکی رائے ہے کہ سبحان اللہ بعض موقع پر صاف ثابت ہوتا تھا کہ دبیر کو اسطے ایسا ہی اُستاد چاہئے تھا لکھنؤ کے معمر بزرگوار مجھ سے فرماتے تھے۔ کہ میر ضمیر صاحب نے اٹھارہ سو بند کا ایک مرثیہ آخر میں فرمایا تھا جس میں تمام شہدا کا حال تھا۔ دبیر و انیس دونوں بزرگوں کے اسوقت تک کے تمام مرثیوں سے وہ یقیناً بہتر تھا۔ مگر وہ مرثیہ خود انہوں نے اور انکے بعد انکے وارثوں نے ایسا چھپایا کہ ماہ فتحشب کی طرح بالکل چھپ گیا اگر آج وہ مرثیہ ہوتا تو مشکل سے دبیر و انیس کو ان پر کوئی منصف مزاج ترجیح دیتا افسوس آج اسی غلطی میں میرزا صاحب کے بعض عزیز مبتلا ہیں۔ اپنے تھوڑے سے فائدہ کیواسطے میرزا دبیر و میرزا اوج مرحومین کے نایاب و لاجواب مرثیے چھپا رہے ہیں۔ ان کا نام ڈوبتا جاتا ہے ان حضرات کو کچھ پروا نہیں۔

خیر۔ اب سُنئے نواب صاحب کیا فرماتے ہیں "دو مسالے ہر مہینے میں والد مرحوم نے (میرے آغاز عمر کے زمانے میں) مقرر فرمائے تھے۔ اس میں مشق سخن بغیر کسی کی اصلاح کے ہوتی رہی وہ کلام قریب قریب سب تلف ہوگیا۔ ایک ایک شعر میر و میرزا کے رنگ کا یاد ہے۔

میرزا مرحوم کا رنگ غالب

کفن ملنا بھی مشکل ہے فلک سے ذکر خلعت کیا　　وہ کیا دیگا کہ مالک ہے فقط اک نیلی چادر کا

میر صاحب کا ڈھنگ

چوم کر حلق سکینہ کو یہ کہتے تھے حسینؑ ہاتھ رسّی میں بندھیگا یہ گلا میرے بعد

میر کی زبان اور مرزا کا دماغ لاجواب تھے۔ میں تا بمقدور اس کا خیال رکھتا ہوں۔ میرا اعتقاد اس میرے قطعہ سے ظاہر ہے۔

قطعہ

تھی ہند میں روشنی انہی کے دم سے دونوں کامل تھے بزمِ ماتم کے چراغ
محکومِ دماغ تھی زبانِ مرزا تابع تھا زباں کے میر صاحب کا دماغ

یہ تذکرہ مداحوں (مرثیہ گویوں) کا ہے۔ اور زیادہ تر وہی کلام ہر مصنف کا لینے لکھا ہے جو اب تک طبع نہیں ہوا ہے اور جناب جعفر مدظلہ کی تاریخوں کے سات آٹھ دفتر بحمدہٖ اب تک چھپکر ملک میں مشتہر ہو چکے ہیں اسلئے نمونۂ کلام میں تواریخ کے قطعات میں نہیں لکھ سکتا۔ بس ایک مخمس سلام لکھتا ہوں۔ یہ سلام بھی جناب ہی کا ہے اور خود ہی مصرعے بھی لگاتے ہیں۔ قندِ مکرر کا مزہ آتا ہے۔ جناب اکثر جعفر۔ کبھی حاجی بھی تخلص فرماتے ہیں کہ بحمد اللہ حج و زیارت حرمین سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔

مخمس سلام جناب حاجی جعفر صاحب قبلہ مدظلہ

دست بستہ ہیں فصیحانِ زماں بیٹھے ہوئے سرنگوں ہیں شاعرانِ نکتہ داں بیٹھے ہوئے
سُست ہیں نازک خیالانِ جہاں بیٹھے ہوئے چُپ ہیں میرے سامنے رنگیں بیاں بیٹھے ہوئے
ہیں دلوں پر سکّۂ تیغِ رواں بیٹھے ہوئے

واجب العینی سمجھتے تھے وہ اس تکریم کو دونوں وقت آتے تھے جبریلِ امیں تسلیم کو
یہ شرف حاصل کہاں سلطانِ ہفت اقلیم کو سر و قد اٹھتے تھے زہرا کے لیئے تعظیم کو
صاحبِ معراج ہوتے تھے جہاں بیٹھے ہوئے

سرد آہوں سے ہوئے کافور سب رنج و محن اشک نے کشتِ عمل سرسبز کر دی دفعتاً
ہے یہ فیضِ ماتمِ گلگوں قبا گلگوں کفن دل بنا داغِ غمِ شبیرؑ سے رشکِ چمن
لطف اٹھاتے ہیں جناں کا ہم یہاں بیٹھے ہوئے

واحد و یکتا و بے ہمتا ہے ذاتِ ذوالجلال قولِ حق میں بعضکم کو دیکھ لیں شیریں مقال

منحصر اک شخص پر ہرگز نہیں کوئی کمال — ہر جگہ ہیں خاکدانِ دہر میں عالی خیال
سیکڑوں ہیں اس زمیں پر آسماں بیٹھے ہوئے

خاک پر زخمی پڑا ہے راحتِ جاں نورِ عین — رو رہے ہیں فرطِ رنج و غم سے شاہِ مشرقین
کیا کریں گے مسطرح آئے دلبرِ زہرا کو چین — اے فلک انصاف کر تڑپے نہ کیوں قلبِ حسین
کھینچتے ہیں دل سے بیٹے کے سنان بیٹھے ہوئے

تیغ ابرو کو سمجھتا ہے یہ خونخوار و نکاکام — تیرِ مژگاں کو بتاتا ہے ستمگار و نکاکام
آنکھ کو نرگس بتاتا ہے دلآزار و نکاکام — زلفِ شہ کو مشک کہتا ہے خطاکار و نکاکام
چپ ہو رہیں ہیں متسگافانِ جہاں بیٹھے ہوئے

ہیبت و صولت سے انکی شیر گردوں ننگ ہے — مصطفےٰ کا رنگ ہے تمکین کشا کا ڈھنگ ہے
حمزۂ ثانی ہے۔ جراری میں بھی آہنگ ہے — بچپنے ہی سے علی اکبر کو شوقِ جنگ ہے
روز سنتے ہیں اُحد کی داستاں بیٹھے ہوئے

گھر اندھیرا کیوں نہ ہو بجھ جائے جب گھر کا چراغ — عمر بھر انساں کو اس غم سے نہیں ملتا فراغ
صبر کیونکر آئے قابو میں نہیں قلب و دماغ — عہد پیری میں اٹھایا ہے علی اکبر کا داغ
رو رہے ہیں نوجواں کو باپ ماں بیٹھے ہوئے

ق

عاشقِ سبطِ نبیؐ ہمشیرِ شاہِ کربلا — سوگوارِ کشتگاں۔ پابندِ تسلیم و رضا
بیٹھے بیٹھے شب کو تھک جاتی تھیں جب حد سے سوا — شام کے زنداں میں فرماتی تھیں بنتِ مرتضےٰ
اس اندھیرے میں ہوائے عابد کہاں بیٹھے ہوئے

تھا ابھی تک جشن برپا محفلِ مے نوش میں — اب موذن کی صدا آتی ہے میرے گوش میں
ضعف سے غش میں ہوا تو جانِ زینبؑ ہوش میں — میں فدا لے لو سکینہ کو ذرا آغوش میں
رات بھر گزری مجھے اے ناتواں بیٹھے ہوئے

مجلسِ شبیرؑ میں آئے ہیں وہ عالی مقام — شاعری میں ہو مہم ہے جنکی میدانِ عوام
سب ہیں نیّ فہم و عالی طبع مشتاقِ کلام — آج اے حیفر سمجھکر آپ پڑھئے گا سلام

سن رہے ہیں نکتہ داں شیریں زباں بیٹھے ہوئے

اور بھی کچھ بند اس مخمس کے ہیں۔ مگر میں نے چند بند پر کفایت کی کہ مشتے نمونہ از خروارے طبیعت کی لطافت۔ حسن بندش مضمون آفرینی۔ سلاست کا حال ان چند بندوں سے آئینہ ہے۔

وارث

جناب میر وارث علی صاحب مرحوم خلف میر حسین علی صاحب لکھنوی حضرت میرزا دبیر مغفور کے شاگرد تھے۔ فارسی میں خاص قابلیت رکھتے تھے۔ انشا پردازی میں ملکہ حاصل تھا: اور بقدر ضرورت عربی میں بھی دستگاہ تھی۔ انکے اجداد عہد شاہجہاں پادشاہ دہلی میں مقام یزد ملک ایران سے ہندوستان میں آکر عہدہائے جلیلہ پر فائز ہوئے۔ جدِ اعلےٰ سید خلیل یزدی ہفت ہزاری تھے۔ یہ خود اٹھارہ برس کی عمر میں بعہد واجد علی شاہ مرحوم عہدۂ امینی پر مقرر ہوئے تھے۔ ۲۲ برس کی عمر میں جناب میرزا صاحب مرحوم سے شرف تلمذ حاصل ہوا جس کے بعد نظم مداحی اہلبیت کا شغل رہا۔ انکے مرثیہ پڑھنے میں اثر تھا۔ پچھتر برس کی عمر میں یکم ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ کو بمقام لکھنؤ انتقال فرمایا۔ انکے فرزند ارجمند جناب سید محمد صاحب نوؔیس تخلص سے یہ حالات معلوم ہوئے۔ جناب نوؔیس بھی مداح محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں۔ آپ کے اکثر قصائد جناب شمس العلماء مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ ناصر الملۃ مجتہد العصر دام ظلہ کی محافلِ قصیدہ خوانی میں حقیر ثابت کو سننے کا شرف حاصل ہوا ہے کہ جس میں کبھی کبھی حقیر نے بھی قصیدہ پڑھکر سعادت دارین حاصل کی ہے۔

ان کے کلام کا نمونہ ایک رقعہ مجلس عزا کا ملا ہے۔ جو ایک مومنہ فرخ بیگم کی طرف سے جناب وارث مرحوم نے قلم برداشتہ نظم فرما دیا تھا۔ وہ یہ ہے۔ اس سے مصنف مرحوم کی طبیعت حاضر کا حال معلوم ہوتا ہے

ہیں اشکِ عزا قلم کے غازی — کاغذ کی زمیں سیہ ہے ساری
سطریں یہ نہیں لکھی ہوئی ہیں — ماتم کی صفیں بچھی ہوئی ہیں
مضموں کرتے ہیں دل کو بے چین — کیونکر کوئی نامراد دے چین
ہیں صدر نشیں نشانِ ماتم — سینوں سے عیاں ہے شانِ ماتم
موجوں کی طرح سے دل ہے بیتاب — ہیں چشمۂ چشم غم سے پُر آب

ہیں مثلِ علم بلند نالے
سر کھولے کھڑے ہیں رونے والے

کس کا یہ الم ہے کون ہے وہ
کس کا ماتم ہے کون ہے وہ

روئے کسے خضرؑ و نوحؑ و آدمؑ
جاری ہے ازل سے کس کا ماتم

لب تشنہ شہیدِ ظلم۔ بے آس
چوبیس پہر کی تھی جسے پیاس

دنیا کس سے بھری ہوئی تھی
عترت کس کی گھری ہوئی تھی

بچوں پہ تھا کس کے بند پانی
مشکل تھی کسے پناہ پانی

عاشور کو کس کا لٹ گیا گھر
شبان میں کس سے چھٹ گیا گھر

مہمان بُلا کے کس کو مارا
اعدا نے رُلا کے کس کو مارا

کس پر ہوئے ظلم و جبر ایسے
کس نے کیے ضبط و صبر ایسے

کس کا ہوا امتحان ایسا
کون اور ہے میہمان ایسا

امّت کی نجات کا سہارا
پیاسا سوئے خلد جو سدھارا

نورِ نظرِ ابوالائمہؑ
روتے رہے جس کو کُل ائمہؑ

سیّد بیکس۔ امام معصوم
صابر۔ بے بس حسینؑ مظلوم

دل پھٹتے ہیں جس کی بیکسی پر
ماتم جس کا بپا ہے گھر گھر

اللہ کے گھر کا ہے جو مختار
میں بھی ہوں اُسی کی اک عزادار

ماتم سے نیلگوں ہے سینا
رخصت کا ہے اُسکی یہ مہینا

دنیا میں ہے جاوداں یہ ماتم
پھر ہم کہاں اور کہاں یہ ماتم

اس واسطے عرض ہے بمنّت
پندرھویں سے دیجے مجھکو عزّت

دل کھول کے رات بھر ہو ماتم
اور شام سے تا سحر ہو ماتم

رونق بڑھ جائے میرے گھر کی
منگل کو ہے سولھویں صفر کی

ہو گی اُسی دن ضریح رخصت
سب مِلکے بپا کریں قیامت

ہر سال میں کام فرض ہے یہ
فرخ بیگم کی عرض ہے یہ

شیخ جعفر علی صاحب ابن شیخ اعظم علی صاحب مرحوم ساکن رستم نگر لکھنؤ

یہ دو بھائی حقیقی تھے۔ ایک شیخ جعفر علی۔ دوسرے شیخ امیر علی۔ دونوں بھائیوں میں یہ صلاح ہوئی کہ ایک میرزا صاحب کے۔ دوسرے میر صاحب کے شاگرد ہوں۔ چنانچہ یہ خود میرزا صاحب مغفور کی خدمت میں حاضر ہو کر تلمذ سے فیضیاب ہوئے۔ شیخ امیر علی صاحب نے آستانۂ جناب میر انیس صاحب مرحوم پر جبہہ سائی کر کے ثواب دارین حاصل کیا۔ دونوں بھائی بہت خوب پڑھتے تھے۔ میر صاحب کے شاگردوں میں اچھے پڑھنے والے لکھنؤ میں دو صاحب مشہور ہیں۔ ایک آغا میر۔ دوسرے یہی شیخ امیر علی جن کو بھی انکو سنا ہے حقیقت میں خوب پڑھتے تھے۔ شیخ جعفر علی صاحب مرحوم کو پڑھتے ہوئے کبھی نہیں سنا۔ نہ کچھ ان کا کلام کہیں سے ملا۔ انکے بھائی شیخ جعفر حسین صاحب خلف شیخ اکرم علی خاں رفاں خطاب تھا کی زبانی جو جناب چھوٹی مشہزادی کی سرکار میں داروغہ تھے۔ یہ حالات لکھنؤ میں لکھے گئے تھے۔ وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ تخمیناً ۱۳۱۱ھ سنہ ہجری میں بمقام لکھنؤ شیخ جعفر علی صاحب نے ساٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ داروغہ شیخ جعفر حسین صاحب خود بھی کہتے تھے اور میرزا صاحب مرحوم کا کلام پڑھتے بھی تھے۔ لکھنؤ میں دو تین مرتبہ میں انسے ملا تھا۔ ان کے پاس اکثر مرثیے میرزا صاحب مرحوم کے تھے۔ افسوس کہ چار پانچ برس ہوئے یہ بھی بہشت عنبر سرشت کو تشریف لے گئے ؎

یہ داغ ایک کا تو نہیں جس کو روئیے
کس کس کو یاد کیجئے کس کس کو روئیے

قوی

سید اولاد حسین صاحب خلف الصدق میر نوازش علی صاحب۔ اول میرزا مغل صاحب مرحوم شاگرد حضرت دبیر کے شاگرد ہوئے۔ پھر خود میرزا صاحب مرحوم سے کلام پر اصلاح لی۔ انکی پیدائش دہلی کی تھی مگر بچپن سے لکھنؤ میں رہے۔ یہیں سنہ ۱۹۰۴ء میں انتقال کیا۔ تخمیناً ۶۵ برس کی عمر پائی۔ تاریخ انتقال ابو صاحب جلیس اور جناب جلال و کلیم و انجم و میر وارث علی صاحب صبیح الہ آبادی نے کہی تھیں۔ انکے اچھے اچھے مرثیے ہیں جو اکثر حضرات نے سر منبر انکی زبان سے الہ آباد۔ لکھنؤ۔ آگرہ۔ پنڈال وغیرہ وغیرہ میں سنے ہیں۔ مگر افسوس کہ ایک مرثیہ ابتدائی سے سوا مجھ کو کوئی چوٹی کا مرثیہ نہ ملا مجبو

ہو کر وہی مرثیہ شاملِ کتاب کر دیا۔ امسال محرم ۱۳۳۹ھ ہجری میں بھی لکھنؤ میں انکے چھوٹے صاحبزادے میر رضا حسین صاحب اور سیر بریلی سے ملاقات ہوئی۔ اور اُنھوں نے میرے سامنے ایک مرثیہ کا مسودہ بھی محلہ پاٹے نالہ پر ایک کاتب صاحب کو لکھنے کے واسطے دیا اور میرے اصرار پر بھی اُن کاتب صاحب کو اجرت نقل مجھے نہ دینے دی۔ اور پھر میرے جواب میں یہ لکھا کہ اُن کاتب صاحب نے غلط سلط آگے پیچھے بند لکھکر مرثیہ کو مسخ کر دیا۔ دوسری نقل ہونے پر بھیجونگا۔ مگر پھر اب تک وہ مرثیہ نہ آیا۔ سُنا گیا ہے کہ اُنکے شاگرد رشید میر وارث علی صاحب صبیح کے پاس اُنکے اکثر اعلےٰ درجہ کے مرثیے ہیں۔ جناب میرزا دبیر صاحب مرحوم خود منبر پر بتانے کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ جتنا ہاتھ معمولی بات چیت میں اُٹھتا ہے بس اُسی قدر مرثیہ پڑھنے میں اُٹھنا کافی ہے۔ جتنے آنکھ اور بھوں کے اشارے روزمرہ کے کلام نثر میں قدرتاً ہوتے ہیں اُتنے ہی مرثیہ میں ہوں۔ اس سے زیادہ بتانا ٹھیک نہیں۔ اسکے علاوہ گانیوالے ارتھ کرتے تھے۔ سوزخوانوں نے ارتھ کرنیکو معیوب سمجھا۔ تحت لفظ خوانوں کو بھی ایسا ہی پڑھنا چاہیے۔ اُن کی ابتدائی مرثیہ خوانی میں جتنے اساتذہ نشی دلگیر۔ مرزا فصیح۔ میر خلیق تھے اُن میں سے کوئی بھی منبر پر نہ بتاتا تھا۔ منشی دلگیر بات کرنے میں ہکلاتے تھے اس لیئے وہ خود اپنا مرثیہ منبر پر نہ پڑھتے تھے۔ اُنکے مرثیئے یا تو کوئی سوزخواں یا اُن کا کوئی شاگرد پڑھتا تھا۔ سب سے پہلے میر ضمیر صاحب نے منبر پر بتانا شروع کیا۔ اُس زمانے کے آدمیوں میں دو گروہ ہو گئے۔ ایک اسکو معیوب دوسرا محبوب سمجھتا تھا۔ مرزا صاحب کے اوّل اوّل دو شاگرد بہت مشہور ہوئے۔ ایک شیر شرف الدین صاحب دوسرے حقیر ثابت کے نانا میر محمد رضا صاحب ظہیر مرحوم۔ میر شرف الدین صاحب فقط بین کے چند بند پڑھتے تھے۔ اور لاجواب پڑھتے تھے۔ میر ظہیر مغفور سراپا۔ رزم۔ بزم سب خوب پڑھتے تھے۔ اور منبر پر مثل میر ضمیر صاحب مرحوم کے بتاتے تھے۔ اُدھر میر انیس صاحب مرحوم اور اُنکے بھائی میر اُنس مغفور وغیرہ بتاتے تھے۔ نانا مرحوم کے بعد جو صاحب مرزا دبیر مرحوم کے شاگرد ہوتے تھے وہ مرثیہ پڑھنے کا طرز اور ڈھنگ سیکھنے کو نانا مرحوم ہی کے پاس آتے تھے۔ چنانچہ اُنکے بعد کے شاگردوں میں میرزا مغل مرحوم نے بھی بتانا اختیار کیا۔ اور میرزا مغل مرحوم کے شاگرد رشید میر قوی مرحوم نے بھی اپنا وہی طرز رکھا۔ پس میرزا صاحب کے شاگردوں میں عمدہ پڑھنے والے یہ چار صاحب ہی مشہور ہوئے (۱) میر شرف الدین مرحوم (۲) میر ظہیر (۳) میرزا مغل (۴) میر قوی۔ مرحومین۔ میر قوی کے پڑھنے کا

ہندوستان بالخصوص الہ آباد و آگرہ میں بہت شہرہ ہے۔ ابھی تک بعض وہ لوگ زندہ ہیں جو اُنکے پڑھنے کے معترف ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ وہ بے مثل پڑھتے تھے۔ خیر ہم اُنکے پڑھنے کا تو عکس اس کتاب میں نہیں دکھا سکتے۔ مگر افسوس کہ اُنکے وارثوں کے عمدہ کلام نہ دینے کے باعث سے اُن کے کلام کا کمال بھی مُلک پر ظاہر کرنے سے مجبور ہیں۔

بہرحال۔ میر قوی مرحوم کا حال میں اُنکے فرزندوں کے نام لکھکر ختم کرتا ہوں اور وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) میر سجاد حسین صاحب نیّر تخلص۔ جو غزل کہتے ہیں۔ اور منشی غنی شاگرد جناب منشی منیر مرحوم کے تلمذ ہے۔

(۲) میر ابوالحسن صاحب۔ یہ بھی غزل گو ہیں۔

(۳) میر عسکری حسین صاحب۔ ریاست بھوپال میں اہلکار ہیں۔ شاعر نہیں ہیں۔

(۴) میر رضا حسین صاحب رضا تخلص۔ غزل۔ سلام۔ تضمین۔ سب کہتے ہیں۔ لکھنؤ کے ایک مشاعرہ میں میں نے انکی غزل سُنی۔ بہت اچھی غزل تھی۔ پہلے متھرا۔ ڈیرہ دون میں سب اوورسیر تھے۔ اب بانس بریلی میں شاید اوورسیر ہیں۔

وزیر

سید وزیر حسین صاحب ولد سید ثابت علی صاحب ساکن ہیلک و پھر سہر۔ ڈپٹی سید اولاد حسین صاحب مداح کا حال مفصل اس کتاب میں لکھا گیا ہے۔ یہ اُنکے حقیقی بھائی۔ اور میرزا صاحب مغفور کے شیدائی اور فدائی تھے۔

یہ بڑے خوش اعتقاد ذاکر و مداح و حاجی و زائر بزرگوار تھے۔ پہلے میر صفدر علی خاں صاحب صفدر مرحوم کے اور پھر اُنہی کے کہنے سے میرزا صاحب مرحوم کے شاگرد ہوئے۔ پہلے دمرہ وغیرہ کی طرف ملک متوسط میں ڈپٹی کمشنری کے سررشتہ دار اٹھارہ برس کی عمر میں ہوئے۔ پھر جسونت نگر ضلع اٹاوہ کے تھانہ دار۔ پھر سندیلہ ملک اودھ میں تحصیلدار زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں رہے۔ پھر محکمۂ آبکاری کے ڈپٹی لکھیم پور میں ہو کر سیتاپور میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہو کر جابجا اضلاع اودھ میں رہے۔ پھر ۱۸۸۳ء میں جب دیوانی کی صیغہ کے حکام الگ مقرر ہوئے تو یہ ٹانڈہ کے منصف ہو کر ضلع فیض آباد میں رہے۔ وہاں سے ترقی پاکر بہرائچ اور رائے بریلی میں سب جج رہے۔ رائے بریلی سے جج کر ریٹائر ہو گئے

واپسی پر عزائے محرم کے واسطے اپنے وطن پہر سر ریاست بھرتپور میں گئے۔ علیل ہوکر لکھنؤ آئے۔ لکھنؤ میں اسہالِ کبدی کے عارضہ میں ۱۹ر فروری ۱۸۸۶ء روز جمعہ خلد بریں کو اپنے ممدوحوں کی خدمت میں گئے۔ پچپن سال کی عمر پائی۔ بڑے خوش نصیب جو شیلے عزادار و ذاکر تھے۔ آخر نومبر ۱۸۸۶ء میں انکی لاش لیکر بڑے فرزند میر فضل رسول صاحب کربلائے معلےٰ گئے۔ اور فدیۂ خدا خامس آل عبا حضرت امام حسینؑ کے پائین پا قریب منبر و دروازہ رواقِ اقدس میں دفن ہوئے۔ حضرت دبیرؔ کے اس شعر کا مصداق انکا حال سمجھنا چاہیے ؎

آنکھیں رضا کے روضے میں دل کاظمین میں　　قالب نجف میں روح رواقِ حسینؑ میں

فرق صرف اس قدر ہے کہ انکا قالب بجائے نجفِ اشرف کے کربلائے معلےٰ میں ہے۔ انکی تصانیف وغیرہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) چہل مجلس شبیرؑ مصائب نثر میں۔ مطبوعہ (۲) زادالغربا۔ سفرنامۂ حج۔ نثر میں۔ مطبوعہ۔
(۳) میلاد حضور سرور کائنات صلعم۔ (۴) وظائف المؤمنین۔ مناقب میں۔
(۵) چہاردہ مجالس۔ حال پیدائش و وفات چہاردہ معصومینؑ میں۔ اور سلام اور مرثیے بھی ہیں۔ جو چھپے نہیں۔ انکے فرزند اکبر میر فضل رسول بھی ذاکر و مداح ہیں۔ میر انس مرحوم سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ دوسرے صاحبزادے میر افضل حسین صاحب ذاکر امام حسین علیہ السلام ہیں۔ سنا ہے مرثیہ بھی خوب کہتے اور پڑھتے ہیں۔ دونوں صاحب خلیق ہیں۔ بڑے صاحب سے لکھنؤ میں بارہا ملاقات ہوتی رہی۔ چھوٹے صاحب سے صرف ایک مرتبہ تین چار سال ہوئے جب بیانہ میں ملاقات ہوئی تھی۔ بیانہ سے آگرہ تک ریل میں میرے ہمسفر رہے تھے۔ کلام غیر مطبوعہ جناب وزیر مرحوم کا بھیجنے کو میں نے کہا تھا۔ مگر اب تک نہیں آیا۔ شاید فرصت نہ ہوئی ہو۔ اسی سبب سے اس کتاب میں انکے صرف حالات لکھے گئے۔ میر فضل رسول سے یہ حالات لکھنؤ میں حاصل ہوئے تھے۔

نظیر۔ مرزا غلام محمد صاحب مرحوم

یہ مرزا دبیر مغفور کے حقیقی بڑے بھائی اور نہایت ذہین اور مادر زاد شاعر تھے۔ اول اول تو انہوں نے اپنا کلام میر ضمیر صاحب کو دکھایا۔ پھر انہی کے حکم سے اپنے چھوٹے بھائی کے شاگرد ہوئے کمال

بھی عجیب چیز ہے۔ بڑے بڑے اسکی بدولت چھوٹوں کے سامنے گردن جھکاتے ہیں۔ انکو بندش کی صفائی۔ زبان کی سلاست کا زیادہ لحاظ رہتا تھا۔ میر ضمیر مرحوم اور میر انیس مبرور کا طرز مخلوط انکے مرثیوں میں نظر آتا ہے۔ جو الفاظ خاص مثل کڑیل جوان وغیرہ کے میر صاحب کے مرثیوں میں ہیں اور میرزا صاحب نہیں لاتے وہ سب انکے یہاں آپکو ملیں گے۔ میرزا دبیر مرحوم کا ایک کمال یہ بھی تھا کہ وہ انکو اصلاح بھی انہی کے طرز و زبان میں دیتے تھے۔ اگرچہ خود اپنے مرثیوں میں وہ الفاظ نہ لاتے تھے۔ انہی کا مشہور مقطع ہے ؎

طعنہ زن ہوتے ہیں جو بیٹھکے منبر پہ نظیر
کیا نہیں جانتے وہ اہلِ زباں اور بھی ہے

انکی بھی دہلی کی پیدائش تھی۔ اور سات آٹھ برس سے لکھنؤ میں آخر دم تک رہے۔ جس سال میر صاحب کی وفات ہوئی یہ بھی اُسی سال (اوائل ۱۲۹۱ھ میں) انتقال فرما گئے۔ چنانچہ میرزا صاحب نے میر انیس صاحب مبرور کی تاریخ انتقال میں اس کا اشارہ ایک شعر میں فرمایا ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

وا دریغا عینی و دینی دو بازو یم شکست
بے نظیر اوّل شدم امسال آخر بے انیس

انکو کیمیا گری کا بھی چسکا تھا۔ جب اُس سے فرصت فرماتے تو سچی اکسیر مدح محمدؐ و آلِ محمدؐ کی بناتے۔ اور جس مضمون کو کہنے پر آتے خوب شرح و بسط سے ادا کرتے۔ کثیر الکلام بھی تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ دو سو مرثیے انکے ہیں۔ بعض انکے مرثیے عوام میں میرزا دبیر مرحوم کے نام سے مشہور ہیں۔ انکے فرزند میرزا محمد عباس سفیر لکھنوی بھی مرثیہ گو شاعر تھے۔ مگر حق یہ ہے کہ باپ کے مرتبہ کو نہیں پہنچے۔ انکے بعض مرثیے خود میرزا دبیر صاحب نے بھی پڑھے ہیں۔ چنانچہ یہ مرثیہ ؎ اے فوجِ سخن مہر کے پنجہ سے علم لے۔ اس چوتھے مصرع سے خاص و عام میں مرزا صاحب کے پڑھنے کی بدولت مشہور ہوا ؎ اے طبعِ دلیر آج دکھا شیر کے حملے۔ جس کا مفصل حال میں نے علامہ جائسی اعلے اللہ مقامہ کی زبانی حیات دبیر کے صفحہ ۴۰ پر لکھا ہے۔ میرے علم میں اُنکے جو مرثیے ہیں اُنکے مطلعے لکھتا ہوں۔

(۱) جب سکینہؑ نے علمدار کا لاشا دیکھا۔
(۲) جب سلطنت ماہ ہوئی کشورِ شب میں۔
(۳) ہر آہ علم ہے یہ عزا خانہ ہے کس کا۔
(۴) اے فوجِ سخن مہر کے پنجے سے علم لے۔
(۵) پر تو فگن جو رن میں علیؑ کا قمر ہوا۔
(۶) شہباز ذوالفقار کے جب رن میں پر کھلے۔
(۷) برباد جب مرقعِ خیر النساؑ ہوا۔
(۸) اے فکر نظم آمد مضموں کا وقت ہے۔

(۹) جب لاشۂ پسر پہ غش آیا حسینؑ کو۔

رشید

شکر اللہ خاں صاحب مرحوم لکھنوی عہد سرسالار جنگ اوّل میں حیدرآباد دکن پہنچے۔ ایک قصّہ فسانۂ عجائب کی طرز میں کہکر انہوں نے پیشکش کیا اور چھپوایا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ خوش فکر شاعر و نثار تھے۔ حیدرآباد میں تعلقہ دار (تحصیلدار) ہوگئے تھے۔ وہ قصّہ اب سے تیس ۳۰ برس پہلے اس حقیر نے بھی دیکھا تھا۔ یہ یاد ہے کہ اسکے اخیر میں جناب مرزا دبیر صاحب مرحوم کی تاریخ "تالیف کتاب بھی چھپی ہوئی تھی۔ جس کے یہ دو شعر یاد ہیں۔

اے زندہ باش ارشد اللہ اے رشید — کھینچی ہے کلکِ فکر سے تمثالِ حسن و عشق
تاریخ نقش بندِ طبیعت نے کی رقم — قصّہ یہ ہے مرقعِ احوالِ حسن و عشق
۱۲۷۵ھ ہجری

اس مصرع مادّہ سے ۱۲۷۵ھ ہجری نکلتے ہیں۔ یہ غدر ۱۸۵۷ء کے کچھ دنوں بعد کا زمانہ ہے۔ اُسی زمانہ میں یہ حیدرآباد دکن گئے تھے۔ چنانچہ تذکرہ یادگار ضیغم سے (جو ایک حیدرآبادی رئیس کی تالیف ہے) اسکی تائید ہوتی ہے۔ تذکرۂ مذکور میں صفحہ ۱۶۲ پر رشید مرحوم کا یہ حال تحریر ہے "رشید تخلص محمد شکر اللہ خاں نام۔ لکھنوی تحصیلدار اورنگ آباد صوبۂ دکن ہیں۔ اب حسب الحکم معتمد مدار المہام سرکار عالی کے حیدرآباد میں آئے ہوئے ہیں۔ بزرگوار ان کے لکھنؤ میں شرفائے معززین سے شمار کیے جاتے ہیں۔ عمر انکی قریب پچاس برس کے ہے۔ امامیہ مذہب رکھتے ہیں۔ مرزا سلامت علی (یہاں سہواً امیر بجائے علی درج تذکرہ ہے) دبیر مرحوم لکھنوی کے جو مرثیہ گوئی میں طاق و شہرۂ آفاق تھے شاگرد ہیں۔ میرزا صاحب مرحوم کے علم و فضل اور باکمال ہونے کا ایک جہان معترف ہے۔ کچھ حاجت بیان نہیں۔ چھ سات برس ہوئے کہ اس جہان سے رحلت کی۔ اُنکے شاگرد رشید متخلص بہ رشید بھی مرثیہ و سلام کہتے ہیں۔ اچھی طبیعت پائی ہے۔

تذکرۂ مذکور مطبع گلزار دکن حیدرآباد میں ۱۳۰۲ھ ہجری میں چھپا تھا۔ غالباً اُس وقت تک رشید صاحب زندہ تھے۔ اب کوئی بتا نہیں سکتا کہ کب مرگئے۔ نہ اُن کا کچھ کلام ہاتھ آیا۔ ہائے سیکڑوں پھول کھلے اور

مکھلا کر خاک ہو گئے اگر اُن کا گلاب کھینچ لیا جاتا تو کچھ دنوں خوشبو تو باقی رہ جاتی۔ اگر آج کلام ملتا تو ہیچمدان ثابت اپنی اس بستۂ دریائے حسینؑ کو اُس سے بسا تا رشید مرحوم میرے بزرگوں کے یک رنگ ملنے والے تھے افسوس کہ میں بجز فاتحہ پڑھنے کے۔ آج اُنکی کچھ خدمت نہیں کر سکتا ۵ (بقول صغیر بلگرامی)

پھولوں پہ کتنے دور ہ افلاک ہو گئے — مرجھائے۔ سوکھے۔ ٹوٹے۔ گرے خاک ہو گئی

لہوی

حکیم و ڈاکٹر سیّد ضامن علی صاحب۔ جناب مرزا دبیر مرحوم کے شاگرد رشید بعمر ۸۰ سال تھے۔ یہ بزرگ مدّت دراز تک۔ پاگل خانۂ جیل پور ملک متوسط کے سپرنٹنڈنٹ رہے۔ پھر پنشن پاتے رہے۔ دو سال۔ سے بینائی نے جواب دیدیا تھا۔ پھر جیل پور میں مقیم تھے۔ ان کی تصنیف سو مرثیے سے کچھ اوپر اور سلام اور رباعیاں بے شمار ہیں۔ تاریخ وفات نہ معلوم ہو سکی۔ ان کے والد ماجد حکیم سیّد باسط علی صاحب محوی[1] الہ آبادی جناب مرزا فصیح مغفور کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ محوی مرحوم نے جناب لہوی کو اپنی حیات میں میر غلام مجیب صاحب مجیب شاگرد حضرت ضمیر کی شاگردی میں دیدیا تھا چنانچہ ۲۵ سال کی عمر تک محوی و مجیب کی شاگردی سے فیض اٹھانے کے بعد پھر جناب لہوی نے مرزا دبیر صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اپنی تصنیفات اکثر ڈاک میں بھیجتے رہے۔ فارسی میں بھی ید طولےٰ ہے۔ چنانچہ ہفت بند ملّا کاشی[2] کو فارسی میں مسبّع کیا ہے۔ اور پند نامہ سعدی (کریما) کو زبان اردو میں مصمّط لگا کر حضرت محرّ کا مرثیہ کر دیا ہے یہ دونوں فارسی و اردو کی تضمینیں مطبع حسینی لکھنؤ میر عابد علی صاحب سے ملتی ہیں قابل دید ہیں

[1] قطعہ جناب محوی مرحوم

واقف ہوں نے خفی نہ جلی و صریح سے — دل میرا آشنا ہے کلام ملیح سے
فضل خدا سے ملک قناعت کا ہوں غنی۔ — مائل ہوا اس گدا کو تلمذ فصیح سے

[2] قطعہ میر مجیب مرحوم

سخنوران زمانہ مذاق شعر و سخن — اساتذہ سے جہاں میں حصول کرتے ہیں
مقلدین اگر ایجاد کا کریں دعوےٰ — مجیب ہم نہیں ایسکو قبول کرتے ہیں

[1] یہ حالات و کلام کی خلف الصدق جناب میر ذاکر علی صاحب اسسٹنٹ کمشنر سب ڈویژنل مجسٹریٹ ضلع چندوارہ ملک متوسط نے عنایت فرمائے ہیں موصوف علم کا مکرر کرتے ہیں۔ [2] مؤلف حقیر

نمونہ کلام عُباب لہوی

قطعہ

پیری سے یہ ظاہر ہے چراغ سحری ہوں — گو غرق جرائم ہوں پہ دوزخ سے بری ہوں
لہوی۔ بخدا بارہ مددگار ہیں میرے — نازاں میں اسی پر ہوں کہ اثنا عشری ہوں

ایضاً

دار فانی سے نہ جب تک مرا جانا ہو گا — مستقل طور پہ ہرگز نہ ٹھکانا ہو گا
آج ہم سُنتے ہیں اوروں کی کہانی لہوی — کل ہمارا بھی یونہی سب میں فسانا ہو گا

نمونہ مسبّع

ایکہ پیشِ رفعت عرشِ معلّٰے شرگیں — فیضیاب۔ از قبّۂ درگاہِ تو مہرِ مبیں
سرنگوں پیشِ جلالت از ازل چرخِ بریں — رکنِ ارکانِ فضیلت زینتِ شرعِ متیں
کے نخواند ایستادہ بر درت روح الامیں — السّلام اے سایہ ات خورشید رب العالمین

آسمانِ عزّ و تمکیں آفتاب دادو دیں[1]

سلام کے چند شعر

شہ کو پانی آبِ خنجر کے سوا ممکن نہ تھا — زخم تھا کھانے کو۔ کچھ بہرِ غذا ممکن نہ تھا
ہوتے پیوندِ زمیں اس میں نکلتے ہر سُو کے پھول — غیرتِ فردوس ہوتی کربلا ممکن نہ تھا
دستِ قدرت میں شہ والا کے سب کچھ تھا مگر — وعدۂ طفلی نہ فرماتے وفا ممکن نہ تھا
حُرملہ نے بے خطا مارا علی اصغر کے تیر — بوند بھر پانی پلا دیتا تو کیا ممکن نہ تھا
شاہ کہتے تھے میری قسمت میں تھا اکبرؑ کا داغ — کب یہ مٹ سکتا مقدّر کا لکھا۔ ممکن نہ تھا
شمر خنجر پھیرتا تھا شاہ دیتے تھے دعا — یہ تحمّل۔ مُرسلوں سے ایسی جا۔ ممکن نہ تھا
نوجوان بیٹے کا لاشہ دیکھکر شبلِ حسینؑ — شکر کا سجدہ جو کرتا دوسرا ممکن نہ تھا
ہوتی قبضہ میں نہ صابر کے جو تیغِ حیدری — جُز اجل پھر کچھ علاج انتقا ممکن نہ تھا

گر نہ سر۔ لہوی۔ خُدا کی راہ میں دیتے حسینؑ

---

[1] یہ مسبّع چھپ چکا ہے۔ اسلئے زیادہ بند نہیں لکھے ناظرین چاہیں تو مطبع مذکور سے منگوا کر زیارت کر سکتے ہیں

بخشی جاتی امت خیر الوریٰ ممکن نہ تھا

امام حسینؑ کے حال میں اُن کا مرثیہ ہے۔ اُس کا ایک بند حسب ذیل ہے۔

دیکھ اے خبر نویس شہ مفلس و غنی — حال اُس کا ہے ملی جسے الماس کی کنی
قرطاس سبز ہو تو سیاہی ہو سونی — کاغذ پہ روشنائی سے پیدا ہو روشنی
لکھتا ہوں اُس کا نور جو خالق کا نور ہے
طوبےٰ کی شاخ سبز قلم ہو صنوبر ہے

حاجی

حاجی بیگم صاحبہ مرحومہ دختر حضرت محمد علی شاہ مرحوم بادشاہ سوم اودھ نواب محسن الدولہ مرحوم لکھنؤ کے ایک فیاض و جوہر شناس رئیس ان کے شوہر اور نواب عالی قدر (شاہزادۂ اودھ) ان کے فرزند ارجمند تھے یہ بھی مرزا صاحب کی شاگرد تھیں۔ سلام و نوحہ کہتی تھیں۔ اور مرزا صاحب کے سفارشی رقعے ان کی سرکار میں ہنڈی کا کام دیتے تھے۔ جو شخص (اہل حاجت) رقعہ لکھکر بھیج جاتا تھا معقول رقم پاتا تھا۔ ان کا جو کلام دفتر ماتم میں چھپا ہے اُسکے سوا اور کوئی سلام یا نوحہ قلمی مجھے نہیں ملا اس لیے صرف حال لکھنے پر قناعت کی۔ لکھنؤ میں گومتی پار ان معظمہ کی بنائی ہوئی کربلا ہے وہیں یہ اور ان کے۔ فیاض شوہر اور بامروت فرزند ارجمند دفن ہیں۔ جب تک نواب عالی قدر مرحوم زندہ رہے سالانہ انکے اور نواب محسن الدولہ مرحوم کے عرس (دوسیہ) کی مجلس ہوتی رہی نامور مرحوم آمین پڑھتے تھے سب انتظام مجلس بھی انہی مرحوم سے متعلق تھا۔ میں بھی کبھی کبھی انکے ہمرکاب اس مجلس عزا میں حاضر ہوا ہوں افسوس آج یہ باتیں افسانہ ہوگئیں۔ اور وہ بزرگوار زیر خاک سو رہے ہیں ؎ (حضرت اوج مرحوم)

کیسی رنگا رنگ شکلیں ہونگی پیدا بہار — مٹ کے جو گلگونۂ رخسار گلشن ہو گئیں

سفیر

مرزا محمد عباس صاحب مرحوم جناب مرزا صاحب کے حقیقی بھتیجے تھے مرزا صاحب نے اُن پر بہت محنت کی تھی۔ عروض وغیرہ خود پڑھایا تھا۔ ایک مدت تک یہ سلام کہتے رہے۔ پانچ سات مرثیے بھی کہے

تھے۔ پھر مرزا صاحب مرحوم کے مرنے کے بعد مشق سخن کم کر دی تھی۔ ان کا انتقال کو پندرہ برس ہوئے ہونگے قریباً پچاس برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آدمی بہت خلیق اور کم سخن تھے۔ انکے بعض سلام دفتر ماتم میں چھپے ہیں۔ اور یہ مرثیہ بہت مشہور ہے ؎ میں خوشہ چین خرمن نظم دبیر ہوں یہ مرثیہ خوب پڑھتے تھے۔ مگر مرزا دبیر مرحوم کے مرنے کے بعد کہنے کی مشق کر دی تھی جس سے اپنے والد مرحوم (نظیر) کے مرتبہ کو بھی نہ پہنچے۔ انکے داماد اور شاگرد مرزا تصدق حسین صاحب اعظم تخلص لکھنؤ میں ہیں۔ جن کے پاس وہ بعض محفوظ مرثیہ بھی مرزا صاحب مرحوم کے ہیں جو میر مرحوم سے ان کو ملے ہیں

صادق

میر صادق حسین صاحب خاندانِ اجتہاد میں سے ایک بزرگ تھے اور انکے برادر حقیقی نواب میر مہدی حسن صاحب ماہر مرحوم ابتدا میں مرزا صاحب کے شاگرد ہوئے تھے پھر انھوں نے کم توجہی کی ماہر برابر کہتے رہے وہ لکھنؤ میں آخر زمانہ میں اساتذہ میں شمار ہوتے تھے مگر لکھنؤ میں تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ دونوں صاحب صرف ابتدا میں مرزا صاحب مرحوم کا کلام پڑھتے تھے کسی کلام پر اصلاح نہ لی تھی۔ نواب مولوی میر مہدی حسین صاحب ماہر مرحوم نے منشی مظفر علی خانصاحب اسیر مرحوم سے اصلاح لی تھی اور اواخر عمر میں۔ لکھنؤ میں خوب خوب مجلسیں کہیں۔ اور اچھے اچھے مرثیے کہے اور پڑھے۔ انکے گھر کی عزاداری لکھنؤ میں یادگار ہے۔ نہایت سیر چشمی سے بہت بڑی مجلسیں کرتے تھے عشرہ محرم کی مجالس میں (جن میں حدیث خوانی ہوتی تھی) حقیر بھی شریک ہوا ہے جو ہر حیثیت سے لاجواب ہوتی تھیں۔

رضا

نواب محمد رضا خاں خلف نواب حسین دوست خاں بہادر شہرت رئیس وجاگیر دار اول کنڈہ صوبہ مدراس خمیرہ نواب شمس الدولہ مبارز جنگ معروف بہ چندا صاحب والیٔ ملک کرناٹک ۱۸۵۵ء سال ولادت ہے۔ حضرت دبیر مرحوم سے شرف تلمذ ہے۔ مرثیہ۔ غزل۔ قصیدہ۔ رباعی جملہ اصناف سخن میں دخل ہے۔ انکے مرثیوں کی ایک جلد بھی لکھنؤ میں نظر سے گذری ہے۔ مدراس کے اردو میں شعر کہتے ہیں یہی انکے لئے فخر کی بات ہے۔

تذکرہ یادگار صنم حیدر آبادی میں صفحہ ۱۶۰ پر اور خم خانۂ جاوید کی جلد سوم میں صفحہ ۴۴۴ پر اسی قدر ان کا حال درج ہے۔ جسکا خلاصہ اوپر لکھدیا گیا۔ ان کا جو کلام مطبوعہ ہے وہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے یہاں میں صرف ایک رباعی لکھتا ہوں۔ جو میرزا دبیر مرحوم کے انتقال پر انھوں نے کہی تھی رباعی

دُنیا میں دبیر سخن آرا نہ رہا — اوج فلک نظم کا تارا نہ رہا
دُنیا رہے باقی تو رضا ہم کو کیا — افسوس ہے استاد ہمارا نہ رہا

سعید

مرزا مغل صاحب مرحوم۔ یہ بزرگ تلامذہ جناب مرزا صاحب مرحوم میں بہت مشہور ہیں۔ امروہہ دہلی میرٹھ۔ آگرہ۔ اور ان تمام اطراف میں بلکہ اور مقامات پر بھی ہندوستان بھر میں مرزا مغل مرحوم اور سید فدا علی صاحب نثار کی جسقدر شہرت ہے تیسرے ذاکر کی نہیں ہے۔ سلام وغیرہ کہہ لیتے تھے۔ مگر پڑھنا ان کا عام لوگوں کو بہت پسند تھا۔ جہاں جہاں بڑے جھنڈے گاڑدئے آگرہ میں بابو بینی پرشاد صاحب وکیل ہائیکورٹ کی مجالس جس زور وشور سے انھوں نے پڑھی ہیں بڈھے بڈھے آدمی آجتک یاد کرتے ہیں۔

ان کے شاگردوں میں میر اولاد حسین صاحب قوی لکھنوی بھی کامل تھے۔ مرثیہ کہتے بھی تھے اور پڑھتے بھی خوب تھے۔ اور بعد کو جناب مرزا دبیر مرحوم سے بھی انکو شرف تلمذ حاصل ہوا تھا جن کے کچھ حالات اس کتاب میں۔ اور ایک مرثیہ ابتدائی شامل کیا گیا ہے۔

جناب سعید کے دوسرے شاگرد میر مہدی حسین صاحب مغموم شمس آبادی تھے جو علی گڈھ کے ضلع میں مختلف عہدوں پر کچہری میں رہے۔ اور جن کے مکان پر تمام ذاکر ٹھہرا کرتے تھے مہمان نواز مداح ذاکر تھے۔ ان کے صاحبزادے میر ذاکر حسین صاحب ذاکر شمس آبادی مختار سرکار نواب بپاسے صاحب قبلہ رئیس شمس آباد ہیں۔ جن سے مجھے اس تذکرہ کی ترتیب میں بہت مدد ملی ہے۔ یہ عجیب حُسن اتفاق ہے۔ کہ مرزا صاحب کے شاگردوں میں میرزا مغل نام کے بھی دو صاحب تھے۔ اور سعید تخلص بھی دو شاگردوں کا تھا۔ ایک میرزا مغل صاحب تو یہی ہیں جنکا یہ ترجمہ میں لکھ رہا ہوں۔ دوسرے میرزا مغل مرحوم کچھ اونچا سنتے تھے۔ اور مفتی گنج میں رہتے تھے۔ جنکے فرزند ارجمند

حاجی زائر و ذاکر و مداح مرزا محمد علی صاحب مرحوم تھے جن کے انتقال کو ابھی دس بارہ برس گذرے ہیں۔ اور جو اکثر گوالیار میں عشرۂ محرم میں مرثیہ پڑھنے کو جایا کرتے تھے نیک بزرگ تھے مستقل تخلص ایک تو میرزا اکبر حسین صاحب مرحوم کا تھا۔ دوسرے میرزا امثل صاحب اول الذکر کا مگر میرزا اکبر حسین صاحب بحیثیت شاعری اس خاندان کے اعلےٰ درجہ کے رکن تھے۔ جنکا ذکر خیر دوسرے مقام پر اسی کتاب میں ہے۔

صغیر

دفتر ماتم میں ان کا کلام چھپا ہے ۱۳۱۱ھ میں بمقام نجف اشرف جناب مجتہد مولانا امجد حسین صاحب قبلہ الہ آبادی نے مجھ سے بر سبیل تذکرہ ارشاد فرمایا تھا کہ صغیر مرحوم جو مرزا صاحب کے شاگرد تھے میرے چچا تھے۔ میں نے جناب ممدوح کو ایک عریضہ بھی لکھا مگر حالات و کلام نہ ہاتھ کو لکھکر اپنی کتاب کی عزت بڑھاتا۔ غالباً جناب کو فرصت نہ ہوگی۔ ورنہ جو کرم مجھ پر بمقام نجف اشرف فرمایا تھا اور جو مہمان نوازی وہاں فرمائی تھی اسکی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ جواب سے اس روسیاہ کو محروم نہ فرماتے۔ لکھنؤ میں مجھے معلوم ہوا کہ دفتر ماتم میں جن صغیر صاحب کے سلام ہیں انکے کچھ مرثیے میر برکت حسین صاحب ساکن کچ گانواں ضلع جونپور کے پاس ہیں۔ میں نے ۳۰ دسمبر ۱۹۱۶ء کو انکی خدمت میں کارڈ جوابی لکھکر حال پوچھا۔ اور ایک مرثیہ مانگا جس کے جواب میں میر صاحب موصوف نے تحریر فرمایا کہ مولوی سید علی صغیر صاحب کے میرے پاس تین مرثیے ہیں۔ ایک مرثیہ چند رباعیاں ارسال کرتا ہوں میرے چھوٹے ماموں مرحوم میر صغیر صاحب کے شاگرد تھے۔ میں اُن کا کلام پڑھتا ہوں اور شاگرد خاص ہوں۔ میرے تمام خاندان کی تعلیم و تدریس جناب مرحوم نے فرمائی تھی۔ آئندہ خط میں مفصل حالات تحریر کروں گا۔ مگر پھر نہ وہ مرثیہ اور رباعیاں آئیں نہ میرے لکھنے پر مفصل حالات آئے۔ اسلئے زیادہ لکھنے سے معذور ہوں۔

حسن

میر محمد حسن صاحب مرحوم رئیس کچھوہ۔ انکے حالات حسب ذیل ہیں۔ جو میری التماس پر انکے خلف الصدق سید محمد عباس صاحب نے مرحمت و ارسال فرمائے۔ اور کلام بھی اُن مرحوم کا بھیجکر مجھ پر احسان کیا اور اس کتاب کی

عزت بڑھائی، جسکا شکریہ میں زبان قلم سے ادا کرتا ہوں۔ اور انکے ساتھ ہی جناب سید محمد عسکری صاحب مہتمم رسالہ شیعہ بازار بندی ضلع سارن کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے انکو تحریک فرمائی اور حالات وکلام بھجوایا۔

الدال علی الخیر کفاعلہ جناب سید محمد حسن مرحوم ۲ ذیقعدہ ۱۲۳۳ھ ہجری روز یکشنبہ کو پیدا ہوئے اور ۱۵ صفر ۱۲۹۴ھ روز دوشنبہ کو زمانہ اربعین میں انتقال فرما گئے۔ آپ سادات نقویہ سے تھے۔ تعلیم وتربیت ابتدائی آپکے مکان پر کھجوہ ضلع سارن میں ہوئی۔ اور تکمیل دار العلوم لکھنؤ میں عربی وفارسی میں پوری لیاقت حاصل کی۔ اور ۱۲۷۳ھ ہجری میں مرزا صاحب کے شاگرد ہوئے آپ کو جناب مغفرت مآب دیوان سید ناصر علی صاحب سے (جن کا ذکر خیر حالات جناب عظیم مرحوم میں ہے) قرابت قریبہ تھی۔ اور آپ کے چچا سید محمد تقی تعلیم تحصیلدار نے زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں گورنمنٹ ہند کی خدمات ایسی دل وجان سے کی تھیں جنکی استاد دیکھکر آجتک حکام انکے خاندان کے ممبروں کی عزت افزائی فرماتے ہیں آپکی وجہ معاش موروثی جائداد تھی۔ جس سے تا حیات عزت۔ وآبرو اور سیر چشمی ومہمان نوازی سے بسر فرمائی آپ عبادت کے شایق اور امور دینیہ اور عزائے حسین مظلوم میں دلسے منہمک اور غرق تھے۔ مجلس عزا میں بہت بلند آواز سے بیتاب ہوکر روتے تھے۔ ہر معصوم کی ولادت ووفات کے مسدس ومرثیے خود کہے تھے۔ جنکو اپنے اپنے وقت پر مجلس برپا کرکے پڑھتے تھے۔

بستی بھر کے واسطے۔ (آپکی فرشتہ صفات) ذات گویا ابر رحمت تھی تمام سادات ومومنین ادب کرتے تھے۔

۱۲۷۲ھ میں عزائے امام مظلوم کھجوہ میں اربعین تک قائم کی جو رسم خیر بحمد اللہ آجتک کھجوہ میں جاری ہے اپنے آقائے مظلوم سے ایسی محبت تھی جو عشق کے درجہ تک پہنچ گئی تھی چنانچہ ۱۵ صفر کو جبکہ انتقال کا وقت قریب آیا تو آپنے وصیت فرمائی کہ چہلم امام غریب (۲۰ صفر) کو قریب ہے پس میری لاش تعزیہ کے ساتھ ہی اربعین کو اٹھانا اس سے پہلے دفن نہ کرنا۔ اور عین انتقال کے قریب یہ رباعی کہی

رباعی

اے کل کے امام نور یزداں شبیرؑ — اے سرور دیں شاہ شہیداں شبیرؑ
رخصت کرتا ہے پر یہ ہے عرض حسن — ہر سال یونہی ہو چیو مہماں شبیرؑ

اگرچہ وصیت مذکورہ کی تعمیل نہ ہوئی مگر جو رسوم بعد موت ہوئے اُن کا عزاداری وغیرہ سے تعلق رہا

ے نیک کام کی راہ بتلانے والا بھی نیک کام کرنے والے کی طرح ہے۔ ۱۲ مولف حقیر۔

کہ سویم آپ کا، ۱ صفر یوم شہادت رضا کو۔ اور دہم (بروز چہلم امام حسینؑ)، ۲۰ صفر کو اور بیسواں ۲۰ ربیع الاول کو (روز وفات سرور کائنات صلعم، اور چہلم روز ولادت حضور صلعم)، ۱۷ ربیع الاوّل کو شستاہی، ۱۵ رجب روز ولادت امام ششم (امام جعفر صادق کو ہوا۔

بڑے بڑے مرثیے مُنکے مصنفہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) رکن کین عرش امامت حسینؑ ہی حال ولادت و شہادت امام حسینؑ میں مرزا صاحب کا اصلاحی ہے۔

(۲) نشتر غم او لادہی۔ انسان کے جگر کو۔ حال جناب علی اکبرؑ میں۔ " " " "

(۳) بیت الحرم سے جب کہ امام مبین چلے۔ حال سفر امام حسینؑ میں یہ مرزا صاحب کا اصلاحی نہیں ہے جسکو مرحوم تاریخ بھی خوب کہتے تھے۔ ممتاز العلما سیّد تقی صاحب اعلی اللہ مقامہ کے مادّہ تاریخ کا یہ شعر ہے ؎

آہ خامہ کشید و انشا کرد　　چشمۂ اجتہاد شُد مفقود

اُنکے فرزند اکبر و لایق جناب شمیم مرحوم تھے۔ جنکی خوشبوئے کلام سے دوسرے مقام پر اسی کتاب میں آپ کے دل و دماغ معطّر ہو چکے۔ اور فرزند اصغر جناب سید محمد عباس صاحب اللہ و ابقاہ ہیں جنکی بدولت یہ حالات و کلام ہدیہ ناظرین کرنے کا مجھے موقع ملا۔

ع۔ بیت الحرم سے جبکہ امام مبین چلے۔ اس۔ مرثیے کے چند بند لکھتا ہوں۔ جب راہ میں حُر ریاحی مع اپنے لشکر کے ملا ہے۔ اُس موقع پر کہتے ہیں حُرؑ نے امام حسینؑ کو سلام کیا۔

دیکر جواب شاہ نے حُر سے کیا خطاب　　چہرے سے کیوں تمہارے نمایاں ہی اضطراب
کیا وجہ انتشار ہی ظاہر کرو شتاب　　کی عرض اُسنے ای خلف الصّدق بوتراب

فرطِ عطش سے ہوش کسی کے بجا نہیں
کوفے سے یاں تلک کہیں پانی ملا نہیں

حضرت نے مُڑکے جانب عباس کی نگاہ　　بولے عطش سے لشکرِ حُرؑ ہے بہت تباہ
رستے میں ان سبھوں کے نہ دریا لانہ چاہ　　مجھ کو کسال خوف خدا ہی خدا گواہ

تم فضلِ حق سے ساقیٔ کوثر کے لال ہو
پانی نہیں پلاؤ کہ خوش ذوالجلال ہو

(دو بندوں کے بعد)

سقائے اہلبیت نے سنتے ہی یہ کلام — مشکیزہائے آب منگائے وہاں تمام
تھا گرد ابنِ ساقیٔ کوثر کے اژدحام — سقے پکارتے تھے یہ ہاتھوں میں لیکے جام

پانی یہ کیا خنک ہے بخدائے جلیل ہے
مختار سلسبیل کی جاری سبیل ہے

منزلِ آخر کو جب امام حسینؑ تاریک رات میں طے کر رہے تھے۔ اُس موقع پر کہتے ہیں۔

جاتے تھے جس طرف کو شہِ آسماں وقار — تھی راہِ مستقیم اُدھر کی نہ زینہار
ٹیلے کہیں نشیب کہیں اور کہیں تھے غار — رُکتے تھے جا بجا دمِ رفتارِ راہوار

بچے بھی محملوں میں بہت بے حواس تھے
اکبرؑ نہ تھے قریب نہ عباسؑ پاس تھے

زینبؑ سے پوچھتی تھی سکینہؑ بچشمِ نم — آتا ہے وفورِ خوف سے مضطر بہت ہیں ہم
کیسی ڈراؤنی رات ہے گھبرا رہا ہے دم — کھلتا نہیں کہ رات زیادہ ہے یا کہ کم

خالق کرے شتابؔ سحر کا ظہور ہو
منزل پہ اُتریں چین سے دلکو سرور ہو

(بچی کی گھبراہٹ)

بابا کہاں ہیں اور کدھر ہیں مرے چچا — ملتا نہیں ہے قاسمؑ و اکبرؑ کا کچھ پتا
آتی نہیں ہے عونؑ و محمدؑ کی بھی صدا — لشکر کے لوگ کیوں متفرق ہیں جا بجا

کوئی بلا دے جلد شہِ مشرقین کو
دیکھا نہیں ہے دیر سے بابا حسینؑ کو

ع نشترِ غم اولاد ہے انساں کے جگر کو۔ یہ ایک مصرع اثر میں ایک مرثیہ کے برابر ہے۔ اس کے بھی چند بند لکھنا ہوں۔ مگر اس مرثیہ کے پہلے ایک رباعی مصنف مرحوم کی لکھی ہوئی ہے۔ وہ بھی لکھنا چاہتا ہوں کہ اس میں ایک جدت ہے۔ رباعی

منصف اگر ایک بھی ستمگر ہوتا — میدان میں پھر قتل نہ اکبرؑ ہوتا

اکبرؑ بھی وہ اکبرؑ کہ جسے کہتے تھے سب　　سایہ جو نہ ہوتا تو پیمبرؐ ہوتا

نشتر غم اولاد ہے انساں کے جگر کو　　پیغام اجل کا ہے یہی داغ بشر کو
اندھیر ہے چھینے جو قضا نور نظر کو　　بے نور یہ غم کرتا ہے ماں باپ کے گھر کو

یہ درد کسی تیر کے بھی زخم میں کب ہے
انساں کیلئے چوٹ کلیجے کی غضب ہے

علی اکبرؑ مرنے کو جاتے ہیں امام صابر فرماتے ہیں۔

جو مرضئ معبود ہو۔ کچھ غم نہیں زنہار　　خوشنودئ حق کا ہوں بہر حال طلبگار
سو بار رواں ہو جو مرے حلق پہ تلوار　　پھر بھی نہ کروں شکوۂ خالق میں دل افگار

اکبرؑ بھی فدا میں بھی فدا راہِ خدا میں
ثابت قدم اللہ رکھے راہِ رضا میں

جب جناب علی اکبرؑ اپنی ماں بہنوں۔ پھوپھیوں وغیرہ سے مل کر چلے ہیں اور شاہزادیوں کے رونے کا غل ہوا اس موقع پر کہتے ہیں (کہ جناب سید سجادؑ غش سے چونکے اور فضہؑ سے پوچھا یہ غل کیسا ہے اس نے کہا تمہارے بھائی علی اکبرؑ رن کو جاتے ہیں۔ تو)

بستر سے اٹھے اور گرے عابدؑ بیمار　　فضہؑ سے کہا ہاتھ کو تھام اے جگر افگار
مل آؤں میں اکبرؑ سے وہ مرنے پہ ہیں تیار　　بے حشر کے دیکھیں گے نہ پھر بھائی کا دیدار

درپیش وہ ماتم ہے کہ افلاک ہلیں گے
اسوقت کے بچھڑے ہوئے محشر میں ملیں گے

فضہؑ نے عرض ہاتھ جو بغلوں میں دیئے آہ　　عابدؑ نے کہا خذ بیدی یا اسد اللہ
اور بھائی سے ملنے کو چلے فضہؑ کے ہمراہ　　ہر گام پہ دیتے تھے صدا عابدؑ ذیجاہ

ٹھہرو کہ جگر میرا پھٹا جاتا ہے بھائی
بیمار بھی ملنے کے لئے آتا ہے بھائی

(ایک بند کے بعد کہتے ہیں)

اکبرؔ نے جو آتے ہوئے سجادؔ کو دیکھا　　قدموں پہ گرا دوڑ کے وہ بھائی کا شیدا
سجادؔ نے ملتے پہ دھرا پیار سے ہاتھ　　پھر روئے یہ باہم کہ قیامت ہوئی برپا
ان بھائیوں کے رونے سے باراں بھی خجل تھا
قابو میں نہ اکبرؔ کا نہ سجادؔ کا دل تھا

(خطاب سجادؔ کہہ رہے ہیں)

تقدیر برادر کو نہ دے داغِ برادر　　انصاف کرو زیست مری ہوگی کیونکر
دل جن سے قوی تھا وہ سفر کر گئے بھائی
کس کس کیلئے روؤں میں سب مر گئے بھائی

(تلوار کی لڑائی)

سر کاٹ کے منفر سے کبھی ہو گئی باہر　　گہہ توڑ کے سینہ کو گئی قلب کے اندر
برپا جو کیا کاٹ نے اس تیغ کی محشر　　دریا میں گرے خوف سے کم ظرف شناور
بندا اس پہ بھی ان سب کے لئے امن کی جا تھی
تلوار نہ کہئے اسے وہ سیل فنا تھی

ایک پہلوان کی لڑائی نظم کی ہے۔ جب وہ تمام وار کر چکا تو کہتے ہیں۔

اکبرؔ نے کہا وار ترے سب گئے خالی　　حسرت جو ترے دل میں بھری تھی وہ نکالی
اب دیکھ مرا زور مری ہمتِ عالی　　ہشیار چمکتی ہے مری تیغ ہلالی
بادل جو گرجتا ہے برستے نہیں دیکھا
شمشیر بکف کو کبھی کستے نہیں دیکھا

یہ کہہ کے عجب دبدبہ سے تیغ لگائی　　جو حوصلہ اس کا یہ پکارا کہ دوہائی
تدبیر کی ہر چند مگر کچھ نہ بن آئی　　سچ ہے کہ نہیں موت کے پنجے سے رہائی
اک وار میں دو ہو کے گرا خانہ زیں سے
تا عرش گیا غلغلہ تحسیں کا زمیں سے

قدیر

حکیم قدیر الدولہ کے نام سے مشہور ہیں۔ جناب مخدومی شیخ محمد جان صاحب عروج (شاگرد جناب پیر مرحوم جنہوں نے مولوی شبلی صاحب کی کتاب موازنہ کے جواب میں تردید موازنہ لکھی ہے۔ جو مطبع مشرق نور مظفر پور میں چھپ کر مثل آفتاب تاباں ہو چکی ہے۔ اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ میر قدیر صاحب منیر مرزا رئیس دہلی کے بیٹے تھے۔ اور منیر مرزا حقیقی بھائی مرزا عبد اللہ خاں کے۔ اور مرزا عبد اللہ خاں حقیقی نانا نواب سید محمد تقی خاں رئیس اعظم مظفر پور کے تھے۔ ایک دن بر سبیل تذکرہ نواب محمد تقی خاں نے کہا تھا۔ کہ جناب قدیر صاحب! آپ تو مرزا ہیں آپکے والد میرے نانا کے بھائی اور مغل تھے۔ کہ میرے نانا بھی مغل تھے حکیم قدیر الدولہ نے جواب دیا کہ آپکے نانا اور میرے والد دونوں سید تھے۔ منیر مرزا نام تھا۔ میرزا کے معنی میر زادہ کے ہیں اور میں اسکی سند رکھتا ہوں۔ مگر یہاں نہیں ہے دہلی میں ہے۔ چنانچہ بعد اس گفتگو کے مع اہل و عیال وہ دہلی گئے۔ اور وہاں رہے اور سند حاصل کی۔ جب وہاں سے مع اہل و عیال چلے تو غدر ۱۸۵۷ء ہو گیا۔ راہ میں باغیوں نے ان کو انگریزوں کا جاسوس سمجھکر گرفتار کر لیا۔ اور توپ پر باندھکر اڑانے کا قصد کیا۔ مگر جس کو اللہ رکھے اس کو کون چکھے۔ یکایک باغیوں میں خبر آئی کہ گورے آگئے۔ باغی انکو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مگر سب اسباب ان کا لے گئے۔ یہ بہزار خرابی مع زوجہ اور دونوں لڑکیوں کے (جو ساتھ تھیں) پٹنہ عظیم آباد پہنچے اور پھر مظفر پور میں پہنچکر نواب صاحب موصوف سے ملے۔ اور سب حالات بیان کئے پھر کھمباج میں پہنچکر نواب صاحب کھمباج (یا کھمبایت) کے یہاں رہے۔ وہیں ۱۲۸۴ھ میں انتقال کیا اور دفن ہوئے افسوس ع مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے۔

قدیر عربی و فارسی میں فارغ التحصیل اور فطری شاعر اور نکات ادب سے ماہر تھے۔ پھر سونے پر سہاگہ دہلی کی زبان باپ سے ورثہ میں پائی تھی طبیب حاذق بھی تھے مطب بھی کرتے تھے۔ سنا ہے کہ قبل غدر ۱۸۵۷ء (صحیح سنہ معلوم نہوا) یہ لکھنؤ میں اس ارادہ سے پہنچے تھے۔ کہ مرزا دبیر کا (جن کا اس زمانہ میں ڈنکا بج رہا تھا) مقابلہ کریں[1]۔ (مرزا صاحب کے مرثیے دیکھ چکے تھے) ایک مجلس میں اُن کو

[1] لکھنؤ پہنچنے سے پہلے قدیر مدت تک فرخ آباد میں رہے تھے۔ نیز مرحوم سے اصلاح لیتے رہے تھے (دیکھو صفحہ آیندہ)

سنا منصف مزاج آدمی تھے۔ خود ہی دل میں فیصلہ کر لیا۔ کہ میں مرزا کا مدمقابل نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب کے درِ دولت پر آکر باقاعدہ شاگرد ہوئے۔ مرزا صاحب ان کے کمال کی دل سے قدر کرتے تھے چنانچہ جناب عروج لکھتے ہیں کہ جب بعد غدر (۱۸۵۹ء یا ۱۸۵۸ء میں) پہلے پہل مرزا صاحب نے گلزار باغ پٹنہ کی مجلس پڑھی ہے تو اس مجلس میں حکیم قدیر الدولہ بھی موجود تھے۔ مرزا صاحب نے چند رباعیوں کے بعد میر قدیر کیطرف مخاطب ہو کر یہ رباعی بھی پڑھی تھی۔ رباعی

ہر طرز کی تصنیف پہ قادر ہے قدیر — معنی و بیاں سے خوب ماہر ہے قدیر
کیا اور کہوں سوائے ماشاءاللہ — نادر ہے کلام خود بھی نادر ہے قدیر

حکیم شیخ محمد حسین صاحب دہلوی مرحوم (جنکے انتقال کو ابھی دو برس ہوئے اور جو کوٹہ میں چار پانچ برس تک مطب فرماتے رہے اور پھر ڈبائی ضلع بلند شہر میں چلے گئے۔ وہیں انتقال فرمایا) مجھ سے ناقل تھے کہ قبل غدر میری موجودگی میں قدیر الدولہ مرحوم نے دہلی میں بڑے معرکے کی چند مجلسیں پڑھیں۔ اور خوب خوب علاج کئے۔ خود شاہ دہلی (بہادر شاہ) ظفر مرحوم نے بھی انکو سنکر داد و نظم دی اور اسکے ساتھ ہی حکیم قدیر الدولہ کا مقتدر خطاب عنایت فرمایا۔ دہلی کے تمام شعرائے وقت نے قدیر کو شاعر کامل مان لیا تھا اور عزت کی تھی۔ مرزا غالب مرحوم بہت قدر فرماتے تھے۔ ان کے ایک فرزند اور دو بیٹیاں عظیم آباد میں تھیں۔ مگر اب وہ سب انتقال کر گئیں ع ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔ (یہاں تک جناب عروج کا ارشاد تھا)۔

حکیم قدیر مرحوم بڑے پرگو شاعر اہلبیت تھے۔ ان کے ہزاروں سلام اور رباعیاں اور شاید ایک سو سے اوپر مرثیے تھے۔ (۱) ظلمات کے چشمے پہ سکندر کی ہے آمد (۲) ارشاد مجھے آج یہ ہے لوح و قلم سے یہ دونوں مشہور مرثیے بھی انہی کے ہیں۔ مرثیہ آفرالذکر کا یہ مصرع ؎ زیر قدم والدہ فردوس علی ہے بہت مشہور ہے جسکو مولوی شبلی صاحب نے ثقیل بتایا ہے جسکی بحث اپنے مقام پر کتاب حیات دبیر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نیر مرحوم کا نام میر روشن علی صاحب تھا یہ ایک دینی علم بزرگ تھے مرزا مرحوم کے کلام کو دل سے پسند کرتے تھے ڈپٹی کلب علی خاں نادر مرحوم جو مرزا صاحب کے کلام پر ایراد کرتے تھے یہ انہی کے کلام سے انکو قائل کر دیتے تھے صحیح معلوم نہوا کہ نیر مرحوم مرزا صاحب مغفور کے شاگرد بھی تھے یا نہ۔ بہرحال طرفدار تھے۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو نکات مندرجہ متن کے ماننے میں (کہ قدیر۔ دبیر مرحوم کے مقابلہ کو کھڑے ہو سکتے تھے) تامل ہے ۱۲ ثابت رضوی

میں ہے لطیفۂ حاضر جوابی۔ قدیر مرحوم بڑے حاضر جواب شاعر تھے۔ جب ایک مجلس میں انہوں نے یہ سلام پڑھا تھا ؎

خضرِ اسکندر اگر ہوتا رُخِ حیدر کا نور — پردۂ ظلمات بن جاتا منوّر چاندنی[1]

تو بعد مجلس ایک صاحب بولے ؎

آپ کے گھر میں تھی کب اے بندہ پرور چاندنی — میر مونس کی اُڑا لائے ہو جا کر چاندنی

قدیر نے فی البدیہ جواب دیا ؎

آپ تو اندھے ہیں آتی ہے تو ندی آنچو — شیخ ناسخ کہہ گئے ہیں سب سے بہتر چاندنی

مطلب یہ تھا کہ اوّل اوّل اس زمین میں شیخ صاحب نے غزل فرمائی۔ میر مونس مرحوم نے تو برسوں کے بعد سلام کہا ہے۔ بعض ناواقف اس لطیفہ کو مرزا صاحب سے منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ اس زمین میں مرزا صاحب کا سلام عہد ناسخ کا ہے۔ اور انکا قاعدہ یہ تھا کہ بنا سلام دو چار مجلسوں میں پڑھ کر شاگردوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ پھر خود نہیں پڑھتے تھے۔ میر مونس مرحوم کی عہد ناسخ میں شہرت تو درکنار شاید وہ شعر بھی نہ کہتے ہونگے اور بچہ ہونگے پھر یہ کب ممکن ہے کہ انکا سلام مرزا صاحب کے اس سلام پر مقدم ہوا اور مرزا صاحب سے کوئی اس طرح کہے۔ قدیر مرحوم کے بھی بہت سے مرثیے ایسے چست ہیں جنکو عوام مرزا صاحب کا کلام سمجھتے ہیں۔

زمانے کو گزرتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ حکیم قدیر مرحوم کے حالات جو ۱۹۱۲ء میں لکھے تھے وہ چھپنے نہ پائے تھے کہ اوّل اوّل کتاب مرتب نہ ہوئی تھی۔ پھر یورپ کی جہانسوز لڑائی چھڑ گئی جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک رہی کاغذ گراں تھا کتابوں کا چھپنا موقوف اب مئی ۱۹۱۹ء میں جب ان کاغذات کو پھر میں نے سنبھالا اور چھپوانے کا ارادہ کیا تو اس درمیان میں جن اصحاب و احباب کے خطوط آئے تھے انکو اکٹھا کیا تو ایک خط سید محمد عباس ابن سید محمد علی قدیر مرحوم کا ملا۔ اس خط میں تاریخ تحریر تو تحریر نہیں ہے مگر لفافہ پر ڈاک خانہ کی مُہر میں ۱۷ مئی ۱۹۱۶ء درج ہے۔ اس خط کا خلاصہ لکھدوں۔

بُندہ بتقریب تعزیت جناب نواب سید محمد ولی عرف نواب جان صاحب مرحوم شمس آباد گیا۔ وہاں

---

[1] یہ پورا سلام قدیر کا دفترِ ماتم کی ستروہیں جلد میں صفحہ ۲۳۰ پر ہے جو صاحب دیکھنا چاہیں دیکھ سکتے ہیں اس موقع پر یہ خیال رہے کہ پورا سلام نہیں لکھا۔ اور اسی جلد میں صفحہ ۲۴۱ سے قدیر مرحوم کا سلام شروع ہوا ہے ۱۲ ثابت رضوی

آپکی عالی ہمتی و اولوالعزمی کی کیفیت سنکر اشتیاق قدمبوسی پیدا ہوا ..... عزیزی نواب سید قاسم عباس کی وساطت سے جلد اول حیات دبیر میں نے از اول تا آخر دیکھی۔ بہت لطف اٹھایا۔ آپکی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ آپکا قصد کچھ حالات شاگردان میرزا صاحب مرحوم طبع فرمانے کا بھی ہے۔ اس حقیر کے والد قدیر الدولہ سید محمد علی قدیر مغفور ابن میر کلب علی خاں مرحوم بھی شاگردان خاص میرزا صاحب مغفور سے تھے۔ مگر چونکہ ایام غدر میں والد مرحوم بالزام بغاوت کچھ عرصہ تک ہندوستان میں جا بجا چھپتے پھرے بعدہٗ کربلائے معلّٰے تشریف لے گئے اور جب عرصہ کے بعد واپس ہندوستان میں آئے تو چند روز شہر بمبئی میں قیام فرما کر سب متعلقین کو بمبئی چھوڑ کر راجہ صاحب بڑودہ سے ملنے کو بڑودہ تشریف لیگئے تھے۔ چار دن کے اندر ان مرحوم کے انتقال کی خبر بمبئی میں پہنچی اس زمانہ میں حقیر کا سن پانچ سال سے زیادہ اور سات سال سے کم تھا۔ مگر وہ واقعہ مجھ کو یاد ہے وہاں سے والدہ مرحومہ پٹنہ عظیم آباد تشریف لائیں اور نواب امیر صاحب داماد نواب سید ولایت علی خاں مرحوم رئیس اعظم عظیم آباد کے یہاں (جو والد مرحوم کو ماموں کہتے تھے) اور اصل وطن انکا شہر مظفر پور تھا مقیم ہوئیں پھر تقریباً ایک سال کے بعد کل اسباب عظیم آباد چھوڑ کر والدہ مرحومہ مع اس حقیر کے اپنے میکے میں تشریف لائیں مگر یہاں شہر دہلی میں انہوں نے بھی انتقال فرمایا۔ میں یہیں رہ گیا جبتک صغیر السن رہا تو اکثر اشخاص معمر واقف حال دکھائی دیتے تھے۔ جب سن شعور حاصل ہوا تو ان میں سے کوئی نہ باقی رہا جس سے کچھ حالات دریافت کرتا نوشت و خواند کی بے ترتیبی سے سوا اردو لکھ پڑھ لینے کے کوئی کمال حاصل نہ ہوا۔ مدعا اس قدر سمع خراشی سے یہ ہے کہ میرے پاس نہ تو کُل کلام والد مرحوم کا ہے نہ ان کے پورے پورے واقعات معلوم ہیں صرف یہ دو تین مرثیے موجود ہیں۔ (۱) جب دشتِ مصیبت میں شہ بحر و بر آئے (۲) فرمانروائے کشورِ ارض و سما ہے کون (۳) کرّار مثلِ حیدرِ کرّار کون ہے (۴) ارشاد مجھے آج یہ ہے لوح و قلم سے میری والدہ کا عقد والدِ مرحوم سے دوسرا تھا۔ وہ بھی ایام غدر میں میری نانی صاحبہ نے مناسب وقت سمجھکر کر دیا تھا ورنہ اس خاندان میں عقد ثانی کا رواج اس زمانے میں نہ تھا بلکہ نواب حامد علی خاں مرحوم جو میری والدہ کے حقیقی ماموں تھے تا مرگ اپنی بہن سے اس عقد کی وجہ سے ناخوش رہے مگر چونکہ اب رواج عقد ثانی پھیلتا جاتا ہے۔ اس لئے ابتدا کی سی کدورت کسی کو نہیں رہی ہے تاہم والدہ مرحومہ کی جائداد میں سے مجھکو کچھ نہیں ملا۔ میری گذر ملازمت ہائے مختلفہ سے ہوتی رہی اور ہوتی ہے والدہ مرحومہ

کی اولاد سابق کی اولاد کے شامل میری سکونت وغیرہ ہے۔ میرے انہی ہمشیرزادوں کا یہ موضع ہے اسی میں مینے کچھ سلسلۂ کاشت جاری کر رکھا ہے۔ اور انکی جانب سے مختار عام بھی ہوں اب بفضلہٖ میری پانچ اولاد ہیں۔ دو دختر تین فرزند۔ میری زوجہ میرے حقیقی ماموں نواب سید اسد علیخاں متین مرحوم مصنف نوحہ جات کی پوتی تھیں تین سال ہوئے قضا کر گئیں۔ میری عمر قریب پچاس سال کے ہے۔

احقر الناس سید محمد عباس ولد سید محمد علی قدیر الدولہ
موضع بجھیڑی۔ ڈاک خانہ ڈولہ۔ ضلع میرٹھ

عظیم

حکیم حاجی فقیر حسین صاحب رئیس حسین گنج ضلع سارن

ان مرحوم کے حالات اصلاح کے پرچہ ماہ جمادی الثانی و رجب ۱۳۱۶ھ میں چھپے ہیں۔ مولوی فاضل سید علی حیدر صاحب ایڈیٹر اصلاح دام فضلہ نے نبیرۂ عظیم مغفور جناب عباس حسین صاحب سے لئے ہیں اور منشی عنایت حسین صاحب نے تمام حالات مشرح و مفصل عظیم مرحوم کی قلمی تحریرات اور اپنی ذاتی واقفیت سے لکھے ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ خوب لکھے ہیں۔ اور یہ پرچے حقیر مؤلف کے پاس حیات دبیر کی ترتیب کے وقت مدیر اصلاح دام عزہ نے بالاقیمت بھیجکر مرہون احسان فرمایا ہے۔ میں اپنے فاضل دوست کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور شکریہ کے بعد بطور انتخاب ضروری حالات لکھتا ہوں کہ طول نہ ہو ورنہ ایڈیٹر اصلاح اور منشی عنایت حسین صاحب کا ایک ایک لفظ موتیوں میں تولنے کے قابل ہے اور مختصر کرنے میں وہ لطف باقی نہ رہیگا۔ مدیر اصلاح نے خود جو رائے عظیم مرحوم کی نسبت تحریر فرمائی ہے وہ بھی اخیر میں لکھوں گا تاکہ اس زمانہ کے آدمیوں کو اخلاق عظیم کی ترغیب و تحریص ہو۔

ولادت و تعلیم ۱۵ جمادی الاخری ۱۲۴۳ھ میں آپکی ولادت آپکی ننھیال قصبہ کھجوہ ضلع سارن میں ہوئی فقیر حسین نام رکھا گیا۔ (عظیم الدین حسین تاریخی نام ہے) سلسلہ آبائی انکا حاجی شیخ فتح اللہ مرحوم تک پہنچتا ہے جو ایرانی تھے سات حج کر چکے تھے۔ پھر ہندوستان میں آکر حاجی پور میں بسے۔ حاجی پور مظفر پور کا ایک آباد ڈویژن ہے عجب نہیں کہ حاجی پور کی نسبت حاجی فتح اللہ کیطرف صحیح ہو پھر حاجی فتح اللہ کی نسل عشری ضلع سارن میں بسی اور وہاں شہنشاہ دہلی کے ایک جنرل

منصور علی خاں نامی کی فوج سے ایک ذراسی بات پر (کہ فوج والوں نے گھاس چھیلنے پر انکے ایک غلام کو مارا پیٹا تھا) سب خاندان کے ممبر لڑکر سیکڑوں کو مارکر۔ بہادری کی موت مرگئے۔ صرف ایک شیخ چھیدو بچا۔ سلسلۂ نسب جناب عظیم مرحوم کا حسب ذیل ہے۔

حاجی حکیم فقیر حسین بن حکیم تفضل حسین ابن احمد حسین ابن شیخ چھیدو بن دوست محمد بن قاضی فقیر محمد بن درویش محمد ابن شیخ ابولیث ابن حاجی فتح اللہ ابن شیخ ابوہریرہ۔

شیخ چھیدو کے بعد ان کے تین فرزند احمد حسین۔ درویش علی۔ سلامت علی نے کھرسنڈہ میں قیام کیا۔ ہیں حکیم تفضل حسین (مرحوم) پیدا ہوئے۔

دیوان سید ناصر علی مرحوم (جن کا امام باڑہ و مسجد لکھنؤ میں موجود و آباد ہے) جب برٹش گورنمنٹ کے معزز عہدہ میر منشی وغیرہ پر ممتاز ہوئے (جنہوں نے بندیل کھنڈ کی کئی بڑی بڑی خود مختار ریاستوں کو احسان کرکے انکی ریاستیں (منتزعہ) دلوائیں) تو اپنے بہنوئی منشی درویش علی کو باندے میں بلوا کر ایک اچھے عہدہ پر مقرر کرا دیا۔ جو دولت وہ حاصل کرتے تھے۔ اپنے بڑے بھائی شیخ احمد حسین (جد حقیقی جناب عظیم) کے پاس بھیج دیتے تھے جسکو وہ اپنے املاک و محاصل کی ترقی میں صرف کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس بااقبال خاندان کا ستارہ اپنے تمام ہمسایہ اقبال مند رقیبوں کے ستارے سے کہیں زیادہ چمکنے لگا۔

عظیم مرحوم کا مادری شجرہ طیبہ سادات نقویہ کے ان نونہالوں سے شاداب و سرسبز ہے جسکی ایک پھلی پھولی شاخ میں خاندانِ اجتہاد لکھنؤ کے مقدس علما ہیں۔

حکیم تفضل حسین مرحوم جب تیسری بار سفر لکھنؤ سے واپس آئے تو انکی تعلیم کیطرف توجہ فرمائی (حکیم تفضل حسین کی ۱۲۱۷ھ کی پیدائش تھی) لکھنؤ میں باقاعدہ علم طب تمام و کمال پڑھا تھا۔ دکن اور

---

[1] دیوان سید ناصر علی مرحوم عظیم مغفور کی مادر گرامی کے حقیقی ماموں تھے۔ جو ۱۲۱۷ھ میں پیدا ہوئے اور بیاسی برس کی عمر میں شوال ۱۲۹۶ھ ہجری میں انتقال فرما گئے۔ انکی ہمت و مردت و سخاوت و حسن اخلاق کے کارنامے مرزا بانکے فصیح مرحوم نے لکھے ہیں۔ اور ان سے مولوی عبدالوہاب صاحب مرحوم نے اپنی تاریخ کو مزین کیا ہے مدینہ منورہ میں سادات نجار حسینی کی یہاں سرائے انہوں نے بنوائی۔ محرم میں مجالس عزا اسی میں ہوتی ہیں۔ اور مکہ معظمہ میں روضہ جناب ابوطالب درست کرایا۔ سچ کہا ہے ع مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا ۱۲ ثابت

پچھم کے ملکوں کی بارہ برس تک سیر کی تھی۔ جراحی و دستکاری وصناعی وخوش نویسی میں بھی کمال حاصل تھا۔ عمل جراحی بھی طبابت کیساتھ اپنے ہاتھ سے کرتے تھے اور خود آلاتِ جراحی بمقابلہ ولایت بناتے تھے۔ بہت سے نشتر اور چھریاں انکی بنائی ہوئی اب تک موجود ہیں۔ اسی طرح گھڑی سازی آہنگری۔ جلد بندی وغیرہ کے اوزار بھی انکے یادگار اب تک برقرار ہیں)

عظیم مرحوم نے سید محمد حسین صاحب ابراہیم آبادی[۵۱] سے (جو معقول ومنقول میں بحر ذخار تھے اور جن کے لائق وفاضل فرزند مولوی سید علی حسین صاحب قبلہ عظیم آباد میں ہیں) علوم درسیہ تمام وکمال حاصل کئے اور طب اپنے والدِ ماجد سے پڑھی۔ سولہ برس کے سن میں علوم متداولہ سے فارغ ہوگئے مگر طب میں تجربہ درکار ہے! ابھی آپ کامل طبیب نہ ہوئے تھے۔ کہ ۱۲۶۴ھ میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ یہ دوراندیش اپنے خاندانی امارت کے لہلہاتے ہوئے باغ پر لات مار کر تکمیل طب کے لئے دارالعلوم لکھنؤ کو چل دیئے۔ وہاں فخر جالینوس جناب حکیم شیخ محمد علی عرف حکیم بنّا مرحوم کی شاگردی ومطب میں سات برس رہ کر ۱۲۷۱ھ میں وطن کو حکیم حاذق بنکر پھرے۔ حکمت کے ساتھ ہی مدّاحی اہلبیت کا بھی دل میں شوق تھا۔ موزوں طبع بھی تھے۔ جناب مرزا دبیر مرحوم سے شرف تلمذ حاصل کیا مگر خیالی بتوں اور مجازی معشوقوں اور اہلِ دنیا کی جھوٹی تعریفوں سے اپنے دامنِ شاعری کو بچائے رکھا۔

مرثیہ میں بھی واقعات تاریخی کا بہت بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ باایں ہمہ انکی شاعری کا یورپ میں ڈنکہ بج گیا دوسو کے قریب مرثیے اور سیکڑوں سلام اور رباعیاں کہیں۔ جو ہندوستان میں جابجا مجالس عزا میں پڑھی جاتی ہیں انکے مرثیوں میں انکے استاد حضرت دبیر کی بندش کی ایسی مشابہت ہے کہ بعض انکے مرثیے مرزا صاحب کے نام سے عوام میں مشہور ہیں۔

۱۲۸۷ھ میں سفرِ عراق کیا۔ وہ سفر ایسا مبارک ہوا کہ ان بستیوں کے سادات ومومنین پھر سب جانے لگے۔ اس سے پہلے ان اطراف کے لوگ ذرا ہچکچاتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ کربلا کا سفر جنت کا سفر ہے پھر آنا نہ ہوگا حالانکہ یہ ایسی جنت ہے جہاں سے آدمی پھر کے بھی آجاتا ہے۔ پھر ۱۲۹۰ھ میں دوبارہ گئے اور اب انکے ہمراہ ایک پورا قافلہ حسین گنج وکھجوہ سے مع رئیس اعظم منشی جواد حسین صاحب کے گیا۔ بمبئی میں پرنس جنگی شاہ فرزند پسر آغا خاں کا ایک معرکے کا علاج کیا اور بعد صحت مریض جہاز پر

---

[۵۱] یہ ابراہیم آباد ضلع لکھنؤ میں بتایا جاتا ہے ۱۲ مؤلف حقیر۔

روانہ ہوئے۔

تیسرا سفر حج بیت اللہ و زیارت مدینہ منورہ کا ۱۲۹۶ھ و ۱۲۹۷ھ میں کیا۔ ان سفروں کے علاوہ ہندستان کی سیاحی کی۔ مشہد مقدس کی زیارت کیلئے اکثر بے چین رہے۔ مگر افسوس کہ یہ حسرت قبر میں ساتھ لیگئے بمبئی میں پرنس علی شاہ مفلوج کا (جو ولیعہد آغا خاں مرحوم کے سگے تھے) اسوقت علاج کیا جب تمام ڈاکٹر اور طبیب انکو جواب دے چکے تھے۔ ایک ہفتہ میں وہ ایسے تندرست ہوگئے کہ بندوق ہاتھ سے اٹھالی اور تیسرے ہفتہ میں انہوں نے بندوق چلائی اور شکار کھیلا۔

حکایتِ واقعی

خود مرحوم فرماتے تھے کہ زمانۂ قیام لکھنؤ میں ایک سال تپ لرزہ کی شدت ہوئی۔ حسب معمول میں مرزا دبیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسوقت کونین کے فضائل بیان ہو رہے تھے۔ مرزا صاحب نے میرے چھیڑنے کے لئے مزاحاً فرمایا "حضرت (حضرت) کوئی یونانی دوا۔ آپکی ایسی سریع التاثیر نہیں جو حکماً اسی طرح لرزہ روک دے"۔ میں نے کہا کیوں نہیں۔ مگر قبلہ انصاف شرط ہے۔ مرحوم نے فرمایا "اگر ہو گی تو قرابادین میں۔ پھر اس سے خلائق کو کیا نفع پہنچ سکتا ہے"۔ میں نے عرض کیا "جی نہیں"۔ "اس دوا کی جگہ کالوں کا دماغ ہے۔ لیکن اگر ارشاد ہو تو تجربہ کرا دوں فرمایا "اگر کوئی ایسی سریع التاثیر دوا آپ بتا دیں تو شیرینی حاضر کروں"۔ دوسرے دن میں دوا لیکر حاضر ہوا مرزا صاحب کے کاتب مرزا محمد حسین کو بھی لرزہ آتا تھا۔ قبل از وقت اُنہی پر تجربہ کیا گیا۔ لرزہ نہ آیا پھر تو مرزا صاحب مرحوم نے وہ دوا اپنے ہم جاروں کو دے دیکر خوب ہی تجربہ کیا۔ اس دوا کی بڑی شہرت ہوئی۔

ان کے چار فرزند (۱) مولوی حکیم وزیر حسین (۲) حکیم خادم حسین (۳) حکیم خورشید حسین کلیم (۴) منشی نظیر حسین تھے۔ حکیم خادم حسین نے انکی زندگی ہی میں طب میں کمال حاصل کر لیا۔ اور زندگی ہی میں داغِ جدائی دیکر چالیس برس کی عمر میں ۱۳۱۲ھ میں چل بسے۔ ضعیف باپ نے تاریخ وفات کہی ؎

زالطافِ نبیؐ قصرِ ارم یافت۔ پھر چھ مہینے بعد کلیم کا بھی انتقال ہوا۔ تو تاریخ کہی ؎

دنیا سیہ از زوالِ خورشید۔

اپنے دو لائق فرزندوں کے بعد جناب عظیم نے بھی شب نہم ربیع الثانی ۱۳۱۶ھ کو انتقال فرمایا[۱]۔ منشی

[۱] افسوس کہ اب عظیم مرحوم کے فرزندوں میں سے کوئی صاحب نہ رہے۔ مولوی وزیر حسین صاحب کا (دیکھو صفحہ آیندہ)

عنایت حسین صاحب نے تاریخ کہی ؎

رضواں ندائے غیب بداد از سرِ ادب — تعدیل دل نمود بآب و ہوائے خلد

۱۳۱۶ھ

عظیم مرحوم عالم۔ طبیب۔ حاجی۔ زائر۔ ذاکر۔ شاعر۔ مداح اہلبیتؑ۔ سیر چشم۔ مہماں نواز۔ پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ فقیروں کی مجالسِ عزا میں سب سے پہلے پہنچتے۔ اور امیر ہو کر غریبوں سے جھک کر ملتے تھے اور جو شخص ان سے اسند عا کرتا اسکی مجلسِ عزا میں پڑھتے تھے۔ بندگانِ خدا کے ہمیشہ کام آتے تھے ایک یہ واقعہ ان کا اصلاح میں ایسا درج ہے جس سے ابنائے زمانہ کو سبق لینا چاہئے۔ کہ بعد حج بمبئی میں ان کا مطب خوب رونق پر تھا۔ ہزاروں روپیہ کی آمدنی تھی۔ مگر جب یہ خبر پہنچی کہ میرا غریب ماموں زاد بھتیجہ بیمار ہو کر میرے مکان پر علاج کے واسطے آیا ہوا ہے۔ ساری مرجعیت اور نفع کثیر کو خیرباد کہہ کر سیدھے حسین گنج آئے اور اس کا علاج کیا۔ ع یہ ہے ایثارِ نفس اسے ثابت۔

قدرت نے عظیم مرحوم میں بہت سی خوبیاں ایسی جمع کی تھیں جو انکے استاد دبیر مغفور میں تھیں۔ مثلاً (۱) سخاوت و ایثار و مہماں نوازی (۲) بلند آواز اور پھر آواز میں ایسی کھنک تھی کہ بین پڑھتے وقت تمام مجلس بیتاب ہو جاتی تھی (۳) مرثیہ کا چہرہ نہایت شاندار اور اکثر اخلاقی مضامین سے مزین ہوتا تھا (۴) خوشنویس۔ خصوصاً خطِ تبریز ایسا پاکیزہ لکھتے تھے۔ کہ ولایتی قلم سے سرِ مو فرق نہ ہوتا تھا چنانچہ ایک کلام مجید مطلاّ ایک حمائل ایک زاد المعاد اور ایک صحیفۂ کاملہ اور دعاؤں کی کتابیں انکی یادگار قلمی ہیں (۵) فارسی خصوصاً دری کی نظم و نثر (۶) تہتر برس کی عمر پائی جو قریب قریب مرزا صاحب کی عمر تھی (۷) فطرۃً ظریف تھے مگر کبھی اپنی زبان ہجو و ذم مومن سے آلودہ نہیں کی (۸) عابد و زاہد شب زندہ دار (۹) کلام دبیر مرحوم سے عظیم مغفور کا مرثیہ اس قدر مشابہ ہوتا ہے کہ انکے بعض مرثیوں کو لوگ میر زا صاحب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سال وفات معلوم نہیں مگر منشی نذیر حسین صاحب نے ماہ جمادی الآخر یا رجب ۱۳۳۰ھ میں انتقال فرمایا میں ان سے لکھنؤ میں ملا تھا۔ بہت لائق تھے اللّٰھم اغفرہٗ۔ ان منشی نذیر حسین صاحب مرحوم کے فرزند ۱۳۳۱ھ میں جب مجھ سے ملے تھے۔ وہ شاید مدرسۂ ناظمیہ لکھنؤ میں پڑھتے تھے۔ اب امید ہے کہ فارغ التحصیل ہو گئے ہونگے اگر وہ کلام عظیم مرحوم سے دو تین جلدیں ہی چھپوا دیں۔ تو ملک کو فائدہ عظیم پہنچے۔ عظیم کے مرثیوں میں سچے واقعات کثرت سے نظم ہیں۔ ایسے مرثیوں کی ملک کو اسوقت سخت ضرورت ہے ۱۲ فقیر ثابت

کا مرثیہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ یہ مرثیہ ؎ گلگونۂ رخسارِ فلک گرد ہے رن کی۔ میرزا صاحب مرحوم کا مرثیہ مشہور ہے اور ایک مدت تک میں بھی ایسا ہی سمجھتا رہا۔

جناب عظیم مرحوم اپنے استاد حضرت دبیر پر ہمیشہ فخر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک سلام کے مقطع میں فرماتے ہیں ؎

شعر گوئی میں عظیم اُستاد ہے تیرا دبیر　　کیوں نہ پھر مشہور ہو خوبی ترے اشعار کی

مرزا صاحب کو بھی ان سے دلی محبت تھی اور وہ انکی شاگردی پر گویا فخر کرتے تھے۔ ان کا یہ مشہور مرثیہ (جس جنس کی ہے موت خریدار وہ کیا ہے) بھی مرزا صاحب نے خود یہ کہکر مجلس لکھنؤ میں پڑھا تھا کہ یہ جناب عظیم سلمہ کا مرثیہ ہے۔ اور بعد غدر ۱۸۵۷ء مرزا صاحب ہر سال چہلم میں انکے مکان پر ایک مجلس پڑھتے تھے۔ انہوں نے مرزا صاحب مرحوم کی تاریخ بے نقط و با نقطہ کہی تھی۔ بے نقط تاریخ کا شعر یہ ہے ؎

درمعطل کرد سالِ مرگ او املا عظیم　　مالکِ دارارم کردہ عطا دارارم

مرزا صاحب مرحوم کے بعد جناب آوج مغفور بھی ایک مدت تک حسین گنج کی یہ مجلس اربعین ۱۲ ۹۲ھ پڑھتے رہے چنانچہ منشی عنایت حسین صاحب لکھتے ہیں کہ اسی حق سے آجتک (کہ ۱۳۱۶ھ ہیں) انکے خلف الرشید فصیح زمانہ میرزا محمد جعفر صاحب آوج بھی رونق افروز ہوتے ہیں۔ اور اپنی عنایتوں کا اہل حسین گنج کو ممنون کرتے ہیں۔

اڈیٹر اصلاح نے خود جو رائے پرچہ اصلاح جمادی الآخر ۱۳۱۶ھ میں لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے "جناب مولوی حکیم فقیر حسین صاحب مرحوم نے اپنی زندگانی سے ہر شخص کو بتلا دیا ہے کہ دنیا و دین اچھی طرح جمع کر سکتے ہیں۔ اور استقلال و ثبات قدمی سے ہر آنے والی مصیبت کو ٹال سکتے ہیں دنیاوی اقتدار میں کیا یہ باتیں قابلِ قدر نہیں ہیں کہ اپنی تھوڑی بضاعت پر ہمیشہ سیر چشمی سے کام لیا مہمان نوازی۔ مسافر پروری میں عرب و عجم تک نام کیا۔ کبھی تنہا نہ کھایا جبتک دو چار دس بیس آدمی دسترخوان پر نہ ہوئے۔ کیونکہ اسی انتظار میں ہمیشہ دن کو ایک بجے کھانا تناول کرتے تھے کہ شاید کوئی مہمان آجائے۔ زیارت عتبات عالیات میں بہتوں کو اپنے خرچ سے زیارت کرائی اور اس سنت کے اپنے اطراف میں بانی ہوئے۔ اپنی عقل و فہم و ذہانت سے سب کو اپنا مطیع و منقاد بنایا۔ علوم درسیہ کے علاوہ فنِ طبابت و شاعری کی ایسی تکمیل کی کہ سرآمدِ اطبا گنے گئے۔ علم کلام و

فن مناظرہ کا ایسا مذاق تھا کہ زمانۂ مرض میں بھی کبھی یہ کتابیں ہاتھ سے علیحدہ نہ ہوئیں۔ کمالِ فنِ طبابت پر اپنے قرب وجوار میں کسی سے ایک جبّہ لینا روا نہ رکھا۔ ہمیشہ دوست واحباب کی علےٰ قدر مراتب خدمت کرتے رہے۔ اور اپنے اخلاقِ عظیمہ سے دوست و دشمن کو اپنا شیدائی بنایا۔ اسکے ساتھ تحصیل معاش میں ہمیشہ کوشاں رہے۔ نیل کی متعدد کوٹھیاں قائم کیں۔ اور ایک مدت تک اسکو ترقی دیتے رہے مگر زمانے کی رفتار یکساں نہیں رہتی ہے۔ جو انکی یکساں گزرتی۔ اب دینی عزت و وجاہت کو ملاحظہ کیجئے اس پیرانہ سالی پر جس میں بہت سے احکامِ شرعی معاف ہوجاتے ہیں۔ انکی نماز و روزہ کی پابندی اس درجہ پر رہی کہ جوان بھی اسکے مقابل میں ہمت ہار جائیں۔ جاڑے۔ برسات گرمی میں دو بجے شب کا بیدار ہونا شاید بیماری کے زمانہ میں چھوٹا ہو تو چھوٹا ہو۔ ورنہ تا بحدِ علم میرے ہمیشہ نوافلِ شب نماز تہجد تلاوتِ قرآن واوعیہ میں تا طلوع آفتاب مشغول رہتے۔ اسکے بعد مرثیہ کہنا اور للہ فی اللہ فیضوں کا علاج کرنا مرتے دم تک نہ چھوٹا جسمیں یہ امر سب سے زیادہ قابلِ قدر ہے کہ مرثیہ گوئی کیلئے خاص اصول قائم کئے۔ حدیث کی پابندی اور حدِ ترجمہ سے تجاوز نہ کرنے کے یہ موجد ہیں[۵] اسپر سلاست و انتظام کلام ایسا تھا کہ اپنے استاد مرحوم پر فوق لے گئے جس سے انکا تخلص عظیم فی الواقع اسم با مسمّٰی ہے ولائے اہلبیت اطہار کا ایک خاص جوش تھا۔ کہ اس بستی کے عشرۂ محرم کی ساری رونق انہی کے دم سے وابستہ تھی۔ دس بارہ مجلسوں میں پابندی وقت سب سے پہلے پہنچنا اور دو زانو نا اختتام مجلس بیٹھا رہنا گریہ و بکا کرنا۔ غربا۔ فقیروں کی مجلسوں میں بایں ریاست و امارت شرکت کرنا اور انکے ساتھ رہنا انکو ترغیب و تحریص دلانا۔ انکی مجلسوں میں خود پڑھنا ایسی باتیں ہیں کہ ہمیشہ اس مرحوم کو یاد دلائینگی۔ یہی باتیں ہیں جو ہماری قوم سے مفقود ہیں۔ اور اس مرحوم کی وفات نے ان کُل امور کا خاتمہ کردیا خداوند عالم ان کے مراتب کو عالی کرے اور باقیماندوں کو انکی پیروی کی ہدایت کرے۔ اس مرحوم کی دو نواسیوں جناب

[۵] حدیث کی پابندی اور حد ترجمہ سے تجاوز نہ کرنے کے موجد ان کے استاد زادے اور استاد میرزا محمد جعفر صاحب اوج مغفور ہیں۔ مرزا دبیر مرحوم کے زمانے کے جوان کے مرثیے ہیں انمیں اس درجہ کی پابندی نہیں ہے میرزا اوج مغفور نے پہلے پہل اسکی پابندی فرمائی۔ انہی کے قدم بقدم یہ مرحوم چلے اور خوش عقیدتی کا یہ عالم تھا کہ مرزا اوج مغفور سے بعد دبیر مرحوم کے اصلاح لی۔ ہرچند وہ جناب شروع میں انکار فرماتے رہے مگر جب اصرار انکا حد سے گزر گیا تو میرزا صاحب موصوف نے دو تین مرثیوں پر اصلاح دی اور یہ شیوہ تمام تلامذۂ مرزا دبیر مغفور کا بعد انتقال مرزا دبیر صاحب کفاہ اللہ ثابت رضوی

مولوی وزیر حسن صاحب منشی نظیر حسن صاحب سلمہا اللہ کہ اکبر و اصغر اولاد ہیں قوم میں انہی آنکھوں سے دیکھے جاتے ہیں جن آنکھوں سے وہ مرحوم دیکھے جاتے تھے خدا کرے یہ لوگ بھی اپنی قوم کو اسی نظر سے دیکھیں جس نظر سے وہ مرحوم نگراں حال رہتے تھے۔

اب میں انکے کلام میں سے چند اشعار اور چند بند ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں اور اس جلد میں تین مرثیے سالم لکھدیئے ہیں جن کے حسب ذیل مطلعے ہیں۔

(۱) روشن فلکِ شمس پہ تصویر علیؑ ہے۔ (۲) گلگونۂ رخسارِ فلک گرد ہے رن کی۔

(۳) آفاق کو اے فوجِ سخن زیر و زبر کر۔

مرثیۂ اوّل الذکر آپ کو جلد میں نمبر ۳ پر اور باقی دونوں مرثیے جلد دوم دربار حسینؑ میں ملیں گے۔

نمونۂ کلام عظیم مرحوم

چشمِ تر یہ اشک برساتی رہی — آبرو برسات کی جاتی رہی
حُر کو فوجِ شام بہکاتی رہی — حُبِّ حیدرؑ راہ دکھلاتی رہی
ان کے بچپن کا جو تھا زینبؑ کو خوف — رات بھر بیٹوں کو سمجھاتی رہی
لے گیا سر کاٹ کر ابن نمیر — زُلفِ اکبرؑ رُخ پہ بل کھاتی رہی

چھُٹ گئے خارِ تعلق سے عظیم
حرص گو دامن کو پھیلاتی رہی

ان کا ایک مشہور مرثیہ ہے جسکا مطلع یہ ہے ؎ رن کو رواں ہے سیفِ خدا آج خیر ہو۔ اسکے چند بند لکھتا ہوں۔ دیکھئے بالکل دبیر کا رنگ خاص و منسل ہے یا نہیں۔

حاضر ہیں ہر قدم پہ نچھاور کو چار سو — گلشن سے نخل نخل سے گل۔ گل سے رنگ و بو
قالب سے سینہ۔ سینہ سے دل۔ دل سے آرزو — دریا سے موج۔ موج سے دُر۔ دُر سے آبرو

الماس زہر کھاتا ہے حسن و جمال پر

لہ یہ شعر لاجواب ہے۔ سہل ممتنع اسی نظم کو کہتے ہیں۔ جو شاعر عمر بھر میں ایسے چار پانچ شعر کہہ لے اسکو قدرتی شاعر سمجھئے۔ سبحان اللہ کیا تخیل ہے۔ کیا سلاست و فصاحت ہے ۱۲ مؤلف حقیر۔

مرجان جان دیتا ہے زہرا کے لال پر

حضرت عباسؑ کی مدح میں کہتے ہیں ؎

جرات پناہ ہیں یہ شجاعت پناہ ہیں　　حسن وفا پہ مشک علم دو گواہ ہیں

(رجز میں)

جس دبدبے نے خلق کو بے موت مارا ہے　　ہم بندۂ خدا ہیں وہ بندہ ہمارا ہے

دوسرے مشہور مرثیہ کا مطلع یہ ہے ؎ رن میں ورود جعفر ثانی کا شور ہے۔ اس مرثیہ میں تاریخی واقعہ نظم کیا ہے کہ جناب عباسؑ نے پشت خیمہ گاہ پر ایک کنواں کھودا پانی نکلا سکینہؑ کو زہ لیکر آئیں ؎

تب گود میں ادب سے لیا شاہزادی کو　　اور کوزہ بھر کے نذر کیا شاہزادی کو

اب دیکھئے اہلبیت رسول اللہ کے بچوں کی خوش اخلاقی اور ایثار کی تصویر کیسے موثر الفاظ میں (عظیم مرحوم) کھینچتے ہیں ؎

فرمایا نوش کیجئے! بولی۔ ابھی نہیں　　منصف ہوں آپ کنبے میں پیاسے ہیں کیا نہیں

یاں جس گھڑی سے آئے ہیں پیاسے ہیں شاہ دیں　　ہے دودھ پیتے بھائی کا تو وقت واپسیں

ایک ایک قطرہ لونڈیوں کو بھی پلائیں گے
سب کو پلا کے منہ سے یہ ساغر لگائیں گے

(تصویر واقعہ)

خوش خوش چلی وہ کوزہ لئے جانب حرم　　اور نیزے تان تان کے لپکے جفا شیم

خیمے کو دوڑی سہمکے بنت شہ امم　　دیکھا قفا کو موڑ کے اور آگے دھرا قدم

برسوں کی راہ خیمۂ شبیر ہو گیا
اعدا کا خوف پاؤں کی زنجیر ہو گیا

(مجبوری کا مرقع)

خیمہ تھا دو قدم پہ مگر جا نہ سکتی تھی　　آواز ڈر سے بند تھی چلا نہ سکتی تھی

اکھڑی تھی سانس ایسی کہ ٹھیرا نہ سکتی تھی　　نامحرموں کی شرم سے ماں آ نہ سکتی تھی

اک ہاتھ میں ہتیلی پہ کوزہ بھرا ہوا

اور ایک ہاتھ کوزے کے اوپر دھرا ہوا

میں کیا کہوں جو راہ میں گزرے غم و تعب — پہنچی مگر خیامِ حرم کے قریب جب
اُلجھا قدم طناب میں خیمے کی ہے غضب — کوزہ گرا اِدھر کو اُدھر کو وہ تشنہ لب

صدمے سے آگیا عرق اسکی جبین پر
کوزہ بھی پھوٹ پھوٹ کے رویا زمین پر

ہے ہے گری جو دخترِ سلطانِ کربلا — ٹوٹا وہ کوزہ پانی بھی سب خاک پر گرا
چلّائی یوں وہ خیمہ کو گردن پھرا پھرا — یَا عَمَّتَاہُ زَیْنَبَ حَالِی اَمَا تَرٰی[1]

اسوقت گردشِ فلکِ پیر دیکھئے
زینبؑ پھپھی بھتیجی کی تقدیر دیکھئے

پھر دو بندوں کے بعد لکھتے ہیں ؎

آغوش میں لیا اُسے بانو نے دوڑکر — اور پاؤں سے طناب جدا کی بچشمِ تر
آئے دلاسے کو حرمِ سیّد البشر — ٹکڑے دکھاکے کوزے کے بولی وہ خوش سیر

مٹتے نہیں مٹائے سے صدمے نصیب کے
اماں نصیب دیکھئے اس بے نصیب کے

زینبؑ پکاریں خیر کُڑھے بی بی کی بلا — میں واری سر تصدق۔ اگر پانی بہہ گیا[2]
بابا چچا۔ تمہارے سلامت رہیں سدا — جا فضہؑ۔ پانی امکے چچا جان سے لے آ

فضہؑ پکاری صدقے ستم اب گزر گئے
پانی کہاں۔ کنواں تو عدو بند کر گئے

---

[1] اے پھپھی زینبؑ کیا میرا حال آپ نہیں دیکھتی ہیں ۱۲ مؤلف حقیر کہتا ہے کہ اس مصرع عربی کی تضمین کی شان اور اسکی بلاغت کو غور سے دیکھئے اسکو صنعت تلمیح کہتے ہیں۔ از بسکہ جناب سکینہؑ افصح العرب کی بیٹی اور پوتی ہیں اُنکی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ اصل زبان عربی میں نظم کر دیئے اور پھر بیت ثالث ایسی چسپاں فرما دی کہ جس نے مطلب کو واضح کر دیا

[2] ذرا خیال فرمایئے جس شخص کی پیدائش لکھنؤ کی نہیں۔ صرف چند سال لکھنؤ میں رہا ہو اسکی ایسی فصیح و سلیس زبان یہ خدا کی قدرت اور دبیر مرحوم کی شاگردی کی برکت نہیں تو اور کیا ہے ۱۲ ثابت

آوازِ العطش ہوئی پھر خیمے سے بلند — اُس وقت سے جلال ہے عباسؑ کا دوچند
رعشے میں ہے حمیّت و غیرت سے بند بند — کس فخر سے سکینہؑ کی سقائی کی پسند

دنیائے بے وفا سے کنارہ کئے ہوئے
نکلے ہیں گھر سے مشک سکینہؑ لئے ہوئے

جناب عباسؑ نے میدان میں جاکر سردار لشکر شام (عمر ابن سعد) کو بُلایا۔ اس سے کہتے ہیں کہ تجھے میرے آقا امام حسینؑ نے یہ پیام دیا ہے ؎

خالی ہوا عزیزوں سے گھر فاطمہؑ کا سب — باقی حرم ہیں اور کئی اطفال تشنہ لب
فاقے سے تین روز کے سب ہیں نڈھال اب — انصاف کر کہ بچوں سے اٹھتے ہیں یہ تعب؟

آنکھیں ہیں اُنکی بند نہ لب جن کے کھولے تھے
پانی وہ مانگتے ہیں جو منہ سے نہ بولے تھے

میدانِ کارزار میں سامانِ حرب و ضرب ؎

کڑکا یہ سُن کے بڑھ گئے دل پہلوانوں کے — لہرائے اس ہوا میں پھریرے نشانوں کے
سودا سمایا جنگ کا سر میں جوانوں کے — کانوں سے گوشے مل گئے کھنچکر کمانوں کے

یاں تیغ نے جو تیزیِ پری کی مصاف میں
سیمرغ تیں لڑے ہوا کوہِ قاف میں

تلوار کی ضرب کی نسبت کہتے ہیں ؎

گہ آسماں، پہ گاہ زمیں میں وہ غرق تھی — اُٹھنے میں صاف شعلہ تھی گرنے میں برق تھی
دلکش تھا بسکہ تیغ کے جوہر کا سلسلا — زنجیرۂ سقر میں اسیروں کا دل ہلا
باغوں میں یہ خزاں جو گئی طرفہ گُل کھلا — بلبل کا گُل پہ گُل میں نہ بُو کا پتہ ملا

آئی جو تبکدوں کیطرف شوقِ سیر میں
آنکھیں بتوں کی رہ گئیں پتھرا کے دیر میں

جنگل میں سبزۂ سُرخ تھا لالہ چمن میں لال — ہر سنگ تھا عقیق کیعدوت زمین میں لال
ہر ایک زرد رو کی رگیں تھیں بدن میں لال — چُپکے تھے سب زبان تھی گویا دہن میں لال[1]

[1] تین جگہ لال کے تین معنی ہو سکتے ہیں (۱) لعل کے معنی پر لال (۲) سرخ کے معنی پر (۳) گونگے کے معنی پر۔ ۱۲

عالم تمام حربہ سے اسکی دو نیم تھا
ہر طفلِ دُر صدف کے شکم میں یتیم تھا

(لفظوں میں لڑائی کی تصویر)

غُل تھا یہ خود وہ زرہ ترکماں گری — یہ ترکش و کبادہ گر او کمان گری
چھوٹا یہ گرز و تیر وہ تیغ و سناں گری — لو وہ زباں دراز و نکی کٹ کر زباں گری

لو شام کے سواروں کا وہ ڈھیر ہو گیا
گھوڑے چراغ پا ہوئے اندھیر ہو گیا

چند شعر ان کے ایک مشہور سلام کے اور لکھنا چاہتا ہوں۔ جو دفتر ماتم میں شاید نہیں چھپا ؎

دماغ اے مجرئی خاکِ شفا کی بُو سے بستے ہیں — اسی بستی میں چل بسئے جہاں زوّار بستے ہیں
نسیم صبح سے غنچے کہاں ایسے بہکتے ہیں — دہانِ زخم سے جیسے نبیؐ کے پھول ہنستے ہیں
کہاں قصرِ دلِ مومن کہاں ابوابِ جنت کے — یہ اعلا ہیں وہ ادنے ہیں یہ ہنگے ہیں وہ سستے ہیں
نہ گنج زر پہ مفتوں ہو۔ نہ اس لیلیٰ کا مجنوں ہو — یہ درہم ہیں وہ کالے ناگ جو مرنے پہ ڈستے ہیں
کلام اپنا ہے بے عیب امتحاں سے قدر بڑھتی ہے — زرِ خالص کا کیا نقصاں کسوٹی پر جو کستے ہیں
سخن سنجی پہ جو ہوں لاف زن خالی سمجھ انکو — مثل ہے جو گرجتے ہیں وہ بادل کم برستے ہیں
ثمر حبِّ علیؑ کے۔ پھول داغ ابن زہراؑ کے — جو کوئی مول لے دو جہاں دیکر نو سستے ہیں
بتا اے چرخ آبادی ہے کیسی خاک کے نیچے — کہ اس بستی کے رہنے والے واں جا جا کے بستے ہیں
نہ شیدا مثلِ بلبل ہو۔ دو رنگی دیکھ دنیا کی — کہ شبنم رو رہی ہے اس چمن میں پھول ہنستے ہیں
نجف۔ کعبہ۔ مدینہ۔ کاظمین و کربلا مشہد — خدا و پنجتن کے پاس جانے کے یہ رستے ہیں
سمندوں کو بڑھائے حیدرِ طیّار کے پوتے — ہٹا دیتے ہیں لشکر کے پرے جس صف میں دھستے ہیں
درخشانی کہوں میں نیمچوں کی یا کہ آب ان کی — اِدھر تو دھوپ نکلی ہے اُدھر کو مینہ برستے ہیں
شہِ دیں نور یزداں۔ فوجِ ناری ان سے رو گردانں — یہ غازی تیغ کے شعلے سے منہ انکے جھلستے ہیں

ق

کہا یہ ہند نے حاکم سے بیرحمی ہے یہ کیسی — حرم شبّیرؑ کے روتے ہیں اہلِ شام ہنستے ہیں

اُجاڑا باغِ زہرا تو نے کیا پھلے پائیگا باغی کہیں دنیا میں ظالم بھی اِلستے ہیں بلستے ہیں[1]

عظیم اپنا یہ طالع ہے کہ سوئے روضۂ اقدس
رواں ہیں قافلے کے قافلے اِک ہم ترستے ہیں

مدّاح

سی۔ آئی۔ ای۔ خان بہادر سید اولاد حسین صاحب صنوی مرحوم رئیس پہر سر ریاست بھرتپور۔ یہ خان بہادر ہندوستان کے اُن منتخب لوگوں میں سے تھے جنھوں نے اپنی لیاقت۔ دیانت۔ خوش اخلاقی سے وہ اعلیٰ پایہ حاصل کیا جو نہ فقط مسلمانوں بلکہ تمام ہندوستانیوں کیواسطے قابلِ فخر و مباہات ہے رعایا میں بے مثل ہر دلعزیزی حاصل کی اور گورنمنٹ کی نظروں میں وہ رفعت و اعتبار پایا کہ ہمیشہ ایسے معزز عہدوں پر سرفراز ہوتے رہے۔ جو اس سے پہلے انگریزوں کیلئے مخصوص تھے۔ گورنمنٹ نے اکثر موقعوں پر انکی لیاقت و دیانت کا صاف لفظوں میں اعتراف کیا۔

مورثِ اعلیٰ انکے سید محمد غازی تھے جو سید مسعود غازی (معروف سید سالار) کے ہمراہ مشہد مقدس سے ہندوستان میں تشریف لائے۔ سید سالار سلطان محمود غزنوی کے بھانجے تھے اور سید محمد غازی کو سید سالار کی بہن اور سلطان محمود کی بھانجی منسوب ہوئیں۔

والدِ ماجد خان بہادر کے سید ثابت علی صاحب کا سلسلہ ملازمت قسمتِ ساگر و نربدا میں ۱۸۵۷ء غدر سے پہلے ہی آپ ریاست بھراٹو گڑھ میں ڈپٹی مجسٹریٹ و اسسٹنٹ پولیٹکل ایجنٹ تھے۔ اگرچہ حکام کا ایسا منشاء تھا کہ سید صاحب اُس پرآشوب زمانہ میں سرکاری دفاتر چھوڑ کر چلے جائیں مگر انکی غیرت و ہمت نے یہ ننگ گوارا نہ کیا۔ انکا مقولہ تھا کہ میں ثابت علی ہوں ثابت قدم رہونگا چنانچہ ایسا ہی کر دکھایا باغیوں سے لڑائی ہوئی اور اسی جنگ میں ہمت و جرات کیساتھ دینا کو چھوڑا یہ مردوں کا آسمان تلے نام رہ گیا۔

خان بہادر ۲۶ جون ۱۸۲۶ء کو متولد ہوئے۔ آگرہ کالج میں علوم فارسی و عربی تحصیل کئے۔ ذی علم و ذی لیاقت ہونیکے ساتھ ساتھ کتب بینی کا شوق تھا مختلف علوم و فنون کی کتابوں کا کافی ذخیرہ

[1] اِلستا بلستا زیادہ تر عورتوں کی زبان پر ہے مصنف مرحوم نے کمال کیا ہے کہ ہندو زوجہ یزید کی زبان سے یہ محاورہ ادا کیا ہے۔ یہیں بلاغت کے نکتے۔ فصاحت کے کوچے جن سے بہت سے شاعر نابلد ہیں ۱۲ مولف حقیر۔

موجود تھا۔ اہلِ علم و اہلِ سخن کی قدردانی کا مادہ خمیر میں تھا۔ تحصیلِ علم کے بعد سلسلۂ ملازمت شروع کیا۔ ابتدائی ملازمت مثل میر منشی کمشنری جبلپور سے درجہ بدرجہ ترقی پاکر ۱۸۵۶ء میں ڈپٹی کلکٹر بندوبست مقرر ہوئے۔ سیکڑوں اپنے عزیزوں اور غیروں کو نوکر رکھا دیا۔ جو لوگ انکا نام سنکر دور دور سے آتے تھے انکو اوّل کام سکھلاتے پھر بندوبست میں ملازمت دلوا دیتے تھے۔ جبتک وہ شخص نوکر نہ ہوتا تھا انکے دسترخوان پر کھایا کرتا تھا۔ سادات عظام پھر سروشاہ گنج کی نسبت عام لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ ان سے بجز اہل برادری کے دوسروں کو فائدہ کم پہنچتا ہے۔ بافیض ہیں۔ مگر فیض عام نہیں۔ مگر حق بات کہنا میرا شعار رہے۔ ان خان بہادر مرحوم کو سُنا اور حاجی سید جعفر حسین صاحب لندنی مرحوم کو آنکھوں سے دیکھا۔ ان دونوں صاحبوں کا فیض آفتاب کیطرح عام تھا۔ کچھ پھر سروشا گنج وغیرہ پر موقوف نہیں عام لوگوں سے مسلوک ہوتے تھے۔ سیکڑوں کو کام سے لگا دیا۔ ہزاروں کو اپنے پاس سے دیا۔ دوسروں سے دلوایا۔ درمے۔ قدمے۔ سخنے کسی طرح فیضرسانی سے باز نہ آتے تھے۔ ناظرین معاف فرمائیں مجھے اپنے محسن سید جعفر حسین صاحب لندنی مرحوم یاد آگئے اسلئے یہ ذکرِ خیر چھیڑ دیا۔ میرے نزدیک جو اپنے محسن و مربی کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا وہ (بقول مشہور) خدا کا بھی شکرگزار نہیں ہوسکتا (غالب مرحوم)

ہزار آفریں بر من و دینِ من — کہ منعم پرستی ست آئینِ من
چراغیکہ روشن کند خانہ ام — تو گوئی منش نیز پروانہ ام

المختصر خان بہادر مرحوم نے غدر ۱۸۵۷ء میں گورنمنٹ کی نمک حلالی و وفاداری کا ایسا کافی ثبوت دیا کہ گورنمنٹ عالیہ سے اسی صلہ میں خلعتِ فاخرہ عطا ہوا۔ اور اسی سلسلہ میں ڈپٹی کلکٹری کے عہدے پر ترقی ملی یہ مصرع بطور مثل کے مشہور ہے ع ہر یکے را بہر کارے ساختند۔ خان بہادر کو خاص بندوبست کے کام میں ایسا ملکہ حاصل تھا کہ ملک متوسطہ کے جس ضلع میں کوئی خرابی واقع ہوجاتی تھی آپ ہی وہاں بُلائے جاتے تھے۔ آپ ایسی خوبی سے کام کو انجام دیتے تھے کہ ادھر رعایا اُدھر گورنمنٹ خوش ہوجاتی تھی گورنمنٹ کی خوشی کیواسطے کبھی رعایا کی حق تلفی نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۶۳-۶۴ء میں سر رچرڈ ٹمپل صاحب چیف کمشنر ملک متوسطہ نے تحریر فرمایا ہے کہ شاید ایسا لائق ہندوستانی افسر بندوبست کے واسطے دوسرا نہیں مل سکتا۔ ۱۸۶۹ء میں جب گورنمنٹ سے یہ تجویز ہوئی کہ ہر صوبہ سے ایک ایک ہندوستانی افسر اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ کیلئے منتخب کیا جائے تو ملک متوسطہ سے آپ ہی منتخب ہوئے پھر شاید ۱۸۷۰ء میں

آپ ڈپٹی کمشنر بھی رہے۔ ۱۸۷۷ء کے دربارِ قیصری میں آپ مدعو ہوئے اور خان بہادر خطاب یا تمغہ پایا پھر ۱۸۸۱ء میں خطاب سی۔ آئی۔ ای سے مخاطب ہوئے۔ یکم جنوری ۱۸۸۵ء کو صاحب مہتمم بندوبست کے معزز عہدے پر بمشاہرہ ہزار روپیہ ماہوار مقرر ہوئے۔ ۱۸۹۸ء تک اس معزز اور ذمہ داری کے کام کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ ۱۸۸۱ء میں آپکی عمر ۵۵ سال کی ہوگئی تھی۔ مگر عام قاعدہ کے موافق گورنمنٹ نے آپکو پنشن نہیں دی۔ برابر آپ کام کرتے رہے۔ یکم جنوری ۱۸۹۹ء کو آپکے اصرار سے قریباً پچپن برس کی ملازمت کے بعد علاوہ قانونی پنشن کے ایک ہزار روپیہ سالانہ زائد پنشن آپ کو عطا ہوئی۔

حسنِ اخلاق آپکا تمام قوم اور ملک میں آج تک ضرب المثل ہے۔ عزیزوں اور غیروں سے ہزاروں سلوک کئے۔ مؤلف کو بھی پہر سر ریاست بھرتپور میں جب آپ غالباً ۱۸۸۲ء میں وطن میں رخصت لیکر تشریف لائے تھے نیاز حاصل ہوا تھا۔ بہت سے اساتذہ کے سلاموں پر آپ نے مصرعے لگاکر مخمس کئے تھے۔ وہ سب سنائے۔ جناب میرزا دبیر مرحوم کے شیدائی تھے۔ جو شخص کسی شاعر مابعد کا کوئی شعر سناتا اور کہتا یہ نیا مضمون ہے آپ میرزا صاحب کا کلام اس کا ہم مضمون یا قریب قریب اسکے فوراً سنا دیتے تھے آپ صحیح معنی میں میرزا صاحب کے شاگرد تھے۔ ویسے ہی اخلاقِ حسنہ اور فیض رسانی کی شان آپ میں نظر آتی تھی ہفت بند ملا محسن کاشی پر جب آپ نے مصرعے لگاکر مخمس کیا ہے تو وہ اور اوذکر کلام اپنا جناب میرزا آوج مرحوم کی خدمت میں پیش کیا اور اصلاح لی۔

صحت جسمانی۔ آخر عمر تک درست رہی۔ گھوڑے پر بلا تکان و تکلف دس بارہ میل تک چلے جاتے تھے۔ بینائی۔ سماعت۔ قوت دماغ۔ حافظہ آخر وقت تک قائم رہے۔

دینداری کا یہ عالم تھا کہ مرتے مرتے پابند صوم و صلوٰۃ رہے۔ ورد و وظائف سفر حضر کسی حالت میں ناغہ نہ ہوتے تھے۔ بعد نماز سورۂ واقعہ خاص طور پر پڑھنے کا معمول تھا مداحی اہلبیت کا ذوق و شوق تھا۔ اسکے سوا اور کسی قسم کی نظم نہیں فرمائی۔ باوصفیکہ سرکاری کاموں کی کثرت رہتی تھی مگر شعر و سخن کیلئے ضرور کچھ نہ کچھ وقت نکال لیتے تھے۔ کلام سادہ مگر اثر میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا۔ چنانچہ جابجا مجالس میں آپکا کلام پڑھا جاتا ہے۔ ہفت بند کا مخمس مطبع نولکشوری میں منظوم مبارک کے نام سے اور ایک سلام مونکا مجموعہ زادِ سبیل آخرت نامی چھپکر مشتہر ہو چکا ہے۔ تیسرا مجموعۂ سلام مطبع میں جانیکو تھا کہ آپ نے دارالسلام کا سفر اختیار کیا۔ تضمین کیطرح تاریخ کہنے میں بھی فرد تھے۔ چنانچہ انکے فرزند اکبر میرے کرمفرما جناب

میر آلِ محمد صاحب (بارسٹرایٹ لا) کونسلی ۱۹۱۲ء میں بمقام لکھنؤ مجھ سے ناقل تھے کہ خان بہادر کے ایک صاحبزادے (آل رضا صاحب) جب ۱۸۹۹ء میں بیرسٹری کیواسطے لندن جانے کو تیار ہوئے۔ تو فی الفور آپ نے فرمایا رضا ضامن باد۔ اور کہا دیکھو یہ فقرہ تاریخی ہے حساب کیا تو واقعی ۱۸۹۹ء نکلتے تھے۔ دوسری تاریخ ولادتِ صاحب الامر کی لاجواب آپکی کہی ہوئی مشہور ہے وہ کیا؟ قائم آلِ عبا اس میں ایک بڑا کمال یہ ہے کہ آل کے الف ممدودہ کا ایک عدد لیجئے تو ۲۵۵ عدد نکلتے ہیں اور اگر الف ممدودہ کے دو عدد لیجئے جیسا کہ بعض متوسطین نعمت خان عالی وغیرہ کا شیوہ ہے تو ۲۵۶ نکلتے ہیں اور سال ولادت کی نسبت دونوں روایتیں ہیں بعض مورخ ۲۵۵ھ بعض ۲۵۶ھ لکھتے ہیں افسوس کہ ۱۳ محرم ۱۳۲۳ھ کو بروز دوشنبہ آگرہ میں انتقال فرمایا۔ اور مزار حضرت شہیدؒ ثالث میں، دفن ہوئے ان کے کئی فرزند اور نواسے سید محمد صالح صاحب بیرسٹرایٹ لا اور پوتے سید آل حسن ثنی صاحب سے مجھے نیاز حاصل ہے۔ مگر بالخصوص سید آل محمد صاحب کونسلی مدظلہ، اور سید آل حسن صاحب جج مرحوم سے (جن کا ابھی ۱۹۲۱ء میں انتقال ہوا ہے) بارہا ملاقات ہوتی رہی ہے۔ خدا سید آلِ محمد صاحب کو زندہ رکھے عجیب جوہر قابل ہیں پچھلگذشتہ جب ایک مقدمہ کی پیروی کیواسطے بمبئی جا رہے تھے کوٹہ میں چار پہر ٹھیرے۔ نیفرخانہ پر تشریف لاکر عزت بڑھائی ع تواضع زگردن فرازان نکوست۔ آپ برسوں ڈپٹی کمشنری کے معزز عہدے پر سرفراز رہ چکے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ حضرت مداح مرحوم کے باقی سلاموں اور مخمسوں کی جلد بھی چھپوا کر ملک پر احسان فرمائینگے میں اسموقع پر کلام انکا اسلئے لکھنے سے معذور ہوں کہ اس جلد میں حتی الامکان غیر مطبوعہ کلام لکھنے کا عزم کر لیا ہے اور غیر مطبوعہ کلام مداح مرحوم کا مجھے ابتک ملا نہیں۔ مطبوعہ سلام و مخمس ہر شخص خرید کر دیکھ سکتا ہے۔

آخر میں اپنے دوست چودھری سید نظیر الحسن صاحب رئیس مہاین کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انسے یہ حالات مجھے دستیاب ہوئے اور سید آل محمد صاحب کونسلی مدظلہ نے اس گلاب کو گویا دو آتشہ کر دیا کہ سب حالات سنکر جابجا اضافہ فرمایا اسلئے انکے شکریہ پر اس حال کو تمام کرتا ہوں۔

میر شرف الدین صاحب

یہ میرزا صاحب مرحوم کے ابتدائی زمانہ کے شاگردوں میں سے مشہور و مقبول ذاکر تھے۔ نانا مرحوم

(میر محمد رضا ظہیر) اکثر انکا ذکر خیر فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں اور میر شرف الدین صاحب ایک زمانے کے شاگردوں میں تھے۔ وہ مرحوم بین بے مثل پڑھتے تھے۔ کیسی ہی ٹھس مجلس ہو۔ کتنے ہی ذاکر پڑھ چکے ہوں۔ مگر ادھر میر شرف الدین صاحب نے مرثیہ پڑھنا شروع کیا اُدھر لوگوں کے رونیکی آوازیں بلند ہوئیں۔ فقط بزم (بین کے بند) پڑھتے تھے۔ رزم (لڑائی وغیرہ) نہ پڑھتے تھے لکھنؤ میں انکے پڑھنے کے جھنڈے گڑے ہوئے تھے۔ ان کے فرزند ارجمند جناب میر الطاف حسین صاحب عرف نواب مُنّے صاحب شمس آبادی سلمہ اللہ والقاہ میرے عنایت فرما ہیں جنکی زبانی جلد اوّل حیات دبیر میں بہت سے حالات میرزا صاحب مرحوم کے میں نے لکھے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں لکھنؤ گیا۔ جناب میرزا صاحب مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس قدر مجھ سے محبت فرماتے تھے کہ رات ہو یا دن جسوقت میں دیوانخانہ میں جاتا۔ ان مرحوم کو اطلاع ہوتی فوراً نکل آتے اسوقت جو صاحب ان سے ملنے کو آتے تھے تو ان سے فرماتے تھے کہ آپ نے پہچانا یہ میر شرف الدین صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ ایکروز بر سبیل تذکرہ فرماتے تھے۔ کہ ایکبار میں پیش میں سوار آتا تھا شاہی زمانہ تھا چند آدمیوں نے میری پالکی پکڑلی۔ اور کہا کہ جناب آپ نے اپنے شاگردوں کو ہمارے لئے چھُریاں دی ہیں ازبسکہ شاگرد ہزاروں تھے۔ اور وہ زمانہ بھی خانہ جنگیوں کا تھا مینے گھبراکر پوچھا بھئی کیا ہوا خیر تو ہے کہا جناب میر شرف الدین آج ایک مجلس میں پڑھے رقت کی یہ کیفیت تھی کہ جی چاہتا تھا گلا کاٹ کے جان دیدیں۔ فرماتے تھے مینے یہ سن کر اپنی ٹوپی اتاری اور شکر خدا بجا لایا کہ پروردگارا تو نے مجھے ایسے شاگرد عنایت فرمائے جن سے میرا نام روشن ہے۔ حکیم مرزا محمد تقی صاحب ساکن لکھنؤ نخاس فرماتے تھے۔ کہ میر شرف الدین کو لکھنؤ میں اسقدر مقبولیت حاصل تھی کہ جس زمانے میں جناب میر انیس صاحب اعلی اللہ مقامہٗ فیض آباد سے لکھنؤ میں تشریف لائے ہوئے تھے ایک مجلس میں پڑھے اور خوب پڑھے۔ جب وہ پڑھکر منبر سے اُترے بانی مجلس نے میر شرف الدین صاحب سے ہاتھ جوڑکر عرض کی کہ اب حضور داخل ثواب ہوں۔ میر شرف الدین صاحب منبر پر گئے فاتحہ پڑھکے دو رباعیاں اور چند بند مرثیے کے پڑھے تھے کہ بے حد گریہ وزاری ہوئی۔ میر صاحب اعلی اللہ مقامہٗ نے میر شرف الدین صاحب کی سب سامعین سے زیادہ تعریف کی۔

نواب منّے صاحب فرماتے ہیں کہ لکھنؤ میں والدِ مرحوم نے جب انتقال فرمایا تو میں بہت صغیر السن

تھا۔ والدۂ ماجدہ فرمایا کرتی تھیں۔ کہ انکے چالیسویں کی مجلس میں جناب میرزا صاحب مرحوم سے پڑھنے کے واسطے مینے کہلایا وعدہ فرمالیا اور آئے۔ اور چند بند دینا کی بے ثباتی اور اپنے اس رنج وملال کے حال میں پڑھے جو میر صاحب موصوف کے مرنے سے ان کے دل پر طاری تھا۔ ایک رباعی بھی پڑھی تھی۔ وہ اکثر لوگوں نے یاد کر لی تھی۔ مجھے بھی یاد ہے۔ وہ یہ ہے۔ رباعی

شاگرد عزیز ہے غضب چھوٹ گیا ۔۔۔ عشرت کا چمن لشکرِ غم لوٹ گیا
شیشہ جو شکستہ ہو تو دیتا ہے صدا ۔۔۔ ثابت یہ فغاں سے ہے کہ دل ٹوٹ گیا

قبر پر کندہ کرنے کے واسطے قطعۂ تاریخ کہکر بھیجا۔ مادہ کا مصرع یہ ہے۔ ع

لحد ذاکر مقبول حسین

۱۲۶۹ھ = ۴۲ + ۹۲۱ + ۱۷۸ + ۱۲۸

اس سے ظاہر ہے کہ ۱۲۶۹ھ میں میر صاحب موصوف نے انتقال فرمایا میر صاحب صرف پڑھتے تھے کہتے نہ تھے۔ ان کے مرثیہ پڑھنے کی مقبولیت اس واقعہ سے بھی ظاہر ہے کہ بقول میر اسمٰعیل حسین صاحب منیر مرحوم لکھنؤ میں جو ایک نمبا کہ فروش واجد تخلص شاگرد مصحفی تھے! اور جنکی دوکان پر شاعری کی بدولت اکثر ذی عزت شاعروں کا مجمع رہتا تھا۔ اور میاں مصحفی بھی بیٹھا کرتے تھے۔ انہوں نے غزل کے علاوہ نوحے اور مرثیے بھی کہے تھے۔ میر شرف الدین صاحب سے کہا کہ میاں ایک مرثیہ بندہ کا بھی پڑھ دو تو مجھے بھی عزت مل جائے۔ میر شرف الدین صاحب نے انکا وہ مرثیہ لیا جس میں یہ روایت ہے کہ ایک درویش عاشق خدا۔ خدا سے اس بات پر خفا ہو گیا تھا۔ کہ جب تیرا نام رحمٰن ہے تو دوزخ کیوں بنایا۔ حضرت موسیٰ اسکی ہدایت پر مامور ہوئے اور جناب باری سے حکم ہوا کہ ؎ دکھلا دو اسے مقتل شبیر کی تصویر ۔ سینے پہ تو بیٹھا ہوا جلاد کو دیکھے ۔ گردن پہ رواں خنجرِ فولاد کو دیکھے۔ حضرت موسیٰ نے ایسا ہی کیا۔ درویش نے جب یہ مرقع ماتم دیکھا اور رو پیٹا۔ تو کلیم اللہ نے فرمایا۔ اب بتاؤ ایسے ظالم کی کیا جزا ہے ؎ وہ بولا جہنم ہے جہنم ہے جہنم۔ یہ مرثیہ میر شرف الدین مرحوم کے پڑھنے سے ایسا مقبول ہو گیا تھا کہ لکھنؤ میں سیکڑوں آدمیوں کو اسکے بند کے بند یاد تھے۔ نول کشوری جلدوں میں یہ مرثیہ بھی مرزا دبیر مرحوم کے نام سے چھپ گیا ہے۔ حالانکہ میاں واجد کا ہے بقیہ میں اچھے پڑھنے والے سے کلام کا مرتبہ بہت بڑھ جاتا ہے جس طرح بُرے اور غلط پڑھنے سے کلام خاک میں ملجاتا ہے

میر الطاف حسین صاحب عرف مُنّے نواب صاحب
رئیس شمس آباد ضلع فرخ آباد

حقیر ثابت کے عنایت فرما ہیں۔ انکی زبانی جلد اوّل حیاتِ دبیر میں بہت سے حالات میرزا صاحب مرحوم کے۔ اور اس تذکرہ میں انکے والدِ ماجد میر شرف الدین صاحب کے حالات میں لکھ چکا ہوں انکی زیارت سے بھی مشرف ہو چکا ہوں۔ اور شمس آباد سے لکھنؤ تک مہمان رہ چکا ہوں۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ شمس آباد میں جو کھانا اور مٹھائی انہوں نے میرے ساتھ کی تھی مجھے یاد ہے کہ وہ لکھنؤ تک میں کھاتا گیا تھا۔ عجب خلق مجسّم ہیں۔ خدا زندہ رکھے۔ یہ اپنے ماموں عالیجناب نواب ولہا صاحب شمس آبادی کے حکم سے دس گیارہ برس کی عمر میں محض برکت کے لئے میرزا صاحب مرحوم کے (مع جناب جعفر صاحب قبلہ) شاگرد ہوئے تھے۔ ایک شعر پر بھی اصلاح لینے کی نوبت نہ آئی مگر درحقیقت میرزا صاحب مرحوم کی برائے نام شاگردی ایسی باعثِ برکت ہوئی کہ نثر میں ہر قسم کے مضامین شائع فرمائے۔ اور ہر قسم کی نظم پر قادر ہیں اور انکے کمال پر کلام منظوم شاہد عادل ہے۔ یہ بھی میرزا صاحب مرحوم کے فدائیوں میں سے ہیں۔ فرماتے تھے کہ جب والدِ ماجد (میر شرف الدین صاحب ذاکر مقبول) کا لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ تو ۱۲۶۹ھ عہد واجد علی شاہ مرحوم تھا۔ میں صرف اڑھائی برس کا تھا والدہ فرماتی تھیں کہ تجھ کو میرزا صاحب مرحوم اپنی پالکی میں بٹھلا کر ساتھ دربار شاہِ اودھ میں لیگئے تھے اور شاہ ممدوح سے عرض کر کے اسیوقت حکم حاصل کیا کہ والد مرحوم کیجگہ تیرا نام سواروں میں ہو گیا۔ میر صاحب فرماتے ہیں کہ پھر میں اُسی عمر میں شمس آباد والدۂ مرحومہ کے ساتھ چلا آیا تو مرزا صاحب مرحوم مدت تک خزانۂ شاہی سے لیکر میری تنخواہ یہاں شمس آباد بھجوایا کئے۔ کیوں ناظرین! ایمان سے کہنا کیا اب بھی ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ میرزا صاحب مرحوم ایسے فرشتے تھے جنمیں انسانیت کا عنصر غالب تھا۔ یہ ۵ر نومبر ۱۹۱۱ء کے خط میر الطاف حسین صاحب سے حال لکھا ہے۔

تشحیذ

داروغہ میر واجد علی مرحوم تعلقہ دار اہمامئو وغیرہ کے تھے۔ یہ میر عباس مرحوم کے بیٹے اور سیّد ابراہیم

مغفور کے پوتے تھے۔ ان کے بزرگ سلطنت مغلیہ میں ممتاز عہدوں پر مامور رہے۔ اور خطاب بھی پائے میر تسخیر کے دادا سید ابراہیم دہلی سے نواب شجاع الدولہ مرحوم کے زمانے میں لکھنؤ آئے۔ یہاں انکو کوئی نوکری نہیں ملی۔ مگر دہلی سے کثیر دولت لیکر آئے تھے۔ وہ صرف کرکے اپنی عمر امیرانہ ٹھاٹھ سے گزار انکر آخر زمانہ نواب سعادت علی خاں مرحوم میں میر عباس فرزند کو چھوڑ کر انتقال کیا۔ میر عباس نے متروکہ پدری میں بہت تھوڑی دولت پائی۔ کوئی ملازمتِ شاہی بھی لکھنؤ میں نہیں ملی۔ زمانہ امجد علیشاہ اودھ میں خلفِ اکبر میر واجد علی اور خلفِ اصغر میر ظفر حسین کو چھوڑ کر رحلت کی۔ اس وقت میر واجد علی کی عمر بیس سال اور میر ظفر حسین کی پانچسال کی تھی۔ افلاس کیحالت تھی۔ میر واجد علی نے مرثیہ خوانی اور مرثیہ گوئی شروع کردی اور شروع زمانہ واجد علی شاہ مرحوم میں شیخ گوہر علی صاحب مشیر کے شاگرد ہوئے۔ مرثیہ خوانی میں جو تھوڑا بہت ملتا تھا اسی میں اپنی اور اپنی ماں اور یتیم بھائی کی پرورش کرتے تھے۔ دس سال یونہی گزرے۔ پھر نواب سلطان جہاں محل صاحبہ کی سرکار میں داروغہ ہوگئے اب کیا تھا۔ دولت وحکومت خدا نے دیدی۔ اپنے اُستاد اوّل مشیر مرحوم کے ساتھ (کہ مشیر بھی مرزا صاحب کے شاگرد رشید تھے) حاضر ہوکر مرزا دبیر مغفور کے شاگرد ہوگئے۔ غزل میں میرزا صاحب مرحوم کے حکم سے منشی مظفر علی خاں صاحب اسیر (اسیر شاگرد مصحفی تھے) کے شاگرد ہوئے اس کے بعد ۱۸۵۶ء میں سلطنتِ اودھ کا انتزاع ہوکر ۱۸۵۷ء میں غدر ہوگیا۔ مرزا برجیس قدر نابالغ پسر واجد علیشاہ مرحوم کو باغیوں نے بادشاہِ اودھ بنادیا۔ میر تسخیر دیوانی کے ناظمِ اعلےٰ مقرر ہوئے مگر ایک انجام میں شخص تھے سمجھتے تھے کہ یہ باغی اور انکی حکومت چار دن کی چاندنی ہے۔ پھر وہی انگریز انکی حکومت ہوگی۔ دولت وحکومت بڑھنے پر بھی میر تسخیر کے مزاج میں کچھ تغیر نہوا۔ بلکہ خلق وانکسار کے ساتھ ساتھ سخاوت اور بڑھ گئی۔ ایک خاص بات میر تسخیر کی قابل ذکر یہ ہے کہ زمانہ ثروت میں اپنے افلاس و عسرت کے واقعات بلا تکلف خود بیان فرمایا کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ کسی کی عزت نہ دولت سے بڑھتی ہے نہ عسرت سے گھٹتی ہے۔

اسی زمانہ آخری برجیس قدر میں جب باغی فوج انگریزوں اور انکے بچوں اور عورتوں کو بیدردی سے قتل کررہی تھی۔ داروغہ صاحب نے دو معزز لیڈیوں کو اپنے گھر میں پناہ دی اور ۳۷ یا ۳۸ انگریز اور انکی عورتیں اور بچے بیگم صاحبہ موصوفہ سے عرض کرکے قتل ہونے سے بچائے تھے۔ جن کو مدت تک

ایک تہ خانے میں بیگم صاحب کے رازدار خواجہ سراؤں اور خواصوں نے رکھا تھا باہر باغی فوج کے سامنے مشہور کر دیا تھا۔ کہ بندوقوں سے وہ سب قتل کر دیئے گئے۔ اور خالی بندوقیں چھ قیدیوں (سپاہی عورتوں) نے چلائی تھیں۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد گورنمنٹ نے (جو کمپنی سے بدلکر موسوم ہوئی تھی) داروغہ صاحب کو بہت بڑا راج (علاقہ منضبطہ) دینا چاہا مگر زمانہ شاہی میں زمینداری کی کچھ قدر نہ تھی۔ داروغہ صاحب بھی اسکو بُری نظر سے دیکھتے تھے۔ اس لئے وہ ریاست نہ لی اور نقد ایک لاکھ روپیہ انعام پر قناعت کی۔

اِدھر نواب سلطان جہاں محل صاحبہ نے حُسنِ خدمات وخیرخواہی کے صلہ میں اپنی تمام جائداد اور جواہر ایک امام باڑہ کے نام وقف کرکے وصیت نامہ کے ذریعہ سے داروغہ صاحب اور انکی اولاد کو اس کا متولی قرار دیا۔ یہ امام باڑہ لکھنؤ کے محلہ گولا گنج میں واقعہ ہے عام ناواقف لوگ اسکو داروغہ میر واجد علی مرحوم کا امام باڑہ کہتے ہیں۔ اس امام باڑے میں بڑی بڑی مجلسیں برسوں حضرت دبیر مغفور اور جناب آوج مبرور نے (خصوصاً ماہِ رمضان کی اکیسویں کو) پڑھی ہیں جس بڑی مجلس کا ذکر خیر میرے حیات دبیر جلد اوّل کے صفحہ ۵۹ پر کیا ہے وہ اسی امام باڑے کی مجلس تھی۔ حقیر نے بھی حضرت آوج مغفور کی پیشخوانی میں ایک سلام پڑھا تھا جسکو اب ۱۹۲۰ء میں چالیس سال سے کچھ اوپر عرصہ ہوگیا تمام نامی علماء اور شہزادے اور شرفائے شہر کا مجمع ہوتا تھا۔ اور عشرۂ محرم میں روزانہ سوزخوانی کی مجلسیں ہوتی تھیں جن میں کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ اور ماہ رمضان کی بڑی مجلس مذکور میں مٹھائی بندمٹی کی ہانڈیوں میں بٹتی تھی۔ خاص خاص علما و امرا و شرفا کے گھروں پر پہلے سے حصے محلہ در محلہ کئی مہینے تک تقسیم ہوتے تھے۔

ایک لاکھ روپیہ میں سے دعوتِ احباب اور اہل حاجت کی حاجت روائی وغیرہ میں پچاس ہزار روپیہ کئی سال میں صرف ہوجانے پر اور زمینداری کو اودھ میں ترقی ہوجانے کے بعد داروغہ صاحب کا خیال بدلا عَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ الآیہ (کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم کسی چیز کو بُرا سمجھتے ہو اور وہی تمہارے حق میں بہتر ہوتی ہے) اب داروغہ صاحب کو خیال آیا کہ تعلقہ داری اچھی چیز ہے۔ اس زمانے کے عام حکام انگریز داروغہ صاحب کے مرہون منت اور خیرخواہ تھے۔ حکام صیغہ مال کی مہربانی سے بیس پچیس مواضع چھوٹے بڑے خرید کر تعلقہ داری اہمامٹو وغیرہ کی سند

گورنمنٹ ہند سے حاصل کر لی۔ ادھر شہر لکھنؤ میں کئی بازار و گنج۔ نظیر آباد نظیر گنج۔ حامد گنج۔ سعادت گنج رکاب گنج وغیرہ خریدے اور بنوائے (بڑے بیٹے کا نام نظیر حسن تھا۔ انہی کے نام پر نظیر آباد و نظیر گنج بسائے تھے) ہمیشہ کار خیر میں مصروف رہتے تھے۔ اپنے خاندان کی پرورش اور غربا و محتاج زوار و حجاج کی خدمت کو اپنا فرض و سعادت و مجالس عزا کو ذریعۂ نجات سمجھتے تھے۔ ہر سال ماہ محرم کی ساتویں کو حضرت قاسم کے نام سے مہندی حسن انتظام و جلوس و روشنی سے اٹھاتے تھے جسکی زیارت کو دور دور سے لوگ آتے تھے۔ بلکہ اب بھی آتے ہیں۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد جب اکثر رعایائے لکھنؤ و اودھ پر الزام بغاوت کے قائم ہو کر جائدادیں ضبط ہو کر پھانسیاں تک ہو رہی تھیں داروغہ صاحب نے حکام کی رسائی اور گورنمنٹ کی خیر خواہی سے یہ کام نکالا کہ بہت شرفا کی جائدادیں اور جانیں بچائیں اس بات کا آجتک لکھنؤ میں شہرہ ہے۔ تمام شہر میں خوش تدبیر مشہور تھے۔ مرزا صاحب مرحوم کے وہ محض شاگرد نہ تھے۔ بلکہ عاشق کمال بدرجۂ کمال اور فدائی تھے۔ اول تو کوئی شخص انکے سامنے مرزا صاحب کی تنقیص کی جرات ہی نہ کر سکتا تھا لیکن اگر کسی دوست نے مزاحاً بھی کوئی ایسا کلمہ کہدیا کہ جسمیں مرزا صاحب کے کمال پر کوئی حملہ ہو تو انکے تیوروں پر بل آجاتا تھا اور فوراً جواب ترکی بہ ترکی دیتے تھے۔ مرزا دبیر مغفور کے مرنے کے بعد فخریہ اپنا کلام میر مرزا آوج صاحب (مغفور) کو دکھایا اُن کے معرکے کی مجلسوں میں اکثر اودھ کے تعلقہ داروں کو لاتے تھے۔ اور کلام سنوا کر شہرت کے باعث ہوتے تھے۔ ہائے وہ مجلس میر باقر تابر مرحوم کے امام باڑے کی (۲۵ رجب کی) اور داروغہ صاحب مرحوم کا راجہ امیر حسن خاں صاحب مرحوم کو لانا اور ان کا منبر کے آمنے سامنے صحنچی کی چھت پر بیٹھنا اور مرزا آوج مرحوم کا یہ مرثیہ پڑھنا ؎ آمد ہے رن میں جعفر دریا شکوہ کی۔ اس وقت آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ مرزا آوج مغفور کی شہرت کمال اور مرجعیت و عروج میں سب سے بڑھکر داروغہ صاحب مرحوم نے کوشش کی۔ حضرت آوج مجھ سے بارہا ان مرحوم کا ذکر خیر فرما کر کہتے تھے کہ ایسے سچے خیر خواہ دوست یا شاگرد اب عنقا ہیں۔ علاوہ سلام و مرثیے کے غزل کا بھی شوق تھا۔ ان کے فرزند ارجمند سید امیر حسن صاحب فروغ وکیل ہائیکورٹ حیدر آباد دکن کے پاس ان کا غیر مطبوعہ دیوان موجود ہے۔ محرم ۱۳۳۲ھ میں جناب فروغ جب مجھ سے لکھنؤ میں ملے ہیں تو کہتے تھے کہ جناب تشخیر کے تین پنتیے سچاس ساٹھ سلام اور رباعیاں اور ایک دیوان

غزلوں کا قلمی ہے۔ عنقریب تمام کلام چھپوا دوں گا۔

تسخیر مرحوم کے دو فرزند تھے۔ ایک (حاجی) سید نظیر حسن مرحوم دوسرے سید امیر حسن صاحب فروغ سلمہ اللہ والبقاء۔ تسخیر مرحوم نے ستمبر ۱۸۷۶ء میں ایک وصیت نامہ لکھکر بموجب ایکٹ تعلقہ داری اودھ سید نظیر حسن مرحوم کو اپنا جانشین و تعلقہ دار قرار دیا۔ اور سید امیر حسن صاحب کو گزارہ دار قرار دیکر یہ شرط لکھدی کہ اگر نظیر حسن لاولد فوت ہو۔ تو امیر حسن تعلقہ دار رہو۔ اور ۲۰ مئی ۱۸۷۶ء کو انتقال کیا۔ حاجی سید نظیر حسن مرحوم کی بے محل و بامحل سخاوت یا بدانتظامی کی وجہ سے وہ تمام تعلقہ تہس نہس ہوگیا۔ سید امیر حسن صاحب نے اپنی محنت و لیاقت سے حیدرآباد دکن میں پہنچکر وکالت کی اور بحمداللہ دوبارہ فروغ پایا۔ فروغ کو خدا اور فروغ دے۔ ان کا دم غنیمت ہے یہ اکثر حالات اور کچھ کلام مجھے انہی سے ملا۔ تسخیر مرحوم کا ایک سالم مرثیہ در بارِ حسینؑ میں درج ہونے کو جناب فروغ سے طلب کیا تھا وہ اب تک نہیں آیا۔ اسلئے اسی مختصر انتخاب پر قناعت کی۔

منتخب کلام جناب تسخیر مرحوم

رباعیات

پیری میں سوا قبر کے آرام نہیں — جز موت بشر کا کوئی انجام نہیں
موہائے سفید پھر نہ ہونگے سیاہ — یہ ہے وہ سحر جسکی کوئی شام نہیں

ایضاً

گردوں سے جہاں میں شاد کوئی نہ ہوا — مرنے پہ بھی اس کو یاد کوئی نہ ہوا
دولہا شب کو بنے۔ سحر قتل ہوئے — قاسمؑ سا بھی نامراد کوئی نہ ہوا

قطعات

سینہ غمِ شاہ سے بھرا ہے — آنسو ہیں کہ مینہ برس رہا ہے
آئے میرے مقابلے کو — گر ابر میں کچھ بھی حوصلہ ہے

ایضاً

اے دل بخشش کی گر ہوس ہے — رونا غمِ شاہِ دیں میں بس ہے

ہر جا ہے گُلِ عشق کا ماتم　　جنگل میں بھی نالۂ جرس ہے

اشعارِ سلام (منتخب)

یُوں مجرئی ثواب ہے اشکِ عزا کیساتھ　　جس طرح آبِ تاب دُرِ بے بہا کے ساتھ
ہو کیوں نہ تحتِ قبّۂ اقدس دعا قبول　　روحُ الامین کہتے ہیں آمین دعا کے ساتھ
عاشور کو یہ کہتی تھی صغرا کہ خیر ہو　　بُو خونِ شہ کی آتی ہے نانی ہوا کیساتھ
یوں کھنچ رہا ہے شیعوں کا دل سوئے کربلا　　جس طرح حال کاہ کا ہو کہربا کے ساتھ
اللہ ری غلام نوازی حسین کی　　جنّت بھی حُر کو شاہ نے بخشی خطا کیساتھ
کل صبح آفتاب کی دکھلا کے آب و تاب　　ق　جھک جھک کے آسماں نے کہا التجا کیساتھ
دے ایک ذرہ درِ ایوان شاہ طوس　　لے آفتاب سیر کر اس کی ضیا کے ساتھ
میں نے دیا جواب خموش اے ملک خموش　　تائید کبریا کی ہے اس بے ریا کے ساتھ
ہے آٹھویں امام کا روضہ یہ بے مثال　　بدلوں اسے نہ ہشت بہشتِ علا کے ساتھ
ذرہ بھی آستان رضا کا ہے بے بدل　　کیونکر ہو پھر مبادلہ شمس الضحیٰ کے ساتھ
مجھ کو یہ ذرہ تجھ کو مبارک ہو آفتاب　　سودا رضا کے ساتھ ہے سودا رضا کیساتھ

تسخیر کی ہے عرض یہی یا ابو ترابؑ
مل جائے میری خاک بھی خاکِ شفا کے ساتھ

سلام

یلگی ہیتِ جناں شاہ دوجہاں سے الگ　　صلا سلام کا پاؤ گا قدرداں سے الگ
ملک پکارے ہوا حُر جو باغیوں سے جُدا　　بہار دین و شریعت ہوئی خزاں سے الگ
ہیں رونیوالوں کے گھر اہلبیت کے دل میں　　نئی جناں ہے یہ انکے لئے جناں سے الگ
سمندِ شاہِ شہیداں ہے قدرتِ اللہ　　ق　کہ ضو میں باگ ہے گردو نکی کہکشاں سے الگ
ہلال نعل ہیں کیلیں تمہارے۔ زیں خورشید　　اک آسمان رواں ہے یہ آسماں سے الگ

جہانِ نظم کو تسخیر کر لیا تسخیر

تری زبان ہے ہر ایک کی زباں سے الگ

دیگر

درِ خیبر اکھاڑا زور آور ایسے ہوتے ہیں
کیا جھولے میں دو اژدر کو صفدر ایسے ہوتے ہیں

نہ رکھا مال حیدر نے سوا دانِ سائل کے
طبیعت کے غنی دل کے تونگر ایسے ہوتے ہیں

سبیل معرفت پر لے گئے جبریل کو اول
فلک پر ہے علی کا ذکر رہبر ایسے ہوتے ہیں

پیمبر جوہری خ مشتری قصرِ گہر قیمت
بجز اشکِ عزا کب اور گوہر ایسے ہوتے ہیں

خطِ صغرا بھی پہنچا یا جوابِ شاہ بھی لایا
ہما کہتا ہے میں قاصد کبوتر ایسے ہوتے ہیں

یہ وہ مضمون ہے تسخیر جو باغی بھی کہتے ہیں
گلستانِ فصاحت کے گلِ تر ایسے ہوتے ہیں

اب میں اُن شاگردان جناب دبیر مرحوم کے نام لکھتا ہوں جنکے زیادہ حالات معلوم نہیں یا جنکا کلام قطعی نہ ملا۔ انمیں وہ بھی بعض شعرا ہیں جن کے نام بھی تخلص کے سوا میں نہیں جانتا۔ ان میں سے جن صاحب کا تھوڑا بھی حال مجھے معلوم ہے ان کے نام نامی کے ساتھ لکھدونگا۔ یہ نام وغیرہ مجھے بعض حضرت آوج مرحوم سے اور بعض دوسرے معمر آدمیوں سے وقتاً فوقتاً معلوم ہوئے۔

(۱) تاج العلماء سید علی محمد صاحب مجتہد لکھنؤ اعلے اللہ مقامہ۔ یہ بزرگوار مجتہدین لکھنؤ میں بھی ممتاز تھے۔ بچپن میں حضرت کے والد ماجد سلطان العلما حضرت سید محمد صاحب اعلے اللہ مقامہ کے حکم سے جناب میرزا دبیر مرحوم کے شاگرد ہوئے تھے۔ اس واقعہ کو خود جناب نے استاد مرحوم حضرت آوج سے اور انہوں نے مجھ سے بیان فرمایا تھا اور اسکے ساتھ یہ بھی فرمایا تھا کہ جناب الفاظ ہندی کو عربی و فارسی لفظوں کے ساتھ باضافت فارسی لانے اور معطوف و معطوف علیہ کرنے کو جائز جانتے تھے۔ اس پر مجھ سے ایک مجلس میں بحث ہوئی اسوقت جناب نے خود فخریہ فرمایا تھا کہ میں جناب میرزا دبیر مرحوم کا شاگرد ہوں۔ میں نے ان جناب کے وعظ کی کتاب چودھویں رات کا چاند دیکھی اور تنبیہ الاطفال بچپن میں پڑھی اور زیارت ناحیہ مقدسہ کا اردو ترجمہ میرے پاس ہے اگرچہ کوئی نظم

انکی میرے پاس نہیں ہے۔ مگر ان اُردو کتابوں کی بنا پر میں حضرت موصوف کو اردو کا مربی کہہ سکتا ہوں جناب نے اُس زمانے میں اردو میں کتابیں لکھیں۔ جب ان کے معاصرین علماء اردو میں کتاب کی تصنیف یا تالیف کو اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے۔ یہ اردو زبان پر جناب کا احسان یادگار رہیگا پھر حضرت موصوف کو دیکھکر اور بعض علماء نے بھی بعض کتابیں اُردو میں لکھیں۔

(۲) جناب مولوی میر سیّد علی صاحب محدّث لکھنؤ صاحب مجالسِ علویہ۔ یہ بزرگوار بھی (مثل اپنے بھانجے حضرت تاج العلماء موصوف کے) حضرت دبیر مرحوم کے شاگرد تھے۔ عجب متکسر کامل فن۔ نیک نیّت محدّث تھے۔ ایکروز نانا مرحوم (میر ظہیر مغفور) سے فرمایا کہ کل اگر فرصت ہو تو ان صاحب زادے (حقیر مؤلف) کو میرے گھر پر مجلسِ مختصر میں مرثیہ پڑھنے کو بھیجدیجئے۔ نانا مرحوم نے فرمایا میں بھی حاضر ہونگا۔ یہ بھی آئے گا۔ میرا سن اس زمانے میں چودہ پندرہ برس کا ہوگا۔ دوسرے دن نانا مرحوم کے ساتھ پہنچا۔ تو دیکھا کہ خود جناب موصوف منبر پر حدیث پڑھ رہے ہیں۔ میرے اور نانا مرحوم کے پہنچنے پر اپنی ذاکری کو دو چار منٹ میں ختم فرماکر زیر منبر تشریف لائے۔ اور مجھ کو حکم دیا کہ اب تو مرثیہ پڑھ۔ وقت مجلس کا شروع ہوگیا تھا۔ اس لئے میں نے ذاکری شروع کر دی تھی۔ نانا مرحوم بولے یہ تو کیا۔ میں خود جناب کے بعد پڑھنے کو خلافِ ادب سمجھتا ہوں۔ فرمایا میں تو ایسا نہ سمجھا ہوں نہ سمجھوں گا۔ اصرار فرماکر مجھے مجبور کر دیا۔ میں نے مرثیہ پڑھا۔ بعد ختمِ مجلس میری تعریف کے بعد فرمایا کہ منظورات جب تک مرثیہ نہ سُن لیں۔ جی بھر کے نہیں روتیں۔ اگر تم مرثیہ نہ پڑھتے تو انکو شکایت رہ جاتی۔ اللہ رے انقلابِ زمانہ۔ ایک وہ دن تھا۔ ایک آج کا دن ہے پینتالیس ۴۵ برس ہی میں یہ انقلاب ہوگیا۔ کہ آج نثر خوانی۔ حدیث خوانی کے نام سے تمام ہندوستان میں پھیل گئی۔ مرثیہ خوانی روز بروز اٹھتی جاتی ہے۔ مگر اس میں ہم مدّاحانِ آلِ محمدؐ کا بھی کچھ قصور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اُنہی حالات کو ہر پھر کر نظم کرتے ہیں۔ سُننے والے کب تک سُنیں۔ اگر یہ لوگ روایات تاریخی کو نظم کرنے پر آئیں۔ تو مرثیہ گوئی کو بہت ترقی ہو سکتی ہے۔ خیر میں اس بحث کو مفصّل پھر لکھوں گا۔ جناب موصوف کی بھی مجھے کوئی نظم نہیں ملی مجالس علویہ بہت اچھی کتاب مصائب میں ان جناب سے یادگار ہے۔

(۳) میرزا امغل صاحب مرحوم مفتی گنج کیطرف رہتے تھے۔ اور اونچا سنتے تھے۔

(۴) حاجی میرزا محمد علی صاحب اکثر عشرۂ محرم پڑھنے کو گوالیار تشریف لے جاتے تھے۔ نہایت عمدہ ذاکر اور خلیق اور متواضع تھے۔ نمبر ۳ پر جن مرزا امغل صاحب کا حال لکھا ہے۔ ان کے صاحبزادے اور مرزا اکبر حسین صاحب سعید کے داماد تھے۔ ابھی سات آٹھ برس انتقال کو ہوئے ہونگے۔ کچھ کہتے بھی تھے۔ مگر مجھے کلام نہیں ملا۔

(۵) میر پرورش علی صاحب مرحوم۔ ایک ذی علم۔ خوش لباس۔ خوش وضع بزرگوار تھے۔

(۶) میر محمود حسن صاحب۔

(۷) شاہزادۂ اودھ نواب ممتاز الدولہ مرحوم۔ یہ خود بھی مرزا صاحب کے شاگرد تھے۔ ممتاز تخلص تھا۔ اور انکی زوجہ سلطان عالیہ مرحومہ دختر نواب نصیر الدین حیدر شاہ اودھ بھی میرزا صاحب کی شاگرد تھیں۔ لکھنؤ میں ڈیوڑھی نواب ممتاز الدولہ کی مشہور ہے اس نام سے ایک محلہ کا محلہ آباد ہے۔ اور اب اس عالیشان مکان میں ان کے فرزند ارجمند نواب باقر مرزا صاحب متولی حسینی آباد مبارک رہتے ہیں۔

(۸) میرزا احمد صاحب ظہور تخلص۔ ابھی سات آٹھ برس ہوئے انتقال کیا۔ اچھے پڑھنے والے تھے۔ کچھ کہہ بھی لیتے تھے۔ کلام نہیں ملا کہ معرض ظہور میں لایا جاتا۔

(۹) میاں بہجت خواجہ سرائے شاہی لکھنؤ۔ جو نام تھا وہی تخلص تھا۔

(۱۰) میاں جوہر خواجہ سرائے۔ بشرح نمبر ۹۔

(۱۱) نصیر۔ کچھ حال معلوم نہیں۔

(۱۲) شاد رضا صاحب۔ کچھ حال معلوم نہیں۔

(۱۳) میرزا محمد حسین صاحب۔ یہ اعلےٰ درجہ کے خوش خط بزرگوار تھے۔ مرثیہ صحیح لکھتے تھے میرزا صاحب مرحوم کے یہ کاتب خاص تھے۔ انکی عادت تھی کہ ہر لفظ کی صحت میرزا صاحب سے کر کے لکھتے تھے۔ بعض دفعہ میرزا صاحب مصرع ہی بدل دیتے تھے۔ اس لئے جو مرثیہ کسی شاگرد کو صحیح کرنا منظور ہوتا تھا۔ وہ انکے مرثیہ سے مقابلہ کر لیتا تھا۔ ورنہ اپنی سمجھ کے موافق مرزا صاحب کے

مرثیے لوگ لکھتے تھے۔ خود میرزا صاحب کہا کرتے تھے۔ کہ دبیر کے اصلاح دینے والے ہزاروں ہیں۔

(۱۴) میرزا علی حسن صاحب سلیم عرف علن صاحب۔ ان کے بعض سلام دفترِ تاتم میں چھپے ہیں۔ ذی عزت تاجر اور مداح و ذاکر تھے۔ لکھنؤ چوک میں انکی دوکان تھی۔

(۱۵) مرزا علی حسن صاحب مترجم انگلش ایک ذہین آدمی تھے۔ انگلش اُس زمانے میں پڑھی تھی۔ جب اہل لکھنؤ انگریزی پڑھنے کو عیب سمجھتے تھے۔ ذہین و طباع۔ ذاکر و مداح تھے۔

(۱۶) حکیم میر رضا حسین صاحب شہا۔ میر وزیر علی صاحب صبا مرحوم کے داماد اور شاگرد تھے۔ میر صبا و خواجہ آتش مرحوم وغیرہ کے اکثر چشم دید حالات بیان کیا کرتے تھے۔ زبان انکی بہت اچھی تھی۔ گویا صبا مرحوم کے قدم بقدم تھے۔ مرثیہ میں جناب مرزا صاحب کے شاگرد تھے۔

(۱۷) مرتضیٰ خاں صاحب پرویز۔

(۱۸) میر محمد رضا صاحب رضا بلگرامی۔ انہوں نے ۱۸۸۶ء کے قریب باسٹھ برس کی عمر پاکر انتقال کیا۔ ان کے فرزند میر دستور علی صاحب بلگرامی سے مینے سنکر میرزا دبیر صاحب مرحوم کی ایک بڑی مجلس پڑھنے کا حال حیات دبیر میں لکھا ہے۔ افسوس کہ یہ بھی چل بسے۔

(۱۹) میر اولاد حسین صاحب موج تخلص ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد میر عابد حسین صاحب تھے۔ حیدر آباد دکن مرثیہ پڑھنے کو اکثر جایا کرتے تھے۔ سنہ ۱۳۱۰ھ کے قریب انتقال ہوا۔

(۲۰) میرزا محمد ہادی صاحب بی۔ اے مرزا تخلص۔ سابق پروفیسر کرسچین کالج لکھنؤ۔ فی الحال ریاست حیدر آباد دکن میں صیغۂ تعلیم کے کسی اعلیٰ عہدے پر سرفراز ہیں۔ آپ تبرکاً جناب میرزا دبیر کے شاگرد ہوئے تھے۔ باقی کلام پر اصلاح حضرت اوج مرحوم سے لینے کا اتفاق ہوا۔ حیات دبیر جلد اوّل میں مجھے ان جناب سے بہت مدد ملی۔ نہایت ذہین۔ ذی علم عالم و شاعر ہیں۔ مجھ سے فرماتے تھے کہ میری ولادت ۱۸۵۶ء کی ہے۔ مقام لکھنؤ عقب چوک کوچہ آفرین علی خاں میں پیدا ہوا تھا۔ تقریباً چودہ برس کا تھا۔ کہ ہفت بند ملا کاشی کے چند اشعار پر مصرعے لگائے۔ اپنے خسر جناب آغا مرزا صاحب افسر فوج شاہ اودھ کے ہمراہ مرزا دبیر مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ میرزا صاحب کے چاء پینے کا وقت تھا

پیالہ چائے مع شیرمال خود دستِ اقدس سے مجھے مرحمت فرمایا۔ اور مرزا محمد جعفر صاحب آوج کو بُلوا کر مجھ سے تعارف فرمایا۔ اور حکم دیا کہ میرزا صاحب موصوف کے پاس آیا کرو۔

میرزا ہادی صاحب کی ہر قسم کی تصنیف و تالیف میں سے صرف چند کتابیں چھپی ہیں۔ باقی غیر مطبوعہ ہیں۔ بہت کار آمد کتابیں تصنیف و تالیف فرمائی ہیں۔ آپ کے مطبوعہ ناولوں میں خود میرزا صاحب کو شریف زادہ اور مجھ کو امراؤ جان ادا پسند ہے۔ غزلوں میں اپنا تخلص رُسوا۔ اور مرثیہ و سلام وغیرہ میں مرزا فرماتے ہیں۔ مگر مجھے کوئی مرثیہ اب تک دستیاب نہیں ہوا۔ سُنا ہے کہ نواب سید محمد خاں صاحب مرحوم کی بہن میرزا صاحب موصوف کی حقیقی نانی تھیں۔ زبانِ اُردو کے آپ زبردست محقق ہیں۔ خدا زندہ رکھے۔ بہت غنیمت ہیں۔

(۲۱) عروج۔ جناب محمد جان صاحب عروج فیض آبادی۔ حال مقیم مظفر پور محلہ کمرہ۔ آپ نے مولوی شبلی صاحب کے موازنہ کے جواب میں ایک مختصر رسالہ "تردید موازنہ" بھی اپنے مطبع مشرق نور مظفر پور سے شائع فرمایا تھا۔ جس کو تخمیناً بارہ سال ہوئے آپ خود لکھتے ہیں کہ سنہ اٹھارہ سو چونسٹھ عیسوی میں میر صفدر علی خاں صاحب صفدر (مشہور شاگرد حضرت دبیر) نے مجھے ہمراہ لے جاکر میرزا دبیر صاحب کی شاگردی کا اعزاز بخشوایا تھا۔ مگر اب میری بصارت و سماعت و دماغ میں ضعف آگیا۔ سات اولادیں ہوئیں ایک لڑکا اٹھارہ سالہ باقی۔ اور علوم دینی و دنیوی میں کامل تھا۔ وہ بھی مجھے دیوانہ بنا کر ملکِ عدم کو راہی ہوا۔

(۲۲) نواب محمد عباس علی خاں صاحب مرحوم عباس تخلص رئیس اعظم عظیم آباد جن کے یہاں عشرۂ محرم میں مجالسِ عزا پڑھنے کو میرزا دبیر و مرزا آوج مرحومین جایا کرتے تھے۔ اور اب ہمارے استاد زادے جناب رفیع مدظلہ تشریف لے جاتے ہیں۔

(۲۳) میر کلب حسین صاحب مرحوم خاندانِ اجتہاد کے ایک رُکن تھے۔

(۲۴) سردار میرزا صاحب۔

(۲۵) میر حسن جان صاحب بڑے پُرانے میرزا صاحب کے شاگرد تھے۔ انکے بیٹے میر

حسین جان صاحب نے تخمیناً ستّر سال کی عمر پاکر آٹھ نو برس ہوئے جب وفات پائی۔

(۲۶) میر محمد جان صاحب۔

(۲۷) آغا حیدر صاحب یہ آغا حسن صاحب آزل کے حقیقی بڑے بھائی تھے۔ قدرتی طور پر ان کی بھی ویسی ہی پاٹ دار آواز تھی۔ جیسی میرزا صاحب مرحوم کی۔ جب قدرت نے مشابہت پیدا کی تو مقلد کو تقلید میں کیوں آسانی نہ ہو۔ یہ بالکل میرزا دبیر صاحب مرحوم کا طرز پڑھتے تھے۔

(۲۸) آغا حسن صاحب آزل طبیعت دار بزرگوار میر وزیر علی صاحب صبا کے شاگرد رشید اور طبّاع شاعر تھے۔ میر آحسن صاحب مؤلف واقعاتِ آنیس کے حقیقی نانا تھے۔ انہوں نے کمال کیا۔ دو تین مرثیے مرزا صاحب کو۔ دو تین میر صاحب کو۔ دو تین آغا صاحب (عشق مرحوم) کو دکھا کر اصلاح لی۔ اور ہر استاد سے اجازت لیکر دوسرے استاد کو کلام دکھایا۔ پھر ایک عشرۂ مجالس مقرر کرکے ان سب مرثیوں کو میر احسن صاحب کے والدِ مرحوم سے پڑھوایا۔ اور ہر مرثیہ کے پڑھنے سے پہلے ذاکر یہ اعلان کر دیتے تھے۔ کہ یہ میر صاحب کا یہ میرزا صاحب کا یہ آغا صاحب کا اصلاحی مرثیہ ہے۔

(۲۹) حیدر خاں صاحب۔

(۳۰) مرزا امراؤ جان صاحب۔

(۳۱) میر حسین علی صاحب۔ میر ظہیر مرحوم سے مرثیہ پڑھنا سیکھا تھا۔ خوب پڑھتے تھے۔

(۳۲) میر خیرات حسین صاحب۔ ایضاً ایضاً ایضاً

(۳۳) میر حمایت حسین صاحب۔

(۳۴) شیخ علی حسن صاحب۔

(۳۵) آمیر فیض آبادی۔

(۳۶) نواب جعفر علی خاں صاحب۔

(۳۷) آغا سید صاحب۔ میرزا دبیر صاحب اور آغا عشق صاحب دونو کے شاگرد تھے۔ محبت تخلص تھا۔

(۳۸) حکیم میر محمد صاحب برادر حکیم علی محمد صاحب خسر مولوی علی میاں صاحب کامل مغفور

حکیم صاحب میرزا صاحب کے ساتھ کھیلے ہوئے یکرنگ دوست تھے۔ ان کی صاحب زادی کو میرزا صاحب نے بیٹی بنایا تھا۔ جو بعد کو مولوی علی میاں صاحب کامل کو بیاہی گئیں۔ مرتے مرتے وہ اور میرزا اوج مرحوم بھائی بہن کی طرح رہے۔ مولوی کامل صاحب اس رشتہ سے میرزا صاحب کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے تھے اور میرزا صاحب کو ایسی دلی محبت تھی کہ جب کلکتہ مٹیا برج میں شاہ اودھ مرحوم سے ملے تو مولوی صاحب کے باب میں ان کے کمالات علمی کا حال کہکر سفارش فرمائی۔ مگر مولانا کامل جیسے کامل تھے ویسے ہی قسمت کے ہیٹے تھے اس سفارش کا اثر کچھ نہ ہوا۔

(۳۹) میاں تحسین علی خاں خواجہ سرائے شاہی۔

(۴۰) میر شیر علی صاحب

(۴۱) نواب اسد الدولہ

(۴۲) آقا محمد تقی صاحب امین العلماء مقیم کربلائے معلی۔ جناب شیخ زین العابدین صاحب مازندرانی اعلے اللہ مقامہ کے بھی ارشد تلامذہ تھے۔ ستائیس سال ہوئے جب میں کربلا میں انکا مہمان ہوا تھا۔ کامل بزرگ تھے۔

(۴۳) میر اولاد حسین صاحب ساکن آرہ۔

(۴۴) منشی مظفر علی خاں صاحب ہنر مقیم کلکتہ۔ میرزا دبیر صاحب کے مرنے پر انہوں نے ایک پورا مرثیہ میرزا صاحب موصوف کے مداح میں تصنیف فرمایا تھا جس کا مطلع تھا ؎ بے طور گردش فلک کج مدار ہے۔ یہ مرثیہ میرے پاس سے کسی صاحب نے لے لیا۔ ہنر بہت اچھے شاعر و مداح تھے۔ علاوہ مرزا صاحب کے میر مونس مرحوم سے بھی انکو بہت محبت تھی۔

(۴۵) بخشی نونند رائے صاحب کایستھ لکھنوی۔

(۴۶) بخشی مینڈو لال صاحب۔

(۴۷) بخشی الفت رائے صاحب۔

(۴۸) ریحان۔ دیا کرشن صاحب کایستھ جو پہلے موجی رام موجی شاگرد مصحفی کے

شاگرد تھے۔ رات کے وقت حضرت دبیر کے دربار دُربار میں حاضر ہوتے تھے جس جس لفظ میں شک ہوتا تھا پوچھ کر اطمینان کرتے تھے۔ ان کا دیوان "باغ ریحان" چھپا ہوا ملتا ہے۔ اور لکھنؤ میں اکثر ارباب نشاط غزلیں گاتے ہیں۔ سُنا ہے مرثیہ و سلام بھی تھے۔ خدا جانے کیا ہوئے۔

(۴۹) میر علی محمد صاحب سوز خوان مرحوم۔

(۵۰) میر کاظم علی صاحب برجمیت سوز خوان مرحوم۔

(۵۱) میر قاسم علی صاحب برجمیت سوز خوان مرحوم۔

(۵۲) میرزا محمد قلی صاحب برجمیت سوز خوان مرحوم۔

(۵۳) حافظ مرزا محمد تقی صاحب فیض آبادی جو بے مثل مشہور حافظ اور قاری تھے۔

(۵۴) حافظ صاحب نمبر ۵۳ کے بڑے بھائی جن کا نام بھی معلوم نہ ہو سکا۔

(۵۵) میر الفت حسین صاحب

(۵۶) نواب الطاف حسن خاں صاحب رئیس پٹنہ۔

(۵۷) حسن نواب صاحب۔

(۵۸) میر فضل حسین صاحب۔

(۵۹) میر وزیر علی صاحب آخر۔ یہ جناب فارسی میں مرزا اوج مرحوم کے استاد تھے مگر عجب منصف مزاج تھے۔ حضرت دبیر مرحوم کے بعد کلام جناب اوج سُنکر خود ان سے اصلاح لی۔

(۶۰) دارو غہ مرزا حسین علی صاحب۔

(۶۱) شیخ فدا حسین صاحب شہیر و مشہور مقیم حیدر آباد دکن اچھے شاعر و ذاکر تھے یادگار ضیغم میں بھی ان کا مختصر حال ہے۔ سال وفات معلوم نہ ہو سکا۔ حیدر آباد دکن کی خاک تھی وہیں جا کر مل گئی۔

(۶۲) سردار میرزا صاحب محیط۔

(۶۳) میر محمد عباس صاحب وقار پہلے میر ضمیر مرحوم کے شاگرد تھے۔ پھر ان کے حکم سے میرزا صاحب کے شاگرد ہوئے۔

(۶۴) میر اکبر علی صاحب مرشد آبادی۔
(۶۵) مشکور الدولہ مرحوم شاہی مصور و فوٹوگرافر دربار اودھ۔
(۶۶) حضور عالم نواب علی نقی خاں صاحب وزیر اودھ مرحوم۔
(۶۷) شاہزادۂ دہلی مرزا حیدر شکوہ مرحوم۔
(۶۸) میر ظفر حسین صاحب برادر داروغہ میر واجد علی صاحب تسخیر لکھنوی۔
(۶۹) داروغہ میر اصغر حسین صاحب۔
(۷۰) حاجی بیگم صاحبہ اور انکے شوہر نواب دولہا صاحب مرحوم۔
(۷۱) حکیم مرزا محمد علی صاحب بچپن کے دوست۔ ساتھ کے کھیلے ہوئے۔ اور مرثیہ و سلام پر اصلاح بھی لیتے تھے۔
(۷۲) حکیم میر علی صاحب محبوب گنج والے۔ بشرح نمبر ۷۱۔
(۷۳) حکیم میر علی صاحب کے برادر نسبتی۔
(۷۴) میر واجد حسین صاحب نثار جو میرزا صاحب کے کاتب بھی تھے۔
(۷۵) میر واجد حسین صاحب ظہیر اکبر آباد میں رہتے تھے۔
(۷۶) گوربخش رائے صاحب ساکن کشمیری محلہ لکھنؤ۔

مطلع

سروش غیب ہے گویا زبان حمد خدا

مصنفہ

حضرت مرزا محمد جعفر صاحب اوج لکھنوی مرحوم

بنا ۱۲۷۰ھ

یہ مرثیہ مشہور بہ دلیل عقلی حمد باری تعالےٰ شانہ میں تصنیف فرمایا ہے۔

۱۷	۱۷
کروں غیب سے گویا زبان جنبش ۱	حکیم و قادر و خلاق بے مثل ہے کیونکر
ہے جبریل تکلم بیان جنبش ۱	محیط جزو و کل اور صانع ازل ہے کیونکر
ہر ایک بول سے بالا ہے شان جنبش ۱	دوام و اقدامت و وحدت کا حاصل ہے کیونکر
خدا کی شان ہے شان بیان جنبش ۱	بجز اہل حکم عقدہ لاینحل ہے کیونکر
ہے فرضِ نطق زباں آفریں کی حمد و ثنا	بچکارنے میں ہدایت یہ عقل نے کی ہے
سخن کی جان ہے جان آفریں کی حمد و ثنا	معانی ایک ہیں لیکن نزاعِ لفظی ہے
۱۸	۱۸
زہے ثنائے خدا و نوا برد ستاں	ہزار لسنہ مختلف بہ نام ایک
کر خود زبان ستائش ہے جبریل لال	جمال رونے افق رنگ صبح و شام ایک
بلند ہے کہیں اوج فرش ہے کہیں اوج کمال	فروغ شمس و قمر فیض خاص عام ایک
جگہ سدرہ و طوبٰے ہے منتہے پر و بال	نظام ارض و سما حسن انتظام ایک
رسا ہو حدِ ثنا تک نہیں یہ قدرت حرص	خود اس کی نظم پہ شاہد ہے یہ نظام جہاں
ہے تنگ قبر گنہگار سے بھی وسعتِ حرص	کہ غیر کا نہیں محتاج انتظام جہاں
۱۹	۱۹
ہے لازم القدم و واجب الوجود وہی	ہے مخلوقات سے منفصل یہ آپ ہی پیدا
وہی فنا کا سبب اصل بست و بود وہی	نہیں ہے دوسرے خالق کی احتیاج ذرا
خدائے کعبہ وہی لائق سجود وہی	ہے اک وہی کہ جو ہر حادث سے ہے مبرا
ہے ذوالجلال و بجا رب و ہی ودود وہی	کہاں ہے اہل تصوف کی عقل واعجبا
ہر ایک چیز کا آغاز اور مآل وہی	نہیں قبول کے قابل کہ عجز قدرت ہو
ہے لاشریک مگر پھر شریکِ حال وہی	یہ ہے محال کہ وحدت میں عین کثرت ہو

۹

کچھ اہلِ مادّہ کو جنّت وِش نہیں دنیا
کہ مادّہ قوتِ مجبور اور وہ مختار
محال ہے کہ ہو مجبور سے تھوں کار
پئے خلق مادّہ مختار نہیں دشوار

غلط ہے مادّہ کو جو قدیم جانتے ہیں
وہ مشرکین خدا کا شریک مانتے ہیں

۱۰

ہے عدم کے بیچ قدرت نوا اُس کی
نسیم صبح کو تا شام جستجو اُس کی
ہے غنچے کے دل نازک میں آرزو اُس کی
ہر ایک گل میں ہے رنگ و بو اُس کی

زبانِ مرغِ خوش الحاں پہ قیل و قال اُسکی
طرب فزا گل و بلبل میں بول چال اُسکی

۱۱

خود اور کو کب زیب ہے قوت و تاج اُسکو
ہے اپنے بندوں سے پیارا کیا کہ اُسکو
بنا رہا ہے جس دست احتیاج اُسکو
دکھا رہا ہے عدم کا ہتھ مزاج اُسکو

حجاب نور سے کس کا یہ حکم جاری ہے
کوئی نہیں ہے تو پھر کس کی پردہ داری ہے

۱۲

الٰہی تجھ میں ہے بندے کے بیچ فرق کیا کیا
ایک طرف دل دوق میں ہے دوق اُسکا
دماغ بلبلِ خوش نوا میں شوق اُسکا
بسی جہات سے پر حکمتِ وفور اُسکا

ظلام و نور سواد و بیاض اُسی کا ہے
ریاض عالمِ ہستی ریاض اُسی کا ہے

۱۳

اُسی کی حکمتیں ہیں آشکارا ہر طرح سے
خدا ہزار کرم جسپہ وہ کرم اُسکے
بڑے ہوئے ہیں کہیں کہیں تو ہر کم اُسکے
جہنم اُسکا بہشت اُسکا اور ہم اُسکے

جفائیں اُس کی حقیقت میں سب وفائیں ہیں
کہ عدلِ محض کے ہاتھوں کی وہ جفائیں ہیں

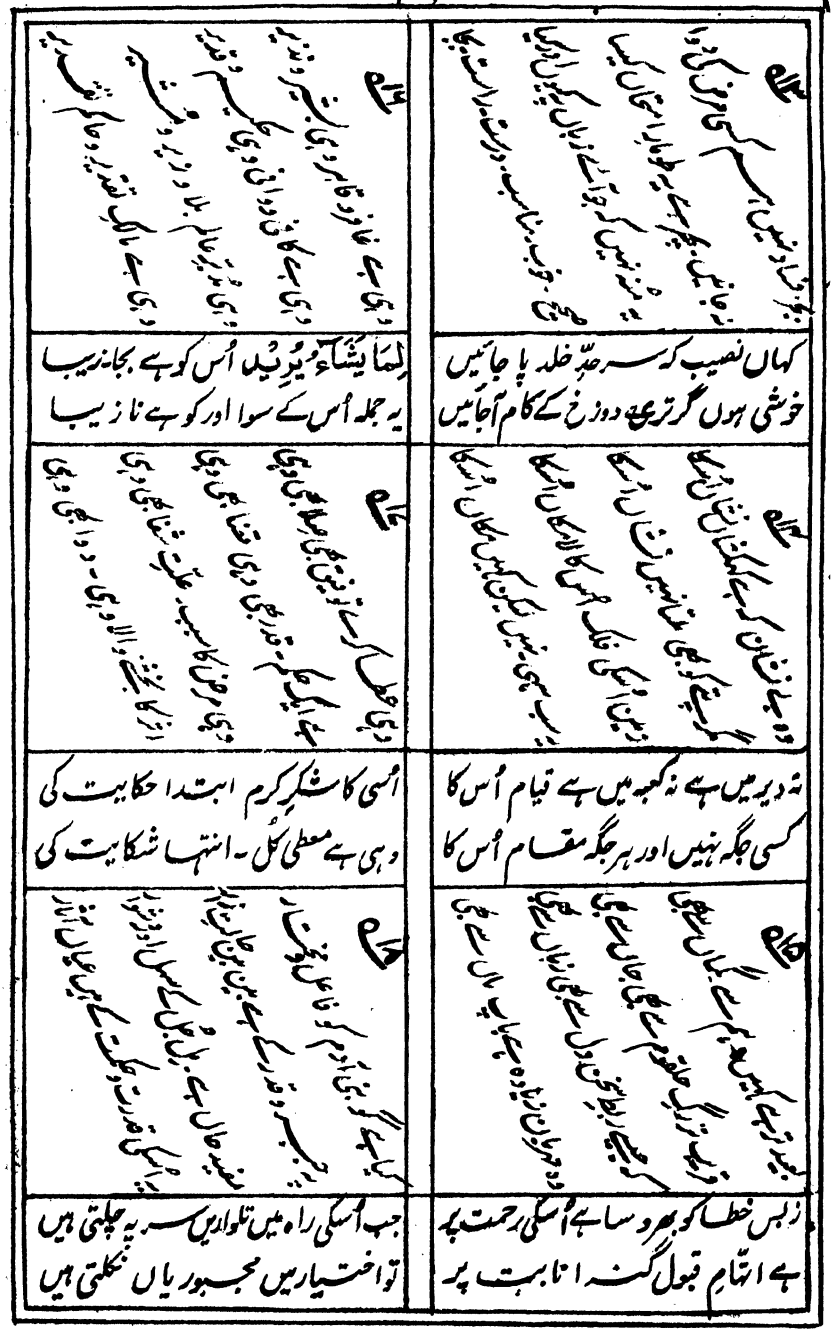

بجز خطا نہیں ہم سے کسی عمل کی توقع
نہ جانیں۔ پھر ہے یہ طوطا امتحاں کیسا
یہ منہ نہیں کہ جو آئے زباں پہ بیچوں لاریب
صحیح خوب مناسب۔ درست راست بجا

کہاں نصیب کہ سرحدِ خلد پا جائیں
خوشی ہوں گر تری دوزخ کے کام آجائیں

وہ بے نشان کہ ہے لامکاں نشاں اُسکا
مگر ہے کوئی مکاں میں نشاں اُسکا
زمیں و آسماں فلک شمس کا لامکاں اُسکا
یہ سب سہی نہیں لیکن کہیں مکاں اُسکا

نہ دیر میں ہے نہ کعبہ میں ہے قیام اُس کا
کسی جگہ نہیں اور ہر جگہ مقام اُس کا

نہیں ہے کہیں وہ ہم سے کہاں سے بھی
قریب تر ہے ہر شے مخلوق سے بھی
کہ جیسے ربط تن و دل سے جاں سے بھی
وہ جو جاں سے زیادہ ہے ماں سے بھی

زبس خطا کو بھروسا ہے اُسکی رحمت پر
ہے اہتمامِ قبول گنہ اثابت پر

وہی ہے فائز قاہر وہی ہے بشیر و نذیر
وہی ہے کافی و وافی وہی ہے حی قدیر
وہی ہے برتر عالم بلا و زیر و وشیر
وہی ہے مالک تقدیر و حاکم تقدیر

لِمَا یَشَاءُ یُرِیْدُ اُس کو ہے بجا زیبا
یہ جملہ اُس کے سوا اور کو ہے نازیبا

وہی ہے علت اولیٰ وہی ہے علت ثانی
وہی ہے ایک حکم۔ قدر بھی وہی قضا بھی وہی
وہی مرض کا سبب۔ علت شفا بھی وہی
اثر کا بخشنے والا وہی۔ دوا بھی وہی

اُسی کا شکر کرم ابتدا حکایت کی
وہی ہے معطی کُل۔ انتہا شکایت کی

کیا ہے گو بنی آدم کو فائز مختار
یہ جبر و قدر کے ہے بین بین حالت زار
لیکن حال ہے بل جبر کے اصل اور فرع
اسکی قدرت و حکمت کے ہیں عیاں آثار

جب اُسکی راہ میں تلواریں سر پہ چلتی ہیں
تو اختیار میں مجبوریاں نکلتی ہیں

۳۱۷

وہ کون ہے کہ جسے ابتدا نہیں سکتا
بشر امید کی کشتی کو کھے نہیں سکتا
وہ جس سے کوئی بھی اس سے دغا نہیں سکتا

بغیر اُس کے دیئے غم بھی ٹل نہیں سکتا
بہشت کیا کہ جہنم بھی مل نہیں سکتا

۳۱۸

وہ بے نیاز کہ وصف سے بے نیاز خود
کیا ہے لطف و کرم اپنے واسطے لاابد
وہ بخشوں کا شد و مد کی وہ شدید
نزول وحی کا روح القدس کی آمد و شد

کس اہتمام سے پوری ہوئی ضرورت حق
رسالت اور وصایت کے بعد حجت حق

۳۱۹

جسے ذلیل کرے وہ جلیل ہو نہ سکے
جسے جلیل کرے وہ ذلیل ہو نہ سکے
فروب وہ حکم قوت کفیل ہو نہ سکے
ضعیف و زبردست قبیل ہو نہ سکے

کب اُسکے فعل میں زیبا ہے قیل و قال ہمیں
محال سہل اُسے سہل ہے محال ہمیں

۳۲۰

فلک سے دیوے کچھ خاک ہو نہیں سکتا
زمیں سے تخم بجز تخم اپنے بو نہیں سکتا
خود اپنی بھائیوں کو جانہ کھو نہیں سکتا
شن اپنا آب سوا آب دھو نہیں سکتا

عطش بجھا نہیں سکتا اگرچہ آب میں ہے
بجز ہوا نہیں کچھ کاسۂ حباب میں ہے

۳۲۱

دلیل اسکی ہدایت ہے یہ سراسر
کہ ایک لاکھ اور اسی ہزار پیغمبر
ہر ایک کو سنمیں معجزوں کی دی کمر
بنائے عفت و عصمت سے خلعت و زیور

ہمارے واسطے بھیجا کہ تا نہ ہوں گمراہ
اُسی کے جادۂ قربت کی پائیں ہم تم راہ

۲۵

وہ سمیع کہ ہے گوش شنوا سے فریاد
خوشا بصیر کہ ہے چشم دیدہ سے مراد
جو بھولے سے بھی کسی کو کبھی نہ آئیں یاد

خبر کو بھی نہیں معلوم کچھ خبیر جن کی
وہی خبیر ہے لیتا ہے جو خبر ان کی

۲۶

نظام خلق کا بجود ہے وہی مرجع
اُسی کی ذات ہے بس قابل سجود و رکوع
کہ ہے وہ داخل فطرت اسی کی سمت رجوع

محبت اُس کی محبت دیئے ہوئے ہے ہمیں
وہ مائل اپنی طرف خود کیئے ہوئے ہے ہمیں

۲۷

ہو اُن کرم کی ہوس کے سخی تو امید کیا
کہ طول دوش میں ہیں بحر و بر بایا
مگر خصوصیت کریم ذوالاحساں
ہے نیچی کی کوتہ نگاہ کا داماں

ہو درد حسرت و ارماں کے بازوئے شل میں
نہ آسکے وہ عطا آرزو کے آنچل میں

۲۸

ہے آسکے طارم رفعت کی خاکدانی میں
اُسی کی قدر کا ہے ہلال نیو شش جہت
ہے اسکی درگہ عزت کا ذرہ مہر منیر
اُسی کا نقطہ وہ بود و نبود ہے ابر یسیر

کرم کی اُس کے بحور رواں دلیلیں ہیں
یہ اُس کے فیض کی چلتی ہوئی سبیلیں ہیں

۲۹

نہ کیوں ذات صفات اسکی ثابت ہوں ہمیں
بری ہے جسم سے جہانیت سے وہ یکتا
وجود و صف ہے سرمہ بر اے چشم بینا
معائنہ کسی صورت سے ہو نہیں سکتا

غلط ہے، خلق جہاں کیا ضرور تھا اُس کو
ہر اک صفت کا دکھانا ضرور تھا اُس کو

۳۰

ہے قادر مطلق وہ صانع ذوالشان
ہے اسکی ذات پہ ہر عالم امکاں
وہی ہے ظاہر و باطن ہیں آشکار و نہاں
ہزار صنعتوں کا ہے خزینہ اک انساں

دکھائی ہیں یہ قدرت سے صنعتیں کیا کیا
بنائی ہیں گل حکمت سے مورتیں کیا کیا

۱ صفات خدا عین ذات خدا ہیں ۱۲

۳۱

وہ نور تھیں کہ جو بنتے ہی بول اٹھیں فوراً
نہیں ہے تیرے سوا کوئی خالق ان کا
یہ رنگ و روپ یہ بانکی ادائیں یہ چتون
بنایا تُو نے یہ بُوٹا سے قدرگل سے بدن

ہر ایک شکل ترے ہاتھ کی سنواری ہے
کہ بال بھر نہیں خامی یہ پختہ کاری ہے

۳۲

وہ ناخنوں نے بانی نظر سے دیکھے پائی بیک
کہ تا قیام رہے بے ستون بہت فلک
بہشت و کوثر و طوبیٰ و حور و جن و ملک
ہے سب کے جلوہ قدرت کی ان میں جھلک

زبانِ حکم سے دو حرف یک بیک نکلے
نجوم و شمس و قمر دفعتہً چمک نکلے

۳۳

وہ انگلیاں کہ انہیں بھاڑ کر نکلے
ہزار رنگ سے برگ و گل و ثمر نکلے
صدف سے مثل سے چکتے ہوئے گہر نکلے
لگا کے جو میں غوطے جا بجا ابھر نکلے

زمیں نے پاؤں یہ پھیلائے آسماں سر کے
اُٹھے پہاڑ جواہر سے جھولیاں بھر کے

۳۴

وہ کفِ خاک سے کیونکر بنائے نورِ خدا
ہے مختصر سی یہ توصیف حسن مطلق کا
بنا کے صانع قدرت نے جب انہیں دیکھا
تو اُن کی صنعتوں پر آپ ہو گیا شیدا

جو اُنکے بعد کیا خلق سب خدائی میں
وہ اُنکو بخشدیا یہ پہلی رونمائی میں

۳۵

وہ کون جنس ہے جو اُن میں نہ ہو بدرجۂ اتم
کہ محض نورِ خدا۔ اصل میں ہے خاک اُن کی
وہ کس طرح سے دکھایا ہے اُنکے ابتجلی
کہ جن سے حسن ہویدا ہے اُنکا لال

۳۶

وہ کون ختمِ رسالت اور آلِ پاک اُن کی
فدا ہے نورِ خدا جنہیں بنایا ہو
جمالِ خاص کو جن پردوں میں دکھایا ہو
بلا کے عرش پہ نزدیک تر بٹھایا ہو

اب اُن کے حُسن کی تعریف کیا کرے کوئی
کہاں تلک کہے۔ کب تک سُنا کرے کوئی

۳۷

وہ کیفیت فلک سے کیونکر بنائے نورِ خدا
ہے مختصر سی یہ توصیف حسن مطلق کا
بنا کے صانع قدرت نے جب انہیں دیکھا
تو اُن کی صنعتوں پر آپ ہو گیا شیدا

جو اُنکے بعد کیا خلق سب خدائی میں
وہ اُنکو بخشدیا یہ پہلی رونمائی میں

۳۴

پر اس عطیہ کا حاشا نہیں ہے یہ مطلب
خدا ئی دیکھے انہیں ہو گیا معطّل رب
مقولہ ہے یہ حقیقت کھلا کے فرق ادب
چھپا لی ہے حق قابل قبول ہیں سب

لبِ عطاؤ کرم سے سنو ترا نۂ حق
کہ خالی ہو نہیں سکتا کبھی خزانۂ حق

۳۵

جمال یوسف کنعاں کہاں حسین کہاں
ہوئی تھی ایک زن مصر یہ فریفتہ واں
جمالِ پاک حبیب خدا میں قرباں
کہ ان پہ شیفتہ ہے آپ خالق سبحاں

مقابلہ ہو جو یوسف سے ان کی صورت کا
تو حال پیشِ ملاحت کھلے صباحت کا

۳۶

فلک۔ زمین۔ قمر۔ شمس۔ آب۔ کچھ بھی نہ تھا
سوائے نورِ رسالت مآبؐ کچھ بھی نہ تھا

۳۷

جہاں کہ جن اشیائے کہنہ کا شمار
خدا ان سے قبل کہیں نور احمدی تھا
ہیں چار لاکھ برس اور بست و چار ہزار
سوائے عاشق و معشوق کوئی اور نہ تھا

دوئی ضرور تھی پر ثالثی کا طور نہ تھا

۳۸

یہ پیش پیش تھے تب بط جسم و جاں میں نہ تھا
یہ جب تھے آنکھ کا پردہ بھی درمیاں میں نہ تھا

۳۹

بنایا نصف سے تو خاتم الرسالت کو
رہا جو نصف تو اُس سے شہ ولایت کو

۴۴

ظہورِ اوّل اسما کے لیے اگر اعداد
عیاں ہوا سمِ شریف علیک نہاد
بقیہ حرفوں کے اعداد کی ہے ایجاد
کہ نام پاک محمدؐ کی اُنسے ہے بنیاد

۴۵

حسب نسب ہے جو ان کا وہ لاکلام اُن کا
کہ اُنسے نام ہے اِنکا اور ان سے نام اُن کا

۴۶

یہاں تلک کہ وہی نورِ خاصۂ قیوم
ہوا بنائے ذواتِ جسیم ردہ معصوم
کہ جیسے لفظ تو ہو ایک اور کئی مفہوم
ہوا ہے صاحبِ علم اس سے یہ معلوم

خدا گواہ کہ نامِ خدائے ذوالمن ہیں
اسی سے ایک حقیقت میں چارده۱۴ تن ہیں

۴۷

غرض وہ نورِ مجسم وہ نورِ حق اظہر
کہ جس کے ذکر بالاجمال کی ہے یہ تفسیر
ہزار سال تلک استادہ پیش ربِ جلیل
رہا بسیط قیوم جسم جسم بجسم بسیل

معاملات تھے نازک وہ کیا؟ وفا و کرم
ادھر خلوص و نیاز اور اُدھر عطا و کرم

۴۳

آدھر سے تھی نظرِ رحمت اور یہ ارشاد
تو ہی خدا کا ہے مقصود اور اصل مراد
تو ہو گزیدۂ خالق ہے بہترین عباد
تو ہی ہے باعثِ ایجادِ عالم ایجاد

قسم بہ عزّتِ خود گر تجھے نہ کرتا خلق
تو پھر کسی کو نہ کرتا خدائے یکتا خلق

۴۸

وہ نور جس سے ہوئیں بیخبار اسکی
وہ حق کے باغ میں بیشک ہیں شاخسار اسکی
کمالِ حسن یہ ہے خوبیٔ صفات اسکی
بنائے خلق دو عالم ہے ایک ذات اسکی

ہے دوشِ پاک میں اس طرح شیونِ شانِ قدم
کہ جیسے دالِ صوت اُنکا درمیانِ قدم

۴۹

زمیں جلیل بھی ہے اسم اقدس باری
دکھائیں خیبر و اکوطلا تیں ساری
بیان کیا شبِ معراج کی ہو تیاری
کھنچے فلک سے سراپردہائے زنگاری

رہا حجابوں میں جو نور ایک مدت تک
وہ پھر زمین سے پہنچا حجابِ قدرت تک

۴۹

کمر تیرِ بلا ہے اُسی ذات کی صفت مطلق
تو اُس صفت کو بھی اُسنے دکھا دیا ہمکو
پھلے براق پہ چڑھکر جو سیر دوزخ و جنت
خیال دوڑ کے تھک کر ہوا ہوئے غرقِ

ملائکہ سے نہ ہمراہ جا سکا کوئی
یہاں گرا کوئی تھک کر وہاں گرا کوئی

۵۰

ہے گم ہونا مہ و مہر اج میں جو وہ نہ ہوتی
نہیں ہے ساعت معراج کی طرح سے تمام
فلک سے سیر۔ خبر تا بکوہ۔ عرش مقام

نوید قرب سے ہے مژدۂ فرح وہ بھی
گزر گیا شبِ معراج کی طرح وہ بھی

۵۱

گراں ہے سخت خرام نسیم کی رفتی
دکھا رہے ہیں سموں سے پہنچ برق بھی
بلند آہ موجوں سے ہے خبر سے بشری
سمندِ فکر کو وحشت میں ہے یہ سرگرمی

کہ سجدہ کرتا چلوں ساتھ وقتِ رم اُسکے
میں سر جھکاؤں جہاں تک اُٹھیں قدم اُسکے

۴۸

بڑھا جو ساحتِ سدرہ سے مرکبِ خوش گام
تو جبرئیل سا ایک عبیل بیت الام
ٹھٹک کے رہ گیا۔ چھوڑی براق شوکی لجام
کہا بڑی کرم سے اسے بلند مقام

اُٹھے جو پاؤں تو آرے عتاب کے چل جائیں
ابھی تو برق تجلّی سے بال و پر جل جائیں

۴۹

خوشا منازلِ اعزاز و جاہ و فخر و شرف
ملائک ایک طرف وہ براق ایک طرف
یہ زیر ران ہوا فائب گرے وہ ہوش بھ
وہ اڑا اجیر کہ ابجد سا بھر فرف

وہ گم ہو جب تو یہ اعزاز کس کے ہاتھ رہے
وہی حدوث و قدم دونوں ساتھ ساتھ رہے

۵۰

کئی ناگوار برس چیسال کی فرقت
وہی شعلے راز و نیاز اور پھر وہی خلوت
ہے بات بڑی کی اسرار پردہ قربت
کہ دو کماں سے بھی فصل تھا نہ جاؤ قریب

اِدھر ادب کا تقاضا یہ تھا نہ جاؤ قریب
اُدھر یہ حکم۔ قریب آؤ۔ اور آؤ قریب

۵۵

ہزار بار یہ آواز آئی اور ہر بار
حجاب سطح ہوئے ستر ہزار جلوۂ نار
ہر ایک مرتبہ اک حاجت نشہ ابرار
عطائے حق سے عطا ہو نہیں تو یہ ہزار

یہاں تلک کہ رہا فصل دو کماں سے بھی کم
خوشا وصال کہ تھا فصل دو کماں سے بھی کم

۵۶

نبی حضور کی نعلین عرش کا سرتاج
جو اہل عشق ہیں تاویل کے نہیں محتاج
پر اس دلیل کو لب سے نہ بتایا آج
خود اپنے حال پہ شاہد ہے سرعت معراج

یہ اشتیاق کو تعجیل تھی ملانے کی
ملی نظر کو بھی رخصت نہ آنکھ اٹھانے کی

۵۷

گیا وہ نور کہ سر جو دیوان حجاب
تو سطلعن کا ہوا قلب مطمئن سے تاب
حجاب سے یہ قدرت ہوا انور شتاب
خدا کا ہاتھ ہوا زیب بر و دوش جناب

جب اپنا ہاتھ سر دوش کبریا رکھے
ہو کیوں سکون نہ اُس قلب کو خدا رکھے

۵۸

گئی ہے عقل رسا اس گڑی کہاں کہ یہاں
خدا کے ہاتھ کا وہ جان آ گیا ہے مجھ کو یہاں
نبی کے دوش پہ رکھا خدا نے ہاتھ جہاں
علی نے بت نہ رکھی میرے کاندھے پاؤں یہاں

یہ درجہائے رفیع اور کب کسی کے تھے
وہ جسکا ہاتھ تھا یہ پاؤں بھی اُسی کے تھے

۵۹

وہ جانتے ہیں جنہیں دین حق کا ہے ادراک
کہ یہ بھی تھا اسی لاجسم ہی کا تصرف پاک
جنوں کے جس سے کیے کی تھی بیں غماک
خدا نے ہاتھ سے اپنے کیا مگر اپنا پاک

ہزار شکر کہ فخر خلیلؑ آ پہنچا
گرا ہوا حجر الاسود اپنی جا پہنچا

۶۰

جو شاہ راج اعوذ بالله جبرئیل
جو نائب خدا کے وزیر
امام مفترض الطاعہ اہل دیں کے ولی
کہ جس کا خیر نساء بابہ شیر و شبیر

خدائے پاک نے کی شرع استوار اپنی
کہ اپنے ہاتھ میں دی اُسنے ذوالفقار اپنی

۱۱۱

ذکر میں ہیں کار فرما جو صفاتِ اسمی کے
ظہور ان صفات کا دکھلاتا صفاتِ ذاتی کے
پس ان صفات کا مظہر ہوئی ہیں ذات حق کی
نبی کے قوتِ بازو ہیں اور خدا کے ہاتھ

رسولِ پاک کا ہے خون و لحم و شحم اِن کا
خدا کا قہر ہے قہران کا۔ رحم۔ رحم اِن کا

۱۱۲

ہوئے ہیں جمع صفاتِ جناب میں اضداد
جو ہیں صفاتِ حق۔ قانع و مقنع و جواد
رحیم و قاہر و شہر و رؤف و معدلت بنیاد
سلیم و حاکم و ذی آہ۔ شجاع و حلم نہاد

یہی ہیں نقشِ نگیں خاتمِ سلیمانؑ کے
انہی کی تیغ سے جنات نے کنوئیں جھانکے

۱۱۳

عجائب اور غرائب کے ہیں یہی مظہر
کہ جیسے پھول متعدد صنائع اور اک معدن
انہی سے بہت ہوئے آحاد و مرجع مخزن
کسی کا خشک ہوا خون کوئی خون میں تر

انہی کے ہاتھ سے یا رب واحد نے
انہی کے پاؤں سے سیکھا چلن شریعت نے

۱۱۴

اب اس جگہ پہ کچھ اوصاف سننے چاہئیں
کہ بخشش و کوشش والا دیکھئے دریا سنئے
جلال و جاہ کا قصہ جدا جدا سنئے
پر اصل یہ ہے کہ کیا کہئے اور کیا سنئے

ہے ذکرِ مرتضوی عین مصطفےٰؐ کا ذکر
نبیؐ کا ذکر حقیقت میں ہے خدا کا ذکر

۱۱۵

ہے اسکے ذکر کا مصداق علیہ کیا مذکور
رسولوں کے ہے صحائف میں جابجا مذکور
کسی میں ذوالف الم میم را مذکور
کسی میں طٰہٰ کسی میں ہے الیٰسٓ مذکور

انہی کے وصف سے قرآن پاک میں خس ہے
کہ بائے بسملہ سے سینِ ناس تک بس ہے

۱۱۶

ہے ذکر خواب میں یوسف کے وہ جمال ایسا
ہے ذوالجلال کی جنت وہ فیضِ حال ایسا
شمار قطرۂ باراں نہیں مجال ایسا
بیان کا وصف بیاں ہو کہاں مجال ایسا

طیورِ قدس کا اس متقے نے اڑایا ہوش
پروں سے پونچھ کے منقار رہ گئے خاموش

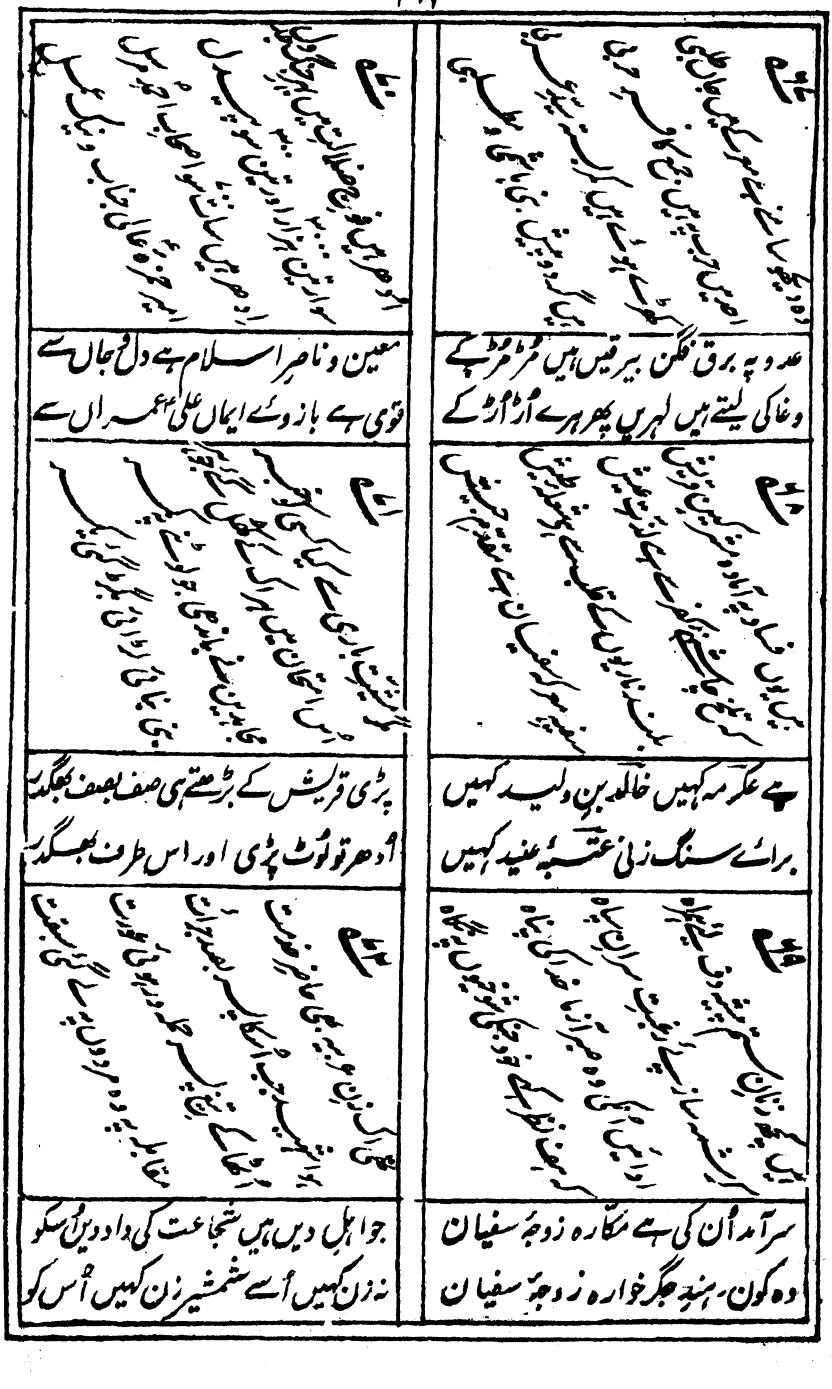

۱۷۴	۱۷۵
اصرین دین پہ کوہ غم و بلا ٹوٹے زمین لرزی فلک آفت سے بر ملا ٹوٹے نہ رنگ فاطمہ کے کیوں بانوئے جفا ٹوٹے غضب ہوا در دندان مصطفےٰ ٹوٹے	۱۷۵ یہ حفظ حق ہو جو شامل گزند کیا پہنچے پر اپنے کھولے ہوئے جبرئیل آ پہنچے
۱۷۶	۱۷۷
فزوں آئی جوش میں انجام کار غیرت حق کہ دولت نبی محتشم تھی ذلت حق پڑا تھا اسد اللہ میں بھی نظر غیرت حق یہ دو عزیز ہیں معین نصرت حق	۱۷۷ اب آس پاس نبیؐ کے سوائے یاس نہیں علیؑ و حمزہؓ ہیں بس اور کوئی پاس نہیں
۱۷۸	۱۷۹
ہزار کٹے ہوئے کو شش ہوئی کیا کیا مگر بنا نہ خدا میں رہے حبیب خدا سرائے دہر نہیں ہے زمیں قیام کیا شہید ہو گئے حمزہ سے وارث بقا	۱۷۹ عزیز دل ہوئے یہ۔ اُسنے اپنا سر کھایا یہ ہند کا تھا جگر حمزہ کا جگر کھایا
۱۸۰	۱۸۱
ابا اک امیر علیہ السلام میں ہوں کہ اڑ رہے ہیں حضور نبی ذریت دو دو ہزار ہا کے مقابل ہے ضیغم معبود علم ہے دست مبارک میں تیغ خوں آلود	۱۸۱ وہ کون صف ہے برش کی جہاں پکار نہیں خدا کی حجت قاطع ہے ذوالفقار نہیں
۱۸۲	۱۸۳
رواں ہے رزم کے میداں میں ابن ابن قلم ہے معرکے میں شجاعت کے امتحان قلم بلند دوش مضامیں ہے یا نشان قلم ہے کہکشاں سے فزوں تر نشو و دان قلم	۱۸۳ سپاہ کفر و ضلالت لہو اُگلتی ہے اُحد میں تیغ جناب امیرؑ چلتی ہے
۱۸۴	۱۸۵
سر اٹھائے دوش پہ کہتے ہیں وہ قضا آئی زمین پاؤں پکڑتی ہے وہ بلا آئی بھر گئی وہ صفیں خاک پہ بچھا آئی خدا کا قہر و غضب بن کے یا وہ کیا آئی	۱۸۵ پکارتی ہیں یہ روحیں کشاکش آفت ہے ہے دیر حشر کے آنے میں کیا قیامت ہے

۷۹

اجل ہے قبضے کے قبضے میں جب سپاہی کو
اجل کے دی ہے معنوں نے جب صفائی کو
بدن سے دیکھیے یک لخت کس ادائی کو
سر آتے بڑھتے ہیں گردن پہ پیشوائی کو

چمک چمک کے جوانوں نے خودنمائی کی
برش نے تا سر دُنبالہ پیشوائی کی

۸۰

دو بادل اس کے ہیں جو ہر کہ فوج کے کنارے
ہیں بارش سر دیکھیں سے ہوش ان میں
گرہیں یہ مژہ خوابناک چشم اجل
ہے جن کے خواب سے بیدار تیغ مقتل

وہ نا ہیں جن کو قضا کے گلے کا ہار کہیں
جو آنکھ ہو نگہ سرمہ سا کا تار کہیں

۸۱

جگر میں بیٹھ گئی۔ سینے سے دو سار ہوئی
ادھر نظر میں کھبی اور دل کے پار ہوئی

ہر ایک حملے میں ہیں اُس کو فوج سے ملتے
جھلم۔ کلاہ۔ زرہ۔ چار آئنے۔ چلتے

۸۲

ہے دم قدم سے اسی کے جہاں کا بود و نبود
خرام لیتی ہے وہ پیکروں میں جان مجسم
بدن میں تاب تواں نوش و لب سے گفت و شنود
سروں سے ہوش دلوں سے شکیب و زور و نمود

ہر ایک حملے میں ہیں اُس کو فوج سے ملتے
جھلم۔ کلاہ۔ زرہ۔ چار آئنے۔ چلتے

۸۳

خمانیں دوش سے۔ ترکش سے تیر سینوں میں
قتال بھوں سے۔ بھوں سے قتال۔ قتال سینوں میں
سروں سے روانی تو خنجروں سے خم
سپر سے سینہ پہ کینہ سے جنگ کا عالم

سناں کی چوب سے۔ کس بل۔ تو دم سنانوں سے
نشان شانوں سے اور بیرقیں نشانوں سے

۸۴

بلائے جاں ہے اجل فتنوں سے تیغ ظفر
یہ ہانکتا ہے جو سرگوں سے تیغ ظفر
سر سے قبضے تک لاکھوں سے تیغ ظفر
محیط فوج میں اک موج خون سے تیغ ظفر

لگاؤ میں خلش زندگی نہیں رکھتی
کہ بال بھر سر و تن کی لگی نہیں رکھتی

۸۵

گرے میں بجلی سا فتنہ و شور ہو کر
گمان ابر دے باطل نہ رکھی شک سے
آوئی جو بند ضلالت کی چشم خونبار
کرے ہے بیت و جرأت کے کھل گئے خنجر

نہ پہنچے اہلِ غنا اپنی حد پہ سم کی طرح
فراریوں کے قدم اُٹھ گئے علم کی طرح

۸۶

ہے گو کوب فتنی ذائے تیغ کا طال
جواب دیتی ہے امن و اماں کو وقت زوال
بجلیوں سے سرور کرو کے لیئے کا ہے بغال
عیاں ہے جوہرِ ابدیہ عدم کا خیال

سقر کی منزلیں نا بیں ہیں رہ گزر کے لیئے
تو باڑھ جادۂ راہِ فنا ہے سر کے لیئے

۸۷

خم خسارہ دو بیکر ہے موت کا بچھو
نوید ہے کشش مژہ کا بالکل
ہے آگے آگے اجل پیچھے پیچھے حرص و ہوس
خیاں زخم ہے دامن نگہ پہ لگل

دمِ ستیز ہو سبز خاک گلشن عجب
کہ اُس کے ہاتھ سے ہے چاک چاک دامنِ عجب

۸۸

بارش کے چھینٹوں سے ہر چیز میں ہوئی تیزی
ہوا میں گھٹے ہیں اس شرار بھگے مشک خنجر
بے کف سوز بجلی کے صاعقہ پیکر
کر رنگِ عاشقِ خوزاں کی طرح ستمگر

شکست بتکدوں کی رونقوں کو دیتی ہے
نگارخانۂ آذر سے باج لیتی ہے

۸۹

نہ پوچھو بسملوں سے جان کھونے کا مزا یا
زمین سرکہ پہ اپنا خوں بہا یا
جو کھایا تیغ کا پھل روح نے مزا پایا
پیا خون کے گرنے سے نہ ذوقِ جام پایا

صفوفِ کفر و دغا پیش تیغ جم نہ سکے
ہوا کے سامنے جس طرح خاک تھم نہ سکے

۹۰

قدر کا فضل ہوا اپنے دین کا یاور
سپاہ کفر پہ حاصل ہوئی بنی کو ظفر
رواں دواں ہوئے تقدیر جبر سے کیسے
کہ جیسے آندھی سے ہوں فوج ہاتھ سے لیکر

ادائے شکر پہ طبعِ مجستہ ذات آئی
کہ اپنے قوتِ بازو سے فتح ہات آئی

۹۱

زنش صبور بھی ہے ربِّ واحد و قادر
پہ وصفِ پاک بھی ہوتا کہ کس سے ظاہر
خدا یہ ہو نہیں سکتی جفا سے ماہر
یہاں خود پیچھے ہیں اس تک سے تیغ قاہر

محالِ عقل ہے قابو ئے خلق خالق پر
نہیں ہے عجز کو فوق اختیار فائق پر

۹۲

دہے مصداق خلاق فہم و عقل و خرد
حسن حسین کو پیدا کیا مثالِ جسد
ہے ان کا خون ان بدن خون سید ابجد
وہ در بہائے شہادت نہیں ہے جنگ صمد

دو نوعیں اُنکی ہیں اک ہے خفی اور ایک جلی
خجستہ فال خفی ہے تو سعد و نیک جلی

۹۳

کہ ہیں صبور کے جو خاص بندے مقبول
وہ کون لوگ ؟ رسولؑ اور آلِ پاک رسولؐ
ہوں مبتلائے بلا ظلم و جور سے مقتول

دکھائے صبر خدا اُن کی ذات اعلےٰ سے
بچائے اُن کو وہ قادر نہ ظلم و ایذا سے

۹۴

کیا ہے ہنسنے ابھی جس وفا کا حال بیاں
نبیؐ کے گھر کے ہر اک فرد کا ہوئے شہید جہاں
امیرؑ حمزہؓ غازی ہوا قتل میں سناں
مگر حفاظتِ حق میں رہے رسولؐ زماں

اگر شہید نبیؐ جلیل ہو جاتا
خدا کا دین معزز ذلیل ہو جاتا

۹۵

یہ دو میں ہیں سبب اختیار بہر قدیر
ہوئیں خفی و جلی بہر شر و خیر
ہے ایک کشتہ شمشیر ایک کشتہ شیر
کہاں یہ عیشِ مصطفےٰ سے کی تاثیر

وہ درجے ان سے گئے اپنی اپنی سرحد تک
کہ پہنچا صبر خدا تک، شہادتیں جد تک

۹۶

سناؤں کشتہ شمشیر کا میں حال عجا
وہ دھوپ اور وہ گرمی وہ دشت کربلا
وہ بیکسی کا غلبہ اور وہ سامنے دریا

وہ بیکسی وہ ہجومِ سپاہ چار طرف
وہ ایک جانِ حزیں اور دُکھ ہزار طرف

۹۶

وہاں یہ ناز کہ سر کیوں فراز نیزے کے
یہاں نیاز کہ جا باز کیا نہیں کرتے
بلا میں دفع بلا کی دعا نہیں کرتے
سوائے سنگ رہِ خدا کچھ گلا نہیں کرتے

سنانیں کھاتے ہیں سینے پہ تیغ تولے ہوئے
جگر پہ روکتے ہیں تیر بند کھولے ہوئے

۹۸

عزیز و خویش و برادر میں سب ہوئے قرباں
زمین کربل خونیں میں سج گئے خیمیاں
شکستہ دولت عباس سے ہے مرتا سر
جوان بیٹے کے غم سے ہے چاک چھاتی پر

فلک کو غلغلۂ العطش ہلاتے ہیں
حرم کے نالۂ جانسوز دل جلاتے ہیں

۹۹

ان آفتوں میں گھرا ہے وہ سید ممتاز
نہیں ہے کوئی بجز سوزش جگر دمساز
یہ ہے بجھا ہوا شعلے کی صورت فرقت نیاز
خدا کی یاد میں بھولا ہے سب کو وہ جانباز

خدا کے آگے نہیں کوئی اُن کو پیارا ہے
اب اہلبیت کی بے پردگی گوارا ہے

۱۰۰

مطیع مرضی محبوب ہے وہ عاشق زار
اگر ہو اُن کی اذیت خدا پہ ہے دشوار
پر اپنے صبر کا ہے آپ ممتحن غفار
بجز سکوت نہیں اب کچھ اور چارہ کار

یہ جسم گزرے وہ جانے و یا خدا جانے
رموز عاشق و معشوق کوئی کیا جانے

۱۰۱

بلند ہاتھوں پہ ہے ایک شیر خوار صغیر
سوال آب میں ہے وہ امیر ابن امیر
بخیل چپ ہیں وہ مظلومیت کی ہے تقریر
مگر جواب میں آیا ہے حرملہ کا تیر

خدا کی لعن ہو اہلِ جفا کی گھاتوں پر
کہ ذبح ہو گیا بچہ پدر کے ہاتھوں پر

۱۰۲

یہ پوچھتا ہوں میں اہل ستم سے اُن
کہ ذبح ہو گیا کس طرح تیر سے ناداں
چھری ہے ذبح کی خاطر یہ جانتا ہے جہاں
گلے سے بچے کے چھوٹا خنجر کا پیکان

یہ وجہ تھی کہ نہ حلقوم شیر خوار چھدا
یہ ہائے بازوئے مولائے بے دیار چھدا

۱۰۴	۱۰۴
لکھا ہے گردنِ معصوم سے جو فون بہا	کلاوہ پھر سے یہ مولا نے اپنے وا منہا
اُٹھا کے ہاتھوں پہ طفلِ رضیع کا لاشا	بچشمِ حسرت و غم سوئے آسماں دیکھا
کیا گواہ خدا کو پھر آہ و زاری کی	یہ قول دین کے حق ہونے کی دلیلیں ہیں
بڑی دلیل ہے یہ بھی وجود باری کی	کن آفتوں میں ہدایت کی یہ سبیلیں ہیں
۱۰۵	۱۰۵
نہ ہوتا کوئی تو کہتا یہ کس سے وہ دلگیر	خدا رسول کو کل کیا جواب دیگا تو
ہوا گواہ رہیو کہ مارا ہے بے خطا شبیر	سکھے یہ تیغ ہے سینے پہ سوار ہو
اسی تپش سے ہے قول خوارزمی شبیر	یہ حکم دے کہ نہ بیکس کو ہاتھ سے کھو
امام بھر کی گردن تھی جب یہ تشنہ شبیر	
فلک سے سوئے زمیں جو گئے خوں اُبلتی تھی	جو ہو ثبوت عقائد کے واسطے کافی
لہو برستا تھا آندھی سیاہ چلتی تھی	وہ اک جواب ہو سب شبہوں کے ٹلنے کافی
۱۰۶	۱۰۶
نبیؐ کے لال پہ آمادۂ جفا ہے تو	زمیں سے نالۂ غم عرش کبریا پہ گئے
وہ ذبح ہوتے ہیں اور ہائے دیکھتا ہے تو	لہو میں لوٹ کے سب اپنی اپنی جا پہ گئے

۱۰۹

شہید ہو گئے جب سبط سرور رسول ثقلین
قرار بن سعد کو پہنچا یہ حکم ابن زیاد
کہ نور عین نبی سے مجھے دلا ہے عناد
تو بید قتل ہے یہ نظر یہ ظلم و فساد

۱۱۲

خموش میں رہے میکال پھینک کر بیڑیاں
تو پھینکنے لگے سر رکھے صور اسرافیل
تڑپ سے گر پڑے سدرہ کی بھی جڑ جڑیں
فلک لرز گئے خشیت میں آیا عرش جلیل

حسینؑ کا تن مجروح زن میں ہو پامال
کرونگا خلعت وزر دیکے تجھ کو مالا مال

کوئی نہ تھا کہ جو سید کی لاش اٹھا لیتا
زمین سے جسد پاش پاش اٹھا لیتا

۱۱۰

ہر ایک صف میں منادی جبک دی یہ ندا
کہ کوئی ایسا نہ سنیدوں کی لیں سوار اٹھا
کہ نہ کھلیں ابھی افسران فوج دغا

۱۱۳

لکھا ہے یہ احوال زینب مضطر
کہ تھی قریب برادر کی لاش سے خواہر
بلائیں دور سے آشفتہ حال لیتی تھی
وہ آپ کو سم اسپاں میں ڈالے دیتی تھی

نہ پاس شرع نہ اسلام کا خیال کریں
امام عصر کے لاشے کو پائمال کریں

۱۱۱

ہوئے جو دور سے وہ دوڑ اسکے اس طرف ہوا
جو اس طرف تھے وہ اس جانب سے طرف ہوا
زمین گرم پہ تھی بیچ میں حسینؑ کی لاش
ہزار حیف پیمبرؐ کے نور عین کی لاش

۱۱۴

ادھر زمین پہ تڑپتی تھی ثانی زہراؑ
سرا پا بیٹھے تھے انکے ساتھ آل عبا
عجب بلا میں تھے وارثان دولت جلا

رسول زادیوں کو کلمہ گو رلاتے تھے
لگا کے پشت پہ نیزے انہیں ہٹاتے تھے

۱۱۵

وہ بی بیاں تھیں زینِ عزت سرورِ انبیاؑ
نہ ایسے مخمصوں میں بھی کیا جنؑ کا گلا
دلوں میں غم کی نشانی نہیں لبِ شکر خدا
دعائے صبر و رضا مانگتے تھے اہلِ رضا

خدائے طالب نصرت نہ زینہار ہوئے
اسیرِ ظلم ہوئے اور ذلیل و خوار ہوئے

۱۱۶

اگر وہ فوجِ قلق میں کبھی بھی تو یہ کہا
کہ اے کریم ہمارے ثواب کو تو بڑھا
جزائے صبر ہمیں دیجیو روزِ جزا
سوا کرِ اہلِ جفا کا عتاب اور سزا

دلیلِ اہلِ ضلالت ہیں ظلم و بدعت میں
سقر میں انکو جگہ دیجیو نہ جنت میں

۱۱۷

یہ کلمہ ہائے ہدایت ہیں آخرت کا مآل
ستر بہشت ثواب و عقاب ہیں دل میں
ہوئے ہیں کس غم و اندوہ و بیم و ادبار میں
زبانِ حال سے کہتے ہیں تو دعا کا کمال

نبیؐ و آلِ نبیؐ دینِ حق کے یاور ہیں
ہر ایک وقت طریقِ رضا کے رہبر ہیں

۱۱۸

دیارِ شام میں جس دم گئے سر و بالا
سنے اسیرِ سیدِ سجاد فاطمہ کا لال
گلے میں طوقِ گراں بیڑیوں کا پاؤں میں جال
امامِ مفترضِ الطاعہ اور یہ حالت زار

ہجومِ عام کجا آلِ بوترابؑ کجا
سرِ حسینؑ کجا مجلسِ شراب کجا

۱۱۹

نہ اہلِ ظلم خطا اور نبیؐ سے شرمائے
کہ بزمِ رقص میں ناموسِ حق کو لے آئے
جو کان میں نہیں سکتے وہ ظلم دیکھے ہائے
زمین یہ بھی نہ سادات بیٹھے پائے

جفا کا شرع کے سینے پہ سنگِ سخت رکھا
سرِ حسینؑ رکھا بھی تو زیرِ تخت رکھا

۱۲۰

میں تھا تخت پہ ابنِ معاویہ بد ذات
چھڑی تھی ہاتھ میں جس کی ظاہر میں ہیبت
دورِ غم سے نکلتی نہیں زبان سے بات
چھڑی اٹھائے کہاں رکھتا خاوہ وزنِ خطا

زبان کو سدِ مواس بیاں کی تاب کہاں
شراب پیکے گراتا تھا وہ شراب کہاں

۱۲۱

عجیب بیکسی و یاس کی تھی وہ حالت
حسین پر زینب کے سامنے یہ موت
نہ دیکھنے کا تھی زینب کی طاقت
خموشی اہلِ حرم سے بجز اداری و ذلت

زیادہ اس سے کوئی اور وقت کیا ہوگا
وہ سمجھیگا اسے جو تابعِ رضا ہوگا

۱۲۲

لکھا ہے ایک محل میں تھے حاضر دربار
وہ اٹھ کھڑے ہوئے اپنے مقام سے کہ کہاں
کہا یزید سے روکے اہل زار
اسے چھڑی کی اٹھا ان لبوں سے او غدار

تو چھیڑتا ہے اہانت سے بے ادب جنکو
رسول چومتے تھے صورت مطہر انکو

۱۲۳

لبوں سے چومنے کا بھید اس نے جب سنا کھلا
عجب نہیں کہ اسی وجہ سے رسول خدا
وہ ہونٹ چومتے ہوں گے کہ ان کا ظلم و جفا
انہیں حسین کے ہونٹوں کو پھر بعد ایذا

مگر نہ امتِ بے دیں نے کچھ رعایت کی
کہ چوبِ بید خود انگشت ہے شہادت کی

۱۲۴

ہوئے ذلیل خدا کے عزیز پیش یزید
کھڑے ہیں مثلِ غلام و کنیز پیش یزید

۱۲۵

وہ ہونٹ جو تھے سزا وار بوسہ ہائے رسول
بنی امیہ کی تو عورتیں ہیں پردہ میں
کھڑی ہیں سامنے حاکم کے سنگ بر زینب

ردائے پاک اڑھاتے نہیں جناب افسوس
ہیں بہویں بیٹیاں حضرت کی بے نقاب افسوس

۱۲۶

یہ سخت شناعت تھی جو آپ کو منظور
اس امتحان میں فرمایا ہے صبر حضور
ہیں جاں نثار بھی مجبور آپ بھی مجبور
زبان دل سے ہے لیکن یہ حوصلہ فرزند

بلائے داخلِ نارِ جحیم ہم ہوتے
مگر نہ آپ کی عترت پہ یہ ستم ہوتے

۱۲۱۴

اٹھا آج مرثیے کو اب بے نطق کا دہن بند
کشائش در دہن ان حق ہے ہر اک سخن بند
عطیہ سب ہے فیاض کا بے نظیر بند
خدا کرے کہ یہ انجام ہو خدا کو پسند

ہمارے پاس بجز نقص و عاجزی کیا ہے
اُسی کی دی ہوئی توفیق کا نتیجا ہے

مطلع

اے رونقِ جناں ترے باغِ سخن میں آ

مصنفۂ

میر فرزند احمد صاحب صفیر بلگرامی مرحوم ارشدِ تلامذۂ حضرت بیدؔ لکھنوی
و غالبؔ دہلوی و سحرؔ لکھنوی

بند ۲۷۸

اس مرثیہ میں حدیثِ بساط نظم ہے

۱۷

اے رونقِ جہاں مرے باغِ سخن میں آ
گلدستہ بنکے پھولوں کا اس انجمن میں آ
وہ جس سے انجمن ہو گلگشتِ نوبہار کو
ایسے چمن سے انجمن ارائے سخن میں آ

اس بزم میں سخن گرِ شاں اُمیہ ہوں
سدرہ کے عندلیب کا میں ہم صفیر ہوں

۱۸

کوئل کی بولیوں کا مزا ہے زباں میں آج
کیا شکّر گلے سے لفظ فصاحت نشاں میں آج
بوئے گلاب آتی ہے پیرہن واں میں آج
ہاں نغمہ کاشوق ہے اس بوستاں میں آج

دیتا ہے حکم بلبلِ سدرہ صفیر کو
پڑھ میرے ہم صفیر ثنائے اُمیہ کو

۱۹

سب اہلِ بزم ہیں سخن آرائی دیکھنا
عرشی ہیں فرشیوں سے ہم آغوش دیکھنا
اس وقت جمع ہیں خرد و ہوش دیکھنا
جو حق ہے سب کی یاد فراموش دیکھنا

مجلس میں انتظام کا جو اعتدال ہے
یہ اعتدال عدلِ یداللہ پہ دال ہے

۲۰

اب بزمِ اہلِ بزم کی ہے صرف انتظار
ہمسر کہ تک رہے ہیں رفیقوں کے دوستدار
مردم اشارے کرتے ہیں آنکھوں سے بار بار
بسم اللہ اب ہیں گوش بسماعت امیدوار

یوں مدح مرتضےٰ کا ہے لوگوں کے جی کو شوق
جیسے نزولِ وحیِ خدا کا نبیؐ کو شوق

۲۱

نام خدا فضائل اہنام رب ہیں
رنگِ نظام مرجع امیہ عرب ہیں
ہر مزاق خلد میں سکر طرب میں
جو منتخب نہ ہو سکیں وہ منتخب ہیں

یہ ذکرِ میوۂ شجرِ اتحاد ہے
یہ ذوقِ لذتِ ثمرِ اعتقاد ہے

۲۲

حسنِ طلاعتِ وحی نبی کے وزیر کا
جس کی دلا ہے اجر بشیر و نذیر کا
کیوں ہو یہ مرتبہ نہ جنابِ امیر کا
ہمنام ہے علیؑ دلی کس قدر کا

اللہ و مصطفےٰ کی تو جد انہیں پہ ہے
ہے عرش تکیہ گاہ حکومت زمیں پہ ہے

۷

نام خدا ہیں مظہرِ نامِ خدا علیؑ
فرمانِ کبریا سے ہیں قدرت نما علیؑ
ہیں مالکِ زمین و اسیرِ سما علیؑ
سرخیلِ اولیا و شہِ اصفیا علیؑ

ہر بات ہے بحکمِ خدا اختیار کی
اُنگلی ہر اک کلید ہے فردوس و نار کی

۸

ہر بزمِ بیں ہے مشعلۂ ایوانِ مرتضےٰ
روحُ القدس ہے طفلِ دبستانِ مرتضےٰ
روشن تھا ماں کے پیٹ سے ایمانِ مرتضےٰ
روئے رسولِ پاک تھا قرآنِ مرتضےٰ

پیدا میانِ کعبۂ اطہر علیؑ ہوئے
دنیا میں خانہ زادِ خدا کے یہی ہوئے

۹

ہیں سایۂ رسول دو گیسوئے مرتضےٰ
تو سنتِ نبی کا ہے فرق دو ابروئے مرتضےٰ
عین خدا ہے دو نرگسِ دلجوئے مرتضےٰ
حق بیں ہیں دو آئینہ میں دو زانوئے مرتضےٰ

باعث رجوعِ مہر میں وحیِ خدا کا تھا
زانو نبیؐ کے سر کے تلے مرتضےٰ کا تھا

۷

ہیں سب سے بہتر و برتر و اعلیٰ علیؑ
قادر ہوں نفسِ سرورِ دولت حیدرؑ کے سامنے
سجدہ کریں ملک بھی بلاغت حیدرؑ کے سامنے
حاتم گرا ہے سخاوتِ حیدرؑ کے سامنے

ہیں ہیں یہ گل کے ذکر میں مذکور خار کے
یہ نورِ کبریا ہیں وہ بندے تھے نار کے

۸

ہیں قدرتِ خدائے جہاں آزمائے علیؑ
حاجت ہیں مشیتِ حق کے امینِ علیؑ
سلطانِ دیں علیؑ ہیں امامِ یقیں علیؑ
فرقانِ حق کی طرح کہاں پر نہیں علیؑ

لنگر ہو جہاں میں جو حیدرؑ کی ذات کا
یہ انتظام کچھ نہ رہے کائنات کا

۹

کی خاص کبریا نے عطا ہائے آشنا ہیں
فرمی نے آسماں سے کہا لافتیٰ ہیں
ہاتھ آیا خلعتِ شرفِ اقتنا ہیں
حیرت میں ہوں بیان کروں پیر کیا ہیں

بس قدرتِ خدا ہیں شرف بوترابؑ کے
آتے نہیں قیاس میں رُتبے جنابؑ کے

۱۴۳

لکھا ہے ایک جنگ سے آتے تھے شاہ دیں
مستانہ وار دیر و حرم سے گزر گیا
فوج و ظفر کے ساتھ جو پہنچے شہِ ہدیٰ
بابا پدر نبیؐ کا رسولوں کا قصد آپ سے کب

اُٹھکر نبیؐ پکارے اُتارینگے ہم تمہیں
بھائی ابھی ٹھہر یو خدا کی قسم تمہیں

۱۴۴

آگے بڑھے یہ بیکے رسولِ فلک سریں
استادہ ہو کے بولے ولیِ خدا کے پاس
اس وقت بیعتِ حق کے طلبگار حق شناس
تو قیصر کو تمہاری ہوئی نہیں قیاس

اللہ کی امان رہے بھائی جان پر
اس دم وہ کلمہ رہ گیا آکر زبان پر

۱۴۵

ہونا خدا کے بندوں کا احوال دوسرا
پھر جانے بوجھے بلکہ بہر طور خوئے خدا
ہو جانی ایک خلق ضلالت میں مبتلا

جو کچھ تمہاری قدر ہے پہچانتا ہوں میں
اللہ جانتا ہے کہ جس جانتا ہوں میں

۱۴۶

یہ سنکر عرض کی کہ مرتضےٰ کا مقابل کوئی نہیں
آپ سے بڑھ کر حق و باطل کوئی نہیں
اوقات دان وحی و منازل کوئی نہیں
مشکل کشا کہیں دم مشکل کوئی نہیں

قدرت پہ مرتضےٰؑ کی ہزاروں گواہ ہیں
ظاہر میں یہ گدا ہیں تو باطن میں شاہ ہیں

۱۴۷

بولے نبیؐ کہ بیٹے نبی مرتضےٰ ہیں
سردار جملہ انبیا کا امام ہدیٰ ہیں
بالکل وہی مزاج شہ لافتا میں ہے
جنت اول علیؑ مصطفےٰ میں ہے

نائب یہی نبیؐ کے بحسن قبول ہیں
کیونکر وہ عادتیں نہوں نفسِ رسولؐ ہیں

۱۴۸

بڑھکر نبیؐ نے عقد اخوت کیا جب کی
شہرہ دیا جہاں میں محبت کا آپکی
باغ جناں عوض ہے مودت کا آپکی
جو مصطفےٰؐ کو نہیں فضیلت کا آپکی

کونین کے امام خدا کے ولی ہوئے
ایسے تھے جب تو ختم رسلؐ کے وصی ہوئے

۱۹

یہ پہلے فضائل شہ مرداں کا انتخاب
تھے جن فضیلتوں سے علی سلاف کا نیا
احمد میں اس سے اور زیادہ تھیں بے حساب
پھر سب سے بہرہ یاب ہوئے خاص و عام یاب

۲۰

کھلا ہے بعد رحلت سلطان انبیا
پانی جو وقت غسل تھا آنکھوں میں آگیا
وہ مرتضیٰ نے جام میں بھر کے پی لیا
اس سے کھلے علوم کے دریچے ہزار ہا

۲۱

اعجاز کس نبی نے دکھائے نہ آپ سے
کب مردے ان کی قبر سے جلائے زندہ نے
وہ کونسے شرف تھے جو پائے نہ آپ سے
وفات میں کب مقام بتائے نہ آپ سے

۲۲

قرآت سے سنی کس نے داؤد کی سی لے
اس بندوبست میں تو نہیں کچھ اور سلسلے
جب یہ ہوا کہ شیخ دین کے مقابلے
پھر یاں زبان فخر سلیماں کی کیا چلے

۲۳

دو داؤد ہیں پیمبر و سلیماں ہیں پیمبر
دونوں کرم کی چاہتے ہیں شاہ سے نظر
کھوٹے کہ کس طرح سے یہاں عقل کو بشر
اسرار کبریا کی یہ باتیں ہیں سر بسر

۲۴

نام خدا علی سے ہوا دیں کا انتظام
اسلام ابن نوح کو کیا زندہ بالصیام
دم میں عصائے موسیٰ عمران بخی حسام
آہن بھی موم کر دیا داؤد ساں تمام

خوئے نبی کا جلوہ خدا کے ولی میں تھا
سب انبیا کے فضل کا پرتو علی میں تھا

سمجھے ہوئے تھے جسکو یہ باعث نشاط کا
وہ بھی تھا ایک گوشہ علی کی بساط کا

اخلاق کے کمال کا حیدر میں ڈھنگ ہے
کیا ذات ہے علی کی جہاں عقل دنگ ہے

داؤد نے یہ بات نہ پائی جہان میں
مڑتی تھی دونوں سمت زباں ایک آن میں

اک پارۂ سحاب سے ساماں دکھا دیا
سب کو عروج تختِ سلیماں دکھا دیا

۲۵

بہتر ہے گر بساطِ سلیماںؑ سے ہیں کماں
لیکن دبیر تیشہ و رسن کا نہ بے جواں

تفسیر میں لکھا ہے بیت بسط سے یہ بیاں
دو مرتبہ دکھائی بساطِ فلک جواں

۲۵

اک بار مرتضےٰؑ تو بہ حکمِ نبیؐ گئے
اور ایک دفعہ آپ جنابِ علیؑ گئے

۲۶

دل میں ہے اب حدیثِ بساطِ عزا کریں
ہو فکر وہ بلند کہ طوبےٰ ہو سرنگوں

ذہنِ رسا کو جوشِ بریں کا عروج دیں
ہے الفتِ ولیِ خدا میری رہنموں

مرہونِ التفاتِ شہِ ذی حشم رہوں
ظلمات میں بھی جاؤں تو ثابت قدم رہوں

۲۶

اے ناطقہ بیانِ حدیثِ بساط کر
ذکرِ بساط کو سببِ ارتباط کر

پیدا شگفتِ خامہ سے راہِ صراط کر
بیجا قیلوں سے گر احتیاط کر

طبعِ رواں نہ سست نہ تقریر بند ہے
جو خاکساریوں سے ہو وہ دل پسند ہے

۲۷

یوں لفظ ہیں بھرے سخنِ آبدار کے
جس طرح کشمکش میں ہوں دانے انار کے

۲۷

یاں لن ترانیوں کا مزا لک زباں کو ہے
ذوقِ صفا زبانِ صداقت بیاں کو ہے

معنی کا مغز لفظ فصاحت نشاں کو ہے
یہ سب شرف ملا ہوا اس خاندان کو ہے

۲۸

ریحانیاں ہیں پوست کی بس شرح نظر
ہم صحبتی سے رنگ جو پایا تو کیا ہوا

ہیں ذوق یاب مغز سے جان و دل و جگر
حنظل تو جائے سیب نہ صرفِ غذا ہوا

۲۸

اے طبع بس زیادہ سخن کو نہ طول دے
سب کو صلائے عام برائے شمول دے

ترتیبِ بزمِ مدحتِ زوجِ بتولؑ دے
جامِ طرب میں خلدِ سقےٰ کا پھول دے

اس جوش سے ہو ذکر جنابِ امیرؑ کا
چڑھ جائے نشۂ بادۂ خمِ غدیر کا

۳۱
اترے ہے وہ زمیں پہ سلیمانِ مصطفےٰ
روشن ہے جس سے رخ سے شبستانِ مصطفےٰ
زیبا ہے جس پہ گیسوئے گیتی پہ سایہ ہے
بخشا وہ جس کا گوشۂ دامانِ مصطفےٰ

بعد از نبیؐ علیؑ سا کوئی ذی حشم نہیں
معراج کی انگوٹھی سلیماں سے کم نہیں

۳۲
سلمانؓ فارسی سے یہ موجود بر زبان
اک دن وزیر شاہِ رسلؐ با شکوہ و شان
اصحاب میں تھے تاروں میں جوں ماہِ نو عیاں
دہنی طرف جناب حسنؑ بھی تھے جلوہ گر

شہ کی زبان پر تھے حقائق جہان کے
لوگوں کو پردے غیب کے پردے تھے کان کے

۳۳
تھے گوش حق نیوش بھی شاد و ذلیل بھی شاد
بڑھتا تھا دل کا نور کے مانند اعتقاد
آنکھوں کو لطف حج در کعبہ مراد
کانوں کو شوق سننے کا اور دل کو ذوق یاد

تحقیق والے شک کی جگہ بول دیتے تھے
مشکل کشا دلوں کی گرہ کھول دیتے تھے

۳۴
ہر ایک شے کے جبکہ حقائق بیاں ہوئے
شرحِ خدا کی مد میں سب ترجماں ہوئے
ناگہ حسنؑ حضورِ پیمبرؐ دوڑتے ہوئے
کی عرض راز غیب تو کم پر عیاں ہوئے

ہے فضل کائنات پہ ربِ قدیر کا
جاری ہے سب میں فیض نبیؐ کے وزیر کا

۳۵
یہ سن کے فرمانے دی جو سلیماں کو وزارت
ہرگز نہیں کسی کو ولی ایسی فرصت
تابع ہے جنکے دیو پہ انسان بشر پری
فرمان میں ہوا تھی دم جلوہ گستری

گل اُن کو اختیار بساطِ زمیں پہ تھا
چاہا جہاں پہ تختِ سلیماں وہیں پہ تھا

۳۶
حضرت بھی تو وصی رسولِ الٰہ ہیں
فرمان میں حضور کے ہر اور ماہ ہیں
مختارِ کار و بارِ منصب و سیاہ ہیں
حکم خدا سے مومنوں کے بادشاہ ہیں

عالم میں تو وہ اوجِ سلیمانؑ کا ہوا
آیا حضور کو بھی کچھ اُس سے عطا ہوا

۳۷

بیٹے کی بات مجتبیٰ پر بہت بھر ہوئے جناب
فرمایا سر اُٹھا کے کہ اے جانِ بوتراب
سو گند اُس خدا کی کہ جو ہے میں شتاب
سر سبز خشک دانے کو کرتا ہے نفیض آب

تیرے پدر کو اُس نے جو اے مہ نجیبیں دیا
اب تک کسی ولی و وصی کو نہیں دیا

۳۸

فضلِ خدا سے میرے لیے ہے جو ہو وہ یاں
وہ بعد میرے بھی نہ رہیگا کسی کو واں
بوسے حسن کہ اے شرف و شانِ خاندان
جی چاہتا ہے کیجیے ان میں سے کچھ بیاں

حضّار بولے ہمکو بھی کچھ استفادہ ہو
اغلب یہ ہے یقین ہمارا زیادہ ہو

۳۹

اصحاب کا وہ شوق حسن کا وہ اہتمام
حضّار بھر گئے ہمہ تن گوش تھے تمام
ناگاہ بولے مجتبیٰ سے شہنشاہِ نیکنام
دیکھیگا اسے حسن و سلیمان کا مقام

کیا خالی خالی حالِ گزشتہ سناؤں میں
جو کچھ سُنا ہے تو نے وہ آنکھوں دکھاؤں میں

۴۰

مجنوں نے اُٹھکے دو رکعت نماز کی
طاعت بجوں قلب سے کی بے نیاز کی
تقریر کی خدا سے جو از نیاز کی
خوبی کھلی زبان فصاحت نواز کی

دامانِ مدّعا دُرِ مطلب سے بھر لیا
جو چاہیئے خدا سے وہ دریافت کر لیا

۴۱

مولا نے جب نظر کے پھیرا یہ کیا بیاں
آئی کسی سے فہم میں مطلق نہ وہ زباں
بعد از فراغ طاعت معبود دو جہاں
تشریف لائے جو سوئے میدان بیوں

سامان معجزے کے دکھائے حضور نے
مغرب کی سمت ہاتھ بڑھائے حضور نے

۴۲

سب کو خدا نے عقل مجسّم بنایا تھا
جب ایسے لوگ تھے تو امیر ایسا پایا تھا

۴۳

جب اس طرح سخن کا سر و بن ہوا ادا
پایا ہوا لیوں کو بھی مولا نے چاپ دیا
کب تھے منافقوں کی طرح اُنکے عہد سست
اُن سے خدا سے ہو چکا تھا وعدہ درُست

۴۳

دم بھر کے بعد ہاتھ جو دامن سے اٹھایا
تھا ابر پارہ غیب سے خورشید کا چھپائے
حضرت نے اسکو رکھا زمیں پر بچھا دیئے
پھر کر لیا ابر دو مراد اس سے نور پائے

اعجاز انبیائے سلف کے دکھا دیئے
حضرت نے دونوں ابر برابر بچھا دیئے

۴۴

سلمان نے اٹھ کے چومے دونوں کے پائے فرخ
کی عرض اے مجیب دعا ہائے بے نوا
اے منبع فضائل و اے قدرت خدا
اے مظہر عجائب و اے مظہر عطا

سمجھے وہ جسپہ رحمت پروردگار ہو
سلمان تو کیا ہے تجھپہ سلیماں نثار ہو

۴۵

دیتا ہوں میں گواہی کہ ہے ایک ہی خدا
اور کہ رسول برحق و کامل ہے مصطفےٰ
ہے بعد مصطفےٰ کے وہی قانونی مرتضےٰ
ہے فضل و خلیفہ ہے اسی کے برابر

شک ہو جسے ہلاک وہی در دناک ہو
دامن جو تیرا تھامے وہ عصیاں سے پاک ہو

۴۶

مضمون سنکے ساتھ ہی ابر بھی خوش ہوا
تصدیق قول کرتے ہوئے دونوں ابر ملے
استے میں دونوں پارۂ ابر فلک نشاں
ہو کر بہم وہ دونوں طرف پھیلے اس طرح

ہونٹوں کی طرح ملکے ہوئے ایک جہاں
وسعت میں دو لبوں کے سخن ایک جس طرح

۴۷

القصہ ابر ہو کے بہم جب ہوئے وہیں
اٹھا جگہ سے اپنی وہ کونین کا شفیع
فرمایا حق نے دربے تمہارے کیے فرخ
تم لوگ میرے دوست ہو وارث ہو سطح

دیکھو یہ بندہ آج سلیماں نظیر ہے
بیٹھو یہ ابر پارہ جواب سریر ہے

۴۸

بیٹھے ایک ابر پر وہ بیٹھے وہ جاں نثار
اور ایک ابر خاص پہ وہ فخر دو سرا
پھر جنبشے ایسی کہ نہ سنے نہ دیکھے کیا
جن کو نہ سمجھا کوئی بجز ابر بردبار

جنباں بساط ابر ادھر بر ملا ہوئی
اور داخل اُسکے جوف میں فوراً ہوا ہوئی

۴۸

آہستہ یوں ہوا سے اٹھایا حجاب کو
جیسے صبا اٹھاتی ہے بوسے گلاب کو
اُس دم موالیوں نے جو دیکھا جناب کو
پایا عجیب دیدۂ بوتراب کو

جامہ تھا زرد تاج تھا یاقوت ناب کا
جس طرح وقت صبح کے رنگ آفتاب کا

۴۹

بولے افتخار بوسہ حسن اس فلک مقام
خاتم سے تھا جناب سلیماں کا اقتدام
حضرت کو کس سبب سے کیا یہ عنایت اتم
بولے ابوتراب کہ اے میرے لاد قائم

باعث یہ ہے میں وجہِ خدائے قدیر ہوں
چشمِ خدا ہوں میں جزو کل کا بصیر ہوں

۵۰

نقشین نور باد دل میں ایسی فیض بخار
جس سے کہ دونوں بندھے یاقوت آبدار
انگشتری وہ جس کا نگیں درِ شاہوار
کرسی نور پرتو شہ مردان کو تھا قرار

یاں خاک پر سریر سلیماں فتادہ ہے
کرسی کا پایہ عرش سے عالی زیادہ ہے

۵۱

بولے کہ سر بسر سلیماں دیں سے
بارا تری ایک نعل یہاں بر محل مجھے
بالیں ہمہ عروج جہاں تخت سلیماں کے ایک سنے
یہ سنا جو حال تخت سلیماں کے ایک سنے

طاری ہوا وہ رعب جناب امیرؑ کا
بولے کہ زینہ ہے یہ علیؑ کے سریر کا

۵۲

بولے کہ اے برادر خلاق کل سنے مجھ کو ہے افتخار کیا
میں سنے چراغ خانۂ اصنام گل کیا
میں سنے تن خلیل پہ آتش کو گل کیا
اب مجھ کو حق سنے نائب خیر الانام کیا

کیا کیا مرے خدا نے عطا میرے ساتھ کی
انگشتری دکھادوں سلیمانؑ کے ہاتھ کی

۵۳

فرمائے یہ بغل سے نکالی وہ مہر یک
یاقوت سرخ کا وہ نگینہ خطا تا بناک
حلقہ طلائے سرخ کا تھا انگشتر کا حلقہ یک
بولا کے دوست کہنے لگے دوستاں فدا ک

وارث حضور خلق میں سب انبیا کے ہیں
حضرت کے پاس گنج علوم خدا کے ہیں

۵۵

پھر شہ نے پھرن کہاروں کی باضطراب
کیوں سمجھے کس سبب سلیماں مسند کا یا
وہ چپ ہوئے تو بولے تہ آسماں جناب
تھی بختن کی وجہ سے بے آب و تاب

طغرائے اسم محترم بختن یہ ہے
لو دیکھ لو کہ نام تمہارا حسنؑ یہ ہے

۵۶

دیکھا حسنؑ نے اور کیا شکر حق ادا
بولے یہ صدقہ ہے انہی قدموں کا اور کیا
پوچھا جناب نے کہ عراب سے چلے ہو کیا
بولا حسنؑ غلام اس ارشاد کے فدا

ارماں ہے اوج ابر منور کو دیکھیے
جی چاہتا ہے سدِ سکندر کو دیکھیے

۵۷

مولا نے ہاتھ جانب مغرب اٹھا دیا
کیا کہکشاں پہ ابر سحاب دھوا دیا
بس پھر تو سب ہواؤں نے غل مچا دیا
اور باری باری جوڑی سے ڈنکا بجا دیا

اللہ رے عروج نبیؐ کے وزیر کا
پیدا ہوا بساط میں عالم سریر کا

۵۸

ابر سیاہ دیر جو برسا کرم چلی
شرکت کی آرزو میں ہوائے ارم چلی
ہر سو صف ملائکہ با صد حشم چلی
معراج کو سواری خیر الامم چلی

حضرت سے رمز الفنا آشکار تھا
گویا براق ابر مرصع نگار تھا

۵۹

الغصہ اوج پر جو چلا ابر نور بار
خوشنودیٔ مشیت کا ہوا ہر سمت اعتبار
رستے میں دیکھیں بستیاں آباد بے شمار
ہر سو عجائبات نظر آ گئے ہزار

ہر اک جگہ پہ سطوت حیدر نظر پڑی
نکلے جدھر سے قدرت داور نظر پڑی

۶۰

اک کوہ پر جو پہنچا سحاب سیہ بار
آیا نظر بلند و تنومند اک چنار
لیکن تمام خشک طراوت سے بے قرار
ریشوں میں بھی نمی کی نہ تھی رمق مگر

اجزا بھی سب الگ ہوئے ایسا جریدہ تھا
سایہ بھی بیکسی میں شجر سے کشیدہ تھا

۶۱

پوچھا حسنؑ نے مڑ کے کہ اے ارفعِ حق
اس نخل کی خزاں سے تو دل کو ہوا قلق
ایسا درخت جس میں طراوت نہیں ہے حق
کیونکر نہ ہو ملول دلِ اہلِ دل کا کلیجہ جہاں ہے شق

۶۲

کیوں سوکھا یہ درخت سراپا بتائیے
اسکی خزاں کی وجہ تو آقا بتائیے

۶۳

فرمایا سبطِ احمدؐ مرسل نے کہ دلربا
پوچھو اسی سے وجہ خزاں خود بتائیگا
پر جھڑ حسن پھل کا ہے اس نخل پر بتا
پھل پیڑ کا ہوئے ترے وہ رنگ کیا ہوا

۶۴

لبیک یا علیؑ کہ نبیؐ کا وصی ہے تو
بعد از نبیؐ خلیفۂ حق یا علیؑ ہے تو

۶۵

پھر جانبِ حسنؑ ہوا یوں نخل نور فزا
اے سبطِ شاہِ جن و بشر مرحبا مرحبا
کچھ پوچھنا ہو پوچھ جو حسنؑ نے کیا جواب
پھر ابوالحسنؑ سے فراق ابوالحسنؑ

۶۶

کیا سرگزشت اپنی کرو آپ بیاں
معمول تھا یہ شہ سے شہِ انس و جاں کہاں
ہر شب قریبِ صبح علیؑ آتے تھے یہاں
سایہ میں جانماز بچھا کر یہ تھے وہاں

۶۷

سلمانؓ سے کہتے ہیں کہ قسم ذوالجلال کی
بولا شجر جب وقت سے یہ قیل و قال کی
فوراً صدا بلند ہوئی اس نہال کی
پر گفتگو یہ قبل جواب سوال کی

۶۸

پایا نہ جب حسنؑ نے جواب اس سوال کا
منہ دیکھنے لگے پدرِ بزرگوار کا
گویا ہوا وصی نبیؐ ذوالجلال کا
ہاں اے شجر یہ نخلِ تمنا کا پھول ہے
باتیں کر اس سے یہ گلِ باغِ رسول ہے

۶۹

آب وضو جو بیٹھکے حضرت بہاتے تھے
قطرے جو گوں میں خون کی صورت سماتے تھے

۶۸

آب وضو سے آتا تھا پانی میں سب رنگ
نشو و نما کی ہوتی تھی ہر شاخ کو امنگ
عرصہ رگوں پہ جوش طراوت تھا بیدریغ
تھی کشمکش میں غنچہ کے ہر غنچہ کا یہ رنگ

کرتی تھیں شکر ڈالیاں قدموں کو چوم کر
کھل جاتے تھے شگوفے مرے جھوم جھوم کر

۶۹

قوت نمو کی بڑھتی تھی ہر لحظہ اس قدر
سرسبز ہوتے جاتے تھے وہ دو برگ و بر
لذت میں میوہ ہائے جناں تھے مرے ثمر
ریشوں میں دوڑتا تھا عوض خون تر بتر

رگ رگ میں جوش تھا عرق بے عدیل کا
سوتا ملا تھا مجھ سے مگر سلسبیل کا

۷۰

جب تک نماز صبح ادا کر نہ لیتے جناب
ہر شاخ جھومتی تھی خوشی سے بہ ایں و آں
پھر جب تک آسماں پہ نکلتا نہ تھا آفتاب
رہتے تھے ذکر حق میں جناب ابوتراب

ہوتے تھے جمع شاخوں پہ طائر جہان کے
سنتے تھے سب کلام خدا کی زبان کے

۷۱

اٹھ رہے ہیں دفینے امیر فلک مقام
دنیا کے سب خزانوں میں ہے ان کا نام
اور ان کی گاہ سے ہے چمکتا یہ شہر شام
ہر سو زبان پہ ہیں ثنا خواں کو صبح و شام

سامان مرے لیئے تھے مہیا جہان کے
کھٹکے نہ تھے ثمر کو مرے باغبان کے

۷۲

انفس میں وہ ہوں وہ کہ جو ہوں
مولا کی وہ نظر نہ مرے حال پر ہی
ہر چند آتی میری لیاقت نہیں ہی
آخر میں سب پر ہیں عطائے پدر یہی

اپنے پدر سے پوچھیئے کچھ خشکیاں ہیں آپ
کیوں چار روز سے یہاں آتے نہیں ہیں آپ

۷۳

تقصیر کچھ ہوئی ہو تو فرمایئے جناب
ہرگز نہ ہوگا جادۂ احساں سے اجتناب
اس غم سے بڑھ گیا ہے مرے سینہ میں شتاب
تیشے سے کاٹ ڈالیئے کچھ ہو اگر حجاب

سایہ فگن ہو اب قد والا حضور کا
ہمسایہ ہو نصیب مجھے نخل طور کا

۳۳

شہزادے سے میرے حال پہ ہے رحم کا مقام
وا جب ہے اب تو میری سفارش میں کچھ کلام
پیغام کہہ کے بھیجتے ہیں خود بڑھے امام
پیچھے درود بھیجو بصد آداب و احترام

سایہ میں پھر نماز بصد شوق و صف پڑھی
شاخوں پہ ہاتھ پھیر کے پھر کچھ دعا پڑھی

۳۴

سلیمان مژدہ سنتے ہیں مخبر سے روبرو
خوف خوشی کے کرنے لگا مخبر بے گلو
گویا کہ ناامید کی بر آئی آرزو
مرکز میں دائرے کے پھریرا اس کو جانیو

پانی میں یہ جہاں نظر آتا تھا اس طرح
دنیا میں نقطہ نون کا ہوتا ہے جس طرح

۳۵

ریشے رگوں کی طرح سراپا اُچھل پڑے
خوشے خوشی میں دانتوں کی صورت نکل پڑے
جس دم ہوا بانگ پہ چکا قاسم جاں
سرو سہی پہ جلوہ گر ہوئے سلطان انس و جاں
اس ابر کو ہوا یہ اٹھا کر ہوئے رواں
اتنا ہوا بلند سر برفلک نشاں

۳۶

حائل نہ تھی نگاہوں میں کچھ چیز آڑ کی
تھی کنکری سے پست بلندی پہاڑ کی
اس اوج سے جہان پہ جس وقت کی نگاہ
آیا نظر محیط میں گویا کہ برگ کاہ
مور و مگس کی طرح تھے مردم سیاہ و راہ
نخل بلند تک نظر آسکنے لگے سیاہ

۳۷

پوچھا سنے ہر طرف سے جلاجل بجا دیئے
سن کر خوں سنے ہزار سجدہ حق پہ جھکا دیئے
جوشش رضا نے حسن کے دریا بہا دیئے
پھر تو خوشی کے سنتے ہی سجدے اٹھا دیئے

کہتا تھا فیض شاہ کا دامن فراخ ہے
طوبےٰ میں مجھ سے بڑھ کے بھلا کون شاخ ہے

۳۸

جب ابر یوں بلند ہوا صورت نظر
اک جا پہ دیکھا ایک درخشندہ بلند تر
تھا محیط میں سنتے قدم اس کے جو گرا
اور زیر آفتاب بلندی میں اس کا سر

پھیلائے دونوں ہاتھ عجب شد و مد میں تھا
مشرق میں ایک دوسرا مغرب کی حد میں تھا

۹۱

پوچھا حسن نے حال تو بولے امام دیں
حکم ہوا میرا یہ بھی نوشتہ ہے اسے یہیں
اللہ نے کیا ہے مجھے خلق کا حسیں
فرمان سے مرے ہے یہاں یہ جگہ گزیں

۹۲

حیرت ہوئی جو بڑھ گئی یاجوج پر نظر
چوٹی سے بھی زیادہ تھے کرتب خلائق قد
قسمیں تھیں اُنکی تین مگر سب طویل تر
دس گز کے لگ بھگ اور دھڑ اونٹھ بیس گز کا جسم

سب اختیارِ ظلمت و نور اسکے ہات ہے
اِسکے ہی ہاتھوں سے کبھی دن گاہ رات ہے

نوگز سے کم وہ قسمِ سوم میں ذرا نہ تھے
نشتر گزوں کے عرض بلائے زمانہ تھے

۹۳

جو بستی راستے میں ملی لطف دے گئی
یاجوج کی جگہ پہ ہوا سب کو لے گئی

۹۴

چکرائے عقل جائے جو اُنکی طرف نگاہ
قد اُن کے وہ بلندیٔ اندیشہ کی پناہ
ہر اک قدم میں طے کریں منزل دو دو میل کی راہ

گوشِ دراز اُن کے عجب کام دیتے تھے
اک کان کو بچھاتے تھے اک اوڑھ لیتے تھے

۹۵

فرمایا واں پہنچ کے علی نے بس ایک بار
اسے ابر زیر کوہ بلند اب ہمیں اُتار
بس حکم کی تھی دیر جھکا ابر زرنگار
او نیچا وہ کرہ اور بھرا جس پہ سب سیاہ وما

ظلمت محیط اوج پہ تھی لامکان تک
کیسا گھٹا ہوا تھا دھواں آسمان تک

۹۶

پوچھا کسی نے کون ہیں یہ کیا ہیں اے امام
بولے اٹھا کے دستِ مبارک شہِ انام
یاجوج ہیں یہ سدِ سکندر کے تابہ یوم
بس رات دن انہیں کی اطاعت میں ہے قیام

حاکم ہوں سب کا میں کہ ہم کردگار سے
باہر نہیں ہیں یہ بھی مرے اختیار سے

۸۵

فرمان پیغمبر ہوا اسکے لئے بالکل سماں ہوا
پرّاں ہیں سب اسکے پنکھ فنا ساں ہوا
کشتی کی طرح جہاں میں اڑاں ہوا
حکم خدا اس کے لئے آبِ رواں ہوا

چل سکتی تھی ہوا نہ رہ اختلاف پر
پہنچی بساط اُڑتی ہوئی کوہِ قاف پر

۸۶

ہاں طیر بختہ سنج نہیں سے بلند ہو
راہ سما کھلے ابھی موزوں وہ بند ہو
ہر نقطہ ہر دیدہ بینا پسند ہو
احوال کوہ قاف سے دل بہرہ مند ہو

جسدم چلے بساط علیؑ کی پہاڑ پر
غُل ہو چڑھی وہ ناؤ سخی کی پہاڑ پر

۸۷

اصحاب کی جو کوہ کی جانب پڑی نظر
دیکھا کہ اسکے حلقے میں دنیا ہے سر بسر
یا قوت سا ہے رنگ میں سبز اور بلند تر
وہ ڈھنگ کی چمک کہ کہے برق اسکو زر

طائر اُڑے تو حد پہ کبھی عمر بھر نہ جائے
چوٹی وہ سر بلند کہ جس پر نظر نہ جائے

۸۸

اک آدمی کی شکل کا پیکر وہاں ملک
روزِ ازل سے ان پہ نگہبان تھا متیک
حکم اس کا کوہ قاف پہ جاری ہے تا فلک
دیکھی جو اس ملک نے فتح شاہ کی جھلک

فی الفور اُٹھ کھڑا ہوا تعظیم کے لئے
بے اختیار جھک گیا تسلیم کے لئے

۸۹

بولا کہ السلام علیک اے امیرِ کل
ہیں آپ دہر میں وہی خاتم الرسل
کچھ التماس رکھتا ہوں اسکا ادا ہو کل
منظور ہو تو دل ہو شگفتہ بیان گل

بولے علیؑ کہے گا اسی بات کے لئے
بیتاب ہے اخی کی مُلاقات کے لئے

۹۰

اچھا میں اذن دیتا ہوں تو دیکھے کوہ کا
قسم کرکے شکر کو فرشتہ تو اڑ گیا
پھر اک درخت خشک نظر آیا ذرا پرے
جیسا کہ اک مقام پہ آگے بھی دیکھا تھا

اُس نے اُسی طرح وہی حسرت کی بات کی
حالت کہی فراقِ شہِ کائنات کی

۹۱

کو لا یہاں میں کوئی نہ مبتلا ہے ہجر
ہر رنج ساز وار ہے دل کو سوا ہے ہجر
قابل بیان کے نہیں کچھ انتہائے ہجر
پڑتی ہے آکے جان پہ آخر بلائے ہجر

محشر تلک آہ کھنچتا ہے طول اشتیاق کا
کہتے ہیں جس کو حشر وہ دن ہے فراق کا

۹۲

جانِ حزیں تلف اول شب جب جہان میں
آکے ملے روز حشر خدا اس مکان میں
گویا کہ جان آئی تھی خادم کی جان میں
اک نور بھر گیا تھا زمین آسمان میں

تا دیر ذکر حق میں رہا کرتے تھے حضور
سایہ میں بندگی خدا کرتے تھے حضور

۹۳

اے پیر سبک خرام یہ ہے تیرے بیٹے کا
جانا تھا تیرے سایہ سے سلطان نیک رائے
چالیس روز کے نہیں حاصل وہ افتخار
ہجر ابو تراب سے میں ہو گیا ہوں زار

سب ریتے رنج ہجر تے گنجینہ ہو گئے
اوراق میرے دفتر پارینہ ہو گئے

۹۴

ذکر حسن سے ہوئی ہے شاہ دیں کی آشنائی
واجب ہے اس درخت پہ ابلق کی ہو چکائی
پہنچی بہار خلد میں قطع کر کے راہ
پتوں میں ضو کی جلوہ گری دوڑنے لگی
ریشوں میں مثل موج تری دوڑنے لگی

۹۵

اکی درخت سبز سے اک بار یہ صدا
شاہد ہوں میں کہ ایک ہے آقائی کا فدا
حضرت رسول نے کہے ہیں سلطان انبیاؐ
تم ہو امیر مومنوں کے مثل ہے پیشوا

بے شبہہ تم وصیِ رسولِ جلیل ہو
تابع جو ہو تمہارا نہ ہرگز ذلیل ہو

۹۶

آواز جو سنی یہ شاہ دیں
تابع وہی ہوا جو ہوس کا ہے بیگماں
یہ سنکے آبا وجد میں وہ نخل خوش بیاں
سایہ میں اسکے بیٹھ گئے شاہ انس و جاں

بولے حسنؑ کہ آپ ہیں واقف جہاں گیا
بابا وہ اذن لیکے فرشتہ کہاں گیا

۹۶

کیا کوہ نے دعوتی پہ بھی کی ناز و ناب
دیکھا کہ گرم گیا تو ہوا محو اضطراب
پڑے بلی کہ اسے بھی تجلی ہو زیب
فضل و کمال میں ہوں بنا سے میرا جواب

۹۷

مائل جو ناگہاں مرا دل سیر پر ہوا
ظلمت کے کوہ پر تھا مرا کل گزر ہوا

۹۸

واں بھی درست ایک ولی کی ہوا سیر
اس نے بھی عرض کی تھی اجازت بلا دیر
میں قاف کے فرشتے کو دیوانوں کا نظر
بہت گزرا دھر سے ہوئی یہ کیا ادھر

بولا کوئی مطیع ہیں اہلِ فلک بھی کیا
بے حکم آپ کے نہیں ہلتے ملک بھی کیا

۹۹

فرمایا سن نے تم کو عجب دو جہاں
جس نے کہ بے ستون بنایا ہے آسماں
بنتے ملک ہیں حکم میں میرے ہیں جا بجا دواں
یہ سب خدا نے پاک کئے ہیں مہربانیاں

دم بھر ملے بغیر اجازت گر کوئی
برقِ غضب سے حق کی نہ پائے صفر کوئی

۱۰۰

پھر قدر ہے حسینؑ کی اولاد کے لیے
مخصوص نو ائمۂ امجاد کے لیے

۱۰۱

ہیں فرشتگان موکب خدا کے یہ
جتنے فرشتگان ہیں سب مطیع ہماری رضا کے ہیں
بالا حکم پر بلائے تو مورد بلا کے ہیں
یہ بندے آل پاک رسولِ خدا کے ہیں

پاتے نہیں جہاں میں یہ قدر و رفیع سب
خالق کے ہم مطیع ہمارے مطیع سب

۱۰۲

اک نے کہا حضور دیں کیا امام
بتلائیے ہمیں ملک قاف کا بھی نام
سن نے بتایا نام تو سلمان خوش کلام
بولے کہ حیرت اس میں ہے یا شاہ فقر و جاہ

او جھل مری نظر سے نہ تھے ایک پل حضور
پھر کس طرح سے آئے تھے اس جا یہ کل حضور

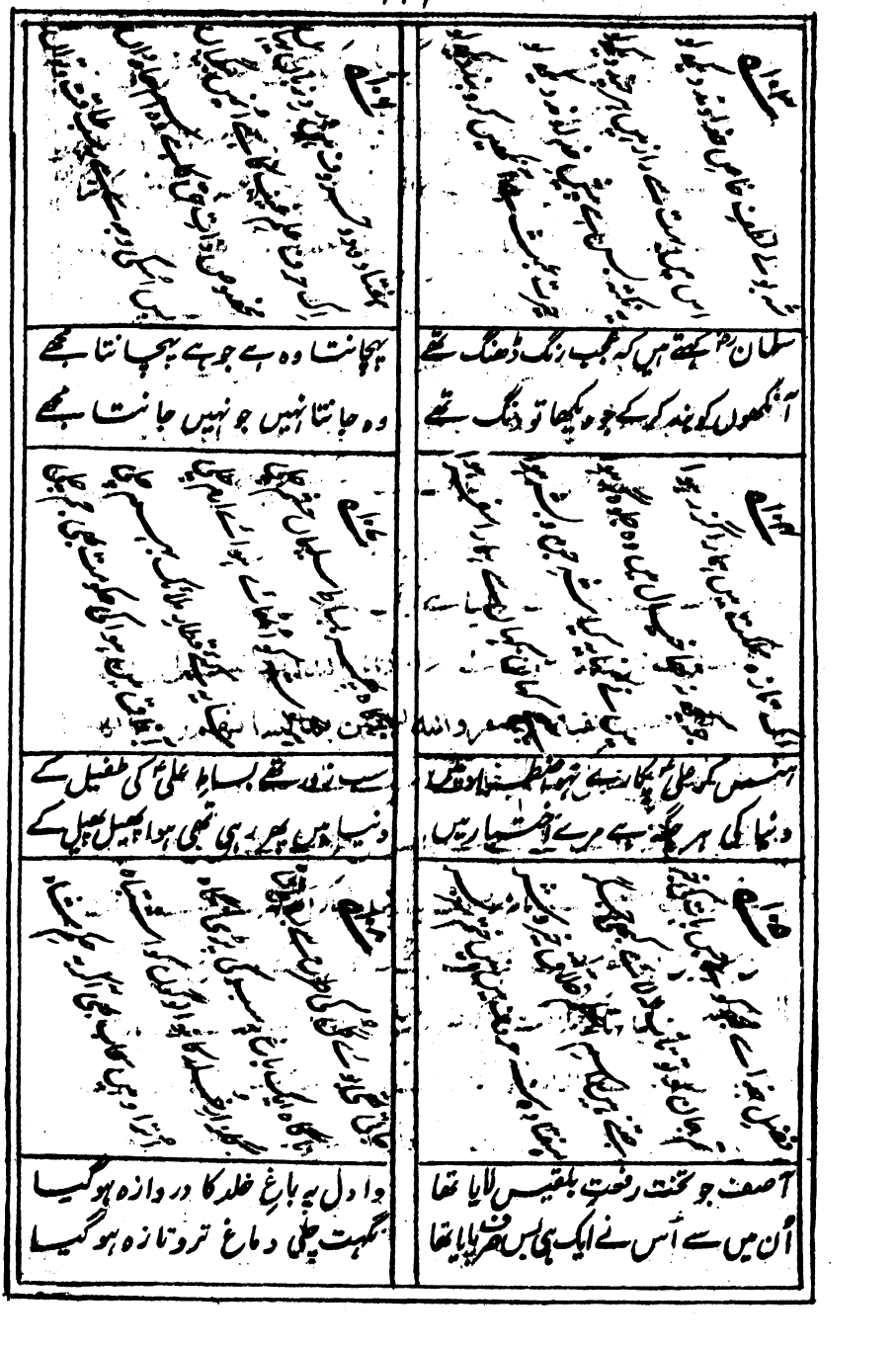

۱۱۰

وہ کیاریاں سنبل و نایاب جا بجا
حوریں جو دیکھیں نام فراغ جناں کریں
اٹھکھیلیوں سے جبکہ نسیم و صبا چلیں
پانوں کے نیچے سبزۂ خوابیدہ کوٹیں

کیا چھیڑنے ہوا کی مزے ہر نفس دیئے
غنچوں سے رُک سکی نہ ہنسی جب تو ہنس دیئے

۱۱۱

ہر پھول میں ذائقہ کی طرح رس بھرا ہوا
پھولوں کی پنکھڑیوں سے تو فرش بنا ہوا
ہر نخل اپنے زعم میں طوبےٰ بنا ہوا
سبزہ بھی بیٹھے سایہ میں پگھرا ہرا ہوا

خوشبو اڑی گلوں کی تو بلبل پھڑک گئی
ہلکر ہوا چلی تو رگِ گل پھڑک گئی

۱۱۲

دو حوریں بیٹھیں باغ کے بیچوں بیچ پڑی نظر
ماتھے پہ ان کے مزاروں کے اک مرد نامور
خوش رو و خوش لباس و خوش انداز و خوش سیر
لیکن نحیف و زار و حزیں پایا بیشتر

رقت کا جوش اُس کو بروئے مزار تھا
چہرے سے اُس کے حزن و ملال آشکار تھا

۱۱۳

دیکھا جو اُسنے روئے ضیا بار کی طرف
گویا کہ سوئے بخش ہوا باغ میں چلی
بے اختیار دوڑ نہ تھی پھر وہ بیکلی
آنکھوں میں انتظار سے خاک قدم ملی

لے لیکے بوسے سینۂ صافِ جناب کے
رو رو کے شکوہ کرنے لگا بو تراب سے

۱۱۴

پوچھا حسن نے حال تو بولے امام یوں
اے نورِ عین میرے ہیں صالح حزیں
ماں باپ کی ہیں اسکے دو فریاد حسیں
ہیں اس جگہ پہ بہر عبادت یہ جا گزیں

مشغول بند گئے خدائے عباد ہیں
صالح اگر پسر ہے تو ماں باپ شاد ہیں

۱۱۵

پڑھتے ہیں جب نماز یہاں یہ فلک جناب
ملتا ہے والدین کو ان کے ثبت ثواب
ایسا حسن کہ روتے ہیں پھر کیوں یہ بیتاب
کہتے نہیں کسی سے جناب ابو تراب

جو کچھ سبب ہے اسکا وہ صلصل سنائینگے
پوچھو اُنہی سے حال وہ اپنا بتائینگے

۱۱۵

شہزادہ زمین بوسے وہ خود کر اسے گھر سلک بخشیں
کیا پوچھتے ہیں آپ مرد حال زبوں
ہونٹوں پہ اب ہے جانِ حزیں اشتیاق سے
یہ حال ہو گیا ہے انہی کے فراق سے

۱۱۶

معمول تھا قدیم سے ہر ایک سو رکا
دس دن سے آنا چھوڑ دیا ہو تراب نے
بیچین کر دیا مجھے اس پیچ و تاب نے
اس ہجر سے تو راحتِ دل میں فتور ہے
شہزادے اب پدر سے سفارش ضرور ہے

۱۱۷

دیکھا جو اتنے روز کے بعد اس جمال کو
بانی رہی نہ تاب دل پر ملال کو
بے اختیار کھولا زبان سوال کو
مدت سے اس غلام کو اس کا خیال ہے

۱۱۸

کی عرض یہ حسن نے علی سے کہ یا امام
کہتے تھے وقت صبح مرے پاس سر بسر
دیکھا نہ ان کو آج تو ہے دل میں اضطرار
بولے نبی کہ سب مدد ذوالجلال ہے
بیٹا خدا کے راز میں جسکو محال ہے

۱۱۹

حیرت ہے سخت روز یہاں کے امور میں
پڑھتا ہوں میں نماز سحر بھی حضور میں
ہر روز ان کا دیکھنے کا شہزادہ زمین
ہونٹوں پہ اب ہے جانِ حزیں اشتیاق سے
یہ حال ہو گیا ہے انہی کے فراق سے

۱۲۰

دیکھا جو اتنے روز کے بعد اس جمال کو
اس ہجر سے تو راحتِ دل میں فتور ہے
شہزادے اب پدر سے سفارش ضرور ہے

۱۲۱

اس گنبدِ مینا پہ ہوئی نوٹ رواں بساط
سمجھی تھی کیا اشارۂ شاہِ زماں بساط
اقصائے دہر میں ہوئی عنبر فشاں بساط
سیدھی چلی لیکن ہوئی سیماب سا بساط

طرفہ روش بساطِ امامِ زمن میں تھی
دم میں بلند ہو کے جو اُتری چمن میں تھی

۱۲۲

اک دوسرے سے چمن نظر آیا ہرا بھرا
شاخوں کا طاق میووں سے تھا جا بجا بھرا
پھولوں سے ڈالیوں کو بھی اس طرح تھا بھرا
گنجے سے جیسے ہاتھ دلہن کا بھرا بھرا

گھونگھٹ سے ہر درخت میں صورت دلہن کی تھی
اُتری ہوئی برات بہارِ چمن کی تھی

۱۲۳

دیکھ زمیں بزیرِ فلک تھا بسا ہوا
یا کارخانہ فصلِ بہاری تھا سا ہوا
بلبل کا شاخ شاخ پہ جو بیں نوا ہوا
گلزار میں عجیب سماں تھا سما ہوا

بلبل چہک چہک کے ادھر بولنے لگا
واں گنبدِ بلند کا گھر ہونے لگا

۱۲۴

غنچوں کے جھڑے ڈھنڈتی بادِ صبا بھی تھی
خود لڑکھڑاتی نیند کے مارے ہوا بھی تھی

۱۲۵

نہر رواں میں آبِ مصفا کی وہ بہار
آبِ بسنت جلب بھی طراوت پہ ہو نثار
پھولوں کے عکس پڑتے تھے جلبک کا بار بار
پھولا ہوا تھا نہر کے اندر بھی لالہ زار

ہر سو چمن میں سیرِ خود آرائی جمع تھے
شمشاد نہر پر کہ تماشائی جمع تھے

۱۲۶

جو بلبلا تھا دیدۂ حق بیں کا تھا جواب
پھولوں کا عکس پنکھڑی کی دھار پر حباب
نرگس سے بھی یہ آنکھ نہ کھلتی تھی بے نقاب

حُسنِ چمن میں خلدِ بریں کا اشارہ تھا
حیرت سے جو جواب تھا محوِ نظارہ تھا

۱۲۸

جلنے لگا تھا جب کہ یہ دونوں درخت وہ
گلشن میں ایک رنگ پر ہمیشہ سے تھا وہ جناں کی شکل
دیکھی نہ تھی چمن میں کسی نے خزاں کی شکل

۱۲۹

جوش لطافت ابری جن میں جلوہ گر
جھونکے سے جب نسیم ادھر سے گزرتی تھی
نرمی رگوں کی پتوں کو بے چین کرتی تھی

۱۳۰

ہر رگ کی زباں میں ہوا بولتی ہوئی
ہر قسم کا درخت وہاں بے بدل رسلا
اپنے مزے میں جو نہ ہوا ایسا نہ پھل رسلا

۱۳۱

حضرت کا تھا وہ دوڑ کا تھی آبیار
آئے تھے اہتمام کو قدسی بھی عرش سے
پھولوں کی سیج گرد تھی سبزے کے فرش سے

۱۳۲

دیکھا وہ رود شاہِ سلیماں وقار کا
ہالہ بنی بساطِ قمر اقتدار کا

۱۳۴
کرمان نوشنیدہ کے بادہ کرد شاہ
اپنی زباں میں سب سے کہا اے شہ زمن
شاہان الفلات ہیں ہم سر بسر نگاہ
یہ سارے تحفے ہیں سلیماں کا عزو جاہ

مژدہ سنا ہوا تھا تو الم دل سے دور تھا
مدت سے انتظار ورود حضور تھا

۱۳۵
اُن کی نگاہ ناز کا کیا کام ہو گیا
آنکھوں کو اور بھی بڑھا خاصا دیدہ زیب
ناگہ نظر پڑی وہیں اک کوشک بلند
جس کی ضیا سے مہر درخشاں کی آنکھ جھپ

وہ گھر تھا سازِ ناز و نعم سے بھرا ہوا
فیروزے کا تھا تخت اک اُس میں دھرا ہوا

۱۳۶
اُس تخت سبز رنگ پہ سو تھا اک جواں
بالیدہ اور دلکش و خوبرو جواں
بیٹھے ہوئے تھے دونوں کی گلیاں
تھیں لطیف نور کی چادریں تھا نہاں

نکہت کے قافلے جو اُدھر سے گزرتے تھے
جھونکے ہوا کے روح بخش کام کرتے تھے

۱۳۷
بولا بچا حسن سے فلک شاہ اٹھ دوڑ
یہ کونسا مقام ہے یہ کونسی زمیں
سوتا ہے کون شخص یہ بالائے مسند نشیں
بولے یہ سُن کر اسکے شہنشاہ مہ جبیں

مشتاق جسکے تم ہو وہ ذیشاں یہی تو ہیں
پیارے حسنؑ جنابِ سلیمانؑ یہی تو ہیں

۱۳۸
دو مرد ہاتھ باندھے ہیں پنکھے پہ جا بجا
پاؤں کے پاس ایک اور اک تھا کنیز ماہ
دیکھا جو دونے اقدس سلطان نامور
پاؤں کو چومنے لگے لب لوٹ لوٹ کر

کرتے تھے طوف شاہ سلیماںؑ نظیر کا
اللہ رے اشتیاق و جنابِ امیرؑ کا

۱۳۹
ناگاہ سر سے اُٹھ گئی مخمل کا سر بسر
کی زیب و زینت پاک سلیمانؑ نامور
اور بولے اے رسول خدا دیکھ کر ہمیں
اٹھیے خدا کے واسطے اب خواب کس قدر

اتنی صدا سنی جو لب بوتراب سے
اُٹھ بیٹھے آنکھیں ملتے ہوئے فرشِ خواب سے

۱۳۹

ایسا کر دیتا ہوں میں شہادت جدا جدا
ہے لاشریک وہ واحد و یکتا مرا خدا
اسکا رسول احمد مرسل شہ ہدا
ہے نام بخشن کا مری مُہر پر کھدا

۱۴۰

بعد از محمدؐ عربی جانشیں ہیں آپ
اللہ کے ولی ہیں امام مُبیں ہیں آپ

۱۴۱

ہے دین حق کو احمد مرسل سے اقتدار
باطل ہیں سب طریق بر اسلام برقرار
یہ دین حق ہے ناسخ ادیان روزگار
پیدا ہوئے نبی و ولی حق کے نور سے
اس دین کا فروغ ہے ذات حضور سے

۱۴۲

جو کچھ خدا نے مجھ کو دیا عز و جاہ و مال
وہ سلطنت وہ دبدبہ وہ شوکت و جلال
وہ معدلت کا حسن وہ احکام کا کمال
جس کا اٹھایا لطف مرے دل نے بارہا
طاعت پری و جن کی صغیر و کبیر کی
جھرمٹ میں طائروں کے روانی سریر کی

۱۴۳

دولت وہ بیکرانی کی وہ اسکی خرمی
بجتی تھیں چار سو مرے پہلو میں کرسیاں
بیٹھے ہوئے وہ ان پہ سلاطین زی نشاں
وہ بال و پر کا طائروں کے سر پہ سائباں

۱۴۴

پہنچے جہاں نہ ذہن وہ جا بھی قریب تھی
ہر روز سیر عالم امکاں نصیب تھی

۱۴۵

شہر سبا و خواجہ بلقیس نامدار
ہدہد کو بھیج کر وہ مرا وقت انتظار
بلقیس کا بھیجنا وہ مجھ تک باقتدار
آصف کا پل میں منت و نگانا باختیار

۱۴۶

قائل ہوں میں وصی رسالت مآبؐ کا
ہر ایک امر میں تھا وسیلہ جناب کا

۱۴۷

ہو جن کو شوق ذائقت حضوری کی
کرتا نہ سیر تخت میں دور دور کی
آپ آئے بہرہ یاب خدائے غفوری کی
حالت بیان ہو نہیں سکتی سُرور کی

زندہ کیا مجھے رُخِ زیبا دکھا دیا
عیسےٰؑ کے معجزے کو دوبارا جلا دیا

۱۴۱۵

سنتے تھے اس کلام کو سلطانِ انس و جاں
فرماتے تھے کہ سچ کہ یہ ہے خدا و بندہ و جہاں
جس نے کہا کہ ضعیف کو بخشی ہے یہ تواں
سب اُس کا فضل ہے مری قدرت عطا کہاں

ہونے لگے بیان جو پھر ہر مقام کے
کیا لطف تھے نبی و ولی میں کلام کے

۱۴۱۶

چالیس کا ہے دیو بڑھیک ہے دنیا جہاں
سب پر عبور ہے مجھے دیکھا ہے ہر مکاں
دنیا یہ جیسے علم ہے مجھ کو ہر اک زماں
عالم ہر ایک شے کا اسی طرح ہوں وہاں

میری نگاہبانیوں پر سب مدار ہے
بعد از رسولؐ سب کا مجھے اختیار ہے

۱۴۱۷

کچھ دیر تک حضورِ سلیمانؑ رہے علیؑ
انگشتری پھر انگلی سے اُن کی اُتار لی
پھر ہو گئے وہ حال سلیماں سے جب ملی
پھر اُن کو نیند آگئی ایسی ہوا چلی

بعد از سخن وداع علیؑ سے جو ہو گئے
بالائے فرشِ خواب سلیمانؑ سو گئے

۱۴۱۸

اولاد میری بعد مرے سب کی ہے کفیل
علمِ جمیع دشمنِ خاکی کو ہیں سبیل
تا روزِ حشر ہے یہ یوں ہی جاری ہر اک سبیل
مجھ کو خدا نے راہیں بتائی ہیں بے بدل

میرے قدم سے چلتے ہیں جادے جہان کے
رستے کھُلے ہوئے ہیں زمین آسمان کے

۱۴۱۹

بسے حسن کرا سے دیبی سید البشر
کچھ قاف کے اُدھر کی بھی حضرت کو ہے خبر
فرمایا مرتفع نے مرے بارہ جگہ گذر
خلّاقِ کُن فکاں کے ہیں یہ بھید سر بسر

قدرت کے کارخانے یہ بے اختلاف ہیں
چالیس عالم اور پسِ کوہ قاف ہیں

۱۴۲۰

اے واہ سب فلک سے کہا دیو نے بڑھ کر
بھاگے ہیں سب کے پیر اُکھڑ کے نہیں ٹھکانے پر
وہ اسم جن کی وجہ سے ہے سب یہ انتظام
اللہ کے ہیں اسم جو سب سے بڑے مدام

اُن ناموں میں جو اسم ہے مکنوں وہ میں ہوں میں
اور اسم جو خدا کے ہیں مخزوں وہ میں ہوں میں

۱۵۱

ہے میرے اختیار میں پھرنا نصیب کا
دانا ہوں میں امور عجیب وغریب کا

۱۵۲

جن کلموں سے کہ توبہ آدم ہوئی قبول
فضل خدا سے میں ہوں کسی کو نہیں بھول
اسم بزرگ حق کہ ہے خاتم جس سے چھول
اعتدار جا کر دیکھے بستا لگے رسول

۱۵۳

زیتوں کے برگ پر جو اُسے لکھ کے ڈالدیں
آتش کے شعلے کو نپلیں اُس میں نکالدیں

۱۵۴

ہر گز نہ آئے مرگ بر مرگ یہ ذرا
عالم میں ہے جو شہرۂ روز خوشنما
ہے میرے نام کی برکت سب یہ در کیا

میرا جو نام نقش ہوا ہے جہات پر
ٹھیرا ہے بے ستوں یہ فلک کائنات پر

۱۵۵

لکھا جو رعد پر تو سراپا گرج گیا
نقارہ میرے عزّ وجلالت کا بج گیا

۱۵۶

روئے زمیں پہ نقش ہوا جبکہ میرا نام
ہموار و صاف اور مسطح ہوئی تمام
جب باد پر پڑھا ہو طلسمات میں سلیمان
جب برق پر پڑھا تو بچھی برق گئی مدام

۱۵۷

یہ نام جب جبین سرافیل پر لکھا
سبح حق سے ہوگئے لب اُسکے آشنا
بجھ جائیں زمانے میں بخار دوسرا
ہے جبکو اختیار سفید و سیاہ کا

گردوں کو میں زمین۔ زمیں کو سما کروں
جو چاہوں میں جہاں میں بحکم خدا کروں

۱۵۸

فرمایا جو ذکر فضائل امام پاک
آنکھیں کھلیں کہ آب رواں آیا نہر میں
دیکھا تو ہیں کھڑے ہوئے غدار شہر میں

۱۵۸ اشعار شاہ آگئے حیرت میں ایک بار
آئینہ نظر ہر ایک کو دوکانیں بیشمار
دہشت وہ راستے کی وہ بازار کی بہار
نظریں رواں وہ دونوں طرف لوگ گرمکار

کرسی میں ایک طرح دکانیں بلند تھیں
چیزیں بھی وہ بھری تھیں جو عالم پسند تھیں

۱۵۹ قصر فتح کو فلک عالی بلند بام
اونچے وہ سنگ سے کہ نظر بھی کرے ہے بند
بوٹے وہ زر نگار رنیدی بھری تمام
ہر دم نگاہ شوق کا ہو جن پہ ازدحام

دروازے سر بلند وہ قصر و مکاں بڑے
مہتابیاں وسیع وہ سب سائباں بڑے

۱۶۰ دوکانیں سب کھلی ہوئی دلالوں کا ہجوم
سج دھج سے اپنے اپنے وہ بیٹھے دکاں کی قوم
آمد و شد اسکے راستوں میں وہ بھلا ہجوم
مردم کی طرف وضع وہ دانگے وہ رسم

سب کے قوئے قوی قد و قامت بلند تھے
جتنے بشر وہاں تھے نہایت بلند تھے

۱۶۱ لکھا ہے مثل نظر تھا انکے قدموں کا تول
ایسے قدوں پہ ان کا تو ہونا نہ تھا عجول
حیرت میں آکے پوچھے کوئی کون ہیں یہ لوگ
جو خود حسن سے بنے بنائے نائب رسول

یہ لوگ مرتدوں میں ہیں باعث فساد کے
اے دلربا بالقیہ ہیں یہ قوم عاد کے

۱۶۲ یہ لوگ غرق بحر جہالت مدام ہیں
کفر و ضلالت ازلی ان کے کام ہیں
یہ دشمن خدائے جہاں لاکلام ہیں
ناواقف امور حلال و حرام ہیں

بد ہے مآل شخص ضلالت شعار کا
ایماں خدا کا ان کو نہ روز شمار کا

۱۶۳ محشر میں انکا شہر تھا اے میرے کارواں
لایا ہوں یاں اٹھا کے بفرمان کردگار
منظور ہے کہ دیکھ لو تم ان کا کاروبار
ہیں قابل جہاد و مقرر یہ اہل نار

ہادی ہوں مجھ کو انکی ہدایت ضرور ہے
مانیں نہ یہ تو جنگ کی صورت ضرور ہے

۱۱۳۷

فرما کے یہ حضور بڑھے سوئے قوم عاد
للکارے اے گروہ شقی باز آ فساد
لازم ہے ہم کو واصد یکتا کا اعتقاد
تا بخشے جاوے شرک کے دنیا بھی یا دشاد

سمجھو محمدؐ اُس کا رسولِ انام ہے
اسلام دینِ حق کا ہے بندہ امام ہے

۱۱۳۸

لشکر یہ ایک بار ہوئے سو دو ہو گئے
گھوڑے نگاہِ خشم سے سو سے ہزار ہیں
بڑھ کر ہم کسی کو بھی کچھ جانتے نہیں
پیشے ہی بھر گیا احد کا جانثار میں

چشمِ غضب سے اُنکی طرف دیکھ بھال کر
سنبھلے حضور تیغ دو پیکر نکال کر

۱۱۳۹

وہ تیغ جس کے خوف سے لرزاں ہیں بیریار
دو تیغ جو ارادت بد ہو گروں کے یار
وہ تیغ تھی عطیت خلاق نور بار
صورت میں برق بارق اور نام ذوالفقار

لاسیف بھی ہے مدح شہ اہل اے کے ساتھ
اُتری تھی بامِ عرش سے وہ لافتا کے ساتھ

۱۱۴۰

جب تیغ لے کے ہاتھ میں نکلا نبی مرے
چمکی شعاع مہر سے بڑھ کر شرف مرے
بڑھنے لگے جو لوگ اُدھر از ہم مرے
تلوار چلانے لگی جوہر کے وار سے

شمشیر صفکروں کے گلے کاٹنے لگی
بھوکی تھی مدتوں کی لہو چاٹنے لگی

۱۱۴۱

بجلی کی آب و تاب چمک میں نظر پڑی
چمکی تو بیچوں بیچ فلک میں نظر پڑی
اوپر گئی تو اوج فلک میں نظر پڑی
نیچی چلی تو بطنِ سمک میں نظر پڑی

آئی تھی انتہا کی بُرش ذوالفقار میں
لوہا برس رہا تھا صفِ کارزار میں

۱۱۴۲

جس سمت پر سری گئی بے سر بنا دیا
بجلی کی طرح دشت میں پھر لگا دیا
دونوں جہاں کو حملوں سے اپنے ہلا دیا
چوڑی ایک ہاتھ میں سب کو دکھا دیا

چلتی تھی تیغ اژدرِ موسےٰ کی شان سے
ہر وار میں نکلتے تھے شعلے زبان سے

۱۴۵	۱۴۶
اُنکے قدموں پہ چکی جو ذوالفقار	مچلی تھی کہ بجلی کوندی وہ بالائے کوہسار
خالی نہ جاتا تھا شہ مرداں کا ایک وار	جس پر پڑی وہ تیغ کٹا صورتِ خیار
جب صاعقہ حسامِ شہ دوم سے گر پڑا	دیکھو خدا کو مانکے سمجھو رسولؐ کو
سر کٹ کے قدِ نخل نما دھم سے گر پڑا	اب بھی نکالو دل سے خیالِ فضول کو
۱۴۷	۱۴۸
جب وہ اُنکے غیظ مقرر وہ سینہ چاک	بڑھتے تھے شیخ اٹھا کے بڑے حوصلے کو شاہ
چلتی تھی جبکہ تیغ شہنشاہ کا نساک	کٹ کٹ کے گرتے جاتے تھے ہر دم وہ بدنصاب
تلوار کام آئی نہ تیر و تبر چلے	مانو مرا سخن نہ رہو اپنے دین پر
سایہ سے ذوالفقار کے کفار مر چلے	دیکھو کہیں پتہ نہ ملیگا زمین پر
۱۴۹	۱۵۰
کشتوں کا تھا لگا کے وہ پشتے نبرد میں	ہر مرتبہ وہ اپنی شقاوت دکھاتے تھے
لیکن لڑائی کی انہیں بڑھتی ہی تھی امنگ	کٹ کٹ کے گرتے جاتے تھے پھر لڑتے جاتے تھے
ان شیخوں پر انکی قضا ہو رہی تھی دنگ	ہر دم پہنچ رہا تھا اثر آسمان سے
جس شیخ پر پڑا وہ اجل کا ہوا شکار	پڑھنے لگے حضور کچھ اپنی زبان سے

۱۷۴

باہر سے مدد فوج سے وہ کڑکۂ مہیب
ناگاہ ہو بلند صاعقہ میدان کے قریب
ہر سو صدائے رعد بھی آنے لگی مہیب
جس جا پہ خاک ہونے لگے پھر تو عجب نہیں

للکارتے تھے شیرِ الٰہی جو دشت میں
رعد اور صاعقہ نظر آتا تھا گشت میں

۱۷۵

آنکھوں کے کھلنے کی بھی سکت تھی نہ زہرہ بار
ہر مرتبہ تھی رعد کی اس طرح سے پکار
گویا زمیں دہلتی تھی بیٹھے تھے کوہسار
نعرے علیؑ کے دونوں جہاں کو ہلاتے تھے
قلّابے آسمان و زمیں کے ملاتے تھے

۱۷۶

سلمانؓ کہتے ہیں کہ وہ آواز تھی عجب
وہ بیچ بار بار کی چمک رعد کی بچار
ہم لوگوں کے دلوں کو یہ لاتی تھی بار بار
سینوں میں دم اڑنے لگے سب کے ایک بار
جب اُن کے سر پہ صاعقہ آتش فشاں گرا
سمجھے یہ ہم زمیں پہ کوئی آسماں گرا

۱۷۷

آئی تھی بار بار تڑاقے کی جب صدا
عقلیں ہماری ہوتی تھیں حیرت میں مبتلا
بس یہ سمجھتے تھے کہ گرا ہے جو صاعقا
ٹکڑے پہاڑوں کے پہ چٹختے ہیں جا بجا

اس خوف سے ہماری یہ جانیں دہلتی تھیں
اعضا کے کانپنے کی صدائیں نکلتی تھیں

۱۷۸

دیکھا جو مرحبؑ نے ہمارا یہ حال زار
سینوں پہ دست پاک کو پھیرا بس ایک بار
دافع خوف کو نہ بہادر میں پھر قرار
واقف بھی ہم نہ تھے کہ وہ کیا القا نثار

ادنےٰ یہ معجزے تھے شہِ کائنات کے
تعویذ ہول دل تھے مگر نقش ہات کے

۱۷۹

پھر تو برائے سیر کھلی اپنی چشم دید
اس سر کے طرف ہیں تھے جو ضربت شدید
کیا کیا ہلاک کرتی تھی وہ ضربت شدید
لیکن کسی طرح سے سمجھتے نہ تھے یہ

آخر زمیں کو لاشوں سے حضرت نے بھر دیا
شمشیر آبدار نے ستھراؤ کر دیا

۱۸۱

باقی رہا نہ ایک بھی اُن اشتیاق سے
فارغ ہوئے مجاورِ سے سرورِ عرب
اصحاب نے کہا کہ نہیں ہے جواب
چلیے وطن کی سمت کہ ہیں بیقرار سب

۱۸۲

آیا قریب شاہِ اُمم وہ فلک نشاں
بیٹھے علی صحابہ کو لے کر بموزشاں
پھر کچھ پیے کلام وہ بادل ہوا رواں
او نچا چلا تو اور ہی عالم نظر پڑا
دنیا کا روپ صورتِ درہم نظر پڑا

۱۸۳

محو کے بعد اُترا جو پھر ابرِ نور بار
مائل ہوا زمین کی جانب بہ اقتدار
جس جا سے تھے روانہ ہوئے شاہِ نامدار
آخر اُسی جگہ ہوا اُس ابر کو قرار

۱۸۴

بیچین اشتیاقِ وطن سے سفر میں تھے
اصحاب نے جو غور کیا اپنے گھر میں تھے

دیکھی لڑائی ایسی گروہ پلید کی
باقی نہیں ہے تاب عجائب کے دید کی

۱۸۵

حضرت نے ذکر اسکا کیا بارہے کہا
پنجاہ سالہ راہ یہاں چند گام تھی
یہ سیر اور پانچ گھڑی میں تمام تھی

۱۸۶

حیرت ہوئی صحابہ کو اس ارسے دید
سوگند اُس کی جس کی یہ سب کائنات ہے
مجھ بندۂ حقیر کا دم جس کے ہات ہے

۱۸۷

قدرت سے اسکی چاہیں تو یہ آن میں
تمکو گلوں کو پھاڑ دوں زمین آسمان میں
قدرت ہر ایک شے پہ ہے جسکو جہان میں
واللہ میرا دخل نہیں کس مکان میں

جو کچھ عروج دونوں جہاں میں علیؑ کا ہے
خالق کا ہے یہ فضل یہ صدقہ نبیؐ کا ہے

۱۸۸

لکھا ہے جب یہ پڑھے پڑھے فرشتہ آسمان جناب
اُس وقت آسمان پہ نظر آفتاب
اُترے سب اولا ابر سے جسدم ابوتراب
بالیدگی نشان ظہور مؤذن سنے دی شتاب

۱۸۸

نیں ہوں ولی خان بکن دلیل سے
پایا ہے منزلت یہ رسولِ جلیل سے
سنا گر دیر سے سکے وہ ہیں جبرئیل سے
واقف نہیں جہان میں کس سبیل سے

لیکن بہت سے لوگ مجھے جانتے نہیں
افسوس نابلد مجھے پہچانتے نہیں

۱۸۹

ذو معنی فضیلت شیر خدا سنی
تفسیر قدرت شہ ہر دو سرا سنی
کیفیت بساط شہ لافتیٰ سنی
اوراق فضل و قوت بت کلا سنی

مستجمع صفات فضائل علیؑ کے ہیں
اس سے بھی کچھ زیادہ فضائل علیؑ کے ہیں

۱۹۰

موجود با قوہ تھے علیؑ میں صفات سب
اظہار آن کا ہوتا تھا موقعہ بموقعہ روز و شب
لیکن نہ ننگ سے گئے دل کی رسول سب
کیا جا بجا لڑا تھی وقت شاہ شہ عرب

قدرت تھی سب پہ دل نہ رہا پھر تو کیا رہا
بعد از نبیؐ علیؑ کا نہ وہ حوصلا رہا

۱۹۱

ہر چند بعد حیدر کرار بھی کبھی
اظہار شان قدرت حق کرتے تھے علی
لیکن نہ وہ امنگ نہ وہ حوصلہ نہ جی
بس طالب رضائے الٰہی تھے ہر گھڑی

قدرت نمائی پیش نبیؐ شہ نے کیا نہ کی
بعد از نبیؐ وہی تھے کہ اُف بھی ذرا نہ کی

۱۹۲

ہر وقت کی مصیبت سیں بھی جدا علی
آگاہ ہیں دلی و نبی اُن سے اور خدا
دن رات تھے بطیع الٰہی مستعد ہوا
دل پر بھا نفس نہ کبھی قرب جاں ہوا

بعد از رسول صبر بھی حیدرؑ نے کیا کیا
جو کچھ کیا مطابق حکم خدا کیا

۱۹۲

انتظار سے زور و قوت سلطان نامور
خیبر شکن کے در کو بڑھے اٹھا کے سر
قدرت وہ تھی کہ کوہ بھی کرکرے مثل خاک اور تر
اس میں ہے صورت بادا ایک مختصر

سر کھنچ کوئی لڑانہ کبھی مرتضےٰ کے ساتھ
مارا ابھی جو شقی نے تو مکر و دغا کے ساتھ

۱۹۳

یہ انتہا کا زور تھا اور یہ بڑا بیاں
ایسی کسی سے بھی نہ ہوئیں جاں نثاریاں
سنیئے ابوتراب کی اب خاکساریاں
لازم ہے موحدین میں ہوں وہ وزاریاں

خالق کے تھے مطیع رضا پر مدار تھا
ہر بات پر جناب کو بس اختیار تھا

۱۹۴

لکھتا ہوں حال معرکہ مرتضےٰ علی
معرکہ ہوں اہل عزا ہے سو اے ابوالحسن
ایسا کوئی ہوا ہے نہ ہوگا سوائے ابوالحسن
لیکن وہی جو بیٹھے بجائے ابوالحسن

یہ نقل ابتدائے بیان ملال ہے
بعد اس کے مرتضےٰ کی شہادت کا حال ہے

۱۹۵

یہ انتہا کا زور تھا اور یہ بڑا بیاں
ایسی کسی سے بھی نہ ہوئیں جاں نثاریاں
سنیئے ابوتراب کی اب خاکساریاں
لازم ہے موحدین میں ہوں وہ وزاریاں

خالق کے تھے مطیع رضا پر مدار تھا
ہر بات پر جناب کو بس اختیار تھا

۱۹۶

لکھتا ہوں بعد رحلت پیغمبر زمن
تنہا رہے رسول کے گھر میں ابوالحسن
لاکھوں اٹھائے ظلم ہزاروں سہے محن
ہر دم مگر زبان پہ تھا شکر ذوالمنن

یہ ضبط شہ نے بعد رسول جہاں کیا
پوچھا کسی نے کچھ تو جو حق تھا بیاں کیا

۱۹۷

القصہ گزرتے وقت حضرت کو ماہ و سال
ہر وقت تازہ صدمہ تھا ہر دم نیا ملال
پہنچی کمال ضعف و نقاہت کے اب یہاں
دل بجھ گیا ضعیف بدن ہو گیا نڈھال

تقلیل گو ہمیشہ میان غذا ہوئی
لیکن شکستِ نفس کی اب انتہا ہوئی

۱۹۸

جب زیب بخش مسند خلافت ہوئے علی
دنیا ہوئی فروغ عدالت سے منجلی
ہر سو ہوا فیض شہ لافتا جلی
کانٹے سے بیر کھل سے کھجی ذوق کی ملی

اقبال تھا مقیم و مسافر کے واسطے
لنگر تھا ایک وارد و صادر کے واسطے

۱۹۹

ان فیض بخشیوں میں جس کا تھا اہتمام
دعوت ہی موسموں کی رہا کرتی تھی مدام
کھاتے ہے ایک روز میاں میر صاحب
وارد ہوا کہیں سے کوئی مرد بے نام

۲۰۰

دیکھا وہاں پر اُس نے سافر ایک بے
محراب میں مقیم ہے اک مرد خاکسار
پیوند کا لباس ہے بر میں جاں فزا
اعضا کے ضعف سے ہوا قالب بے قرار

۲۰۱

جب دیکھا مؤذن مسجد اذاں تمام
لوگ آئے سب نے کی ادا نماز تمام
گھر کو گئے تو چھوڑ گیا کچھ وہ اثر بہم
اک گونہ میں کیا تھا اس نے بھی تھا مقام

۲۰۲

اک شخص سنہ پیر اُسے کہتے تھے سبھی
اس شخص میں کرامتِ حق کو ملا تھا میں
افسوس کرتا پیش حسن جبکہ وہ گیا
دیکھا وہاں وہ سیمبرے دستار خواں بچھا

۲۰۳

مجمع ہر اک طرف ہے صغیر و کبیر کا
جاری ہے فیض ابن جناب امیرؑ کا

۲۰۴

توست بڑی تھی دینِ رسولِ انام کو
آیا نماز پڑھنے وہ مسجد میں شام کو
اُس کا ہر ایک کام تھا صبر و رضا کے ساتھ
کرتا تھا بات حمد و ثنائے خدا کے ساتھ

۲۰۵

دیکھا یہ حال مرد مسافر نے ناگہاں
وہ مرد خاکسار و خوش اطوار و نیک خو
جب کر چکا عبادتِ خلاقِ انس و جاں
بیٹھا جا نماز پہ اپنی بہ صوت و شاں

۲۰۶

پھر خشک و روکھی کا تھوڑا نکال کر
رغبت کے ساتھ بھانک لیا وہ مگر مسافر
اپنی کنول سے لب کیے شکرِ خدا سے تر
حیرت بڑھی مسافرِ زردشت کی ادھر

۲۰۷

دیکھا یہ اُس کا حال تو جاں تھرا گئی
رحم آیا اس قدر کہ اُسے رقت آگئی

۲۰۵

اشنا سے بچتے ہوئے کھانے بصد رضا
جن میں تھا کوٹ کوٹ کے بالکل مزا بھرا
خادم ہر اک جگہ پہ مراحی لیے کھڑا
جاکر ہوا تبسم سا وہیں ایک جا جا

جاری کیا جو مومنوں پر فیضِ عام کو
کس لطف سے حسنؔ نے کھلایا طعام کو

۲۰۶

کھانے لگا جو مرد سا وہی وہ غذا
ہر کھانے میں سے رکھتا تھا کچھ جو بچا بچا
بوسہ حسنؔ کر شکر کرا سے بند خدا
کل پھر غذا کھلائیگا رزاق دوسرا

حیرت ہے مجھ کو کس لیے تو ناصبور ہے
رازق پہ آدمی کو توکّل ضرور ہے

۲۰۷

بولا سوار اسے شہ اقلیم بذل و جود
قابل ثنا کے کھانے ہیں تم لائق درود
رازق ہر ایک شخص کا ہے واجب الوجود
فضل و کرم سے اُسکے ہے عالم کی آسودہ

کیا ہوگی کل کی فکر مجھے جب یہ طور ہے
اس کھانے کے اُٹھانے کی اک وجہ اور ہے

۲۰۸

اس وارداتِ کے نہیں سکتے کی کچھ تاب
مسجد میں آج پہنچا جو میں شام کو جناب
آیا نظر وہاں مجھے اک شخص دل کباب
مردِ فقیر گیروں میں پوشیدہ بے حساب

واقف نہیں وہ لذتِ نان و کباب سے
روٹی کا چور اُس نے اُتارا ہے آب سے

۲۰۹

روزہ تمام روز کا اور چور ایک کف
لیکن اُسے حصول قناعت کا ہے شرف
پانی پیا جو اُس نے تو لا بعد ضعف
رزاق تیرا فیض تو جاری ہے ہر طرف

تیرا کروں میں شکر جو کچھ انتہا ملے
مجھ بندۂ حقیر کو ایسی غذا ملے

۲۱۰

اے شاہزادہ دو جہاں بس یہ ہے سبب
حال اُسکا دیکھکر ہوئے مرے دل کو اضطراب
لیجاؤ کھانا یہ کھانے اُسی کے لیے ہیں سب
ایسا نہ ہو وہ بھوک سے ہو جائے جاں بلب

مجھ کو خدا کی راہ کا سودا ضرور ہے
ایسے غریب کو تو کھلانا ضرور ہے

۲۱۱

روداد یہ بات سننے ہی شہزادۂ زمن
بولا کہ بے خبر ہے تو اے مردِ بے وطن
دیکھا ہے جس کو تو نے شریکِ غم و محن
بابا ہیں وہ تو میرے جناب ابوالحسن

کھاتے ہیں روز سرورِ شاہ و گدا یہی
ہے بادشاہِ ہر دو جہاں کی غذا یہی

۲۱۲

عادت اسی طعام کی اُن کو مدام ہے
واقف نہیں وہ کیسا جہاں کا طعام ہے
تعلیل میں غذا کی بڑا اہتمام ہے
وہ نفس کُش ہیں آہ اُنہی کا یہ کام ہے

اُن کو پسند فقر ہے داد و دہش کے ساتھ
کھائی نہیں غذا کبھی دو ناں خورش کے ساتھ

۲۱۳

ہر وہ شعور سے ہے یہی مرتضےٰ کی خو
ہے فقر اور فاقہ تو اس گھر کی آبرو
روٹی کے ٹکڑے پر ہے فقط تجھ کو گفتگو
کس غذا کی وہ روٹی ہے تو واقف نہیں ہے تو

گندم یہاں ہوا نہیں صرفِ غذا کبھی
کھایا نہیں ہے نانِ جویں کے سوا کبھی

۲۱۴

گندم طعامِ حضرتِ آدم کے واسطے
کچھ ضبطِ خانہ سرورِ عالم کے واسطے
لیکن رضائے خالقِ اکرم کے واسطے
لذت زباں کی جا ہی نہ اُن کے کبھی واسطے

بابائے اہتمامِ رضائے خدا کیا
گندم کو مُنہ لگا کے نہ صرفِ غذا کیا

۲۱۵

مزدوری اور آب کشی شغل کا ہے یہ
رہتے ہیں رات دن وہیں مصروفِ کار و کد
پاتے ہیں جو کچھ اس سے وہ، صرف نہ کرتے خود
خالص ہے یہ اطاعتِ خلّاقِ ذوالمنن

بس ہے رضائے واحد و قائم سے واسطہ
کچھ مُلک سے غرض نہ غنائم سے واسطہ

۲۱۶

جس اپنا حق ہے اور وہ سب کو نہیں ملا
کیونکر نہ صرفِ فاقہ کشی ہوں امام دیں
جینے کا لطف سے گئے سلطانِ مرسلیں
بابا کو زندگی کا مزا کچھ رہا نہیں

عادل ہیں جانشینِ نبی کے امام ہیں
کچھ نفس پروری سے نہیں اُنکو کام ہیں

۲۱۶

جب یہ کہا حسن نے تو رونے لگا وہ مرد
سُن سُن کے یہ بیان ہوا اُس کا رنگ زرد
کہنے لگا حسن سے وہ بھر بھر کے آہ سرد
حق ہے کہ خاندان نبی ہے جہاں میں فرد

چلتا یہی ہے خواہش پروردگار پر
کیا دل پہ اختیار ہے اس اختیار پر

۲۱۷

رخصت ہوا یہ سُنکے حسن سے وہ نیکزاد
مسجد میں آکے دیکھا تو گزران کی تھی یاد
اب بھی وہی تھا یاں قدم صدق کو ثبات
سچ ہے صرف بندگی خدا شاہ خوش صفات

بے اختیار جانب محراب بڑھ پڑا
کچھ کہہ سکا نہ مُنہ سے تو قدموں پہ گر پڑا

۲۱۸

حضرت نے سر اٹھا کے کہا کیا ہوا تجھے
بولا وہ ہاتھ جوڑ کے اے شاہ انس و جن
بیشک یہ مرتبہ تھی رسولوں کو ممکن
یہ آدمی میں قوت وطاقت بھلا کہاں

حیران ہوں میں شام سے اس کاروبار کا
یہ کام ہے بس آپ ہی سے روزہ دار کا

۲۱۹

پھر بندگی حق میں کیا اس طرح قیام
کیا کھایا تھا حضور نے اسنے وہ نیکنام
سارا شب بہ اپنی نفس کشی ہے یہ اہتمام
کیونکر خدا نہ خوش ہو یہ ہے آپ ہی کا کام

پاتا ہوں ایک خو یہاں بیٹے کی باپ کی
جاری ہے لنگر اور غذا ہے یہ آپ کی

۲۲۰

فرمایا اُس کے عالم سے کر دیجئے سوال
یہ مرتبہ حسین ضرور نہیں اسنے کیا وصول
فرمایا اُس نے یہ ہے بزرگوں سے یہ اصول
اُنکی رضا جو کچھ ہو ہمیں دل سے ہے قبول

کیا احتیاج ذائقہ آدم کے واسطے
کافی ہے یہ غذا تو بس اک دم کے واسطے

۲۲۱

پھر آپ نے کہا کہ ہمیں تم تو پہچانتے
دم رکھنے کے لیے ہی بہت ہم کو جو ملا
کمزور روح کو تو ہے کرتی بہت غذا
میرا وہی چلن ہے جو محبوب حق کا تھا

بیکار گفتگو میں یہ رنج و محن سے کہیں
میں جانتا ہوں تو نے جو باتیں حسن سے کیں

۲۲۲

کھاتے ہے سوکھی روٹی کو تو اپنے دل میں کیا
یہاں ہے ہیں خدا کے ہمارے ہی بھی خدا
لذت تو بخشتا ہے ہر اک چیز میں خدا
کردم ہم کو بھی نہیں رکھتا ہے کربا

۲۲۳

روز حساب ہونا ہے کھانے کا جا بجا
کیا فائدہ یہ بار جہاں بوجھ لے اٹھا
دنیا میں رہ کے کھایا یہ جو ہم نے اب
رہتا ہے سود اگر کی پہ لیتے ہیں پیچ و تاب

کھائے تو دیکھے صدق ہمارے کلام کا
ان سوکھے ٹکڑوں میں ہے مزا ہر طعام کا

رزاق اگر نہ چاہے تو دم کیا غذا بجائے
محشر کی باز پرس سے ہم کو خدا بچائے

۲۲۴

سوچے اگر بغور تو اے مرد شناس
بس ترک کے لئے ہیں کافی ہے یہ لباس
کھانے کے واسطے جو ترے دل میں ہو ہوس
ابھی غذا کی وجہ سے دم کا نہیں ہے ساس

۲۲۵

کہتا تھا کل یہ ایک سے درویش کامگار
کھاتے نہیں جہان کا ہم لوگ یہ طعام
ہم اہلیت احمد مرسل میں لا کلام
لذات دنیوی سے ہے نفرت ہمیں مدام

۲۲۶

شیخ سے دست بوسی کا وہ جب کہ
بولا کہ کیوں ولی نہ کہے ترک فضل کو
حضرت سا حق شناس زمانے میں اب کہاں
جانا گیا ہوں اپنی فقیروں سے میں جہاں

حضرت پہ چشم رحمت پروردگار ہے
جو چاہیں بس حضور کریں اختیار ہے

۲۲۷

کیوں موسوم ہے شوریاں کا اتقا
کیا صرف کیا لباس فقا کیا ایک یا غذا
کس طرح گزری ہے تو بتا شاہ دو سرا
فاقہ بھی کر رہا تو کیا خرق ادا

ہر وقت جستجوئے رضائے خدا رہی
اکسٹھ توحق کے شیر کی خرما غذا رہی

اس ضعف میں معین کی قوت کا لطف ہے
روٹی کے سوکھے ٹکڑوں میں نعمت کا لطف ہے

۲۲۹

محنت کا مزہ پایا سنے جب سرور نام
جاتا وہ صرف ہوتا تھا کر بلے خرام
بزدل بھی سنا شعلۂ خنجر پہ اٹھا کر
بجلی سے دلوں میں اور تپیدوں میں تھا ضیغم

پروردگار کے تھے ولی دیں پناہ تھے
محتاج اور فقیر کی امید گاہ تھے

۲۳۰

بارہ صبا میں تو نفر ماں کیسے تھے
اکثر رہے ہیں قادسے سلطان دیس
روزے کا لطف خوف سے بھی بارہا دیا
لیکن ہر ایک حال میں شکر خدا کیا

خاتمے میں اکثر اس لیے دل شاد شاد تھا
روزے کا شوق شاہِ اُمم کو زیاد تھا

۲۳۱

ہے ہے غضب ہوا اسی ماہ صیام میں
ضربت لگی سر شہ والا مقام میں
بجلی پڑی تمام زمانے کے کام میں
سر پیٹا اپنا حوروں نے دار السلام میں

ضربت تقی کی کھا کے امامِ مبیں گرے
بیہوش ہو کے سدرہ سے روح الامیں گرے

۲۳۲

روز دشمنِ غم شب بست و یکم ہوئی
رونق جو دین کی تھی زمانے سے کم ہوئی
نور ہدیٰ بیچ آواز شکستہ ہوئی
خلقت شریک رنج و محن کا علم ہوئی

اُنیسویں کو کھائی ہے ضربت جناب نے
مارا دغا سے قاتلِ خانہ خراب نے

۲۳۳

لکھا ہے جب کہ ضرب لگی تھی دمِ سحر
تھا رکعتِ دوم کا رکوع اور جھکا تھا سر
جو پہنچی آہ تیغ سر آلود فرق پر
نکلی لہو کی دھار ہوئی ریش خوں میں تر

شکرِ الٰہ کرتے ہی خاموش ہو گئے
صدمہ ہوا یہ دل پہ کہ بیہوش ہو گئے

۲۳۴

گھبرائے آسمان و زمیں لرزنے لگی زمیں
قدسی سنا غل مچا دیا تا چرخ ہفتمیں
مارا گیا زمین پہ اُحد کا جانشیں
عرشِ اللہ کو بھی تزلزل ہوا وہیں

تصویر مرتضےٰؑ کی جو چرخِ بریں پہ تھی
تاثیر ضرب اُسکی بھی روشن جبیں پہ تھی

۲۳۵

بام فلک سے پھر یہ منادی دی ندا
مارا گیا ولی خدا و اہلبیت
دین رسول پاک کا حافظ ہے اب خدا
سب طین خود سماں ہیں اعدا ہزار ہا

دشمن جو اتنے ہوں تو ٹھکانا کہاں رہے
اللہ ہے نبیؐ کا جواب خاندان رہے

۲۳۶

مسجد کے گرد و پیش سے مردار چل تمام
اک تھوڑی دیر میں ہوا ہر سمت ازدہام
دیکھا تو سر برنگ فتنہ بیہوش ہیں امام
ہے بھاگا جاتا قاتل سلطان نیک نام

تاثیر ظلم و جور رخ بدصفات میں
آنکھوں میں خوں بھرا ہوا تلوار ہات میں

۲۳۷

بیٹھا امام لیوں سے لگائے گھبرا کے سر
مشکیں کسیں بٹھایا جو راست میں بیچ در
درد اجل پہنچی گھر میں قیامت کی یہ خبر
اہل حرم تڑپ کے گرے رو خاک پر

بیہوش ہو کے بیبیاں سب ننگے سر گریں
کلثومؑ اُس طرف کو تو زینبؑ اِدھر گریں

۲۳۸

بیٹھا امام لوٹنے لگے رو بہ رو کے خاک پر
سینے پہ ہاتھ مار کے شدت سے کھولا سر
پھر دوڑ دوڑ کر پٹخنے دونوں سر کو پیٹ دونوں سے پیر
مسجد میں جا کے بانی قیامت اِدھر اُدھر

قاتل کو دیکھا عشقیں بندھا ہے کھڑا ہوا
بیہوش مصطفےٰؐ کا وصی ہے پڑا ہوا

۲۳۹

کھائل ہے سر ولی خدا کا جبین تک
ملتے ہے خوں کی دھار بھی ہے نور بین تک
لیکن نہیں ہے جبہہ روشن پہ چین تک
صدمہ ہے گو بہت اسدِ ذوالجلال پر
آنکھیں تو بند ہیں پہ ہے چہرا جلال پر

۲۴۰

بیٹوں نے آ کے پاس دیکھا رخ پدر
بیہوش اس طرح تھے کہ مطلق نہ تھی خبر
آخر کو لے گئے حرم خاص میں حضرت کو ڈال کر
مسجد سے ہاتھوں ہاتھ چلے لیکے نور گر

جس دم لٹایا حجرۂ خاص جناب میں
کہرام مچ گیا حرم بوترابؑ میں

۲۴۱

زینب نے آ دوڑ کے کی تھامی باگ
کس حال سے تڑپے ہیں قرآں بابا جاں
کلثوم سر کو پیٹ کے بولیں بعد فغاں
اب ہم یتیم ہوتے ہیں اے رب دو جہاں

دوڑیں تو لڑکھڑا کے بروئے زمیں گریں
شہ کے قریب آتے ہی ام البنیں گریں

۲۴۲

بیبیوں نے جلد دھویا سر خونچکاں شاہ
جوشن کو بلا کے دکھایا وہ بر لا آہ
ممکن نہیں کہ رکھ سکیں سلطاں یہ بے پناہ
یہ زخم تیغ زہر کا ہے واہ بے گناہ

یہ سُنکے آہ آہ کی ہر دل کباب نے
آنکھوں کو غش سے کھولدیا بوترابؑ نے

۲۴۳

جھک کر حسن نے پیار سے کی بابا حال پر نظر
فرمایا سر کو خاک سے اٹھاؤ خدا کے واسطے
پھیکے کھڑے حسینؑ ادھر دیکھتے تھے دور
کیونکر بڑھائے ہاتھ اٹھا کر شہ غیور

کیوں رو رہے ہو سب سے الگ نورِ عین آؤ
اچھا ہوں میں کرو نہ بہت آہ و شین آؤ

۲۴۴

دامن سے پونچھتے ہوئے آنسو حسینؑ نے
بولے ٹکا کے سینہ پہ سلطانِ مشرقین
صابر کا اجر جانتے ہو میرے نورِ عین
تم رو دو گے تو آئیگا کیونکر حرم کو چین

عاقل ہو سوچو کون بروئے زمیں رہا
دارِ فنا میں کوئی ہمیشہ نہیں رہا

۲۴۵

سُنکر یہ کلمہ رونے لگا مہ جبیں پسر
بیچین ہو گیا دلِ سلطانِ بحر و بر
ذرا یا کیا سمجھ کے لگے رونے اس قدر
اچھا ہوں میں. بہت نہ بڑھاؤ ملال کو
میں نے بیاں کیا تھا زمانے کے حال کو

۲۴۶

لو جلد لاؤ تو مرے قاتل کو دوڑ کر
کچھ پوچھنا ہے اُس سے بھی اے جانِ پدر
روتے ہوئے حسینؑ روانہ ہوئے ادھر
پھر خیمہ میں آ گئے یہاں سلطانِ بحر و بر

صدمے سے دردِ سر کے تھا جی سنسنا گیا
قرآن کی ہوا سے ذرا ہوش آ گیا

۲۴۷

اٹھے نہیں اٹھائے قاتل جسے بندھا ہوا
پاؤں طرف سے گھر کے سے گھر سکے ہوا
انشاء سے عدل سے ورکن سے کہا
باندھا ہے اس کو کیوں کر سے ہو جدا

ہو گا وہی رضا جو خدائے زمن کی ہے
مجھ کو تو اس گھڑی نہیں ایذا رسن کی ہے

۲۴۸

شکلیں کھلیں جو اس کی زبان لطف سے
اس عدل اور داد پہ قاتل سے رو دیا
شرمندہ اپنے فعل پہ تھا بانی جفا
بولے زبان لطف سے ناگاہ شہ ہوا

کیوں اے جفا پسند تجھے کیا خبر نہیں
قاتل کو میرے نارِ سقر سے مفر نہیں

۲۴۹

مارا ہے کس غضب سے یہ تو نے بھتیجا
بچے مرے یتیم ہوئے کیا غضب کیا
کبھی ہے تو نے میری امامت میں کیا کیا
نادان میں تو سب کا زمانے میں دوست تھا

ثانی مرا جہان میں اے پُر جفا نہیں
اب دوسرا زمیں پہ ولی خدا نہیں

۲۵۰

اٹھتا تھا قاتل اور جھکا تھا انا سر
جیدر کے دیدبہ نہ اٹھ سکتی تھی نظر
ناگاہ شربت آیا پئے شاہ بحر و بر
بیٹے کو پہلے شہ نے پلایا پدر کو پھر

بولے حسنؑ سے ظلم نہ اے نورِ عین ہو
قاتل کو میرے پہلے پلا دو تو چین ہو

۲۵۱

وہ بے نصیب اور وہ اس سخا سے ترش
شربت پیا نہ اس نے کیا رد و کد بہت
پھر شہ نے بھی سمجھ کیا اور کچھ نہ
بولے کہ جو دیا ہے جواب اسے زبان سے

آسان کچھ شہادتِ شاہ زمن نہ تھی
کیا دیتا وہ جواب کہ جائے سخن نہ تھی

۲۵۲

بولے حسنؑ سے پھر شہ مجروح و خستہ تن
واقع ہو جب یہ ظلم پہ قاتل ترا بدن
ٹوٹا ہے ایک وار سے فرقِ امام حسن

ہو کام اس میں یا نہ ہو اس ناتمام کا
بس تم بھی ایک ہاتھ لگانا حسام کا

۲۵۲

پھر زور ضعف کا ہوا اس دم غلبہ سے
چھٹنا سنا دیا بستر پہ بار بار
کس قہر کا تھا زخم لگا سر پہ ہائے ہائے
رنگ آتے جاتے تھے رخ انور پہ ہائے ہائے

ایسے ضعیف حیدر کرار ہو گئے
بیخود کبھی ہوئے کبھی ہشیار ہو گئے

۲۵۳

بولی بڑی بڑی ہو تم اس گھر میں سے جدا
ایذا نہ پائیں کیونکے یہ ورثے اطفال خرد سال
پھر بولے رخ ہے مجھ شبیر کی ماں
مجھ سے بھی بڑھ کے ہیں یہ شہ دیں کے نونہال

تم اتنا کام اب یہ برائے خدا کرو
عباسؑ کو حسینؑ کو میرے عطا کرو

۲۵۴

بیٹھے تھے گرد خیمہ کے اک روز سب امم
ام البنین جو پوچھتی ہیں حضرت ہوسکم
کیا حال ہے حضور کا اے سید الامم
شاید کہ آج درد کی شدت کمال ہے
والی مرے بتاؤ تو کیا دل کا حال ہے

۲۵۵

ام البنین یہ رو کے پکاریں کہ اے جناب
پوچھے سے آپ کے جو رہتا ہے دل کباب
اب بھی رہیگا خدمت طاعت کا یہ ثواب
میں کیا کہوں کہ سوچتا ہوں کب کے حال کو
دیدو مرے حسینؑ کو تم اپنے لال کو

۲۵۶

دو بولیں میں بھی لونڈی ہوں تم بھی غلام ہے
شہزادوں کی اطاعتوں سے کام ہے
صدقے وہ خود حسینؑ یہ تو صبح و شام ہے
اس وقت بھی حضور نہ لینگے جو نام سے
بچپن سے الفتیں ہیں بہم التفات ہے
اس وقت بھی تو نام خدا سات سات ہے

۲۵۹

امّ البنین سے سُنتے تھے یہ شاہ مشرقین
باہر سے آئے اتنے میں عباسؑ اور حسینؑ
امّ البنین پکاریں ادھر آؤ نورِ عین
کچھ کہتے بار بار شہِ نامدار ہیں
اس دم ابو تراب بہت بیقرار ہیں

۲۶۰

آئے حسینؑ اتنے تھے عباسؑ جانِ عقب
آقا کا جس طرح سے کہ خادم کو ہو ادب
بولے یہ اُن کو دیکھ کے شاہِ ہدیٰ عرب
آؤ ہمارے پاس تحمل نہیں ہے اب
شبیرؑ جا کے باپ کے سینے سے لگ رہے
عباس دونوں ہاتھوں کو جوڑے الگ رہے

۲۶۱

کچھ مرتضیٰؑ نے کان میں شبیرؑ کے کہا
سنتے ہی شاہِ دیں کا وہ غم کا بجھ گیا
حیرت ہوئی حرم کو کہ کیا ہے یہ ماجرا
عباسؑ کو اشارہ کیا شہ نے بات کا
آئے جو وہ علیؑ تھے بہت شور و شین میں
بیٹے کا ہاتھ دیدیا دستِ حسینؑ میں

۲۶۲

فرمایا مرتضیٰؑ نے برادر تمہارا ہے
جاؤ گے جس مقام پہ ہمراہ جائے گا
اس گھڑی سے بندۂ بے زر تمہارا ہے
درکار ہوگا سر تو یہ پہلے کٹائے گا
دن میں بس دو مونس و یاور تمہارا ہے
رن میں بس یہ تین ہے بجز تمہارا ہے

۲۶۳

عباسؑ کی طرف پھرے یہ کہکے شہِ زمن
فرمایا اب بڑے ہو تم اس سے کچھ تم کو دشمنی
بڑھتے رہو ہمیشہ الفت سے بیکسی
بیٹا خدا سے پاؤ گے ان خدمتوں کا جی
ان کا عدو ہر ایک بزرگ اور خورد ہے
عباسؑ یہ حسینؑ تمہارے سپرد ہے

۲۶۴

بھائی بھی ہو نہ کبھی تم حسینؑ سے
غافل رکھیو خادمی کی مرے نورِ عین سے
تیغ جفا چلے تو اڑا ہو نا دین سے
سینے پہ اپنے روکیو تم جانبین سے
شبیرؑ بھائی کا حقِ خدمت نہ بھولنا
عباسؑ دیکھو میری وصیت نہ بھولنا

۲۶۵

کہرام ان کلاموں سے تھا ہر طرف بپا
کہہ کہہ کے آپ روتے تھے سلطان اولیا
صدمہ ہوا یہ دل پہ کہ بس جی نکل گیا
رونے لگے تمام حرم دا ھیبتا

۲۶۶

روتے ہوئے قریب پدر کے گئے حسن
بیاختہ امام کے گلے سے لگ گئے
کچھ دیر سینہ سینے سے ملکر ابوالحسن
بولے کہ تم ہو آج سے شاہنشہ زمن

باہر تڑپ رہے تھے موالی حضور کے
آئے تھے لوگ پوچھنے کو دور دور کے

۲۶۷

در پر بہت یتیم اور غریب کھڑے تھے موم
مانگا جو آکے سب نے کچھ پیسے کی دھوم
آنسو نے جھک کے ہاتھ لگایا در علوم
سر پر جو نوحے اہل حرم کے بپا ہوئے

۲۶۸

لو ہم سر درگذشتہ ہیں تم کو نبی کا گھر
شفقت کا ہاتھ سر پہ رہے سب کے عمر بھر
دیکھو رہے حسین پہ رکھنا بہت نظر
ہشیار تھوڑی دیر کو پھر مرتضے ہوئے

حق کی رضا جو ہو وہی دن رات کیجیو
جو مصلحت خدا کی ہو وہ بات کیجیو

۲۶۹

اک دم عجیب کرب تھا مولا کو آہ آہ
لیکن بہت سنبھالے تھے سلطان دیں پناہ
پوچھا حسن کہاں گئے بولا وہ رشک ماہ
حاضر حضور میں ہوں ابھی سب کے سب شاہ

فرمایا سینہ سینے پہ میرے حسنؑ رکھو
آؤ قریب میرے دہن پر دہن رکھو

۲۷۰

یہ کہتے کہتے خیر سے اس ماہ دیں کا حال
سمٹا بدن رگوں میں نشیج ہوا کمال
نزدیک چار پیٹ کے سر کو بصد ملال
نیرے لیے نہ کچھ کیا بابا نہ خوش خصال

گھر تو تمام سونپ دیا تم نے بھائی کو
بابا کسے سپرد کیا اپنی جائی کو

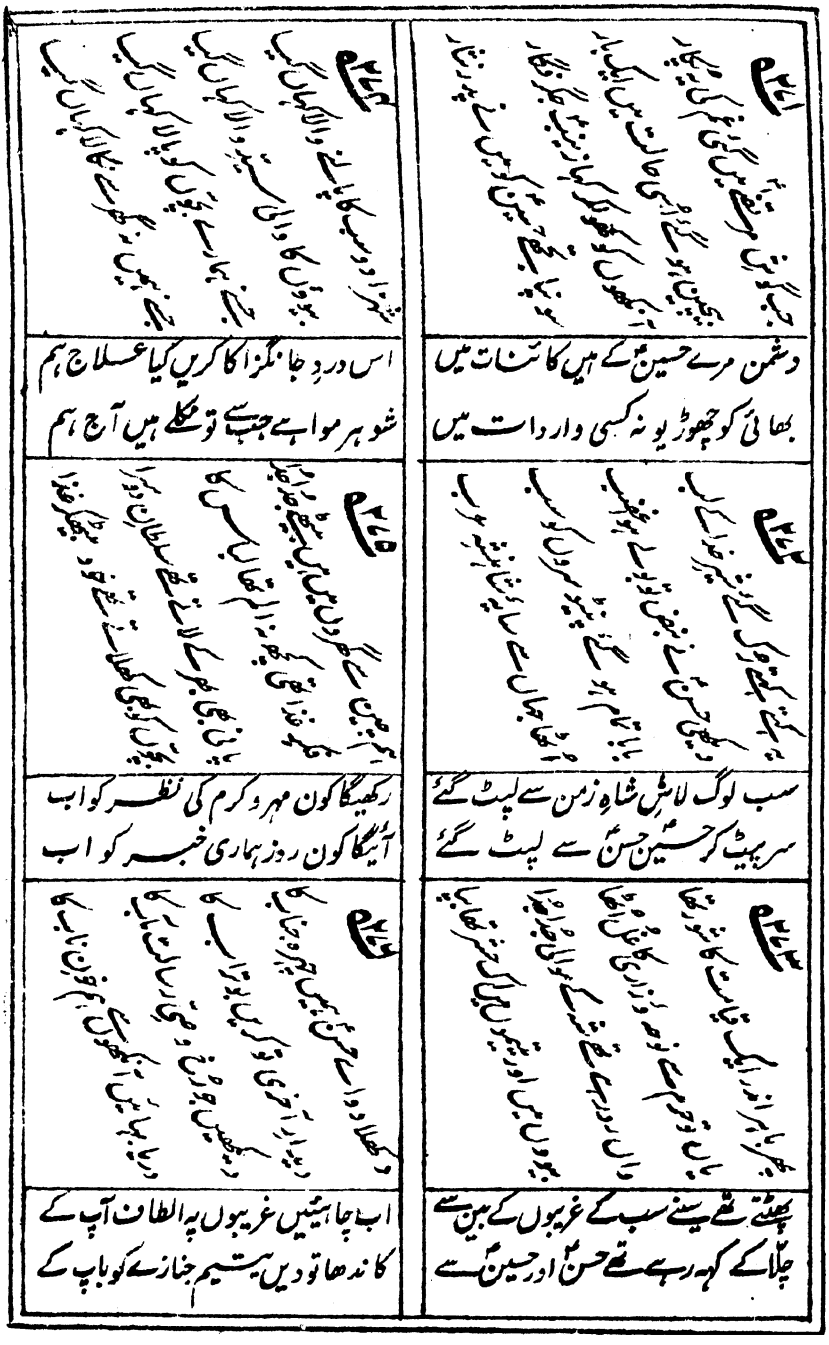

۲۶۱

جب گوش رستے میں کٹی غم کی دیکھ کر
تکیہ کئے ہوئے تھے جو شہ دیں زمیں پہ سر
بیتاب ہو گئے اسی حالت میں یک بیار
آنکھوں کو کھول کر کہا زینبؑ جگر فگار
سونپا تجھے حسینؑ کو میں نے پدر نثار

دشمن مرے حسینؑ کے ہیں کائنات میں
بھائی کو چھوڑیو نہ کسی واردات میں

۲۶۲

یہ کہتے کہتے روک گئے شیر خدا کے لب
دیکھی حسنؑ نے نبض تو بولے ہو مضطرب
بابا تمام ہو گئے پیوند مہروں کو سب
اٹھا جہاں سے سایۂ ابر و شہ عرب

سب لوگ لاش شاہِ زمن سے لپٹ گئے
سر پیٹ کر حسینؑ حسنؑ سے لپٹ گئے

۲۶۳

پھر باہر آ کر ایک قیامت کا شور تھا
ہاں دو جہاں سے نوحہ و زاری کا غل اٹھا
واں دو برس کے شہ کے سوا کل جہاں روا
بچوں میں اور بیبیوں میں اک حشر تھا بپا

پھٹتے تھے سینے سب کے غریبوں کے بین سے
چلا کے کہہ رہے تھے حسنؑ اور حسینؑ سے

۲۶۴

سنبھلو اور سب کا پالنے والا کہاں گیا
بچوں کا والی وارث و والا کہاں گیا
جینے ہمارے بچوں کو بالا کہاں گیا
جینے ہمیں نہ گھر سے نکالا کہاں گیا

اس دردِ جانگزا کا کریں کیا علاج ہم
شوہر موا ہے جب سے تو نکلے ہیں آج ہم

۲۶۵

گھر میں سے گھر دں میں یہ پیٹھے جو دو بچار
کھانا نہ کچھ پکا تھا نہ پانی بھرا تھا یار
بچوں کو بھی کھلا نہ سکے خود بھی کچھ نہ کھا
رکھیگا کون مہر و کرم کی نظر کو اب
آئیگا کون روز ہماری خبر کو اب

۲۶۶

دیکھا دوا سے حسنؑ نہیں ہیں بہتر جناب کا
دیدار آخری تو کریں یا بتر اب کا
دیکھیں جو رخ وہی رسالت مآب کا
دریا بہائیں آنکھوں سے ہم خون ناب کا

اب چاہئیں غریبوں پہ الطاف آپ کے
کاندھا تو دیں یتیم جنازے کو باپ کے

حکایت ۲۵

جب بیکس و درویش تھے وہ سب کے سب کفن کا ہونے لگا واسطہ
سامان کفن کا ہوا بندوبست کس طرح اٹھا
میں کیا کہوں بنا و بنا کس طرح اٹھا
تابوت کس طرح سے اٹھا کیا ہجوم تھا

کب مومنوں کو تاب بھلا اس الم کی ہے
دفنِ ابوالحسنؑ کی حکایت ستم کی ہے

تائید ۲۵

بس اے صفیر ہو چکیں غم کی کہانیاں
محشر میں کام آئیگی یہ خوش بیانیاں
معیوب اس گھرانے میں ہیں ان زبانیں
پائی نہیں کسی نے یہ شیریں بیانیاں

تائیدِ خالقِ دوجہاں تیرے سات ہے
انصاف اِس بیاں کا ید اللہ کے ہات ہے

مطلع

روشن فلکِ شمس پہ تصویرِ علیؑ ہے

مصنفہ

مولوی حکیم فقیر حسین صاحب عظیم مرحوم شاگرد رشید حضرت دبیرؒ

بند ۱۴۸

۱

روشن فلکِ شمس پہ تصویر علیؑ ہے
انجم کی جو ہر برج پہ تنویر علیؑ ہے
بازار ہے اوزان جسے پنجہ گیر علیؑ ہے
شمشیر بلکہ لوحِ شمشیر علیؑ ہے

وہ ضرب ہے کسکی کہ اطاعت ہے افضل
اک ضرب دو عالم کی عبادت سے ہے افضل

۲

کس شمس کی اے صبح ازل تجھ میں ضیا ہے
وہ شمس یہ خورشید نہیں۔ نور خدا ہے
وہ جانبِ یکرو نہ کبھی کم نہ سوا ہے

جنکا ہے دلِ آئینہ یہ راز اُن پہ جلی ہیں
وہ شمس و قمر۔ عارضِ تابانِ علیؑ ہیں

۳

بالا و برو جبر میں زباں نام علیؑ ہے
ہے عین علیؑ علم ہے لم شرع بھی شہ ہے
ہر شانِ الٰہی کا نشاں نام علیؑ ہے

بے عین سکے دونوں کا نہ کچھ پاؤں نہ سر ہے

۴

مخزونِ شفا درد میں ایوب کا سکہ
مرہونِ دلاسا دلِ یعقوب کا سکہ
مطلب جو خدا کا ہے وہ مطلوب کا سکہ

جس کا کہ محب حق ہے وہ محبوب ہے کا سکہ

۵

جن و ملک و انس کا ہے حافظ جان کون
مشہور ہے عالم میں شہ کون و مکاں کون
تسکین زمیں کون ہے تزئین زماں کون
خلاق کا امیں کون خلائق کی اماں کون

اس رمز کو یارو کسی آگاہ سے پوچھو
بندوں سے نہیں کھلنے کا اللہ سے پوچھو

۶

لوح سے فرمانِ خدا ہے وہ علیؑ ہے
لولاک کی بھی ندا ہے وہ علیؑ ہے
بسم اللہ قرآں کی صدا ہے وہ علیؑ ہے
انجم میں جو اک نجم ہدا ہے وہ علیؑ ہے

لو چار پیمبر بھی گواہی کے لیئے ہیں
ہاتھوں پہ بہم چار صحیفوں کو لیئے ہیں

۸

ایوانِ فلک حاجبِ ایوانِ علیؑ ہے
فرمانِ قضا یہ ہے فرمانِ علیؑ ہے
قدرت کا قلم زیبِ قلمدانِ علیؑ ہے
تقدیر بہ لقب بخشِ دیوانِ علیؑ ہے

چاہیں تو بنا دیں یہ شفا درد و مرض کو
قائم کریں جوہر کی طرح صاف عرض کو

۹

قرآن کی جاں صورتِ زیبائے علیؑ ہے
معراجِ اذاں قامتِ بالائے علیؑ ہے
کعبہ جو ہوا روئے دل آرائے علیؑ ہے
صنعت یدِ قدرت کی سراپائے علیؑ ہے

ہر خلد میں طوبےٰ کی تجلّی سے ضیا ہے
جنّت کو یہ پھل الفتِ حیدر نے دیا ہے

۱۰

ایوب کو تنویرِ شفا نامِ علیؑ ہے
یعقوبؑ کی آنکھوں کی ضیا نامِ علیؑ ہے
ایماں کے نگینے کی جلا نامِ علیؑ ہے
جبریلؑ کے ہے ہونٹ پہ صلِ علیٰ نامِ علیؑ ہے

جزوِ و کلمہ حق نے کیا نام علیؑ کا
تا روزِ جزو و کُل کلمہ ہوئے نبیؐ کا

۱۱

جزو و کل نام علیؑ کو جو کیا وہ
بادا آگئے کافی ہے وہ ثروت و فتح و شوکت و جاہ
ارکان جو ہوگئے نظر آگئے ناگاہ
ہے آخر کلمہ تو علیؑ پہلے ہے اللہ

اک حرف مٹے گا نہ مٹانے سے کسی کے
ہے نامِ نبیؐ بیچ میں اللہ و علیؑ کے

۱۲

ماہِ رمضاں اور یہ اندھیر کا سماں
مشکل میں زباں سے جو کہا یا شیرِ مرداں
بسم اللہ ہی کے حرف ہیں مشکل کشا آساں
اس نام کے دشمن ہوئے کیوں دشمنِ ایماں

خالی برکت سے ہوئے ایام مبارک
اس ماہِ مبارک میں رہا نام مبارک

۱۳

نازل ہر منزل ہوا بلنگ کا جو آیا
اُمت کا امیر ان کو بہ صد رنج بنایا
کیوں پایہ قوی دین کا پایا کہ نہ پایا
اکملتُ لکم دینکم جو آیا کہ نہ آیا

تسلیم کا ہدیہ جو نہ دیں شاہِ ہدیٰ کو
انس و ملک و جن سے نہ ہو اُنس خدا کو

۱۳

کیا حاضر و غائب سے علیؑ ہم خدا کی
الحمد میں انعمت علیہم سے ثنا کی
آشفتہ و عاجز سے خطابت خدا کی
دُہری یہ عنایت ہے خدائے دوسرا کی

بندوں پہ مگر ختم جو نعمت ہوئی کیا ہے
وہ دل کی جِلا شاہِ ولایت کی ولا ہے

۱۴

گو میں شرافت سے نجابت سے عرب کا
والا نسب اعلیٰ حسب اور کل سے شیخ کا
ہاشم نویں جد بایں بو طالب نجباء
ماں فاطمہ بنت اسد اور اسد اللہ

بابائے حسنؑ تاجِ سرِ خیر نساہیں
بازوئے نبیؐ دستِ زبردستِ خدا ہیں

۱۵

مُنہ شہ کونین ہوا کون گرامی
کہتی تھی دُرِ نجف نازی و تنہا سی
ہے اُمِ سلیمان کی اسی نام سے نامی
دنیا میں رسولانِ سلف کے ہوئے حامی

لاریب کہ حق دوست حق آگاہ علیؑ ہیں
حقا اسد اللہ و ید اللہ علیؑ ہیں

۱۶

جبریلؑ کو پہلے جو نظر آیا ستارا
واللہ امام اُس سے بھی اوّل ہے ہمارا
منظور ہوا باغِ جہاں کا جو نظارا
پہلے نہیں اللہ نے گھر اپنے اُتارا

سر کعبہ کا اونچا ہوا مقدم سے علیؑ کے
والتجم سے روشن ہیں شرف حق کے ولی کے

۱۷

آئینہ ہے حال رخِ مہرِ رسالتؐ
ہیں چشم جو بینا سرِ عرشِ سعادت
دیکھا طرفِ راست ہے اک نورکا لشکر
اُس نور کے لشکر میں ہے اک نور کا لشکر

اکلیل کی جا قبّہ ہے اک نور و ضیا کا
وہ قبّہ ہے اک دانہ دُرِ بیش بہا کا

۱۸

جب شش جہت میں ہے وہ اک نور کا لالا
ہر چار طرف جھوٹ گیا سب کا اجالا
پرتو ہے یہ بڑے نور و ضیا عالم بالا
ہونی ہے کہ ہے قدرتِ اللہ تعالےٰ

پڑتی ہے جو آنکھ اُس پہ برابر سے برابر
باطن نظر آجاتا ہے باہر سے برابر

۱۹

صف بستہ تھا ملائک ہمراہ بہر تسلیم
مسجود سب ہوئے تھے مخلوق سب تھی پیہم
محبوب الٰہی سے نظر کی سو سے جو چار
فرمانے لگے کہ آؤ صاحب مقدر میں

۲۰

مشتاق دل عشاق بڑھنے لگے بیدم
پہنچے جو قریب آئی نظر قدرت داور
کس حسن سے ہے جلوہ فروزاں سر منبر
خورشید نجف کا ہے شرف جید صفدر

۲۱

فرمایا کہ اس دم تم محبوب ہو بہتر ہم
معراج علی کو ہوئی ہم سے بھی مقدم
وہ بڑھ نہیں اے شرف عالم آدم
کیونکر ہے یہ قدرت خلاق دو عالم

۲۲

کی جوش بخششوں نے کیا فیاض خاور
عالم ہے تو باطن کا نہیں حاجت اظہار
نالوں کا ولی ہے جو علی عرش کا مددگار
ہر وقت ہے بر نظر اسکا ہمیں دیدار

۲۳

پہنچے ہی خسرو دو عالم ہوا مسرور
حیرت سے رہے نظارہ کے دعا ہوگئی منظور
خلعت سے یداللہی کی باقی فقط تھا جھومر
قدرت کے سراپردہ میں وہ نور تھا مستور

۲۴

جنبش کی طاقت ہے یک اسے شہ خوشخو
فرمایا سر اپنا میں نہیں فرق سے بہتر
دیکھو نہ دریغ دیجئے آنکھیں دونوں ابھی
بالکل وہی گردن وہی سینہ وہی بازو

روشن جو کیے حق نے شرف اپنے دلی کے
مشتاق فرشتے ہوئے دیدار علیؑ کے

یہ عین تمنا ہے کہ جب تک نہ مریں ہم
آنکھوں سے علیؑ کو ترے دیکھا ہی کریں ہم

وہ بولے نہ تم دور نہ یہ دور ہے حضرت
نزدیک چلو دید جو منظور ہے حضرت

وہ چند تحیر ہوا پیغمبر دیں کا
حیرت سے لگے دیکھنے منہ روح امیں کا

اس نور کو فی الفور ہوا دیکھا حق نے
ہمشکل ید اللہ کا پیدا کیا حق نے

واں زائر حیدر نبی آدم ہیں زمیں پر
یاں اُنکے ہیں زوّار ملک عرش بریں پر

۲۵

ہر رحیمہ کو اور ہر رشب آدینہ کو یا شاہ
اک جا بلک ہفت فلک ہوتے ہیں روشن
آداب زیارت کے بجا لاتے نہیں دلخواہ
اور دل سے ادا کرتے ہیں طاعت اللہ

کہتے ہیں ہر اک سجدے میں سر اپنا جھکا کر
حیدرؑ کے محبوں کو ثواب اس کا عطا کر

۲۶

کیوں چرخ نہ ہو تیری زیارت کا گرو شیدا
ہے بہتر حق و باطل میں ذرا بھی کو نہیں فرق
حیدر کی زیارت کا فرشتوں میں ہے چرچا
بجتی ہے گرائی بن بلبل یہ دم جور

حیدر نہیں سب مومن و دیندار موئے ہیں
بن باپ کے اٹھارہ بہن بھائی ہوئے ہیں

۲۷

للکارے کہ کوئی لگ سر پہ کاری
جو خون سر بیک ہوا رش یہ جاری
مجھ سی نہیں ہے کسی کو بھی کاری
ہے ہے ترا لو علی خاصہ باری

یاں دھار لہو کی تھی رواں سر سے ولی کے
واں خون بہاتا تھے سے تصویر علیؑ کے

۲۸

مشغول زیارت جو ملک تھے خوش و خرم
اک بارہ وہ ہجت ہوئی سب درہم و برہم
چلائے کہ فریاد ہے اے خالق عالم
ہے حشر کے دن حشر کیاں دیکھئے ہم

اس شکل کا کیوں فرق منور ہوا زخمی
آئی یہ ندا واں سر حیدر ہوا زخمی

۲۹

بیتاب دوڑتے ہوئے تربت ہی پر وارد
ہر فوج کے سر پیٹ کے چلائے وہ فرشاد
ہیں منتظر زیارت کی مٹی آج سے بنیاد
فریاد ہے فریاد ہے فریاد ہے فریاد

نظارے تھے جن آنکھوں سے تصویر ولی کے
اب روئینگے اُن آنکھوں سے ماتم میں علیؑ کے

۳۰

حضار کہ بدائشہ میں یکتا و سراہیں
طاعت میں عدالت میں شجاعت میں سخا میں
ہمت میں کریمی میں مروت میں وفا میں
سطوت میں قوت میں شجاعت میں فنا میں

مولا مرے مددگار ہیں حامی ہیں معیں ہیں
سب کچھ ہیں یہ بندوں کے پر اللہ نہیں ہیں

۳۱

ا ا اسم جلالی ہے علی جل جلالہ
حرفوں سے جلالت ہے علی جل جلالہ
ہے نفس علی نادِ علی جل جلالہ
احمد کا وصی حق کا ولی جل جلالہ

دارین میں یہ کعبۂ رُخ کی ہے کرامت
کعبہ نے لکھا قبلۂ کونین سلامت

۳۲

جادو ترے سحر کو میں کھولوں کہ زبان بند
اک جزو تو ہو لکھے کو دو عالم نہیں دو بند
مضمون سے کوئیں بھائی ہے طبع ہر ہنرمند
یعنی رقم غم سوہ خندق ہو طلسم بند

خندق جو کھُدے حکم خداوندِ زمن سے
پاٹوں میں اُسے گوہر نایاب سخن سے

۳۳

ورح کی امداد کا کونین میں ہے شور
وہ نظم پڑھوں اب کہ عطیدوں کا بڑھے زور
مومن ہو کہ کافر ہوں مخالف ہوں کہ کور
دل اُن کے ضیا بار ہوں اور چشم عدو کور

یا شیرِ خدا لب پہ جو یاں برمحل آئے
مُنہ سے ابھی شیروں کا کلیجہ نکل آئے

۳۴

مدحِ علی حیدر کا طبیعت کو ہے اک جوش
گلچین گلستانِ سخن ہیں خرد و ہوش
مضمون کوئی ڈھونڈ بجائے کہ ہو لفظ و ادا جوش
کیا غم ہے جو مدح علی طاق و خطا پوش

خرمن میں مرے غیر کا اک دانہ نہیں ہے
اِس باغچہ میں سبزۂ بیگانہ نہیں ہے

۳۵

کہتے ہے جب کا یہ سخن شستہ و روشن
آتے ہیں بفکر مضامین یہاں از ہفتہ
کیوں حسن بتیں سے غمِ شنگفتہ
لو جاگ اٹھے نظم کے بھی طالع خفتہ

ہر بند کی بندش ہے نئی ڈھنگ نیا ہے
ان پھولوں کی خوشبو ہے نئی رنگ نیا ہے

۳۶

جب جنگ احد میں ہوئی دندانِ نبی یاب
اسلام کا گلزار ہوا اور بھی شاداب
کفار کے دل خار حسد سے ہوئے پُرتاب
بھر فتح ہوئے چار طرف بینگ سے لاباب

سودائیوں سروں میں تھا کہ اب باد دغا دیں
ایمان کی بنیاد کو دنیا سے مٹا دیں

۳۷

اس مشورے پہ جمع ہزاروں سپاہ کے
کیا دور دور بازو مستحکم قلعہ کے
پہرا تھا جا بجا پہ عبور و مرور کا
تھا بند راہ رسد پہ ہر اک نامی جمن کا

تھی فوج کہ اک باڑھ تھی دریائے رواں کی
جس باڑھ میں موجیں تھیں نری تیغ و سناں کی

۳۸

آواز شیون اٹھ رہی تھی ہر مکان سے
یاں فاقہ خیز نے کیا تھا ماتم کا آ بنگ
رہ رہ کے فوج اور یہاں کی لڑائی کا یاں رنگ
رہ رہ کے دل حریف سے کرتا تھا جنگ

آتا تھا حیا سے عرق انجم کی جبیں پر
انجم تھے نثار انجمن قبیلۂ دیں پر

۳۹

یہ نور ہے وہ نار ہے یہ خیمہ وہ شرر ہے
واں تیغ دو دم اور یہاں تیغ دو سر ہے

۴۰

واں خانہ زاد سب کا فزوں تر مدد میں زور
یاں ایک ایک جنگ کی ہے پہلے جنگ مقدم

کی عرض کیبشا نے ہزاروں سے وغا ہے
ہو سلع کے دامن میں لڑائی تو بجا ہے

۴۱

واں ہر طرف سے آ کے ہوا جمع ایک جا
کٹنا ہزاروں ہی لڑائی میں ہیں تیار
ہر ایک قبیلے کے رئیس اور نمودار
فوجیں ہیں پیچھے پیچھے ہیں آمادہ بہ پیکار

دیتے ہیں ثبوتوں پر جو وہ دم لیتے ہیں دل کی
قسمیں ہیں وہ دولات کی عزا اور ہبل کی

۴۲

اک سمت ہے کہ وہ ایک طرف شہر ہوا خالی
ہے شہر میں کوہ پہاڑ سے شہر خالی
گو فصل میں اس جا ہے کہ وہ فصل ہے ساری
یہ قول پسندیدہ تھا تسلیم کے قابل

جاری ہوا یہ حکم شہ ارض و سما کا
بسم اللہ ادھر بھی سر و ساماں ہو وغا کا

۴۳ سرکار پیمبر کے ملازم ہوئے تیار
آنکھیں کریں باندھے آمادہ بہ پیکار
یاں گھر سے برآمد ہوئے کونین کے مختار
یاں آیۂ محفوظ خدا تن پہ نمودار

۴۴ تھا خود امام سر پہ رسول دوسرا کے
دستانے چڑھے ہاتھوں پہ تائید خدا کے

۴۵ چابک سواری خوب دہیت و جمال
سیدانی حضرت حشم و شوکت و اقبال
اور پشت پہ اللہ کا سب لشکر افضال
کاندھوں پہ حفاظت کی برابر اعمال

۴۶ اس شان سے جو شکل سواری نظر آئی
مژدہ لیے نصرت کا قضا و قدر آئی

۴۷ چترب سے بڑھی خسرو یثرب کی سواری
جاروب کش راہ ہوئی بادیہ ساری
رستے میں سلے قافلہ سنگ تتاری
پاؤں سے نہیں وادیٔ ایمن ہوئی ساری

۴۸ گردوں پئے نذر شہ گردوں محل آئے
جنات دبے پاؤں ملک سر کے بھل آئے

۴۹ پہنچے جو قریں سلطان دو عالم
جاری ہوا فرمان یہیں سب اہل خیم
میداں کو جو دیکھا تو ہوئے فرش فروش قوم
پر سامنے سے دشت تھا ہموار زمیں کا
اک سمت تھا شہر ایک طرف کوہ تھا محکم
کھٹکا تھا اُدھر آمد افواج لعیں کا

۵۰ بہتر سر محبوب خدا ظل ضیا تھا
جبریل جلودار رسول دوسرا تھا

۵۱ بہتر سے فرمایا کہ فکر اس کی ہو فوراً
جو رسم ہے ایراں کی وہ اسلوب ہو مولا
خندق جو کھدے گرد بہت خوب ہو مولا

۴۹

لشکرِ بے خندق نہ رہے آخر و ناچار
پھر یہاں گذرِ لشکرِ اعدا نہیں آساں
نازاں ہوئے جبریلؑ سے اس نائبِ یزداں
سلماںؓ کی ہوئی رائے پسندیدۂ رحماں

یہ وحی سُنی جبکہ رسولِ عربی نے
تیار ہُئی خندق کا دیا حُکم نبیؐ نے

۵۰

انصار و مہاجر ہوئے سب سعی پہ تیار
تقسیم زمیں ہوگئی اصحاب پہ اک بار
دس گز کے عوض دس کو ملی خندق کی تیار
مصروف ہوئے خود بھی رسولِ عربی یار

تعجیل جو تھی مدِّ نظر لشکرِ دیں کو
تیشوں سے لگے کھودنے خندق کی زمیں کو

۵۱

سلمانِ اولی العزم ہوا واقفِ پیمائش
دن بھر میں زمیں کھود سکے سات ہی گز بس
مشغول ہوئے خود شہِ ابرار و شہِ طوس
کھلتا ہے کہ خندق میں ہوا بیڑا بھی سرِ دست

مُڑ مُڑ گئے تیشے نہ ہوئی اُس کو خبر بھی
آواز تو کیا سنگ سے نکلا نہ شرر بھی

۵۲

بازو ہوئے شل تیشے بھی کاری ہوئے باہم
دم لیکے دلیروں نے کیا زور پہ ہر دم
ناچار ہوئے صاحبِ تسخیر سے ہمدم
گھبرا کے گئے رو بہ رسولِ دو عالم

کی عرض پہاڑ ایک غضب کاہشِ جاں ہے
خندق میں نمودار عجب سنگِ گراں ہے

۵۳

دنیا سنے پڑ جائے تو شوں میں بڑا پیچ
وہ زور کہ منہ سے کلیجہ نکل آیا
پر سنگ پہ تیشے سے نہ ہر گز خلل آیا
یہ سنتے ہی واں خاصۂ ربِّ ازلی آیا

وقفہ نہ کیا بادشہِ عرش نشیں نے
رکھا سرِ خندق پہ قدم سرورِ دیں نے

۵۴

قربان تو اے شاہِ عرب شاہِ عجم شاہ
تیشہ لیے اک ہاتھ میں اک ہاتھ سپر تھی
کٹ کٹ کے گری مٹی نہ طبق جب کی ذرا تھی
دے مارے جو اک ہاتھ تو ہو زیر زمیں شق

اونچا کیا تیشہ جو شہِ جنّ و ملک نے
پنجے سے زمیں تھام لی خورشیدِ فلک نے

۵۵

الٹے ورسے اجل نے شہنشاہ امم کا
سیدھا جو پڑھا پہاڑ تو دو اس سے ہو گئے
دم بھرنے لگی برق فلک تیغے کے دم کا
شق سنگ کا سینہ ہوا اک صاعقہ چمکا

واں عرش پہ اس زور سے کی واہ خدا نے
یاں وار پہ تکبیر کہی خیبر ورا نے

۵۶

تیشہ جو پڑا دوسرے اللہ سے اک بار
تھا ضربت ثانی میں بھی اول ہی کا انداز
بجلی کا چمکنا وہی تکبیر کی آواز
پھر ضرب سوم سے جو ہوا شعلہ سر افراز

تھا شور بس اب نظروں میں سر مہ ہی نر اسنگ
پتھر پہ پڑا تیشہ کہ شیشے پہ گرا سنگ

۵۷

مشکل ہوئی حل عقدہ خوش ہوئے صحابہ
پہاڑ دھنک سے اس کی ہوئے سب گرویدہ
سلمان رہ سنی کی عرض کہ اے خلیفہ والا
ٹکڑے تو ہوا سنگ پہ تیرت ہے سراسر

پتھر سے نکلتے ہوئے بجلی نہیں دیکھی
بجلی کی چمک میں یہ تجلی نہیں دیکھی

۵۸

اسے کاشف اسرار خدا وند مکرم
ہر ضرب پہ تکبیر کہی آپ نے پیہم
فرمایا عیاں کرتے ہیں یہ راز نہاں ہم
پہلے جو ہوا صاعقہ بعد کا عالم

سامان ترقی و تنزل نظر آیا
کسریٰ کا محل سامنے بالکل نظر آیا

۵۹

کوندی جو یہاں بار دوم برق شرر بار
واں قصر ہوا روم کے قیصر کا نمودار
تھا ملک میں بار سوم تکبیر سے ہر بار
دیتا تھا یہ مژدہ مزد مراخلاق مراخبار

اظہار اس آغاز کا انجام میں ہوگا
یہ ملک ہر اک قبضۂ اسلام میں ہوگا

۶۰

اس مژدہ کے شکر میں ہر بار برابر
کہتا تھا میں تکبیر پہ تکبیر مکرر
خوش ہو گئے یہ سنتے ہی اصحاب پیمبر
دیدی شہ اطاعت کا یہ تیشہ نے اظہار

تیشوں کو یہ تھا طیش کہ ناچار تھی خندق
گزدانہ چھٹا روز کہ تیار تھی خندق

۶۱

ناگاہ پڑی گرد سر لشکر و دار
سیدساں میں اُترنے لگی افواج مستعد
حفظان و فرار اُڑا سب مست کا بھیا
فوجیں سپاہ سینے سے جنگ کے بچھیا

تلواروں کی بجلی سے چمکنے لگا صحرا
ٹاپوں سے سمندوں کی دھمکنے لگا صحرا

۶۲

میداں آگے سیہ روز ادا ہوئے شرمگیں
دھیلا کیے لاکھوں کو لڑنے بہت تنگ
فتنے کے پیر۔ شر کے پدر۔ نامیوں کے ننگ
اُڑتا تھا میں بوش کہیں عقل کہیں تنگ

کثرت یہ ہوئی مورچوں میں اہلِ ستم کی
چیونٹی کو نہ ملتی تھی جگہ نیم قدم کی

۶۳

یاں میں ہزار اور وہاں کثرت دشمن
واں نار کا گلخن ہے یہاں نور کا اہیں
واں کفر کا خرمن ہے یہاں دین کا گلشن
ہے جمع مومن ہیں وہ زنار برہمن

واں لات کی تائید کا سودا ہے سروں میں
یاں نام خدا ہونٹوں پہ قرآن بروں میں

۶۴

محمود و دوران کا ہے اُن کو فزوں کد
یاں غرہ ہے عزّیٰ پہ تو بل لات و ہبل پر
یاں تکیہ ہے فضلِ ملک عزّ و جل پر
دونوں طرف اک جنگ کا محشر کے ہوا ڈر

۶۵

کی شاہ نے اک صف پر فرخندہ معین
فرمایا بتا کیسا ادھر آئیں جو دشمن
جھکنے نہ پلک تیر چلیں سیدھے پہ سن سن
چھپ چھپ کے ہوا خاک کے دامن میں نگوں سر

پیدل ہو کہ اسوار ادھر آنے نہ پائے
آئے تو بجز نار کہیں جانے نہ پائے

۶۶

ہر طرح نگہباں ہوا خندق کا ہوا دھنگ
دیکھا کہ ہے ہر سمت سے صد جنگ
واں جو عدد پڑتے تھے گر تیر سے تفنگ
گزرا نہ یہاں عرصہ تو سنگر کے ہوا تنگ

بے بس تھے لعیں فوج شہنشاہِ عرب سے
اُس سمت نہ آسکتے تھے خندق کے سبب سے

۱۱۶

یہ قہر و غضب میں عمرو عبد دد ایا
ساتھ اپنے فرار اور زبیر کو وہ لایا
دونوں کے ہوا خواہوں سے گھوڑوں کو اڑایا
اور جا بنے خندق میں شجاعوں کو دکھایا

۱۱۷

یہ سنتے ہی ساکت رہے اصحاب پیمبر
یہ خدمت اقدس میں گئے حیدر صفدر
رخصت جو طلب کی تو نہ راضی ہوئے سرور
للکارے پھر اٹھے صدا دی یہ مکرر

۱۱۸

سر کرتے ہیں ہم کوئی مہم ہو کہ لڑائی
ناخن سے پھاڑ دیتے ہیں شیروں کی کھالیں
اک حملے میں برچھے کی دکھاتے ہیں صفائی
یوں گزرے ہیں خندق سے کہ مشکل نہیں جانی

۱۱۹

جب ابروؤں پر اپنی بل آتا ہے وغا میں
بھونچال سا ہو جاتا ہے میدان غزا میں

۱۱۶

یاں بازوؤں میں زور ہے قلعہ شکنی کا
ہاں آئے جسے حوصلہ ہو تیغ زنی کا

۱۱۷

لڑنا ہو جسے آئے مری حرب کو دیکھے
دم تیغ کا نیزے کی زد و ضرب کو دیکھے

۱۱۸

کیا بڑھکے کریں سامنا اس شیر فگن کا
للکار رہی میں خون گھٹا اپنے بدن کا

۱۱۹

رہزن اُدھر آتے تھے تو اُڑ کر ہرا دھر تھا
اک اونٹ کو نتھوا نسے ہوئے جائے پر تھا

۱۱۶

تم کہتے ہو فردوس شہادت کا صلا ہے
پھر لڑنے میں سر دینے میں کیا خوف کی جا ہے

۱۱۷

بے جنگ کوئی رہ سکے گا خامش و بیکار
پھر شاہ ولایت سے ہو رخصت کے طلبگار
ساکت رہے راضی نہ ہوئے احمد مختار
پھر اٹھے ندا دی طرف حیدر ابرار

۱۱۸

جب پیچ دیے بر اک سنے کہا اسے نہ عالم
عبرت ہو کہ عشرت ہو یہ ہے زیست مقدم
آفاق میں ہے اسکے ہم آورد بہت کم
پنجے میں یہ ہے شیر اولی میں ہے رستم

۱۱۹

انسان ہے یا دیو ہے یہ کہہ کر آواز
شیروں کو جو للکارے تو چھٹ جائے کلیجا
اک بار پڑا رزم میں جو ہاتھ سے بالا
صدہا وہ سبع تھے یہ تھا ایک نہتا

۱۷

ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں ہم بھی
ہو نہ ہو اب تو دعا میں ہے اثر

۱۸

تنتا ہے جو غصّے سے تو سر جھک نہیں سکتا
گر زاسکا سر کوہ سے بھی رُک نہیں سکتا

۱۹

یہ سنگ ہوئے تین ہزار اور بھی شہ پر
تلوار اگر ڈاب سے اور میان سے خنجر
پر شیر خدا غالب کل جیش پہ صفدر
یوں بڑھ کے ہوئے ہوش ربا رزم میں ضیغم

۲۰

انصار و مہاجر پہ نہ لشکر پہ ہے تکیہ
ہم کو تو فقط خالقِ اکبر پہ ہے تکیہ

۲۱

لشکر میں عجب طرح کے عاقل میں فرامم
مغرور کی وحشت کا کوئی کون تقاضا ہے
ارقم کی طلسمی زہرا گلتا ہے یہ اژدم
بادل ہو گرجتے ہیں بہت کم برستے ہیں بہت کم

۲۲

واں پشت پہ بُت ہیں مددِ حق تو نہیں ہے
مانا یہ اسد ہے اسدِ حق تو نہیں ہے

۱۷

معراج ہوئی اور رسولوں کو زمیں پر
بندے کو سرافراز کیا عرش بریں پر

۱۸

بڑھ کر سیں عو من ظلمۂ جو افلاک سے پیکاں
اور خون عالم پہ گرے برق درخشاں
ہر تیغ کے پانی سے اٹھے موجۂ طوفاں
اور نیزوں سے بھاگے ہر اک دشت نیستاں

۱۹

پر حافظِ اقبال اگر تو ہو نبیؐ کا
اک بال نہ بیکا ہو نبیؐ کا نہ علیؑ کا

۲۰

حمزہؓ مرے چچا ہیں اُحد میں ہوئے قرباں
یاد رہا عبیدہ سو ہوا بدر میں یہاں
بانی ہے علیؑ ایک ترا باغ فرماں
یہ سابق الاسلام ہے اور واثق الایماں

۲۱

اب اسکے بچھڑنے سے نہیں روح بدن میں
بازوئے نبیؐ جاتا ہے اژدر کے دہن میں

۷۹

اندوہ ترے دھن سے تو سلامت اسے لیتا
حیف اس پہ نہیں ہوتی ہے مری روح کو ٹالا
سب طعن ہیں بیجا کہ بشی سے جیا نا
پہنچا ہوئے لنڈ سالہ نہ زہرا کو دکھانا

ربّا! مرے سبطین پہ ہو وقت ترس کا
اک تین برس کا ہے اور اک چار برس کا

۸۰

انعام مبارک سے زرہ اپنی اتاری
خود جسم پہ اٹھتے ہوئے ہاتھوں سے سنوارا
ہر حلقہ زرہ کا خفا نظر کو ہوا بھاری
نقطہ یہ بھی اللہ نے سمجھایا ان پیاری

کڑیوں میں زرہ کی نہ بدن جلوہ نما تھا
ان آنکھوں کے پردے میں فقط نورِ خدا تھا

۸۱

فوجِ فرقِ ہمایوں پہ دھرا خود منور
صدقے ہوا اس سر پہ فلک مہر سراسر
زینب کہ پاک ہوتی تیغ دو بیکر
کہتا تھا ہر اک پیک یہ شمشیر ہے جوہر

تقدیر نے آئینہ یہ خورشید و قمر کے
بکھرایا ہے مقیش کے تاروں کو کتر کے

۸۲

کانٹے کی طرح کھٹکی جو جبری دھاں میں اک بار
غل تھا کہ شبِ قدر دوم ہے یہ نمودار
رانیں فقط اک جانکی ہیں مالک و مختار
پھولوں سے یہاں ماہ دو ہفتہ ہے نمودار

دل جن سے کھلے یہ وہ گلِ باغِ سپہر ہیں
اس رات کے یہ چار قمر چار پہر ہیں

۸۳

کہتی تھی سر دن سے ارے بھوکی خبر ہے
کانٹے سے یہ شب قدر دوم پیش نظر ہے
پوچھے میں ہر شب کے مدار ایک قمر ہے
ہر پھول میں یاں جانکی خوشنام دگر ہے

آگے مرے پروین و قمر خار ملے ہیں
میں شب ہوں وہ شب جانہ جسے چار ملے ہیں

۸۴

تسلیم جو کی اجر سر کو لوٹ نے
تلوار دعا میں پڑھیں بازو پہ بندھی نے
نور اپنا ہر اک دست و یار بیت قوی نے
خنجر کے دو دستے بازو سے پہ صفوں نے

کہتا تھا یہ رن آج وہ تلوار چلے گی
رستہ نہ ادھر برق شہ ربار چلے گی

۸۵

گرد اڑتی ہوئی دل تھام کے گھبرا نہ دیکھ
پیدل ہی بڑھا دوش پہ بیکار کو اپنے

شیروں کو دم جنگ سے ادھی نہیں دیکھا
کوتل تھا یہ اک خشک فلک سیر جلو دار

دل زیر قدم فرش ہوا روح امیں کا
ہر گام گیا عرش پہ سر رن کی زمیں کا

۸۶

مچھلی سے کہا گاؤ زمیں نے کہ سنبھل جا
نصرت نے کہا دور فلک سے کہ بدل جا

ایماں نے کہا کفر کو دنیا سے نکل جا
وہ آتا ہے جو دین و شریعت کا ہے ماحی

دی کفر نے آواز کہ اب امن کدھر ہے
ایماں نے کہا کلمۂ توحید جدھر ہے

۸۷

پیارے نے شہ دیں سے کہا بار دگر میں
دشمن کا قول قطع کی جائیں جو سر میں

سر لے کے چلے تیوروں کے گرد ادھر میں
مشکل ہے بہت بچتے رہیں ہم سے ادھر میں

اللہ کا ہے ملک حکومت ہے نبیؐ کی
شاہی ہے پیمبرؐ کی وزارت ہے علیؑ کی

۸۸

اچھل تھی یہ عالم میں کہ جو حیدر کرار
نعرے سے علیؑ کے ہوئے بے دین گریزاں

واں آئے جہاں قاہر و آمادہ بیکار
لاحول سے جیسے ہوں شیاطین گریزاں

۸۹

کان اس کے کھلے نعرۂ حیدر سے قضا کے
گھبرا کے بن عبد وہ بے کس بھاگا

اظہر کر و نام و نسب کیا ہے تمہارا
پیدل جو لڑے ہم سے کسی میں نہیں یارا

ہم پھینکتے ہیں زین سے راکب کو اٹھا کر
پیدل کا ہے کیا دل کہ جو ہم پنجہ ہو آکر

۹۰

ہو کر متوجہ یہ پکارے شہ ابرار
نوفل اور سواران صف اعدا کفار

کافی ہے بھگانے کو انکا پیادہ دم پیکار
بے فائدہ گھوڑے پہ ہو اسکے تو ہی اصرار

مرکب ہیں قدم مرد ستیزندہ کی خاطر
گھوڑے کی ضرورت ہے گریزندہ کی خاطر

۹۱

تو نام و نسب نامیوں کا پوچھتا ہے کیا
بندہ ہے علیؑ ابن ابی طالب کیت
شیر کے لگیوں پہ رقم نام ہے تیرا
کیا خشک سیاہی بھی تو چمٹی ہے ہنیا

کندہ ہے علیؑ ہشت بہشتوں کے دروں پہ
ہر نخل کے پتوں پہ فرشتوں کے پروں پر

۹۲

کیا نام و نسب پوچھتا ہے اے ستم اطوار
فرماتا ہے شیر اپنا بجھے خالق مختار
اور والد ماجد میں ابوطالب دیندار
جھاں بھی نبی ہیں مرے احمد مختار

ایمان کے سکے میں رواں نام ہے اپنا
لشکر شکنی بت شکنی کام ہے اپنا

۹۳

وہ بولا کہ اب آپ کا تھا دوست ہمارا
نام اُن کا بتائیں یہ نہیں دل کو گوارا
پھر جاؤ خدارا نہ قریب آؤ خدارا
کم سن ہو ابھی لڑنے کا ہم سے نہیں یارا

ہیں اور بھی تو کیوں نہ بڑھے جنگ کی خاطر
ہے ہے تمہیں بھیجا مرے چوزنگ کی خاطر

۹۴

حضرت نے کہا تو بھی ہے کس تیرہ جہل
باطن سے عداوت ہے اگر حق سے ہے بیدل
گر تو مرے بابا کی بعثت میں ہے کاہل
آئین نبی میں کہ ہو سب بھیج بھچھل

چلّایا نہ مانونگا میں ہوں کفر کا سردار
اب تیغ نکلتی ہے مری سر سے خبردار

۹۵

حضرت نے کہا سر ہے مرا حفظ خدا میں
چلّایا مشیّت حفظ ہے گھر میں کہ وغا میں
فرمایا کہ اک قدرت حق ہے دو سرا میں
خشک و تر و لوح و قلم و ارض و سما میں

یوں بحث جفا کار نے کی شاہ ہدا سے
سب کہتے تھے شیطان جھگڑتا ہے خدا سے

۹۶

گھوڑے سے شقی کود پڑا طیش میں آکے
شہ بھی لگا للکارنے تیور کو چڑھا کے
کی تیغ علم ساتھ خروشان خدا کے
اور زور کیا قبضے پہ ہاتھوں کو بجا کے

اک عشر تھا کلائی کو یہ تھا زور غضب کا
تھا مدّ نظر فرق شہنشاہ عرب کا

۹۶

حضرت تھی بلا دار قیامت تھا عیں کا
کاٹا سر و خود و سپر و تیغ و زیں کا
اغلب تھا کہ اُلٹ جائے طبق روئے زمیں کا
زخمی ہوا ہر سر مژہ جبریلِ امیں کا

اک ذرہ نہ ثابت قدمی میں خلل آیا
جھپکی نہ پلک اور نہ ابرو پہ بل آیا

۹۷

دیکھو میدان میں تیغ دو زباں کو بڑھاتی
بے ساختہ بڑھتی ہوئی سیدھی نکلتی
رد ہیں یہ پچکاریں وہ اجل کی اڑاتی
یہ آب سے باگ ہوس کی بجھاتی

مشکل ہے یہ اب اوروں کی شمشیر کو پانی
اک گھاٹ پلاتی ہے بزدشیر کو پانی

۹۸

کاٹی ہے شہ نے آنچ سے شمشیر نکل آئی چمک کے
مہتاب چھپی جھپکے یہ خورشید فلک کے
ٹھنڈا کیا بجلی کو سر دست کڑک کے
جنگل میں ہوئے خضر بھٹکے دور سڑک کے

خود سر کے جو سر پر سر تیغ دوسر آیا
یوں سر کو چرایا نہ سر مو نظر آیا

۹۹

جبریل فلک سے یہ نظارہ جو تکے آ
مژگاں کو جھپکنے دے نہ دم بھر کو ٹھٹکے آ
پر جوں کے توں رہ جائیں کٹے جھڑ کے آ
دریائے نہنگ آئے بیاباں پہ لپک کے آ

بھولے ہوئے رم سیکھے ہیں آہو نے ختن کے
لیا بولتے شیر آہوؤں سے ہوش ہرن کے

۱۰۰

فرق آیا نہ دو سان میں خود سر کے سر و مو
دم بھر بھی بڑھا تا نہ دو سی سے وہ بیدو
دھنے کو تلاش اٹھے کیا ضرب کا پہلو
جا پا کہ ہو جسد و ید اللہ کا بازو

گو پیشرو فوج وہ بخس ازلی تھا
پر زور میں پشتے سے بھی کم پیش علی تھا

۱۰۱

کر ڈالے جو ہیں کی سپر بھی نہ سنبھالی
سانچے میں تو کل کے کئی ڈھال نہ ڈھالی
پھری تو ست دیا دار ستمگار کا خالی
حسرت سے بھرے گور خجالت شہ عالی

خالی جو گیا وار ستمگار کا ہوا میں
پھولی نہ سمائی تھی ہوا جوف سما میں

۱۰۳

دو دلوں کا علم دونوں کو سپرد جنگ
نو نشست سے گردوں بھی دیکھے تو بھی نہ دھنگ

رنگ رخ خورشید ہوا جاتا تھا بے رنگ
تھا تیغ دو پیکر کا جب دھنگ عجب دھنگ

تیغوں کی کڑی آنچ سے ترساں ہوئی بجلی
دہشت سے رگِ ابر میں پنہاں ہوئی بجلی

۱۰۴

سبکا تھا یکا میں تلوار کا ہر وار
جب وار چلا پڑ گئی تلوار پہ تلوار

پروا نہیں بازو سے تھے اڑنے سے نہ زنہار
تیغیں تھیں کہ نہریں تھے دو جنگ پہ تیار

مل جاتی تھی جب باڑھ سے باڑھ اوجِ سما پر
لڑ جاتے تھے منقاروں سے دو باز ہوا پر

۱۰۵

ہر جنگ کبھی تھی یہ تو کبھی وہ
نا جنگ ہر جستی تھی کبھی یہ تو کبھی وہ

بے فصل بدلتی تھی کبھی یہ تو کبھی وہ
خصومت میں دوستی تھی کبھی یہ تو کبھی وہ

سیدھی کبھی آئیں کبھی خم ہو گئیں دونوں
گہہ چھٹ گئیں ملکر کبھی ضم ہو گئیں دونوں

۱۰۶

منظر یہ کرکتی ہوئی یہ بجلی تو وہ بھی
پھر شانے کو تکتی ہوئی یہ بجلی تو وہ بھی

شعلہ سی لپکتی ہوئی یہ بجلی تو وہ بھی
بجلی سی چمکتی ہوئی یہ بجلی تو وہ بھی

کس بل تھا نہ کم اسکا نہ چم خم تھا کم اُسکا
بڑھتی تھی نہ بارھ اسکی نہ گھٹتا تھا دم اُسکا

۱۰۷

آگے وہ بڑھائی یہ تو پیچھے یہ ہٹی
کی اُسنے نظر آنکھ یہ ابرو پہ یہ پیچھی

شانے پہ جو وہ آئی تو یہ پہلو پہ یہ پہنچی
پہنچے یہ چلی وہ سر بر سر یہ پہنچی

یہ تجربے کے بند بندھے جنگ و جدل میں
تلواروں کے جوہر بھی کھلے ردّ و بدل میں

۱۰۸

بیش عقائد دونوں تھا دونوں میں نمودار
یہ پیرِ شہابی تھی تو وہ غول رشتہ تار

یہ سبحہ تھا ایمان کا وہ زنّار کفر کا
شعلے کا دھواں وہ تو یہ پرتو تھا قمر کا

وہ شام کی ظلمت یہ سفیدہ تھا سحر کا

۱۱۰

یہ گرد اڑی جس سے بھرا گنبد دوار
اس گرد میں پوشیدہ ہوئے حیدر کرار
ہاں رسکے دعا کرنے لگے احمد مختار
یارب! نہ بنی کر جہاں نظر اولیا تار

اب چاند ترا مجھ کو دکھائی نہیں دیتا
فریاد ہے صد ابھائی کو بھائی نہیں دیتا

۱۱۱

رہا نہ گھٹا نامری آنکھوں کی بصارت
رہا مرے بہو کی نہ کبھی زینت
رہا مرے بازو کی نہ رہے ہاتھ میں قوت

ایمان ہے زندہ جو علیؑ ہے ترا زندہ
زندہ جو علیؑ ہے تو نبیؐ ہے ترا زندہ

۱۱۲

حمزہؓ کے ابھی داغ سے ناسور ہے دل پر
ساماں یہ کمر توڑنے کا پیش نظر ہے
قابو میں نہ اب دل ہے نہ بازو نہ کمر ہے
تیرے یدِ قدرت میں شکست اور ظفر ہے

لازم تجھے حیدر کی حفاظت ہے الٰہی
عمران چچا کی یہ امانت ہے الٰہی

۱۱۳

آئی ندا عاشق حیدر ہو نہیں کیا
اللہ کو پیارا اسد اللہ نہیں کیا
اپنے ہمیں پایا ہے خدا نے کہ نہیں کیا
مالک ہے علیؑ سب کا فلک کیا ہے زمیں کیا

کیا اس کی ترقی ہمیں منظور نہیں ہے
تم دور علیؑ سے ہو خدا دور نہیں ہے

۱۱۴

حضرت نے کہا بیٹھ جا اے جانِ برادر
حیدر کی محبت میں نبی ہو گیا ناچار
واں صبح سے تا ظہر جو دیکھیں تھی بیچار
لکھا ہے کہ ہر رحمت سے ہفتاد پھلے وار

سکتہ تھا مہِ نو کو جو شمشیر کی ضو سے
انگشت بلب پیرِ فلک تھا مہِ نو سے

۱۱۵

ناری سے مخاطب ہوئے فخرِ بنی آدم
اے سنگدلاں ٹھہر اے عبد صنم تھم
اب تک تو کریمی دِ رحیمی سے لڑا ہم
آئندہ نہیں حکم خدا وند دو عالم

قاتل تو نہیں ہو نیکا تو ربِّ ہدیٰ کا
پر خیر ذرا دیکھ تو لے زورِ خدا کا

۱۱۵

مچھر شیر اٹھی نازسے دم کس کو نہ بھالے
غالم کی زرہ پر بھی کڑی آنکھ نکالے
گردوں سے زمیں نے کہا ہم کو چھپالے
افلاک پکارے کہ ہمیں اپنے بل لے

جب دست خدا تیغ شرر بار کو کھینچے
پھر دیکھیے تلوار کسے نار کو کھینچے

۱۱۶

رنگ رخ ناری ہوا ہیبت سے ہوائی
سمجھا کہ برش تیغ کی اس دم ہے سوائی
مذبح سے ہوئی کی نہیں کام روائی
دولت کے لیے جان عزیز اپنی گنوائی

گھبرا کے بڑھا آگے کبھی پیچھے کو سرکا
سمجھا کہ ہوا فیصلہ ابگی تن و سر کا

۱۱۷

اٹھا اٹھا کے زمیں پھینکنے لگی چرخ بریں میں
جھک جھک کے سامنے لگے افلاک زمیں میں
سورہ تو چھپا شیر جب آیا کمیں میں
طوبائے جناں ظل تہ خنجر و دیں میں

بے خوف جو اُس دم تھا دلِ خیرِ اُمم تھا
بے زلزلہ شہروں میں فقط مُلکِ عدم تھا

۱۱۸

پیچیدہ ہوئے ڈر سے طبق چرخ بریں کے
سبزے سے ہوئے بال کھڑے تن پہ زمیں کے
بے آب ہوا جیحوں و خورشید و سمیں کے
تلوار کے سایے سے جلی دھوپ زمیں پر
نیسان کا قطرہ بھی بنا سوکھے گلو کے

۱۱۹

اک زلزلہ طاری ہوا جنات زمیں پر
طاقوں سے گرے سکہ بنے ٹوٹے نگیں پر
زردی نہ سفیدی تھی رخ خصم لعیں پر
قائم فقط اک رنگ خجالت تھا جبیں پر

نیلا کبھی پیلا تو کبھی سرخ و سیہ تھا
بے تیغ کے چو رنگ بدن پیشِ نگہ تھا

۱۲۰

تیغ جو چلی تیغ تو آڑا ہوا بدھو
دہنے کو جھکا بیٹھ کے سر شنہ سیدھو
اوجھا کبھی بیچا کبھی سیدھا کبھی بابو
تیغ دو سر و پر چلا ایک بھی قابو

حکمت سے نہ لڑتے تو فنا زشت و نکو تھے
چودہ طبق اک ضربِ یداللہ سے در تھے

۱۲۱

گونج یہ نوبتی سے جلی تیغ دو پیکر
پڑا اس پہ بھی چالیس قدم آڑ کے گرا سر
آئی یہ ندا بردۂ قدرت سے مکرر
ہاں سائن عرش و فلک و جنت و حور

تکبیر کہو فتح لڑائی کی علیؑ نے
بندوں پہ عیاں میری خدائی کی علیؑ نے

۱۲۲

کیا دیکھتے ہیں دور سے پھر احمد مختار
خوش خوش چلا آتا ہے اِدھر حیدر کرار
اک ہاتھ میں مقتول کا سر ایک میں تلوار
کرار کے لینے کو بڑھے قنبر و ابرار

حیدرؑ سے بغلگیر ہوئے راہ میں جا کر
روتے رہے تا دیر کلیجے سے لگا کر

۱۲۳

زخمی نظر آیا جو سر حیدر کرار
ماتھے سے لہو تھا تو رخ و ریش پہ رخسار
دامن سے لگے پونچھنے خون احمد مختار
آیات استقام سے پڑھنے لگی بار

کہتے تھے کہ رونا نہیں بیجا ہے ہمارا
یہ سر نہیں مجروح کلیجا ہے ہمارا

۱۲۴

واں پہنچے ہی صدمہ یہ جبریلؑ نے پایا
تکبیر میں یاں صرف ہوئے مالک و شیرؑ
اصحاب سے کی احمد مرسل نے یہ تقریر
لو غازیو بیجد سے کرو یاد رہوئی تقدیر

نائب مرا غالب ہوا اُس شیر ژیاں پر
تحسین کے نعرے ہیں ملائک کی زباں پر

۱۲۵

اس عہد میں زندہ ہوئے شاہ ولایت
مجروح ہے آنکھوں سے فرق یداللہ
یہ زخم لگا اُسی کے تیغ یداللہ
لکھا ہے کہ تیغ یداللہ سر رزم و وغا

اس طرح چلی فرق شہ عرش نشیں پر
شق کر کے سر پاک اُترآئی جبیں پر

۱۲۶

اے بزم نشینان ثنا حیدر کرارؑ
زہرا نہیں دیتی ہیں دعا حیدر کرارؑ
فرماتے ہیں محبوب خدا حیدر کرارؑ
ہے واجب عینی یہ بجا حیدر کرارؑ

قبروں میں محبوں کی جو آتا ہے جناں سے
وہ کل کا مددگار کل اُٹھیگا جہاں سے

۱۲۷

وہ جید رو دو یہ حسین کی جزا ہے
یہ ظلم صف ماتم یہ صفدر کی جزا ہے
ہم جس کے ہوئے وہ اسی بیکس کی جزا ہے
امت میں یہ دامادِ پیمبر کی جزا ہے

قدموں سے رعایائے علیؑ چھٹ گئی ہے ہے
سرکارِ شہنشاہِ نجف لٹ گئی ہے ہے

۱۲۸

گھر میں شب فرقت یہ قیامت ہے نوار
سر کھولے ہیں سیدانیوں نے بند ہے دربار
کس طرح بنی زادوں نے روئے سکینہ افطار
کھائی سحری بانو نے خون دل زار

گھر جس کا اجڑتا ہو اسے گھر کی خبر کیا
حیدرؑ رجو کرا ہے تو ہو احالِ جگر کیا

۱۲۹

اٹھیسویں سے سوگ حسینؑ میں ہے ولولاک
انتیسویں سے حمزہ کا ہے جیب کفن چاک
انتیسویں سے بیٹے ہیں ساکن اطلاک
انتیسویں سے جن میں ہیں غمدار تہ خاک

کرتار کا حال آج بہت غیر ہے یارو
کل صبح تلک خاتمہ بالخیر ہے یارو

۱۳۰

ہو بھوں دل ریزیٔ سبطین سے فات اسد اللہ
سبطین سے دریافت کو قتل علیؑ آہ
اس روز سے میں سر پہ ہے پا برہنہ یا اللہ
کلثوم نجف تک ہیں تابوت کے ہمراہ

اس رسن میں خدا داغ پدر دے نہ کسی کو
آغاز نواں سال ہے عباسؑ علیؑ کو

۱۳۱

حاضر ہوئی ہیں فاطمہ مریم کی خوزادی
موجود ہیں پرسنے کے لیے عہد کی دادی
دادا کا ہوا خاتمہ بیوہ ہوئیں دادی
جو روئے عزیزہ ہوا اسی بزم میں صادی

وہ سامنے قائم گئے ہیں جنت کے قبالے
پرسہ جو یداللہ کا دے جا کے اٹھالے

۱۳۲

تازہ تھا ابھی داغ رسول عربی کا
سادات کو درپیش ہوا سوگ علیؑ کا
کس طرح نہ ہو ماتم شبیر شہیدؑ کا
خالہ نے کیا خوف نہ اللہ و نبیؐ کا

کیا رنج و الم عبد کے نزدیک دیا آہ
بن باپ کا سبطین کو ظالم نے کیا آہ

۱۳۳

بیکس کو نہ سمجھا کہ یہ امت کا ہے سردار
بچوں کا ہے ماں باپ مہمات جہاں خاصہ و غفار
بیواؤں کا ہے سیروں کا ہے دلیروں کا پرستار
یتیموں کا غریبوں کا مددگار

نائب بھی مصاحب بھی رسولِ دوسرا کا
ہر وقت شفیق امتِ محبوبِ خدا کا

۱۳۴

کچھ سنتے ہوئے کہتے ہوئے جبریلِ امیں آہ
اطلاع لئے آہ اور ارکان ہوا آہ
سب آج ہوئے نہم سے واستغاثہ
ہر مرتبہ بھرائے ہوئے لب کی صدا آہ

روزے سے کیا قتل علیؑ کو رمضاں میں
اب حشر نہ آیا تو کب آئیگا جہاں میں

۱۳۵

جبریل کی آواز یہ آئی جو سرِ گور
بیگانہ نہ غیرت کا بس اب ہو گیا گھر گھر
مسجد کو چلی خلق خدا کھولے ہوئے سر
تھا ہائے علیؑ ہائے علیؑ سب کی زباں پر

مسجد میں جو آئے تو یہ محشر نظر آیا
آلودہ بخوں چہرۂ حیدر نظر آیا

۱۳۶

ماتم سے رواں دیں تلک فوں کی بہے تھا
ہوتے ہیں جو بے چین بہت حیدر کرار
دھوتی ہیں کوئی اٹھا لیتے ہیں مٹی شہ ابرار
وہ خاک جراحت پہ چھڑکتے ہیں ہر اک بار

کہتے ہیں بجز خاک نہیں انس کسی میں
خلقت ہے اسی خاک سے جائینگے اسی میں

۱۳۷

پھر آنکھ ہوئی بستہ شہ ارض و سما کی
ناگاہ در مسجد سے ہٹی خلق خدا کی
اور دھوم اٹھی واہ رے بینائی واہ رے بینائی
اس علیؑ سے کھلی آنکھ شہ غصہ کشا کی

پوچھا کہ یتیمانِ رسولِ زمن آئے
کی عرض کہ سر ننگے حسینؑ و حسنؑ آئے

۱۳۸

کرتوں سے گریباں پھٹے آنکھ ہر اک نالاں
اور خاک میں سنتے کی لئے گیسوؤں کی بال
لب پر یہ تھا یہ نوحہ کہ لو لٹ گئے ہم حال
ناناؐ ہوئے اماں مرتضیٰ بابا کا ہے یہ حال

اب آس کسی کی نہ بھروسا ہے کسی کا
یہ سنکے جگر ہل گیا سینے میں علیؑ کا

۱۳۹

شیخ نے یہ فرمایا کہ آنسو نہ بہاؤ
رو رو کے زیادہ نہ نشانوں کو مٹاؤ
بندے کی محبت میں خدا کو نہ بھلاؤ
موجود نمازی ہیں نماز ان کو پڑھاؤ

گھر اپنے جو مسجد سے ہم اب جائیں گے بیٹا
کاہے کو یہاں پھر نماز آئیں گے بیٹا

۱۴۰

اس بات کے کہنے سے غضب ہو گئے بیٹا
بس کی طرح اٹھتے تھے اور گستاخ اصحاب
آنکھوں میں اندھیرا وہ ہوا دیکھ کے بیٹا
پایا جو نہ سید کو لرزنے لگی محراب

سوروں کی تلاوت میں یہ شدت تھی محن کی
آواز گلے سے نہ نکلتی تھی حسنؑ کی

۱۴۱

پڑھوا کے نماز اٹھے حضور اس کو اٹھا کر
رومال سے شبر نے کیا زخم برابر
پھر حسن بن علی نے اٹھا غلغلہ ناگاہ
حضرت کے گلے سے کیا لپٹ کے بلند آہ

آنکھوں میں گرے ہیبت و دہشت سے پڑی تھی
کھچے ہوئے تینوں کو محب گرد کھڑے تھے

۱۴۲

فرمایا علیؑ نے کہ مجھے شرم نہ آئی
پہلے تری بیعت کی اور اب تیغ لگائی
وہ تیغ کہ جو زہر میں بجھائی
شایان امامت تھی نہ بیعت کا نہ بھائی

دعوت کا تواضع کا یہ احسان کا صلا ہے
آخر یہ عوض کونسی خدمت کا ملا ہے

۱۴۳

خاموش رہا سر کو جھکائے وہ جفا کار
شبر نے کہا آپ سے یوں حیدر کرار
دو اس سے کیا ہم سے جو وقار اس کے سزاوار
شایاں جو تمہارے ہے وہ تم کو ہے سزاوار

گو لائق تعزیر و عقوبت یہ شقی ہے
پر اب تو کرم چاہیئے مہمان علیؑ ہے

۱۴۴

فرمایا کہ اے شبر و شبیر دلاور
جس میں ہو خلل میرے یہ دو اعضا
آرام رسانی سے نہ ہوں گے کبھی خالی
بھوکا ہے اور نہ پیاسا ہو قاتل
بخشے گا شفا مجھ کو اگر خالق عادل

تو بہ اسے پڑھواؤں گا احسان کروں گا
قاتل کا گنہ ۔ عفو امسی آن کروں گا

۱۴۴۵

تکلیف نہ پہنچے اسے راحت ہو میسر
جو کھائے علیؑ کی یہ بھی وہی کھائے مقرر
اے مومنو تم کو قسم خالق دادر
ہے نفس ہے ابا کوئی جز نفس ہے بیتر

۱۴۴۶

انصاف کرو غور کرو مومنو یارب
قاتل کی ضیافت ہو میراث سے گھر آہ
مہمانی شبیرؑ کا افسانہ ہے جانکاہ
اک سر کا خریدار تھا اب لشکر گمراہ

۱۴۴۷

حلقوم پہ جلاد کا خنجر جو چلا تھا
فاقہ تھا کئی روز کا اور خشک گلا تھا

۱۴۴۵

الیسی کسی فیاض کی ہمت بھی ہوئی ہے
قاتل کی کسی گھر میں ضیافت بھی ہوئی ہے

۱۴۴۶

محشر تھا بپا تین جگہ غم میں ولی کے
مسجد میں گزرگاہ میں اور گھر میں علیؑ کے

۱۴۴۷

یثرب میں ہلا مرقد پرنور نبیؐ کا
زینبؑ نے ملا خون جو ماتھے پہ علیؑ کا

۱۴۴۸

لکھا ہے یہ مومنوں سے مخاطب ہوئے لالا
گھر لے چلو چلا رہی ہے دختر زہراؑ
لائے وہ گھر میں ایک پیالے سے سینہ بھر
اور رکھ کے کہا آہ ہوئے خانماں برباد

۱۴۴۸

مسجد سے وہ لاش آئی محل میں بہ نیابت
لپٹے گئی بالوں کو بکھیرے ہوئے حضرت
زینبؑ نے کہا ہائے علیؑ شاہ ولایت

مطلع

دنیا سے بے نیاز ہے جو پاکباز ہے

مصنفہ

میر محمد زکی صاحب عرف میرزکی بلگرامی مرحوم شاگرد رشید حضرت دبیرؒ

بند ۱۳۱

۷۹

دنیا سے بے نیاز ہے جو بے نیاز ہے
پروانہ وار کس کے لیے سوز و ساز ہے

قید ہوا و حرص سمجھ کا قصور ہے
آزاد ہے وہی جو تعلق سے دور ہے

۸۰

چشمہ ہے زندگی کا ہنگامہ سراب ہی
جس کا خمار زہر ہے وہ مے شراب ہی

ہر دم عذاب جاں پے ابن سبیل ہے
ہستی بے ثبات عدم کی دلیل ہے

۸۱

اس بوستاں کے پھول میں کانٹے جو ہیں نہاں
سبزہ ہے کس کی خاک کا داغوں کا لالہ زار

شعلے گلوں سے اٹھتے ہیں نار جحیم کے
بدتر ہیں آہ سرد سے جھونکے نسیم کے

۸۲

پیدا ہوا ہے شور سے کشتی میں طاق
غرقاب ہیں اسکے قائل ارباب استیاق

خلقت ہے مگر شعبدہ بازی عمل میں ہے
گہ اسکی گود میں کبھی اس کی بغل میں ہے

۸۳

دنیا ہے بے ثبات کا کچھ اعتبار ہے
نادان ہیں جو راہ میں بیٹھے ہیں ہار کر

نہ صبح کا نہ شام کا کچھ اعتبار ہے
گردش نظر کی گردش لیل و نہار ہے

۸۴

سامان دہر کیسے ہے عاقل کے سامنے
ناقص کا اوج پست ہے کامل کے سامنے

حسرت کا زور و شور ہے عبرت کا جوش ہے
نیرنگ اس طلسم کا حیرت فروش ہے

۸۵

یہ بیوفا عجوزہ شوہر کشی میں طاق
پروا سے بیوفائی کی اسکے نہ کیجیو

کیا ذکر چار دن کی بھی بستہ ہو یہ اتفاق

۱۴

سوچے کمال وہم میں اسکے نہ فکر کر
یہ باغ سبز دیکھکے جنت نہ بھول جائے
کس فکر کی یہ بھول بھلیاں ہائے ہائے
بندوں کو اپنے چاہ سے اسکی خدا بچائے

۱۵

ارشاد عقل ہے کہ یہ سودا ہے سر کے ساتھ
یہ بادشاہی ہے مگر بھارت نظر کے ساتھ
چلتی نہیں فلک کی حقیقت گزر کے ساتھ
توفیق کا چراغ ہے داغ جگر کے ساتھ

زندان تنگ و محبس ظلمت نشاں ہے یہ
عقرب بھرے ہیں جسمیں وہ اندھا کنواں ہے یہ

اندھا ہے گر تمیز نہ ہو گل میں خار میں
بس فرق ایک حرف کا ہے نور و نار میں

۱۶

ہے یہ وہ راہ جس میں ہیں ہر گز قرار کہا
پردے میں دوستی کے ہیں دشمن ہزار ہا
یاں منہ کے بل گرے ہیں تعین ہزار ہا
اٹکے ہیں ایک خار میں دامن ہزار ہا

آفت میں پھنس گئے جو پڑے اسکی تاک میں
کس کس کو اس کشش نے ملایا ہے خاک میں

۱۷

رہتی ہے چشم مردم دیدار دوست تک
ذوق فہم کی زبان ہے گفتگو سے حق
باغ و بہار خلد ہے کیا آبروئے حق
ہے آبروئے آب بقا تجھ کو کے حق

عاقل ہے دل سے محو رضائے الٰہ میں
کھٹکا نہیں ہے خضرؑ کو ظلمت کی راہ میں

۱۸

جو واجب الطلب ہے وہ دولت ہی دین کی
زینت ہے اس کی عرش کی سونی زمین کی
دیکھے نہ کل سے فکر سے تجلی زمین کی
عارف کو حاجت آج نہیں دور بین کی

سالک سفر میں سست نہ عال حضر میں ہیں
جلوے خدا کے نور کے ہر دم نظر میں ہیں

۱۹

خاصان کبریا کا یہ پیشہ ہے ایک حال
راحت کی کچھ خوشی ہے نہ کلفت کا ملال
مومن کا دل ہے مخزن اسرار ذوالجلال
الفقر سے خلوص ارادت ہے کمال

کیا دخل مخمصہ میں پڑیں راہ بھول کے
پیرو امام کے کلمہ گو رسولؐ کے

۱۳

حق جس طرف ہے طالبِ دیدار اس طرف
حاصل جو ہے قلب سے عزت و شرف
غازی وہ ہے جو ہے رہِ مولا میں سرکف
آتی ہے صاف غیب سے آواز لا تخف

ہمت سے سہل مرحلۂ خوب و زشت ہے
ثابت قدم کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے

۱۴

اے دانشِ کوفیوں کی سمجھ دانشِ یہودی
مہمان پسر کے ہوئے حسن سے کمی بدی
کھوئی طمع میں حرمتِ دینِ محمدی
شامت نے دوں کی جان بھی دی آبرو بھی دی

ایماں رہا نہ جوہرِ صدق و صفا رہا
مومن اگر رہا تو حُرِ باوفا رہا

۱۵

لشکر ہے ہر اول سلطانِ کربلا
کہتے ہیں اسکو خوش یہ ہیں معنی وبا
بھیجی کڑی ہوا غرض آفت میں مبتلا
گذرا نہ حق سے لاکھ طرح کی سہی بلا

اہلِ خبر کو عشرتِ دانِ دو ہ ایک ہے
سچ ہے خدا شناس کا انجام نیک ہے

۱۶

ذرّے میں شانِ ظلمتِ فرخندہ فر رشید
کیا طالعِ رسا ہے بہ نیک اختری
ہیہات جس کی تاج پہ نعلینِ شہریاری
صدقے میں اوس کے ہوا نار سے بری

تقلیدِ حسنِ بخت کو منظور ہو گئی
ظلمت سوادِ کفر کی کافور ہو گئی

۱۷

غربت میں کی رفاقتِ شاہِ شہید غریب
لخت دلِ حبیبِ خدا کا ہوا حبیب
صدقے گئے شہید جو تھا ہو گیا قریب
گمراہ ہو کے راہ پہ آیا خوشا نصیب

کچھ حد نہیں کریم کے لطف و عطا کی ہے
بنتی ہے یوں بگڑ کے بھی قدرت خدا کی ہے

۱۸

بھولے ہیں ایسے بافتِ اندیشِ واہ واہ
سوجھی نہ جائے خود جو طبیعت کی نگاہ
رہبر ہوئی دلالتِ شہنشاہِ دیں پناہ
ہاتھ آیا جس سے خلد کا رستہ وہ راہ

خوابِ مہیب دیکھکے رنج و الم میں تھا
کھولی جو آنکھ خدمتِ شاہِ امم میں تھا

۱۹

کی اعتنا نہ دولت و دنیا پہ نیچہ ہے
طینت کے نور پاک نے آخر کیا ظہور
زائل ہوئے گناہ کہا جب ہوا لغفور
محجوب ہو سکے نہ گنہگار ارباب کرو زور

ظاہر ہوا وہ امر جو تھا سر نوشت میں
دنیا پہ لات مار کے پہنچا بہشت میں

۲۰

ہاں کس طرف ہے ساقی گلزار الست
گوشہ کنار جام دھوندتی ہے طبع تیز پست
منظور ہے نظر و مضموں کا بلند و بست
وہ پھول دے کہ ہوں صفت عندلیب مست

مجلس میں مثل شیشۂ مے قہقہے کروں
دل جس سے باغ باغ ہو وہ چہچہے کروں

۲۱

اس پیر میکدہ سے نور شباب دے
وہ جرعہ جس کے مہر ہو وہ آفتاب دے
حسن عمل سے توشۂ راہ ثواب دے
پرسش نہ جس کی ہو وہ مجھے بے حساب دے

بد نظر ہے وصف حشر ذی شعور کا
ساغر لگا دے منہ سے شراب طہور کا

۲۲

ہے وقت صبح لطف نسیم بہار ہے
گلبانگ ہے کہیں کہیں صوت ہزار ہے
سبزہ چمن کا جوبن روئے نگار ہے
سنبل ہے مشک بیز صبا مشکبار ہے

گل خندہ زن ہیں رنگ شفق ارغواں میں ہے
گویا فلک زمیں میں زمیں آسماں میں ہے

۲۳

نازاں صبا ہے وجد کے عالم میں بلبلیں
طاؤس رقص کرتے ہیں کھلکھلیوں کی کلیاں
نرگس کی آنکھ سے نہ نکل دیدۂ غزال
سبزہ بھی لہلہا ہے نکو شے بھی ہیں نہال

شبنم سے آب آب ہیں ملکے سحاب کے
لبریز ہو رہے ہیں کٹورے گلاب کے

۲۴

آخر ہے شب سحر کا پیدا نور ہے
طائر میں نغمہ سنج کہ شور و ہو دور ہے
ہر نخل محو قدرت ربّ ودود ہے
جو شاخ میوہ دار ہے وہ صرف سجود ہے

بے مہر و تاہ روشنیٔ کائنات ہے
فردوس کا سماں ہے نہ دن ہے نہ رات ہے

۲۴

یہ کیا ہے لطیف فنِ حسینی سے یادگار
جنگل میں مرے پھول خزاں میں یہ کچھ بہار
جاگے ہیں رشک کی نیند کا آنکھوں میں یہ خمار
یا ذوالجلال جھوک کہتے ہیں بار بار

مشتاقِ سیرِ خلد ہر اک نوجوان ہے
ہر مہ جبیں میں صبح کے تارے کی شان ہے

۲۵

کس حسن سے شگفتہ ہیں پھولے ہوئے سمن
خوشنودیوں کے جمع ہیں دونوں طرف دہن
تسبیح لب پہ جانبِ چرخِ نہم فگن
استادہ ہیں بشاشت و اکرام خندہ زن

وجہِ فروغ الفتِ سبطِ رسولؐ ہے
تارے ہیں گردِ بیچ میں ماہِ بتولؑ ہے

۲۶

کاٹی ہے انتظار میں یہ رات کس طرح
لیکن بیاضِ صبح کا دیکھا شفق نگار
مصروفِ ذکر حق ہے ہر اک عبد خوش صفات
مشغولِ از اں ہے نعرۂ قد قامتِ الصلوٰۃ

قدسی ہیں محوِ ہوش میں اہلِ جناں نہیں
اعجاز ہیں یہ زمزمہ پردازیاں نہیں

۲۷

سرگرمِ بندگی ہیں خضوع و خشوع سے
سجدے سے ہے فراغ نہ فرصت رکوع سے

۲۸

شاہد ہے صبح دم کی صداقت میں یہ دلی
غازے کے بدلے شفق سے ہے خاک شفا ملی
حسنِ اعتقاد سے شرحِ سنجلی
دل میں خدا خدا ہے زباں پر علی علی

۲۹

ہاتف کی ہے ندا یہ مرقع ہے لاجواب
پیدا ہیں یہ جواں یہ بہادر یہ انتخاب
پرآہ عنقریب ہیں سامانِ انقلاب
آجائیے گا کہن میں یہ تارے یہ ماہتاب

اب آج کافروں کی چڑھائی ہے دین پر
دریا بہیگا خون کا اس سرزمین پر

۳۰

یہ پھول یہ خزاں کا ستم دیکھتا نہیں
ہنستوں سے یہ چمن ہو ظلم دیکھتا نہیں
ہمتان بستلائے الم دیکھتا نہیں
فاقوں کا رنج پیاس کا غم دیکھتا نہیں

آئے پیامِ مرگ جو آئے شباب میں
سایے میں جو پلیں وہ رہیں آفتاب میں

۳۱

کہتا ہے شہید اپنے جوانوں سے یہ جواں
تیغ و تبر کہاں یہ بدن نازنیں کہاں
ہے ہے کسی کا باپ یہ سینہ ہے اور یہاں
تڑپیگا تیر کھا کے کوئی طفل بے زباں

ناشاد و نامراد زمانے سے جائیں گے
فریاد مرتے دم بھی یہ پانی نہ پائیں گے

۳۲

اکبر کے روح فاطمہ زہرا کے بین بین
ہے ہے عیاں ہوئی سحر رحلت حسین
نزدیک ہے شہادت سلطان مشرقین
جنگل میں بھی ملائے مصیبت زدوں کو عین

سیدانیاں تڑپتی ہیں بچوں میں دم نہیں
ہے ہے یہ صبح قتل قیامت سے کم نہیں

۳۳

ہے ہے بنی نہ دی تھی اسی روز کی خبر
فریاد اس خلق سے لبوہے مرا جگر
ہے ہے پھری آنکھ پھری سیدہ پہ سر
نکلیں گے اہلبیت رسالت برہنہ سر

قدرت نہ ضبط کی ہے نہ طاقت بیان کی
ہے ہے جہاں سے جاتی ہے رونق جہان کی

۳۴

اس پر یہ سب کے ہوئے کربلا نثار
پیش نظر ہے رفقہ میدان کارزار
امید وار حکم ہیں عباس نامدار
منہ دیکھتے ہیں شاہ کا حضرت سے بار بار

آنکھیں ہیں سرخ قلزم ہمت ہے جوش پر
تلوار ہاتھ میں علم سبز دوش پر

۳۵

حضرت ہیں بیکس و غریب و حزیں بسمند
لاکھوں سے بھی نہیں ہیں دم کارزار سند
عصیاں سے باز رحمت خلاق سے بلند
ہمت سے سرفراز ہیں منصب سے سربلند

جمعیت حواس ہے گو تشنہ کام ہیں
صف بستہ روبرو لئے امام انام ہیں

۳۶

حاضر ہے بیعت پر بیکس فلک سکوہ
ہے سیرہ حبیب سے قائم مثال کوہ
اک سو اسی تمام ہیں خورشید کی گروہ
اک سمت ابن حیدر کرار ہے گروہ

سالار ہم شہید رسول کبیر ہیں
ہالہ ہے قلب فوج یہ ماہ منیر ہیں

۳۶

کٹتی ہیں عمریں مرگ میں فائز ہیں بیشتر
کہتے ہیں اب نہیں ہے طبیعت پہ اختیار
کھیلے ہوئے ہیں جان پہ بیٹے کے گلوں کے
دھن ہے کہ پہلے پہل میں ہوں نثار

ہمت میں ہیں بڑھے ہوئے گو خورد سال ہیں
جرأت ہے جن کی اصل یہ وہ باکمال ہیں

۳۷

آئیں ہیں کود رہے ہیں یہ میدان کے لالہ فام
بندوں پہ اپنے خاص ہے لطف شہ انام
عہدے بقدر حال ہوئے سب کے پائے نام
پر ایک بات اور بھی ہے تیرہ کا ہے مقام

لشکر کا پیشہ و کوئی اہل و فا نہیں
منصب ہر اولی کا کسی کو ملا نہیں

۳۸

کون اس شرف سے دیکھئے ہوتا ہے بہرہ ور
قعقعہ کس کی دیکھئے آتی ہے اور ہیر
منصب ہے کس کو چاہئے یہ دیکھئے مگر
یہ نہاں نہیں ہے اور منصف کی جب نظر

سب جانتے ہیں ہے یہ شرف اُن کے نام پر
پہلے وہی ہوئے ہیں قصد تق امام پر

۳۹

نام

کیا انتظار حکم شہنشاہ خوش خصال
کیا اصل ہے سپاہ کی یہ فوج کی ہے بال
آئے خدا کا قہر ہوا آئے ہیں جلال
چیتنی کی طرح موجیں ہو جائیں لال لال

زہرا ہو آب رستم و سہراب و سام کا
تھرائے روم تخت اُلٹ جائے شام کا

۴۰

بڑھکر قلم جو پیچھے سر فشاں کریں
نہریں لہو کی دشت ستم میں رواں کریں
جولاں اگر نگاہ دو جوزا عناں کریں
کوشش میں جا سکے جو کہ کامراں عیاں کریں

دعوے ہے ہم کو خون کا ابن زیاد سے
لیں پیشتر قصاص اُسی بد نہاد سے

۴۱

نام

اس عہدہ جلیل کے ہیں سخت متمنی ہم
بھرتے ہیں دم و لاف دلاور کا بیش و کم
لشکر میں ہم ہوں جمع رہیں باغی ستم
پیٹھے نہیں بڑھاتے ہیں میداں میں جب قدم

تو وہ ہمارے تیروں کا اہل خطا نہیں
کھل جائے گر ہراول فوج خدا نہیں

۴۳

فرماتے ہیں یہ حضرت عباس بادفا
ہے غور کا مقام مقتل کی ہے یہ جا
مخلوم کو مزاج میں حاکم کے دخل کیا
اپنی وہی رضا ہے جو آقا کی ہے رضا

مقدورِ دم زدن ہے نہ جائے کلام ہے
یہ فعل اور کا نہیں فعلِ امام ہے

۴۴

سرِّ خدا ہے مصلحتِ شاہِ نامدار
کھلتا ہے دفتر کہیں اسرار کا کہیں
لیکن چھپا رہیگا یہ مطلب نہ زینہار
آجائیگا ظہور میں آخر سماں کا ہار

گر راہ دیکھتے ہوں کسی کی عجب نہیں
یہ انتظارِ شاہِ اُمم بے سبب نہیں

۴۵

یہ ذکر تھا کہ شور اُٹھا دار و گیر کا
اک غل ہوا کہ خطرہ ہے شاہ دیں پہ آج
گھیرا ہے ابنِ سعد نے بھائی کا کیا علاج
اے صاحبِ وفا یہ نہیں بے وفائی کا

ہے خیر۔ کس طرف کا رُخ اے نامور کیا
شاید حجازیوں کے فسوں نے اثر کیا

۴۶

بولا وہ عقلمند کہ او غافل اے ہاں
بندہ میں اُسکا ہوں جو ہے بے نیاز کا
اک سحر ہے حرام اور اک سحر ہے حلال
وہ کیا ہے ذکر باطل و حق اے نیاز مند

رہبر ہوئی ہے یادِ شہِ مشرقین کی
کھینچا مجھے سقر سے کشش نے حسینؑ کی

۴۷

باطل ہے سر اور ہیں میں ہوں سچ حق
سینہ مرا صحیفۂ ایماں کا ہے ورق
نکلا سوادِ کفر سے بندہ بفضلِ حق
زحمت میں کیوں نہ پھنسے جو ہو حرمت کا خوق

توبہ بھی ہے قبول دعا بھی قبول ہے
کشتی نوحؑ الفتِ آلِ رسول ہے

۴۸

مجھ پر کھلا نہ تھا یہ معمّے خدا گواہ
تو سمجھ گیا تھا قتل کا کاروبار آہ
کیونکر نبی کی آل سے اٹھ کر یہ آہ و واہ
باقی بقا نہ مکر کی اور دشمنِ الٰہ

معلوم ہو گیا کہ تو اے دل سیاہ ہے
ظلِ الم تری وہ راہ ہے، میری یہ راہ ہے

۴۹

او خفتہ بخت مجھ پہ نفس سرد کیا کریں
جاگے نصیب خواب میں طالع ہو کیا کریں
رویا ہوں آج عالم رویا میں خواب کا
کیا دیکھتا ہوں سب سے کوئی شخص کہہ رہا

ہے کس خیالِ خام میں کس انتظام میں
جا خدمتِ حسین علیہ السلام میں

۵۰

ناداں نشستِ یک خونِ غریب الوطن نہ ہو
تو کوفیوں کی طرح سے بیکس شکن نہ ہو
وہ بات کر کہ روح نبی نعرہ زن نہ ہو
بیکس کو بے دیار کو رنج و محن نہ ہو

سیّد کی فکرِ قتل غضب کا مقام ہے
خونِ حسینؑ خونِ رسولِ انام ہے

۵۱

سید رہیں بیکسی ارے کچھ خبر نہیں
سر زخم ہیں دلفگار ارے کچھ خبر نہیں
زینب ہیں اسکی بار ارے کچھ خبر نہیں
ہے ظلم کی بکار ارے کچھ خبر نہیں

دنیا بھری ہے فاطمہ کے یادگار سے
شبیرؑ گھر سے نکلے ہیں زہراؑ مزار سے

۵۲

یہ مقتضائے فہم نہیں اے خدا طلب
اس دریہ کا ذخیرہ میں تو ہوں بے غضب
ہے انتظار میں سبب سیّد العرب
جا جدِ جا کو دیکھا کو موقع نہیں ہے اب

تسکین دے قلق میں یتیم رسولؐ کو
محفوظ کر نبیؐ کو علیؑ کو بتولؑ کو

۵۳

لے دیکھ شانِ قدرتِ معبود دو اثر
وہ خلد ہے وہ جنت کوثر ہے موجزن
بر میں ہر ایک حور کے پھولوں کا ہے چمن
شرمائے جن کو دیکھ کے اگرات کی دلہن

رنگیں محل ہیں قصر جواہر نگار ہیں
خادم ملک ہیں مروحہ آئینہ دار ہیں

۵۴

رخواں بکا رہا ہے بصد فخر و افتخار
آمد ہے کربلا کے شہید وطن کی ہے شہریار
آتے ہیں ابن فاطمہ زہرا کے گلعذار
جنت میں ہے طرب زن و رقص و نشاط و بار

ہیں غیر مقدم کا زباں پر سخن رہے
جلسے کی طرح نور فشاں انجمن رہے

۵۵

ہو نکا ہوں جب سے دیکھئے خواب پریشان
صد مدحت دل یہ صیقل تو بہ زبان یہ
اوشتہ بتن میں پیش نظر جنت و کوثر
رہ رہے دیکھتا ہوں کبھی ادھر اُدھر

اب دامن حسین میں بندے کا ہاتھ ہے
لے میں تو اُسکے ساتھ ہوں حق جس کے ساتھ ہے

۵۶

ہاتف نے دی ندا کہ خوشا حال مرحب
اے سرو باغ خلوت و اجلال مرحب
اے شکار رشاد خوش اقبال مرحب
اے عبد خاص رب ذوالافضال مرحب

فرمان اب قدر پہ حکومت قضا پہ ہے
طے ہے یہ مرحلہ کہ توکل خدا پہ ہے

۵۷

ہے خلعت خلیل تو ضامی ہے کردگار
ہوتی ہے دم میں سازش نمرود و دار
ہر حال میں ہے رحمت باری مشیر کار
کشتی نوح ہو گئی جسر بلا کے پار

تائید کبریا پہ نظر ہے عقیل کی
موئے کو پل ہے موج ہر اک رود نیل کی

۵۸

بڑھ کر بڑھے کہ تیرہ کے ہو جائے جنا
ذکر جمیل پر شیت باری پہ دل کیا
خاقدرت الہ کہ رہو اور باد پا
وہ رہ رو وہ جست وہ خیزہ شوخی یہ بادہ ہا

مثل ہوائے تند اِدھر سے اُدھر گیا
پیک نگاہ تھا کہ صفوں سے گزر گیا

۵۹

شعلے سے آگ ہو کے بڑھے گرد ہر نگر
پیغام خوف کیا وہ غول سنگ یہ خیزہ نور
تن کی گرمیوں کیا ناریوں کو سرد
اس میں بھی بجلی کی یہ بجلی نہ گرد

جلوے دکھا کے برق تجلی نکل گئی
شعلے لپک کے رہ گئے بجلی نکل گئی

۶۰

خوش ہو گیا یہ دیکھ کے زہر اکا فور بن
آیا وہ اس طرف سے ادھر بڑھ کے حسین
غل ہاتف غیب رحمت سلطان شرق بن
بندہ نواز ہے بسر فتح حسین

ایسا کوئی کریم نہ ایسا رحیم ہے
یہ شان ہے کرم کی یہ خلق عمیم ہے

۶۱

دوزخ اگر ترک بہشت ہوس سے دو بادنی
آنکھیں قدم ایسا دے کہ ملکر یہ دنی سزا
اے رہنمائے عشق دو یا رب کہ تشنہ لب
حاضر ہے یہ ذلیل و گنہگار دیکھنا

ہوں قابلِ عذاب سزاوارِ نار ہوں
توبہ بہت خجل ہوں بہت شرمسار ہوں

۶۲

بھولا نہیں ہوں نظم مرے اے شہ زماں
حضرت پہ سب عیاں ہے نہیں حاجت بیاں
رو دو یوں حضور کی نظر التفات کے
میں ہی اگر وکا گھر کے لایا میں ہی یہاں

کی فکرِ بازو پرس نہ خوفِ خدا کیا
اب دل میں سوچتا ہوں کہ ہے ہے یہ کیا کیا

۶۳

گر رحمت الٰہی یار و مددگار
شفقت ہے بیحساب عنایت ہے بیشمار
نظر اس طرح ہو جس کو بخشدو سب کچھ اختیار
چاہا ہو جس کو بخشدو سب کچھ اختیار

چشمِ کرم بھی خلق پہ ہے فیض عام بھی
امیدوارِ عفو ہے آقا غلام بھی

۶۴

فرمان انکا ہر جگہ سب پر مطاع ہے
بوسے لگے لگا کے بصد شفقت و بھی
بھائی خوش ذکر خدا بار بار کیا
بجوب کر بسبط نبی کو سپرد خدا

آیا رہِ رضا پہ عجب خوش عمل ہے تو
اللہ جانتا ہے سعید ازل ہے تو

۶۵

تو محسن شیعہ مشرب اے بھائی
شیر خدا کے دل میں تو اگر ہے اجری
مظلوم کا غسریب کا یاور ہے اجری
تو سید ابن بہشت ہے کو نوید اے اجری

بیجا ہے اب خیالِ گزشتہ کہ خواب ہے
بھائی ترے نصیب میں حسن ثواب ہے

۶۶

اب تو ہے اور گلشن جنت کی سیر ہے
کہ کو نہ ہے دشت تری سوئے در ہے
انہوں سے بھی سوا ہے مجھے گو نہ غیر ہے
ہے فاطر بسبط کریمہ کی خیر ہے

رحمت کا در نہ باب اجابت کا بند ہے
اے باد فاخذا کو تہیتہ پسند ہے

۱۷۶

تو یہ بھی تو رنج سے آدم ہوئے رہا
ایوب سے جو صبر کیا ہو گئی شفا

کیوں مضطرب ہے کس لیئے امید و بیم ہے
بندے ہیں جس کے ہم وہ غفور الرحیم ہے

۱۷۷

روسنے لگا وہ عاشق مہجور جھکا کے سر
کی عرض بس حضور کہ ٹوٹے گا کوہ پر

دم گھٹ رہا ہے تنگ ہوں نیرنگ دہر سے
دنیا کی نعمتیں مجھے بد تر ہیں زہر سے

۱۷۸

اب عذر جھک کو چاہیئے تو معذرت کرو
ہوتا ہے میہمان کا حق میزبان پہ

سامانِ رنج۔ فاقہ کشی۔ قحطِ آب ہے
آفت میں مبتلا خلفِ بوترابؑ ہے

۱۷۹

کیوں فکر ہے حضور کو دعوت تو ہو چکی
اے میہماں نواز عنایت تو ہو چکی

آقا رضائے جنگ کا امیدوار ہوں
ہو جاؤں سرفراز جو پہلے نثار ہوں

۱۸۰

جب خاک پر پڑے ہیں ہر اک لعل و گوہر
شدت ہے بھوک پیاس کی آؤ میں خوش خبر

تکلیف کا یہ حال ہو راحت محال ہے
تو منفعل ہے کیا ہمیں خود انفعال ہے

۱۸۱

کیوں فکر ہے حضور کو دعوت تو ہو چکی
اے میہماں نواز عنایت تو ہو چکی

آئی ندا یہ خلق و مروت سے دور ہے
اے بیخبر جود خاطرِ مہماں ضرور ہے

۱۷۴

یا حسینؑ صدر و زنت ہے جا بجا
اچھا ہوا کہ خوشی تری اے صاحبِ وفا
اک دھوم ہے گئی کہ زمانہ حرکت میں آ
ٹھہرا کرم سے رشک ہوا دیر تک ہوا

۱۷۵

بخشا عروجِ فسر و انجم سپاہ نے
عہدہ ہراولی کا دیا حُرؑ کو شاہ نے
مثلِ نسیم اسپِ سبک خیز رَو میں ہے
شوکت رکا بدار ہے نصرت جلو میں ہے

۱۷۶

قصہ یہ حُرؑ و جوہر ہوا سب کو اک بار
معروف جو تھی ہوئے عیاں نامدار
بیٹے کے لاڈلوں سے یہ بولا وہ دی دفا
کوئی ہم نہ کہتے تھے یہ ہے اسرار کربلا

۱۷۷

تشویش بس یہی تھی امامِ غیور کو
دیکھو اسی کی منتظری تھی حضور کو
تھرّائے آفتابِ قیامت جلال وہ
یوسفؑ نے خواب میں بھی نہ دیکھا جمال وہ

۱۷۸

دونوں فدائے دیں وہ ارادت گزیں ہوا
وسط الشتا میں جلوہ مہ آبگیں ہوا
جودت پہ باد پا کی صبا جھومنے لگی
بجلی قدم قدم پہ قدم چومنے لگی

۱۷۹

اب غور سے نگاہ کریں صاحبِ ہنر
حیراں ہے عقل جرأتِ سواری کو دیکھ کر
دہشان وہ شکوہ وہ حشمت وہ کرّ و فر
دن کو عجب سماں ہے عجب نور جلوہ گر

۱۸۰

رخ وہ ہے بے کمال فروغ جمال سا
وہ حُسن گرد نور ہے جس کے سامنے
وہ رنگ زرد روئے گل تر جس کے سامنے
وہ تاب آب گوہر تر جس کے سامنے

۱۸۱

ہے یہ تازہ عہد جرأت بے بادفا
دیکھا ہنوز دنیا نے ایسا نہ باوفا
فرخندہ ہے صفائے دل کی بدولت یہ بادفا
ہر دم ہے جو بہ حق حقیقت یہ بادفا

شہیدائے ابن فاطمہ بدر و حنین ہے
آنکھوں میں نشۂ محبتِ حسینؑ ہے

۸۵

ساورت ہے ہر اول سلطان میں یہ
ہے فوج اس دلیر کی آمد سے روبراہ
ہے نعرۂ شیر خشمناک کا ہے سوئے رزمگاہ
ابرو پہ بل جبیں پہ شکن قہر کی نگاہ

۸۶

ہنگامہ اس اجتماع سے میداں میں تا بہ حشر
قائم ہوا ہے سند کہ اتر آئیں تا بہ ابر
نعرہ کیا کہ مٹ گئی بنیاد ظلم و جبر
زینے تو کیا ہے ہل گئے فرد سیاں تمام

۸۷

اے جلّ شانہٗ یہ شجاعت کی شان ہے
ہر خود پسند خاک کا پیوند ہو گیا
اس شان میں جلال و حشم کا نشان ہے
عرش میں کوس حرب جو تھا بند ہو گیا

۸۸

تن میں صف سلاح سجے ہے یہ نوجواں
خطت کا خود راستی فکر کی سناں
غصے کی تیغ تیز تو فتح کی ہے کماں
نصرت ہے پیر تصد و فتح ہے جواں

۸۹

کھولے جری نے بڑھکے جو بند زرہ بر اسم
کھلا دہان رخنے سے تا سید کا کلام
موذوں ہوئی عبارت فتوائے قتل عام
تھا نیم اس الف سے جو خالی ہوا نیام

۹۰

جوشن و لاہے حسرو عالی مقام کی
اک حشر ہو گیا تہ و بالا جہاں ہوا
دستانوں کا جواب ہے بیعت امام کی
مغرب سے آفتاب قیامت عیاں ہوا

۹۱

دیکھا ہزار جوشن خسرو انام کا
ہالہ ہے مہ جبل روشن نام دیکھنا
یہ گرم جوششیاں یہ بمک و تناز دیکھنا
قدرت خدا کی ہے یہ قدم باز دیکھنا

۹۲

کیا یہ برق بارکستان ہوئی جبل
بجلی گرے گی جو بھی ہے جو جوش کے دل
دہ ضرب فی کہ قہر خدا وند لم یزل
پہنچا یہ ایک شہ پہ جہنم میں نہ سنبھل

۹۳

کھینچے پری یہ چال تو معجز نما بنے
آتش فشانیوں کی روش دل میں ٹھن گئی
سایے میں اس کے کبک جو آئے ہما بنے
کھینچتے ہی تیغ شعلۂ جوالہ بن گئی

۸۵

آرا اسی کو تاک کے کی جس نے وار آنکھ
رکھتی تھی صاف بہ بہ ہوئے جوہر آنکھ
جنگ آزما جو اس نے لگے بار بار آنکھ
آئی قضا لڑی جو دم کارزار آنکھ

فطرت چلی نہ فکر کوئی کارگر ہوئی
موت آئی روکشی جسے مدِ نظر ہوئی

۸۶

آفت بپا تھی تیغ کے سائے سے لشکر
اک شور تھا پڑی تھی بری اور بحر میں
تن خستہ و خراب تھے دریا میں در بدر
نھنگوں کی گرد بردہ کوئی خوں میں تر بتر

شمشیر برق بار کہاں دو بدو نہ تھی
جز مرگ اور شکل کوئی رو برو نہ تھی

۸۷

جس دم دو شاہ باز نظر آشیاں ہوا
بولی قضا عقاب جلالت نشاں ہوا
اک غل ہوا وہ اٹھی آتش زباں ہوا
ہیبت سے اس کی رنگ رخ آسماں ہوا

باندھا چمک دمک کا سماں آب و تاب نے
قالب تہی کیا سپر آفتاب نے

۸۸

مخفف بیدہ چمک کے چھٹی تھی بجلی ستم ہوا
واں خود و قلعہ و تیر اور ادھر قلم ہوا
ہر بر بہ ہر دراعہ بلک سم بہ سم ہوا
کفار سست پیک اجل تیز دم ہوا

ٹھہرا میں قضا کے آپ ہر اک تیر و دل گیا
جادہ قضا کا تیغ کی نابوں سے مل گیا

۸۹

شعلے اٹھے یہ برق درخشاں جبیں فگن
بجلی ہر ایک پر دم شور و شغب گری
جب سیر گری یہ کوندے خجستہ گری
کشتہ گرا علم یہ علم یہ صف گری

شہرے برش کے قاف سے تا قاف ہو گئے
خاک اڑ گئی پرے کے پرے صاف ہو گئے

۹۰

تابش سے اس کے حلقہ و دشوار کھل گئے
نیزوں سے بند بند سب اکبار کھل گئے
کاٹے جو تیر ہر پیکاں کھل گئے
فتنہ سر کشوں کے صورت موئے فار کھل گئے

عاجز ہوئی یہ ڈھال نہ پہلو بدل سکی
زہ ہو سکی کمان نہ تلوار چل سکی

۹۱

تلوار جس کے حشر کی بجلی پہ تھی ہنسی
ہر مورچہ کو توڑ کے کس بل دکھا گئی
زخموں کے خط سے فتح کی جدول لگا گئی
جوہر کے تار سے ابر کا بادل دکھا گئی

کھوئے پیام زیست پیام قضا دیا
نیرنگ دہر رنگ نے اُسکے مٹا دیا

۹۲

نکلا بسے جو موسے وہ باریک خط ہے
بندھی ہوا نمود کی کھولی زبان لاف
بولا بلائے بیہ ہے مری تیغ سرشگاف
ہنگام غیظ سب سے ہوں رستم دیو صاف

بیدم ہوا حریف نظر جب لڑی لڑی
لوہے کو نرم کرتی ہیں چوٹیں کڑی کڑی

۹۳

آمادہ دغا ہوا اک گروہ بیل تن
ابر سیہ پہ ہالہ سیہ بخت طعمہ زن
صورت میں دیو زاد تھا سیرت میں اہرمن
جو گرگ کہن محیل نہ تن آزمودہ فن

باطن میں کور چشم تھا ظاہر میں سور تھا
قوست کابل تھا نشۂ کبر و غرور تھا

۹۴

آرائش سلاح سے تھا دیو جی بنا
باتیں وہ زہر جس سے زرہ کا جگر چھنا
وہ جوشش وہ خروش وہ نخوت وہ طمطنا
تھا شور بیہ ز فرقۂ باطل کا سر غنا

سرور تھا کمال پہ نازاں شکوہ پر
گھوڑے پہ تھا سوار کہ تھا کوہ کوہ پر

۹۵

کس میں یہ جان ہے جو کرے اس طرف نظر
انسان کا خیال ہے مرے آگے اک شرر
کس کی مجال ہے مرے آگے اٹھائے سر
کٹتی ہے برسر تیغ سے فولاد کی سپر

پیش آئے ہیں یہ عذر زبردست جان کے
مانے ہوئے ہیں مجھ کو تہمتن جہان کے

۹۶

بولا کہ تھی اس کلام کی اس پر جگر کو تاب
گویا ہوا ہزبر دل دلیر و تراب
بس بس زبان بند کر او خانماں خراب
یہ قول نادرست یہ تقریر ناصواب

او شور بخت شور یہ شیروں کے سامنے
دعوے دلاوری کا دلیروں کے سامنے

۹۷

ہے خود نمائی یاں بہ تقاضائے بیخودی
اپنی زباں سے اپنی صفت اور بلیں وہ

جز شمع یاں کسی کو نہیں کچھ گدازِ دل
کب بڑھ سکے ہے آتشِ مزاج دور ہیں رحمت کی شان سے

۹۸

در پردہ مشقِ طبعِ تپِ دوری کا ہے یہ کام
باطن میں ہے سوج اور بظاہر ہے اندمال

آئینہ ہی کی خاک قدر رہے بازیافت کا
ناقص ہے عیب دار ہے جو تیرِ دست صیقل

۹۹

انسان اپنی اصل کو بھولے نہ زینہار
اک مشت خاک کی ہے یہ پیچ و وقعت و وقار

نازاں نہ ہو کمال پہ خوش ہو کے بار بار
سجدے میں سر جھکائے کرے شکر کردگار

ہر دم فروتنی ہے بنا اصلِ پاک کی
ہے آدمی وہی جسے عادت ہے خاک کی

۱۰۰

یہ بات بیسہ وان امام زمن میں ہے
جو ہر فروتنی کا ہر اک سخن میں ہے

ناداں پرستی کا نشاں اس چلن میں ہے
ذکر ان کی آن بان کا ہر انجمن میں ہے

اوبد عتی دماغ کسے گفتگو کا ہے
گل دم بخود ہیں شور مگر رنگ و بو کا ہے

۱۰۱

ہو ظرف ہے یقین کمال امتحان پر
یہ سب قیاس ہیں کہ جبیں پر شکن اگر

ہے وقت نام و ننگ دکھا جنگ سے ہنر
تلوار سے کرے نہ خلاف و گمان کر

اقبال اور زوال کا دنیا میں ساتھ ہے
فتح و شکست قادرِ مطلق کے ہاتھ ہے

۱۰۲

ہم ہوا سنا جو دندان شکن جواب
نیزہ شتی سے راست کیا کھا کے پیچ و تاب

جھکی اور ہو ری کی شان مثل آفتاب
داں وقت مرتعش تھا یہاں وقت اضطراب

نیزے تھے وہ کہ نقشۂ امید و بیم تھا
وہ موجِ آب تھا یہ خطِ مستقیم تھا

۱۰۳

انداز کشتنی ہو ایک بیک عیاں
وہ زد پہ زد وہ رد پہ رد وہ بھگائیاں
کس آن دار و گیر تھا میدان امتحاں
گر ڈانڈ پر تھی ڈانڈ سناں پر سناں سناں

انیوں کی نوک جھونک سے بجلی بھی گرد تھی
زور آزمائیوں پہ ہوائے نبرد تھی

۱۰۴

ناگاہ شقی نے سینہ مہماں سپر کیا
آیا جھپٹ کے شیر سا وہ باندھ حوصلہ
ہاں راہوار برق تھا چل پھر کی تھی نہ حد
خنجر ہوئی سر بر کہ خالی گئی وہ زد

گھوڑے سے گرتے گرتے ستمگر سنبھل گیا
کھائی جو منہ کی ہاتھ سے نیزہ نکل گیا

۱۰۵

جھنجھلا کے بڑھا دست جو اک کماں میں تیر
چلہ کشی خدنگ سنی کی ہوئے گوش گیر
سہما ہوا تھا دل میں وہ مفسد و شریر
چلائی جان زار کہ بے تو نبا ہے سر

مصداق سرزنش لب سوفار ہو گیا
چٹکی سے چھٹکے تیر خطا کار ہو گیا

۱۰۶

یاں جوہر کو بھی ہو اقدر انداز دل کا پتہ
لایا دلیر کھینچ کے پیچھے کو تا بہ گوش
اک مرتبہ کرو کے کماں سے کیا خروش
جاگے خطا شعار ارسے کر تو کے ہوش

آیا مزا اجل کا ہر اک کی زبان پر
جن غش ہوئے زمیں پہ ملک آسمان پر

۱۰۷

بیچین کماں نہ جو دست چپ و راست جا ملی
ٹھیری نظر سے ہم شوخی و ہم رسا ملی
ہمراہ یہ سر ہوئے مقلد فضا ملی
ہر سر بھی دنگ ہو گئی ایسی ہوا ملی

روئیں بدن بھی مر گئے رو ئیں جھپک گئیں
سہمی کماں زرہ کی بھی آنکھیں جھپک گئیں

۱۰۸

کیا تیز رو تھا ناوک دلدوز اجل سند
پیکاں کی آنکھ سے وہم دگاں کہ نہ تھی بند
پیکاں جگر میں جوشن و بازو کو توڑ کر
یہ زندہ درد تھی جس سے نہ شش کو تھی گزند

برما کے دل وہ قہر مجسم نکل گیا
قالب پھڑک کے رہ گیا اور دم نکل گیا

۱۰۹

پہنچا جو تیر بیچ میں وہ ہرزہ کار کے
غلطاں ہوا ہوا پہ وہاں وہ سم شعار
یاں جا لگی کہ کہتے تھے تسلیم آبدار

کوہِ غضب لعیں پہ لعیں کوہ پر گرا
دو حصے ہو کے نصف اِدھر نصف اُدھر گرا

۱۱۰

حضرت نے دی صدا کہ جہاں آفریں
شہ دلاوری کی یہ ہے شان آفریں
دشمن نہ سچ کہا کسی عنوان آفریں
اسا شیر تیرا ہاتھ ہے میدان آفریں

نام آوری جہاں میں بڑی کائنات ہے
ہاں کیوں نہو یہ مردی و ہمت کی بات ہے

۱۱۱

دیکھی جو ابن سعد نے یہ صورت وفا
حجاج و شمر و خولی و قعقاع سے کہا
ارشد ہو فرد فرد جو بیعت اس سے فا کرا
مطلب ہے فتح سے ہمیں ان حرکتوں کیا

تعمیلِ حکم ہے کہ جگہ ننگ و نام کی
جو ہے مفید کار وہ ہے بات کام کی

۱۱۲

سنتے ہوں جا بجا سے یکدل ہو لشکری
بیکس حسین جا کے ہر آزما بسی
محفوظ ہے قلم رو فن کی شناوری
یوں گھیرا اس سے نہ چلے کوئی خود سری

ہے کس طرف خیال نہ اس طرح جان دو
نیزوں پہ رکھلو تیروں سے سب جسم چھان دو

۱۱۳

اس شور سے ہوئے جو سبک استوار
اور جا دخول لیکے بڑھے وہ خطا شعار
تنہا پہ آ کے ٹوٹ پڑی فوج ایک بار
حملوں کی انتہا تھی مزاحموں کا پھٹ شمار

غمخوارِ ابن فاطمہؑ نرغے میں گھر گیا
نقشہ اجل کا سامنے آنکھوں کے پھر گیا

۱۱۴

وہ بے نظیر ہمت و غیرت کا ارد عام
بیکس سے چھٹ کے ہو گیا عاشق امام
آ کے تیرِ دسیسہ لگے ہوتے کا یہ تمام
سینہ ہوا نگار جگر چھن گیا تمام

تھالے لہو کے خون سے زخموں کے بھر گئے
کیا کیا نہ ایک جان پہ صدمے گزر گئے

۱۱۵

ڈوبا لہو میں وہ بہرِ قتل سنہ رزم و فا
کلہم آیا راہوار بھی اُس شہسوار کا
گھبرا کے شاہ نے یہ علمدار سے کہا
پیدل ہے جو سوار ہیں گھوڑوں پہ انتخاب

لیجاؤ ذوالجناح رفاقت میں کد کرو
عباس میہمان کی میرے مدد کرو

۱۱۶

بھائی سے کہہ رہے تھے شہ انس و جاں
آئی یہ وقت کاش سے آواز ناگہاں
اے جائے دوڑ دوڑ کے مددگار دو وہاں
عمدے ہوا حضور پہ یہ زار و ناتواں

دوڑیں نہ راہوار تنِ پاش پاش پر
تشریف جلد لائیے خادم کی لاش پر

۱۱۷

فرمایا کہکے چلیے سوئے رزم دوستو
ہمراہ ہو لیے رفقا بھی بہ شوق و جستجو
پہنچے جو لاش پر تو پکارے بہ گفتگو
ہمت ہے مرے رفیق ہو تم بھی بہ یہ نکو

مہلت قضا نے دی نہ اجل نے امان دی
اے صاحب وفا مری الفت میں جان دی

۱۱۸

اک دم کے واسطے یہ محبت تھی یہ تپاک
بھائی نے تب فراق سے مجھ کو کیا ہلاک
ہے ہے اڑے ہیں گرد میں گیسوئے تابناک
جاتا ہے بیکسی سے تنِ نازنیں کہاں

سر شق ہے خون سے رُخِ گلرنگ لال ہے
یہ حال ہے کہ آنکھ کا کھلنا محال ہے

۱۱۹

لو مال ذوالفقار سے کھولا کمر کو تر
باندھا عمامہ سر کے لال سے بجہاں کا زخم سر
آنکھوں کو مل کے قدموں پہ بولا وہ نامور
سوئے جہاں سے شاد میں اس التفات پر

مُلکے کی اب ہوس نہیں مجھ تلخ کام کو
کافی ہے بس یہ خلعتِ آخر غلام کو

۱۲۰

کس کس کرم کا شکر کروں یا شہ زماں
اوسے غلام اور یہ پھر سر فراز نہاں
حضرت کی راہ دیکھ رہا تھا یہ مہ جباں
چین آگیا ہوا دل رنجور شاد واں

پوری خدا کے فضل سے اب آرزو ہوئی
ان قدموں سے حضور مری آبرو ہوئی

۱۲۱

جلد آپہ گرا اے شاہِ خوش خصال
نزدیک تھا کہ لاش ہو فوری کی پائمال
شہ نے بڑھے بچانے کو اس کے تھی یہ مجال
یہ تھا ہمارے شہ کی شجاعت کا امتحان

ہے انتہائے جور و جفا اس غریب پر
بھائی یہ ظلم ہوگا مجدد آفت نصیب پر

۱۲۲

اور آہ وقت نزع ہے آپ بے قرار
وہ بیکسی وہ یاس وہ بے اختیار
یہ سانحہ نہ ہوا ہے نہ ہوگا کبھی دوبار
یہ تھا حسینؑ مظلوم کی رخصت کا ماجرا

کھایا نہ رحم شمر لعیں نے ستم کیا
پوچھی نہ کوئی بات بھی اور سر قلم کیا

۱۲۳

دو بار آہ کی کیا اور ہوا تمام
روئے لپٹ کے فرش سے شاہِ فلک مقام
چلائے ہائے اس سے ہوئے عرش تھرتھام
یوں غم کیا حسین نے اس بانمیز کا

یوں غم کیا حسین نے اس بانمیز کا
کرتا ہے جس طرح کوئی ماتم عزیز کا

۱۲۴

ہو معجزِ عطا کہ کرم جوش پر ہو جب
پہنچے ہے اس پہ فیض کرم بے طلب طلب
مہماں بلا کے دیتے ہیں کیا دعوتِ طرب
اب وقتِ امتحان ہے آئی ہے یہ گھڑی

دورِ فلک سے چین نہ آیا حسینؑ کو
اُمت نے مصطفےٰ کی ستایا حسینؑ کو

۱۲۵

ہاں ہو چکا فیصلہ مظلوم و بے دیار
ہاں پائمال ہو فرسِ کینہ خو سوار
بڑھ کر کسی نے بسملہ خنجر سے ایک بار
سنگِ الم سے شیشۂ دل پاش پاش ہے

سنگِ الم سے شیشۂ دل پاش پاش ہے
ان لاشوں میں ہمارے بھی افسر کی لاش ہے

۱۲۶

بولا بصد لجاجت و عجز و نیاز مند
گرنے کو ہے یہ سر کہ ہو اب تن سے سر بلند
زینب کو دی تسلی کہ ہو صبر مستمند
بولا بہ یک خروش کہ جب میں چلوں وقال

ہے ہے نہ اہلِ دل ہے نہ اہلِ نظر کوئی
اس وقت بیکسوں کی بھی لیتا خبر کوئی

۱۲۶

ہے کہ ہے کدھر کو زینبؑ مضطر کس سمت ہم وطن
کس جا ہیں شیہ بیکس و غریب و بے کفن
تنہا ہے رن میں بیبیٔ مظلوم و بے کفن
بھائی یہ ظلم ہوتا ہے مجبور ہے بہن

سامان ہے یہ قہر کا اور ہائے بس نہیں
ہے ہے کسے بلاؤں کوئی دادرس نہیں

۱۲۷

ہے ہے قیامت آج ہے کیا ہو گیا حسینؑ
کس سے کہوں کہ ہائے ہوا کیا حسینؑ
ہے ہے کدھر سے تیر کا آیا حسینؑ
ہے ہے کہاں پہ تیر لگا کیا حسینؑ

تا عرش حق فغان حرم کی صدا گئی
لرزہ ہوا فلک کو زمیں تھرا گئی

۱۲۸

اک بار نام لیکے بزرگوں کے دی صدا
فریاد و ضجہ صدمہ و اندوہ تا کجا
ناناؐ ستم کا وقت ہے بابا ستم کی جا
آساں بلاؤ عرش کا پایہ غضب ہوا

اعدا میں شور حشر ہے رانڈوں میں بین ہے
تجویز پائمالیٔ لاش حسینؑ ہے

۱۲۹

گھبرائی اضطراب میں بانوئے نامدار
سجاد کے قریب گئی دے جگر فگار
خیمہ بلا لگے دیکھ کے وہ ایک بار
بیہوش کیا ہوش میں آکے یہ بیان زار

مقتل میں جائے تیغوں میں سینہ سپر کرو
صدقے گئی حفاظت اصغر بشیر کرو

۱۳۰

بیقرار ہو کے لاشۂ حر سے گئے ادھر
گھوڑے سے اٹھا اٹھا کے اِدھر آئے اُدھر
ہے ہے ستم کی نوبتیں سے درگذر
گنتے وہ بیسوں کے وہ بیداد الحذر

بسمل پڑے تھے خاک میں خوں میں بھرے ہوئے
شق ہو کے زخم از سر نو پھر ہرے ہوئے

۱۳۱

الٹے سے ڈرے نہ سنبھلے رہے غضب
دوڑائے بیٹھا ہوں یہ رہوار ہے غضب
رو تا بخت نہر کی وہ تن زار ہے غضب
مرنے پہ بھی وہ صدمہ و آزار ہے غضب

مطلع

زینبؑ کے لاڈلے جو ہوئے عازمِ وغا

مصنفہ

میر صفدر علی صاحب صفدر مرحوم ارشد تلامذۂ میر زادہ بیرم

بند ۷۸

۱۴

زینب کے لاڈلے ہوئے جب عازمِ وفا
تسلیم آخری کو جھکے دونوں مرتبہ
حسرت سے ماں کو دیکھے یہ اکبر نے یہ کہا
فرطِ قلق سے ماں نے کلیجہ پکڑ لیا

۱۵

برجِ خیام سے جو وہ اختر نکل پڑے
مثل تھا کہ درج نور سے گوہر نکل پڑے

۱۶

اور پرسے بجانے کھڑے ساتھ جو راہوار
حضرت نے دیکھ لیکے گود میں انکو کیا سوار
قاسم یہ بولے دامنِ بابا سے بھر لیا
اکبر پکارے جاؤ نگہبان کردگار

۱۷

عباسؑ نے کہا کہ نظر چار سو رہے
تلوار چلتی پھرتی سپر رو برو رہے

۱۸

ہاں شہسوارِ طبعِ عنان یاں سنبھال
کھولے دونوں فازیوں سمندر کی جال ڈال
وہ چال ڈھال جس پہ سمندر ہلک نثار
ایماں پہ رہیو اور کفن یاں سنبھال

یکتائے روزگار یہ دو راہوار ہیں
گردش میں انکے کاوڈ سے ایل نہار ہیں

۱۹

کیا پوچھتے ہو شوخیِ رفتار کا بیاں
گردش میں یہ رہے تو وہ اک آفتاب ہے
پرواز میں یہ برق وہ اک ماہتاب ہے
اعدا میں یہ وہ بجلیاں یہ صاعقاب ہے
وہ موجِ تند باد یہ جن شتاب ہے

جاتا ہے وہ ہوا پہ تو یہ لامکاں پر
پھرتا ہے یہ زمیں پہ تو وہ آسماں پر

۲۰

شعلہ ہے یہ لپک میں وہ بجلی چمک میں ہے
ہر ایک رشکِ حور نگارِ ملک میں ہے

۲۱

وہ موجِ آب میں یہ نگہتِ بہار میں
وہ خاک میں یہ ہوا تو یہ آہو ہوا میں
دریا میں وہ نہنگ یہ ضیغم کچھار میں

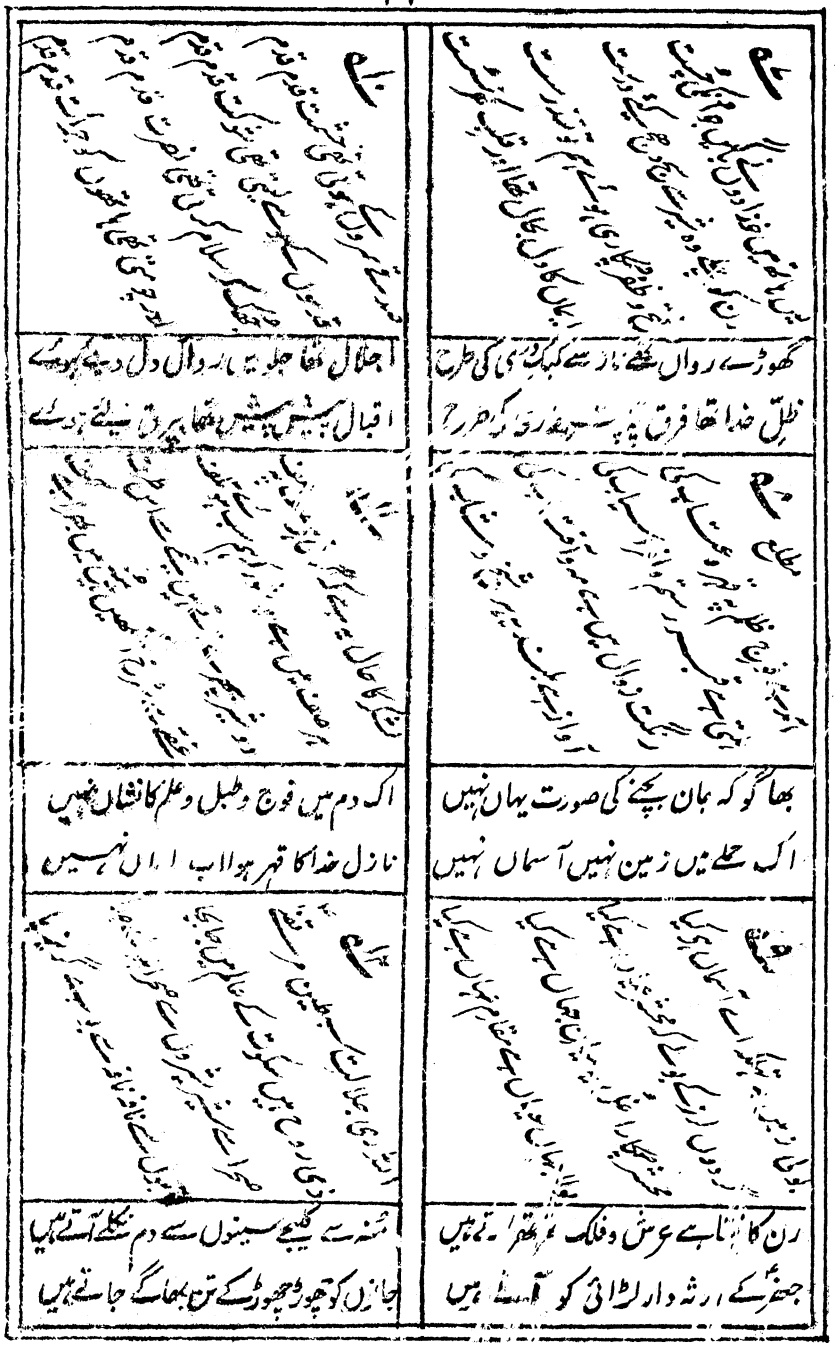

۱۳

ہے قصرِ کاخ لرزتا ہے ایواں لرزتا ہے
کسریٰ کا طاقِ تخت سلیماں لرزتا ہے
توران کا بیتا ہے تو ایراں لرزتا ہے
ہے زلزلہ میں بدخشاں لرزتا ہے

ڈر کر عرب عجم میں عجم سب عرب میں ہیں
آئینے کیا کہ دل بھی شکستہ حلب میں ہیں

۱۴

فق ہو گیا ہے چہرۂ پیر و جواں کا رنگ
باغِ جہاں دکھاتا ہے فصلِ خزاں کا رنگ
بدلا ہوا ہے گلشنِ دہرِ آسماں کا رنگ
ہوتا ہے بے گلوں کی طرح بوستاں کا رنگ

پژمردگی سے پھولوں کی صورت بدل گئی
نکہت صبا کے ساتھ چمن سے نکل گئی

۱۵

دریا میں موج موج طلاطم ہے اضطراب
مچھلی ہے زیرِ آب مگر جاں سے بیتاب
بیتاب خستہ نہنگ اچھلتے ہیں بار بار
موتی ہے آب آب صدف ہے جگر فگار

اندھیر دیکھکر یہ حضورِ کائنات میں
چھپ بیٹھے جا کے چشمۂ آبِ حیات میں

۱۶

کرّوبیاں عرش پر تھرتھراتے ہیں
پیکاں دیکھتے ہیں زمیں تھرتھراتے ہیں
سورے سے جبرئیل امیں تھرتھراتے ہیں
پیغامبرانِ مہر مبیں تھرتھراتے ہیں

محوِ نظارہ ہیں ملک الموت دور سے
اور بے خبر کھڑے ہیں سرافیلؑ صور سے

۱۷

پہنچے زمیں پہ رن کی جو وہ آسماں جناب
ہیبت سے بڑھ گیا دلِ اعدا میں اضطراب
کچھ بھاگے کچھ گرے کوئی ڈوبا میانِ آب
بعضوں نے جان بیچکے اُترنے کیا خطاب

حمزہؓ ہیں آپ آپ ہیں جعفرؓ بتائیے
یا ہیں جنابِ حیدرِ کرّار شیرؓ بتائیے

۱۸

فرمایا ہنسکے حضرتِ عباسؑ نہیں ہیں ہم
جعفرؓ کے اور شہ کے برادر نہیں ہیں ہم
حیدرؑ کے بھی فرزند نہیں ہیں ہم
شبّر ہمارے ماموں ہیں شبّر نہیں ہیں ہم

ہم فخرِ انبیا کی نواسی کے لال ہیں
اور جاں نثارِ سیّدِ عالی خصال ہیں

۱۹

نے نے غلط غلط ہے یہ تناسخ کا کلام
اکبر پہ میں نہ کہتے ہم اگر کہے ہیں غلام
پہ کہتے ہیں یہ تم سے ہم اے سمانان شام
دل میں نہ یہ سمجھو کہ شکر ہو اتمام

چڑھ چڑھ کے مُنہ پہ آتے ہو دیکھو بھلا نہیں
شیروں سے خالی بیشۂ شیر خدا نہیں

۲۰

فضل خدا سے باقی ہیں دو شیر صف شکن
ہلتے ہیں جنگ نام سے روئیں تنوں کے تن
قیصر سے باج لیتے ہیں قسمت سے بڑھکے ن
قاسم نجیب عہد جگر گوشۂ حسن ع

گر غیظ میں یہ تیغ کو کھینچیں نیام سے
تم یاں سے اور یزید لعیں بھاگے شام سے

۲۱

فرخ امام بیشۂ اسد شیر کبریا
سیف الہ باز و سے شاہنشہ ہدیٰ
نور آور و بہادر و جرار و باوفا
عباس حامل علم لشکر خدا

غصّے سے اُس جری کی جو تیوری پہ بل پڑے
دیکھے جو شیر کو تو کلیجہ نکل پڑے

۲۲

جان جہاں رسول جمال دو فرشتہ خو
گلگشت ریاض محمدی کی ہیں دو بو
ہنگام معرکہ دل و جان سے نکو
رستم کی کیا مجال جو ہوں ان کے روبرو

گر طیش میں علم وہ حسام دو سر کریں
دو ٹکڑے آفتاب و قمر کی سپر کریں

۲۳

ہم کو تو ان شجاعوں سے نسبت بھلا کیا
لیکن یہ تم سے کہتے ہیں اے فرخ جفا
صہبائے حبّ آبا کی دیروں کی ہے پیا
کیا سام کا ہے جد جو کرے اس کا سامنا

ہم گل ہیں گلشن شہ دلدل سوار کے
یہ نیمچے ہمارے ہیں پھل ذوالفقار کے

۲۴

فرد غضب ہیں اسکے جو گھوڑوں کی باگ تھام
اک بھائی دوم حسن سے اور ایک جگ میں نام
طیش و جلال میں ہیں بڑھیں یہ کھنچے حسام
حاکم کو ایک ایک کرے فوج کو تمام

دل میں نہ یہ سمجھنا کہ ہم بھوکے پیاسے ہیں
جعفرؑ کے پوتے اور علیؑ کے نواسے ہیں

۲۵

وہ بادشاہ شاہزادہ بیکس ہے بیا
مشہور ہے جو شیخوں میں بیشم کا فاندان
ورش سے نہاد شان کی صاف ہوئی
کوشش یوں تو سے ہم نے بہت طلا مارے ہی کیا

عباس سے نہ قاسم و اکبر سے کام ہے
ہم کو فقط حسین کے اک سر سے کام ہے

۲۶

یہ سنتے ہی تھرا گئے وہ عاشق امام
آیا جلال سر میں غضب ہوئے روئے لال فام
بڑھنے کی ہاتھوں سے خالی کیے نیام
لیکر علی کا نام اٹھائے جو ذوالفقار

یوں یک بیک گرے سپہ نابکار پر
شیر گرسنہ جیسے جھپٹ کر شکار پر

۲۷

بجلی تڑپ کے ہو گئی بیکسوں پر نثار
اسنے بدن سے پھونک دیا سر کیا سفاک کا
پھیلا جو اک کے ایک سے سینے پہ دم لیا
شمشیر اک کا اک سے ایک سے دلوں کا لہو پیا

اکثر کو اک گرا کے گئے صاف زین پر
[illegible]

۲۵

وہ بادشاہ شاہزادہ بیکس ہے بیا
مشہور ہے جو شیخوں میں بیشم کا فاندان
ورش سے نہاد شان کی صاف ہوئی
کوشش یوں تو سے ہم نے بہت طلا مارے ہی کیا

عباس سے نہ قاسم و اکبر سے کام ہے
ہم کو فقط حسین کے اک سر سے کام ہے

۲۶

یہ سنتے ہی تھرا گئے وہ عاشق امام
آیا جلال سر میں غضب ہوئے روئے لال فام
بڑھنے کی ہاتھوں سے خالی کیے نیام
لیکر علی کا نام اٹھائے جو ذوالفقار

یوں یک بیک گرے سپہ نابکار پر
شیر گرسنہ جیسے جھپٹ کر شکار پر

۲۷

بجلی تڑپ کے ہو گئی بیکسوں پر نثار
اسنے بدن سے پھونک دیا سر کیا سفاک کا
پھیلا جو اک کے ایک سے سینے پہ دم لیا
شمشیر اک کا اک سے ایک سے دلوں کا لہو پیا

اکثر کو اک گرا کے گئے صاف زین پر
[illegible]

۲۸

بجلی یہ تڑپ تڑپ کر شہ بیکساں پر
وہ برق بے امان ہوا کا وہ رہنمائے خبر
وہ کڑکی نہیں تک تو نہیں بچ کے ہزار
دو کرنے میں اسکو تحمل نہ اس کو صبر

تحت الثریٰ میں یہ وہ سوئے لامکاں گئی
آگے خبر نہیں یہ کہاں وہ کہاں گئی

۲۹

لہرا کے تھرتھرا کے جو تلوار ہر طرف
بجلی تڑپ کے ہو گئی بیکسوں پر نثار
اسنے بدن سے پھونک دیا سر کیا سفاک کا
پھیلا جو اک کے ایک سے سینے پہ دم لیا

اکثر کو اک گرا کے گئے صاف زین پر
[illegible]

۳۰

غیب سے اس کی لہر میں تیغ دو دھاری
ضربت سے اسکی نہ در ہے جرح خنجر
وہ بجلی سی اسکی قاش میں بیہوش تھی بڑی
جو بڑھے اسکے قوم بنی جاں کو تھرتھری

روئیں تنوں کے تن پہ وہ بجلی سی گرتی تھی
[illegible]

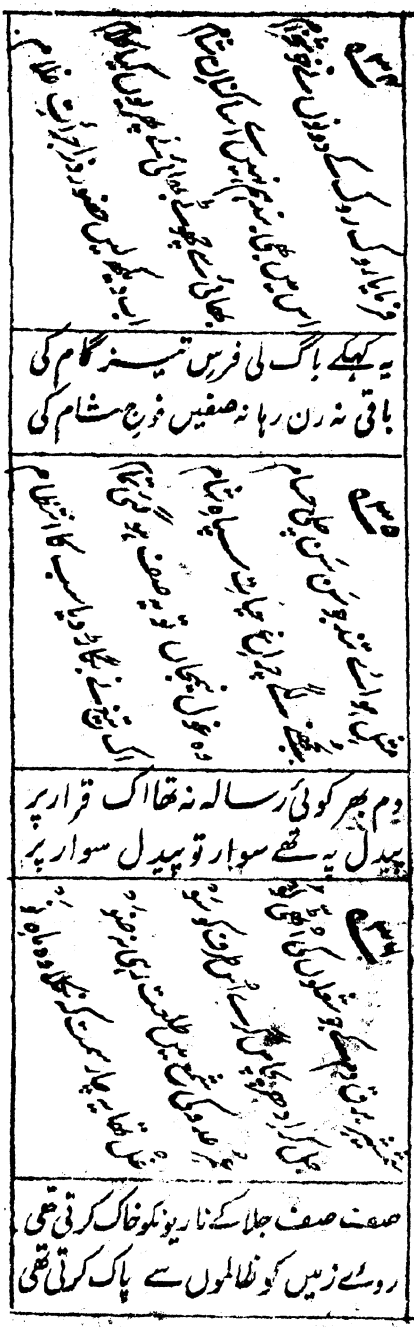

۳۳۱
شاہوں سے اپنے تاج پھینکا گئے کہیں
پایوں سے اپنے دم پھیلے اور اُٹھے پر پھیے
سینوں سے اپنے دل پھینکا گئے کہیں
صف صف پھری وہ تیغ پھیلے وہ ظفر پھیلے

پیدل کو سر پہ چڑھ کے یہ بے حال کرتی تھی
گر گر کے وہ سواروں کو پامال کرتی تھی

۳۳۲
نور آدمیوں سے زور وہ کثرت سے لگی
پیچھے ہوؤں سے خانہ جو گنتی سے لگی
وہ باندوؤں سے زور وہ کثرت سے لگی
خانوں سے کھلکے یہ کروفر شت سے لگی

پانی نے اُسکے ملک سبا کو بہا دیا
اس کی ہوا نے تختِ سلیماں اُڑا دیا

۳۳۳
زور سپاہ تھے نہ یہ جوشن کسے ہوئے
ناری تھے سر پہ گرم تھا بازار موت کا
جو اک دغا شعار نے چلایا کہیں کہیں
دو ہلکے ہاتھ ہی نہ کبھی کرنے پائے وہ

دستور یہ نہ تھا اسدِ کردگار کا
اک اک لڑا تو حال کھلے کارزار کا

۳۳۴
فرمایا روک کے دونوں صفوں کو فوراً
اس میں بھی بندہ نہیں اسکا ارادہ تمام
بھائی سے چھوٹے بھائی نے پھیروں کیا کلام
اب دیکھ لیں حضور ذرا جرأت غلام

یہ کہکے باگ لی فرس تیز گام کی
باقی نہ رن رہا نہ صفیں فوجِ شام کی

۳۳۵
فتح ہوا سے تند جو سن سن چلی حسام
بجھنے لگے چراغ حیات سپاہ شام
وہ غول بیجاں تو یہ صف ہو گئی تمام
اک تیغ نے بھلا دیا سب کا انتظام

دم بھر کوئی رسالہ نہ تھا اک قرار پر
پیدل پہ تھے سوار تو پیدل سوار پر

۳۳۶
[illegible] جو صفوں کی اٹھی گرد
[illegible] اُس طرف کو رہی
[illegible] ہی رہی
[illegible] کہ خلاد ماہ نو

صف صف جلا کے ناریوں کو خاک کرتی تھی
روئے زمیں کو ظالموں سے پاک کرتی تھی

۳۳۹

جب آئی وہ کراری سے کلیجہ دھڑک گیا
سینہ غرغ روح تن سے قفس میں بھڑک گیا
پھر پٹ ہوا سوار تو گھوڑا بھڑک گیا
گھبرا کے غول بھاگے جو بانگا کڑک گیا

خود بینیٔ عدو کا یہ نقشہ مٹاتی تھی
آئینۂ حیات کی قلعی اُڑاتی تھی

۳۴۰

بھائی کو بھائی دیتا تھا ہر دار پر صدا
کیا کام کر رہے ہو مری جان مرحبا
سو تم تمہاری تیغ سے کیا ہوگا انتہا
دم اب ہے کس کے تم سے برادر کرے وفا

وہ معرکے سے آئے ادھر یہ اُدھر بڑھے
اور نذرِ تیغ لیکے بدن اپنے سر بڑھے

۳۴۱

پہلو میں ابن سعد کے تھا ایک نابکار
بد شکل و بد لیاقت و بد خصلت و بد شعار
از دہ خصال و دیو نژاد و سیاہ کار
مکار و پُر فریب و دغا باز و حیلہ خوار

تن میں زرہ تھی خود سرِ بے شکوہ پر
وہ زین پر تھیں تھا کہ از ور تھا کوہ پر

۳۴۲

فوجِ امیر شام میں نامی تھا بد گہر
بڑھ بڑھ کے بولیاں بولتا تھا وہ ستمگر
لائے اگر بچا کے اس سے کہنے لگا سکندر
بھوروں ابھی میں بول دیکھے نہ زندگی پھر

اسکے سوا شجاعوں میں بھی جائے نام ہے
مغرور نے کہا کہ یہ میرا ہی کام ہے

۳۴۳

جاں سے ہوا تھا اسکے بڑا جیر کر سمند
آیا حضور عون بہادر وہ خود پسند
دست و بری میں بھی تھا جو یکتا فضا بلند
ٹھہرا اسکے مقابل بیدار سخت کمند

نیزہ بڑھا اِدھر سے اُدھر تیغ چل گئی
پیری سناں میں کاٹ کے بوڑی نکل گئی

۳۴۴

اس ضرب سے ہوا تھا وہ کج اور دہوا
مختار خانہ زاد سے اور جد سوا ہوا
لو کیسا اسکا زور بڑھا سب بڑھ گئے
چکی مثالِ شعلہ جو شمشیر برق زا

مغفر پہ بیٹھی سینہ و زیں سے گزر گئی
سر اُس کا لیکے تا سرِ قاروں اُتر گئی

۴۴۴

دیکھا جو ابن سعد نہیں سنبھلیا جرا
گھبرا کے بولا فوج سے باشرم دیجیا

۴۴۵

یوں گھیر لو اسے کہ نہ بچنے کی جا ملے
ایسا نہ ہو کہ بھائی سے پھر بھائی آملے

۴۴۶

تنہا یہ حملہ دیکھ کے بولا کہ اہل شر
یاں تیغ شعلہ بار سے اڑنے لگے شرر

۴۴۷

دو شیر ملکے ساتھ مجھے پھر تو فوج پر
یوں پیچھے رواں تھے کہ بحر بن موج پر

۴۴۸

تنہائی پر جو بھائی کی بھائی نے کی نظر
پیچھا کیا اسے جوش کی مانند شیر نر

۴۴۹

تلوار وم و شام دھاک ہیں ان بھوکوں پیاسوں کی
دیتے ہیں سب دہائی علیؑ کے نواسوں کی

۴۵۰

بھنے ہوئے بڑھے تھے برابر قدم ہوئے
بانکے جو فوج سے نکلے تھے دو بدو قلم ہوئے

۴۵۱

اک سمت جسم ایک طرف سر تڑپتے تھے
بے زخم بھی بہت سے ستمگر تڑپتے تھے

۴۵۲

عباسؑ کہتے تھے کوئی ایسا لڑا نہیں
بس اے دلیرو ہوش کسی کے بجا نہیں

۴۵۳

یوں لڑ رہے تھے فوج سے جو بن کے مرتضیٰ
اور دیکھتے تھے دور سے سلطان کربلا

۴۵۴

ہر وار پر یہ کہتے تھے شاباش دم بدم
اکبرؑ صدا یہ دیتے تھے ہاں بھائی واہ وا

۴۵۵

فرمایا بنت فاطمہؑ نے سنکے یہ کلام
راضی ہوئے غلاموں سے اپنے شہ انام

۴۵۶

ہنسکر کہا دعا مری حق نے قبول کی
راضی ہوئی اب اُنسے نواسی رسولؐ کی

۴۹

بانو پکاریں کیوں نہ رضا مند ہوں امامؑ
بیٹی دس برس کی سن میں ہیں برات قتیل عام
پر دودھ کا حضور کے ہے یہ اثر تمام
بولیں وہ مر بھجا کے تفاخر کا ہے مقام

لیکن فقط اثر نہیں زینبؑ کے شیر کا
یہ فیض ہے ورودِ جنابِ امیرؑ کا

۵۰

حلال مشکلات ہے میرے پدر کی ذات
آئے ہیں اس خیال سے یاں شاہ کائنات
کہتے ہیں کون بیٹی کی عزت ہے اپنے ہات
ایسا نہ ہو کہ بیٹی کی عزت کرے یہ بات

آسان کی نواسوں پہ مشکل لڑائی کی
مشکل پڑی تھی بیٹی پہ مشکل کشائی کی

۵۱

ہاں کہہ رہی تھیں بانو سے یوں خیر البرایاؑ
عاجز ہوئی تقابل سے واں سپاہ اشقیا
پھر کر پھپھا کے کوئی کوئی نہ آ سکا
جب کچھ نہ بن پڑا تو یہ کہنے لگے کلام

شہزادو صلح شاہ سے ہم نے قبول کی
بس بس دہائی بنتِ جنابِ بتولؑ کی

۵۲

سب جیلہ جو یوں میں یہ چلائے بار بار
مرحوم کے سوا نہ خیر پکارے وہ گلعذار
اے خواہر جنابِ امام فلک وقار
اعدا سے ہم نہ چھین لیا دشت کارزار

ہر دم دُہائی آپ کی دیتے ہیں کیا کریں
فرمایئے کہ صلح کریں یا وغا کریں

۵۳

یوں کہہ رہے تھے خیمے کی جانب وہ بیبیا
جو اک طرف سے ٹوٹ پڑا لشکر عدو
زخموں سے دونوں چھوٹے بہنوں کے سر تھا بہا
بولے وفا کی ظالمو ہم سے تو یہ نہ ہوا

اکبر قصاص اس کا نہ کیا لیں گے دیکھنا
عباس تم کو کیا نہ سزا دیں گے دیکھنا

۵۴

یہ کہہ رہے تھے وہ کہ گھٹی طاقت دواں
آنسو نہ تھمے زخموں سے خون کی نہ تھمی رواں
گرنے لگے جو گھوڑوں سے وہ ہو کے نیم جاں
آوازِ گریہ یا اخا واسیدا شاہ دوجہاں

پھر بند آنکھیں ہو گئیں خاموش ہو گئے
گھوڑوں سے گر کے خاک پہ بیہوش ہو گئے

۵۵

دوڑے یہ سنکے ایک طرف شاہ دوسرا
فضہ سنبھالے بڑھ کے رن میں جا دیکھا یہ ماجرا
کہنے لگی وہ دل میں کہ ہے ہے یہ کیا ہوا
چلائی آکے ڈیوڑھی پہ اے آل مصطفےٰ

جعفرؑ کے گھر کی اہل جفا نے صفائی کی
ہے ہے مری خوزادی کی ضائع کمائی کی

۵۵

چھاتی لگا کے دونوں کو شفقت سے بابا
آنسو یوں پونچھ رکھے پھر کر میں نثار
لو آنکھیں کھولو دیکھو مرے دل کا اضطرار
اٹھو سنے خیام چلو ماں ہے بیقرار

حسرت تمہارے دل میں جو ہے وہ بر آئیگی
ماں صدقے ہوگی اور گلے سے لگائیگی

۵۶

یہ سنکے ٹھہرا نے لگیں منہ پہ تھپکیاں
پونچھ بھر کے بولیں کہ نفضہ نہ غل مچا
مارے گئے پسر مرے احسان کبریا
کہتے تو یہ کہا پہ جگر پہ نہ بس چلا

یہ سمجھے وہ کہ زخم پہ جس کے نمک پڑے
روکا بہت پر آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے

۵۵

روتے لگے پکار کے پھر شاہ کربلا
غش میں سنی جو گریۂ شبیر کی صدا
دوڑیں سنے آنکھیں کھولے لگے تکنے اک طرف
آقا خدا کے واسطے یہ رو رہا ہے کیا

سنلیں کہیں نہ والدہ اس شور و شین کو
ہونگی خفا کہ رونے دیا کیوں حسینؑ کو

۵۶

آخر جو باپ آنکھ گری تھام کر جگر
واں پہنچے خیمگاہ میں سلطان بحر و بر
بیٹا بھتیجا بھائی تھا ہمراہ سینکڑے سر
دیکھا پڑے ہیں دونوں عم آغوش خاک پر

یوں بھانجوں کی لاشوں پہ شبیرؑ گر پڑے
اغلب تھا خاک پر فلکِ پیر گر پڑے

۵۶

پھر لب ہوئے نہ وا یہ ہوا یاس کا غلبہ
لاشے اٹھا کے لے چلے سلطان تشنہ لب
کرتے تھے یہ عورتوں کی اگر سنہ بڑھ کے شور
بابا انہیں دعا سے لعینوں سے غم نہ کب

کیا جا کے ہم پھوپھی کو بھلا منہ دکھائینگے
ہم قتل کر کے ان کے کشندوں کو آئینگے

۶۱۰

[illegible] کی جو دونوں نے اکبر کی یہ صدا
[illegible] کے آنکھیں کھولکے بولا وہ مہ لقا
اے بھائی جان آپ پہ میں سو جان سے فدا
ہم خادموں کی عرض بھی سن لیجئے ذرا

کپڑے ہیں سرخ تیروں سے سینے چھنے ہوئے
بی بی خزاں دے آتے ہیں دو لہلہاتے ہوئے

۶۱۱

[illegible] سے [illegible] ہو جگر
اچھا چلو میں جاتا ہوں دو دن اس قدر
[illegible] لیکے چلتے ہو جس دم ادھر
فقط نہ دیکھ کے زینب مضطر کو دی خبر

لیجاؤ ان کو تم مری خواہر کے سامنے
ہم جائیں گے نہ زینب مضطر کے سامنے

۶۱۲

لاشوں سے [illegible] ہو گئے اگر خراب
دیکھینگی منہ ہمارا نہ بنت ابو تراب
آنیکی گے [illegible] ان کی اس دم سے اضطراب
مر کر بھی خادموں کی مٹی نہ ہو خراب

مانو ہماری عرض کہ بھائی تمہارے ہیں
بھائی تمہارے اور فدائی تمہارے ہیں

۶۱۳

لاشوں کو لیکے خیمے میں آئے وہ رشک ماہ
اہل حرم کا حال ہوا دیکھکے تباہ
بنت علی کی لاشوں پہ جسدم پڑی نگاہ
سجدے میں جھک گئی لگی کرنے یہ عرض آہ

بیٹوں نے ہاتھ اُٹھائے جو تسلیم کے لئے
دیکر دعا کھڑی ہوئیں تعظیم کے لئے

۶۱۴

[illegible] پڑ گئی جو [illegible] نظر
دیکھکر دونوں روتے ہیں بھائی ہوئے جگر
چلائیں اور پوچھنے لگیں کرکے خاک بسر
کہہ بیٹھ گئے بھائی کو بھائی کے کدم

خیمے میں جو پھوپھی کی کمائی کو لائے ہو
مقتل میں کھو کے کیا مرے بھائی کو آئے ہو

۱۱۶

بجا دونوں لاشیں بھائی نے کام کیا
میرا کوئی عزیز نہیں بھائی کے سوا
مرجاؤں گی تڑپ کے میں اس بات پر بہن
بھائی جواب دو مجھے بھائی کو کیا کیا

کھویا کہاں نشانِ علیؑ و بتولؑ کو
عباسؑ تم سے لونگی میں سبطِ رسولؐ کو

۱۱۷

خوش کھا کے پھر نہیں ہم گری بنت مرتضیٰ
گھبرا کے اٹھا بیٹھے میں زینبؑ سکینہ کی قضا
آئے جو خیمہ خانہ میں دیکھا یہ ماجرا
لاشوں کے گرد بیویں ہیں حلقہ کیے ہوئے
کلثومؑ گود میں ہیں بہن کو لیے ہوئے

۱۱۸

خوش کے پوچھا شاہ نے ہشیر کیا ہوا
بیٹوں کے لاشے دیکھے خوش ان کو کیا گیا
خوش نہیں بہن شاہ کی زینبؑ نے یہ صدا
جان آگئی بدن میں بھائی میں تم پہ میں فدا

کچھ غم نہیں جو قتل ہر اک لال ہو گیا
دیکھا نہ تھا جو آپ کو یہ حال ہو گیا

۱۱۶

بجا دونوں لاشیں بھائی نے کام کیا
میرا کوئی عزیز نہیں بھائی کے سوا
مرجاؤں گی تڑپ کے میں اس بات پر بہن
بھائی جواب دو مجھے بھائی کو کیا کیا

کھویا کہاں نشانِ علیؑ و بتولؑ کو
عباسؑ تم سے لونگی میں سبطِ رسولؐ کو

۱۱۷

خوش کھا کے پھر نہیں ہم گری بنت مرتضیٰ
گھبرا کے اٹھا بیٹھے میں زینبؑ سکینہ کی قضا
آئے جو خیمہ خانہ میں دیکھا یہ ماجرا
لاشوں کے گرد بیویں ہیں حلقہ کیے ہوئے
کلثومؑ گود میں ہیں بہن کو لیے ہوئے

۱۱۸

خوش کے پوچھا شاہ نے ہشیر کیا ہوا
بیٹوں کے لاشے دیکھے خوش ان کو کیا گیا
خوش نہیں بہن شاہ کی زینبؑ نے یہ صدا
جان آگئی بدن میں بھائی میں تم پہ میں فدا

کچھ غم نہیں جو قتل ہر اک لال ہو گیا
دیکھا نہ تھا جو آپ کو یہ حال ہو گیا

۱۱۹

اٹھو گلے لگا لو کہ لڑ بھڑ کے آتے ہیں
ہم دیکھنے کو عابدِ مضطر کے جاتے ہیں

۱۲۰

یہ کہکے پھر وہاں سے چلائی وہ دلربا
تھرا کے اٹھی بنت علیؑ یہ کہکے یا حیا
آئی جو پاس لاشوں کے زہرا کی لاڈلی
دہائی کی کہ سب کے دلوں پر چھری چلی

سینے میں سانس فرطِ قلق سے الٹ گئی
یہ بات کہکے لاشوں سے زینبؑ لپٹ گئی

۱۱۹

اٹھو گلے لگا لو کہ لڑ بھڑ کے آتے ہیں
ہم دیکھنے کو عابدِ مضطر کے جاتے ہیں

۱۲۰

یہ کہکے پھر وہاں سے چلائی وہ دلربا
تھرا کے اٹھی بنت علیؑ یہ کہکے یا حیا
آئی جو پاس لاشوں کے زہرا کی لاڈلی
دہائی کی کہ سب کے دلوں پر چھری چلی

سینے میں سانس فرطِ قلق سے الٹ گئی
یہ بات کہکے لاشوں سے زینبؑ لپٹ گئی

۱۲۱

ایسا نہیں سنا تھا کبھی بنت مرتضیٰ
تنہا بھرے ہوئے گھر کو بیابان میں کیا
جب چاہا بے قصور بھی ہم کو گھر کر لیا
پیارو خدا کے واسطے بخشو مری خطا

جنت میں ساتھ ہو جو اماں بتولؑ کا
شکوہ نہ آئے منہ سے کبھو مجھ دل ملول کا

۱۲۱

ایسا نہیں سنا تھا کبھی بنت مرتضیٰ
تنہا بھرے ہوئے گھر کو بیابان میں کیا
جب چاہا بے قصور بھی ہم کو گھر کر لیا
پیارو خدا کے واسطے بخشو مری خطا

جنت میں ساتھ ہو جو اماں بتولؑ کا
شکوہ نہ آئے منہ سے کبھو مجھ دل ملول کا

۷۴

پوچھیں جو وہ کہ ہو گئے تم کشتۂ رضا
گھر سے زباں بچانے کو نکلی برہنہ پا
دینا جواب ہوش نہ مادر کے تھے بجا
فاقہ تھا تین دن کا اور انبوہ اعتبا

پوچھیں نبیؐ جو حال مرے پیارے بھائی کا
کہنا یہ ہوم ہے ساری خدائی کا

۷۵

پہنچے دربہشت پہ گر غازیانِ حسیںؑ
تم کون ہو کہاں سے ہوا ہے گذر یہاں
ہاں افصح العرب کے نواسے ہیں ناتواں
اُس دم کہیں نہ یہ کہ گئے کربلا کہاں

کہنا کہ ہم شبیرؑ پیمبرؐ کے بھائی ہیں
شبیرؑ کے غلام ہیں اور کربلائی ہیں

۷۶

پیارو وہاں پہ بھائی ہو جہاں کا نشاں نہیں
رہبر نہیں رفیق نہیں کارداں نہیں
سنتے ہو کس سے باپ نہیں اور ماں نہیں
زخموں سے چور چور ہو تاب و تواں نہیں

منزل تلک غضب کی ہے تنہائی راہ میں
بھائی سے ہوشیار رہے بھائی راہ میں

۷۷

پرنالۂ راہ خوب ہے پیارو خدا گواہ
عشق حسینؑ ابن علیؑ طاعت الٰہ
راہ خدا میں قتل ہوئے دونوں بے گناہ
ہوگا یہ نالۂ راہ بلا شک سپرِ اغنراہ

بابا بھی جا چکے ہیں رسالت پناہ بھی
روشن ہے اُنکی راہ سے پیارو یہ راہ بھی

۷۸

اترے جب آکے روضۂ شاہ دوجہاں
پہنچا دیا بہن کو بصد نالہ و فغاں
لاشوں کو لیکے جانب میدان پھر رواں
صفدر بلیٹ خاص کی اب تک ہے داستاں

محشر کا شور خیمۂ شاہِ زمن میں ہے
اب گفتگو جُدائی کی بھائی بہن میں ہے

مطلع

ارشاد مجھے آج ہے یہ لوح و قلم سے

مصنفہ

جناب نواب سید محمد جعفر علی خاں بہادر عرف پیارے صاحب مدظلہ

المتخلص بہ قدیر

شاگرد جناب میرزا دبیر مرحوم

بسنہ ۱۰۶۰ھ

۱

ارشاد دیکھے آج یہ لوح و قلم سے
کچھ نور کا نفشہ قلم حسن رقم سے
وہ نور کہ ہم اس سے ضیا ہیں وہ ہم سے
روشن ہے زمیں مثل فلک جس کے قدم سے

خورشید جلالِ شہِ مرداں کی وہ ضو ہے
شمعِ رخِ محبوبِ الٰہی کی وہ لَو ہے

۲

ہاں نورِ خدا دوشِ نبی طرح کرافزوں
ہاں انوریٔ حسن دکھا نور کے مضموں
ہاں سعدیٔ فکرانِ گلستاں ہو وہ موزوں
جس باغ پہ فردوسی و فردوں ہو وہ مفتوں

اے عیسیٰ لب تازہ دمی آج عیاں کر
جاں قالبِ الفاظ میں معنی کے رواں کر

۳

ابیاتِ یہ تابندہ جنابِ اصری کا
کلغی ہے سرِ دل وجانِ حسینؑ ابنِ علیؑ کا
امت کو دکھا آج سرشتہ تو نبیؐ کا
پرکار یہ سرا ہے نہیں اور کسی کا

ہو لطف اگر خالقِ اکبر کا سراپا
کھینچوں میں سراپا علیؑ اکبر کا سراپا

۴

یا حضرتِ جبریلِ امیں دیکھ کے اڑیو
تلوار سے اب پردۂ دوری کو اٹھاؤ
لو دیدۂ دل وا ہے جمال اپنا دکھاؤ
تصویر یہ سرا پا کے مضامین بتاؤ

اُمت کو زیادت ہو رسولِ عربی کی
ہو عہد میں مہدی کے ضیا عہدِ نبیؐ کی

۵

لاحیہ دیدۂ چشمِ تصور کو کروں وا
تصویر یہ سرا پا پہ تصدق ہو سراپا
سر اک قدِ آدم ہے سرِ عرش سے اونچا
کہیے جو اسے قدِ سرِ نورِ نہ بنے کیا

بے وصفِ رخِ پاک مگر لطف نہیں ہے
قد سدرہ ہے رخ مہر ہے سر عرش بریں ہے

۶

ممکن نہیں گیسو کی بنا کا سر و سامان
دل جمع ہو شیرازۂ اوہام پریشاں
لیکن خفتِ عقل ہے اس طرح شناور
یہ زلف ہے ظلمات یہ رخ چشمۂ حیواں

دو گیسوؤں کے بیچ میں چہرہ ہے سو کیا ہے
راتوں نے مہ و مہر کو حلقے میں لیا ہے

۹

جو خطِ غبار اور خطِ رخ کو لکھوں کیا
زمرد و زبرجد پیش ہیں موتے خط زیبا
بدلو رنگ شعلہ کا ہے جو سر میں مجلا
بتی فقط اسپند نہیں وقت تلاشی

رخسار پہ خط کا بھی مزا وہم و گماں ہے
جلتی ہیں نگاہیں یہ نگاہوں کا دھواں ہے

۱۰

بینی سنبر ہستی خاتم قلم
ہر بینی بینی میں ہے اک جلوہ نو نیو
ظہر اکبر انشائے خرد کی ہے یقیں
باہم الف و ہائے دو بینی ہے یہ تحریر

ہر چشم مگر چشمۂ گلزار جناں ہے
دو چشموں میں فوارۂ یا قوت رواں ہے

۱۱

دیتی ہے خدا پھر بھی تناسب محمد
تعریف خط و رخ میں مناسب ہے یہ کلمہ
نقش نگین خاتم سنبہ فانوس سر دریچہ
بایہ سر کار سے یاں جلوہ احرم

دل کا وہ سویدا یہ تقدس کی ضیا ہے
قدرت نے نقیضین کو یاں جمع کیا ہے

۱۲

بر عقل رسا کی مجھے اسلام یہ نازا ہے
شیخ خطا کر میں خوشی کی یہ جا ہے
کیا فن کی دست سے جو مضمون یکجا ہے
شمسین ہ و ضاد قدرت سے لکھا ہے

چہرہ ورق دفترِ صنعت ہے بلاشک
خط دستخط منشیِ قدرت ہے بلاشک

۱۳

کان نہیں کان کا مرتبہ جو بائیں
پوشیدہ یہ کل میں ہیں کہ ظاہر نہیں یاں
ہاں ہوتے سے جز لبک اب کان نگاہوں
جو مرد وہ اب کانوں میں کہیں وہ نہ سنائیں

دو رقعوں میں الہام خدا درج کیے ہیں
شہپر کے تلے حضرت جبریل لیے ہیں

۱۴

لعل لب نازک کی ضیا شعلہ فگن ہے
اک بات میں یاں تازہ قیامت کا سخن ہے
ہیں لعل میں دو لام زبان ذو یکن ہے
دو لاموں کے جو بیچ میں ہے عین دہن ہے

میم اس کو جو کہتے ہیں مسیحا کا نشاں ہے
ہمنے جو کہا عین یہ عیسےٰ کا نشاں ہے

۱۳۴

پھر ناطقہ سر بہ لب و زباں میں سما گیا
بیٹھے کا دم اس لعل در افشاں میں آ گیا
سکتے میں حسن خضر بخشاں میں آ گیا
باطوطیٔ گرسنہ شکر ستاں میں آ گیا

خط سبز ہے لب لعل عجب شکل فرح ہے
اوج فلکِ حسن کی یہ قوس قزح ہے

۱۳۵

گر سیب زنخداں کو لکھوں حرف کہوں ہے
اور چاہ ذقن کہیے تو ٹھنڈا یہ سخن ہے
خط میں ہے رقم کان نمک یہ ذقن ہے
بابا کے سخن آدمے از عدن ہے

پر خالِ زنخداں کی عجب جلوہ گری ہے
یہ چاہ میں یوسف ہے کہ شیشے میں پری ہے

۱۳۶

معنی اگر لفظ کے سب ہیں نمودار
سب نقطے ہیں سب حرف سو واضح ہے یہ اظہار
الفت کی نزاکت نہ اٹھا لفظ کا بھی بار
دل جا کے ہیں بیٹھے شناؤں کے اعتبار بابا

اک موئے کمر کے لیے شانے ہیں ہزاروں
اس رشتۂ تسبیح کے دانے ہیں ہزاروں

۱۳۷

کیا خوب کھنچا چہرہ اک بت کا مرقع
آنکھوں میں پھرا دوست کے پیکر کا مرقع
اب سامنے مجلس کے ہے محشر کا مرقع
وہ کیا ہے جگر گو نیز آرائش کا مرقع

ہمسن تھے جو اکبر کے وہ بے گور پڑے ہیں
ہمشکل نبی صورتِ تصویر کھڑے ہیں

۱۳۸

ہر عضو بدن آئینہ ہے قدرتِ رب کا
اس آئینے میں عکس ہے اس غنچہ لب کا
بابا کو نہ ماں کو نہ پھوپھی کو خبر اپنی
کس طرح بندھے عزم جناں پر کمر اپنی

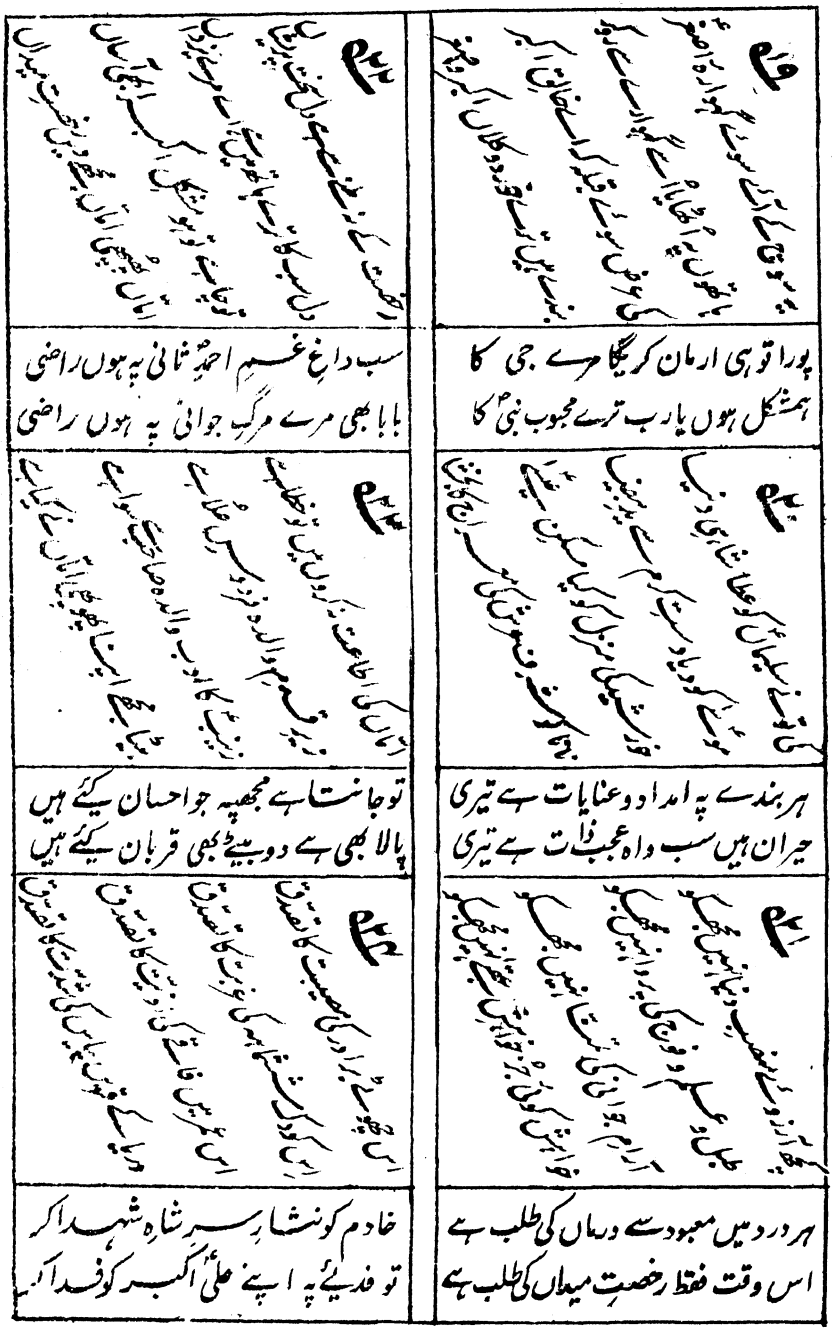

۲۱

یہ سوچ کے آگے سوئے گہوارۂ اصغرؑ
ہاتھوں پہ اُٹھایا اسے گہوارے سے بڑھ کر
کی عرش سوئے قبلہ کہ استحقاق اکبر
بندے ہیں ترے فرد و کلاں اکبر و اصغر

پورا تو ہی ارمان کریگا مرے جی کا
ہمشکل ہوں یارب ترے محبوب نبیؐ کا

۲۲

کی تو نے سلیماں کو عطا شاہی دنیا
موسےٰ کو دیا دست کرم سے ید بیضا
خورشید کی منزل کو کیا ساکن بیضا
بخشا کلف فوق کو ان کا بھی خدا نے

سب داغ غمِ احمدِ ثانی پہ ہوں راضی
بابا بھی مرے مرگِ جوانی پہ ہوں راضی

۲۳

ہر بندے پہ امداد و عنایات ہے تیری
حیران ہیں سب واہ عجب ذات ہے تیری
تو جانتا ہے مجھ پہ جو احسان کیئے ہیں
پالا بھی ہے دو بیٹے بھی قربان کیئے ہیں

۲۴

کچھ آرزوئے منصب و دنیا نہیں مجھ کو
طبل و علم و فوج کی پروا نہیں مجھ کو
آرام جوانی کی تمنا نہیں مجھ کو
خواہش کوئی جز خواہش مولا نہیں مجھ کو

ہر درد میں معبود سے درماں کی طلب ہے
اس وقت فقط رخصتِ میداں کی طلب ہے

۲۵

اس چھوٹے برادر کی مصیبت کا تصدق
اس کودک ناشاد کی غربت کا تصدق
اس عرش فلاکت کی ذلت کا تصدق
دریا سے قوی تیرے کی شدت کا تصدق

خادم کو نثار سرِ شاہِ شہدا کر
تو فدیئے پہ اپنے علی اکبرؑ کو فدا کر

۲۵

سن سن کے مناجات جناب علی اکبرؑ
بانو کے کلیجے پہ چلے تیر ستم کے
بھاگے گرے گریں لی بیاں غش کھا کے برابر
زینبؑ کے گلے سے لپٹ گئے ہائے تڑپ کر

ظل تھا کہ یہ کیا قہر و غضب کرتے ہیں اکبرؑ
لو موت جوانی میں طلب کرتے ہیں اکبرؑ

۲۶

لو بیوا کبھی سے بھی اب ہاتھ اٹھاؤ
زینبؑ سے کہو پاس کے لو شاہ بلاؤ
لو آنسوؤں کو پاک کرو سر سے لگاؤ
بانو سے کہو دودھ جلد کر کے تو لاؤ

تکرار اجازت میں مناسب نہیں اب ہے
اس طرح کا رونا بھی جوانی میں غضب ہے

۲۷

اسغر کو لیے آئے جو اکبرؑ تو پکارا
رو رو کے دعا مانگو نہ مرنے کی خدارا
الفت نہ بھتیجا ہیں مقصود نہ بھائی
لو صبر و تحمل کا دیا ہم کو بھی بابا

لو حق نے ہمیں دولت تسلیم و رضا دی
لو ہم نے تمہیں رخصت میدان و غا دی

۲۸

جو سنیے جو فرمائیے راضی بہ رضا ہیں
سنیے یہ سناں کھائیے راضی بہ رضا ہیں
لاشہ ہمیں دکھلائیے راضی بہ رضا ہیں
فرمائیے نہ کہلائیے راضی بہ رضا ہیں

دولھا نہ کہا تم کو قلق اسکے رہیں گے
اب لاش پہ ہم ہائے جوانمرگ کہیں گے

۲۹

اسغر کو نظر اٹھا کے بھائی نے جو دیکھا
اس طرح کی خاک میں کبھی کو ملا دیکھا
لو گھر کو اجاڑو یہ بے ماں کا سا دیکھا
بسم اللہ ابھی ہم کو جواب بھی جا دیکھا

بیدم بھی پھپھی ہو تو نہ تم خیمے میں دم لو
چاہو تو گلے ملنے کی بھی ماں سے قسم لو

۳۰

تب جھک کے اصغرؑ کو لگا نے لگے اکبرؑ
وہ رونے لگا ہاتھوں یہ الفت سے مل کر
پھر سینے سے اکبرؑ نے لگایا سر اصغرؑ
منہ پھیر کے چلائے حرم وائے مقدر

اس حادثہ کی دید سے دل ہلتے ہیں لوگو
کس پیار سے باہم یہ گلے ملتے ہیں لوگو

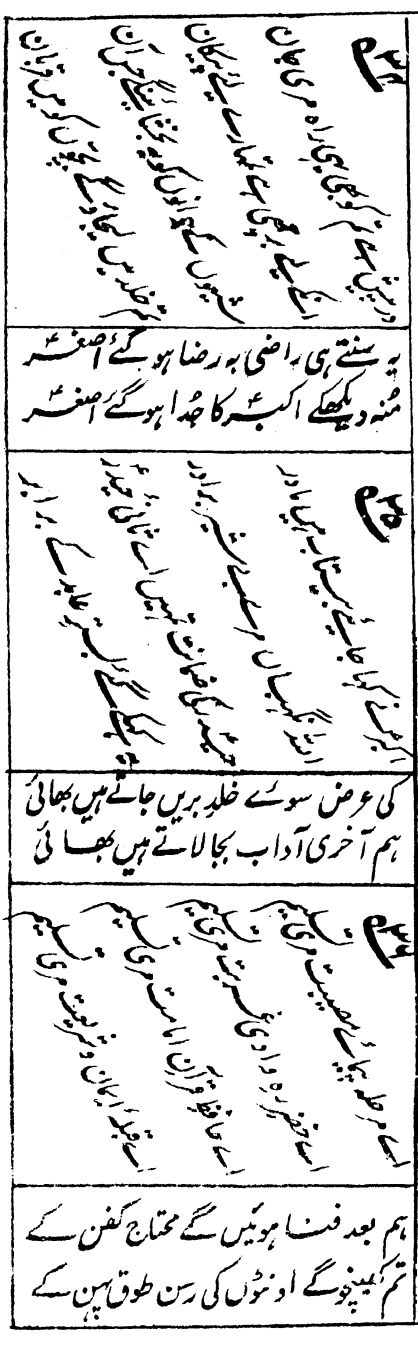

۳۴۱

اچھو سے کی ہے بھائی کی گردن میں باہیں
وہ سینے سے لپٹائے ہوئے کہتے ہیں آہیں
حسرت سے ہم دونوں کی نگاہیں
کس طرح سے اکبرؑ علی اصغرؑ کو نہ چاہیں

بیساختہ پیار آتا ہے منہ دیکھے ان کا
سن تو چھ مہینے کا ہے فاقہ کئی دن کا

۳۴۲

اصغرؑ بھی کسی سمت نظر اٹھا نہیں سکتے
منہ پھیر کے بانی کا اشارا نہیں کرتے
بھائی سے جو لپٹے ہیں کنارا نہیں کرتے
بچے بھی اجل کا کبھی گوارا نہیں کرتے

باہیں یہ گلے سے نہ نکالیں کہ نکالیں
ممکن نہیں یہ تیغ سے گردن کو بچالیں

۳۴۳

لو علی اصغرؑ کی طرف روئے پیارے
کھولی نہ کبھی راہ میں ماں کی واری
الفت نہیں بھائی کی ہے یا الفت باری
اٹھتے نہیں بیمار بھی کیا جان کی پیاری

دو چار گھڑی اور تم اس گھر میں رہو گے
پھر حشر تلک پہلوئے اکبرؑ میں رہو گے

۳۴۴

درپیش ہے اب تم کو بھی ہمراہ مری جان
انکے لیے بھی ہے تمہارے لیے پیکان
نیزوں کے گلوؤں کو یہ بخشیں گے جو ارمان
قتل میں بھی ساتھ رہے بچوں کو میرے ارمان

یہ سنتے ہی راضی بہ رضا ہو گئے اصغرؑ
منہ دیکھے اکبرؑ کا جدا ہو گئے اصغرؑ

۳۴۵

اکبرؑ نے کہا جائیے بس تاب نہیں ماں
اللہ نگہباں ہے سکینہ بہن و بھائی
جیسے کی ضمانت نہیں اے ثانیٔ حیدرؑ
کیجے گا گلے لگ کے برابر علی اکبرؑ

کی عرض سوئے خلد بریں جاتے ہیں بھائی
ہم آخری آداب بجالاتے ہیں بھائی

۳۴۶

اے مرحلہ پیمائے مصیبت مری تسلیم
اے خضر رہ وادیٔ غربت مری تسلیم
اے حافظ قرآن امامت مری تسلیم
اے قبلۂ ایمان و شریعت مری تسلیم

ہم بعد فنا ہوئیں گے محتاج کفن کے
تم کھینچو گے اونٹوں کی رسن طوق پہن کے

۳۳۷

عشق میں یہ صدا اٹھنے ہی کو ہے ہر شب و روز
فرمایا کہ اے راحتِ جانِ دردِ بیمار
بیٹھو مرے بالیں پہ مجھے اٹھنا ہے دشوار
رخصت کا سخن سنتے ہی کچھ بڑھ گیا آزار

میں تم پہ فدا ہونے کو تیار ہوں بھائی
تم میرے مسیحا ہو میں بیمار ہوں بھائی

۳۳۸

اکبر نے یہ کی عرض کہ اے کاشفِ اسرار
احکام شریعت سے ہو کوئی جنگ سزاوار
کیا ہے ہوئے ہیں صحنِ حرم میں یہ نمودار

شبیرؑ ہیں شاہِ شہدا فدیوں میں ہم ہیں
اے قبلۂ دیں آپ نگہبانِ حرم ہیں

۳۳۹

فرمایا کہ اس وقت ہے ہر سمت یہی مار
ہے بیوہ حسینؑ اپنے لیے بات دوا کی
ہم فیدیہ ہوں نام خدا کا ہو جو صبر کی باری

بیمار ہیں کیا گنبدِ خضرا کی امداد کریں گے
دربار میں زندان میں فریاد کریں گے

۳۴۰

یہ کہتے ہی بیہوش ہوئے عابدِ بیمار
بیٹے کو جگایا مگر اس نے نہ دیا بار
چاہیں جو ہوں آنکھوں سے اندھیرا ہوا یکبار
باہر سے اجل بولی سواری بھی ہے تیار

دروازے پہ یوں ثانیِ خیر الامم آئے
لیتے ہوئے چوگرد بلائیں حرم آئے

۳۴۱

چلائی تھی بانو میں اجڑتی ہوں دہائی
گھر پر تو بلا آئی تھی اب کھو کہ پرائی
ہے ہے مری بستی کو نظر کس نے لگائی
اس شیر جواں کی مرد و زن ہو سکے لائی

یہ رسم تو دیکھی نہیں گنبد میں کسی کے
کیا بیاہ سے نہیں جاتے جواں آلِ نبیؐ کے

۳۴۲

اس گھر کے سوا اور ہے دنیا میں کہاں کیا
جز داغِ پسر اور کوئی متاع نہیں ہاں کیا
ہوتے ہیں پسر بھی کبھی اس طرح جواں کیا
بن بیاہوں کی قسمت میں ہے بس گورِ غریباں کیا

دنیا میں جوانوں کی برات آتی ہے لوگو
یاں لاش فقط زیرِ قنات آتی ہے لوگو

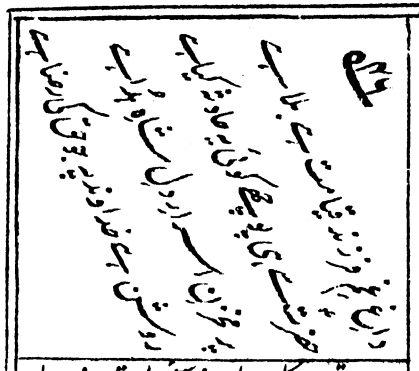

زینب کا یہ فرمانا کہ بابا جب میں رخصت ہونے لگی تو میں نے کہا کہ بھیا کون تو تجھ کو رخصت کرے گا تو بھائی نے کہا کہ دو بیڑے کیے ہیں سو فدائے علی اکبر ہے اس پر بھی یہ میرے ہوئے والے ہیں

بیٹوں کو مرے اپنا فدائی بھی نہ سمجھے
ماں ایک طرف مجھ کو پہ دائی بھی نہ سمجھے

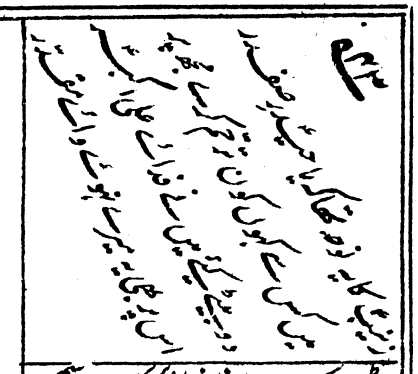

داغ غم فرزند قیامت سے بلا ہے
حضرت ہی پہ موقوف کوئی یہ عاوذ کیا ہے
روشن ہے خدا وند یہ جی کی رضا ہے

اس وقت کلیجا جو نہ سنبھلے تو سنبھالو
بابا ہمیں مرنے کی رضا دو تو بچالو

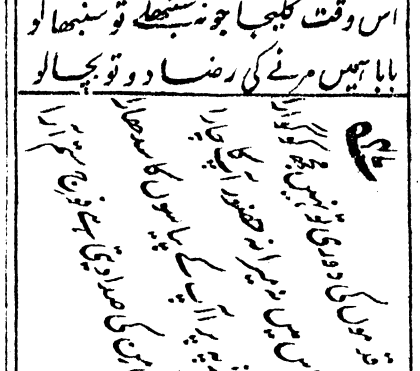

ہاتھوں میں جی میں تو یہ تھا یہ ماتم
خیمے سے برآمد ہوئے شہزادہ عالم
یوں در پہ نظر پڑتے وہاں سید اکرم
عباس کے اندوہ سے محزون و دژم ہیں

دستار مبارک ہے کہیں موزہ کہیں ہے
اور گنج شہیداں پہ نگاہ شہ دیں ہے

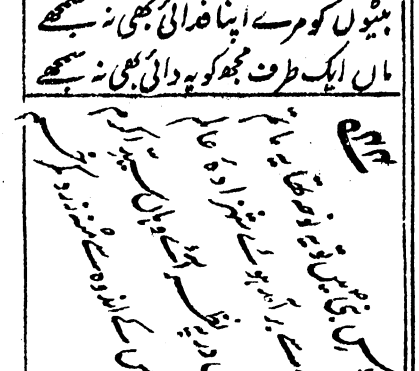

ان قدموں کی دوری تو نہیں مجھ کو گوارا
پر اس میں مرا امر ہے حضور آپ کا چارا
کوثر پہ ہے آپ کے پیاسوں کا سہارا
ہاں ان کی صدا دیتی ہے فوج ستم آرا

غیرت کے سبب دیر سے روتا ہوں خداوند
آخر شہ مرداں کا میں پوتا ہوں خداوند

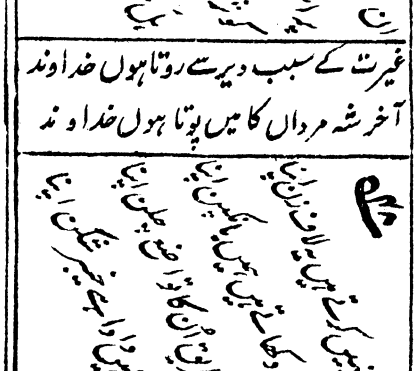

سر تو یہی کہتا ہے نہ قدموں سے جدا ہو
پر دل کا تقاضا ہے کہ بابا پہ فدا ہو

ارشاد کریں آپ تو جھپکے نہ پلک تک
انبار لگا دوں ابھی لاشوں کا فلک تک

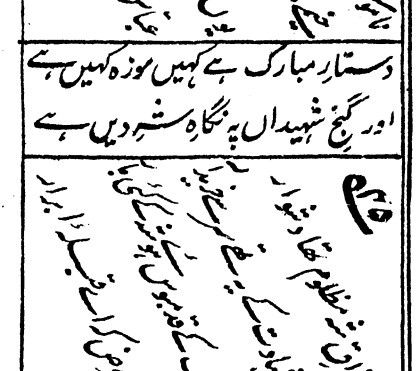

۴۹

یہ سنتے ہی حضرت نے گریبان کیا چاک
فریاد مری جان اب آنکھوں میں ہے سر تا پا
رخصت ہے تری خانۂ پرنور سے ناپاک
شبیر سے ہوتے ہیں جدا شبّر و شبّر لاک

بس ایک سہارا تھا تمہارا علی اکبرؑ
اب کون ہے دنیا میں ہمارا علی اکبرؑ

۵۲

جھرمٹ کو ہلال فلک حسن ہوا خجل
تسلیم کی کیں سر نے کہ کونین کو تسلیم
اور برج تجلی کو بڑھا نیر اعظم
زینت دہ ہوا زین پہ شہزادۂ عالم

اس اوج سے یہ دامن زیں پر نظر آئے
قدسی کو نبیؐ عرش بریں پر نظر آئے

۵۰

ہوتا نہ جدا تم تو میں ناچار نہ ہوتا
بے فوج تھا بیکس و بے یار نہ ہوتا
زینبؑ کو یہاں اس سے مرے دلدار نہ ہوتا

لاشے کے اٹھانے کو بہن کس سے کہے گی
اب ذبح جہاں ہونگے وہیں لاش رہے گی

۵۳

اب تازی و غازی کی ثنا کرتا ہوں دفتر
صورت میں وہ فرق ہے یہ صورت میں پیمبرؐ
ہمشان وہ دلدل کا یہ صورت حیدرؑ
وہ کاٹنے میں راہ کے یہ شیر ہے جرار

وہ رنگ یہ خوشبوئے گل خلد بریں ہے
وہ مصر یہ یوسفؑ وہ انگوٹھی یہ نگیں ہے

۵۱

اب خیر ہو ہمت کی جو ہو ہمت جاوید
قسمت میں ہے تنہائی کا غم جاوید جاوید
لٹجائیں کہ ہوں قید حرم جاوید جاوید
اصغرؑ کو لیے آتے ہیں ہم جاوید جاوید

لاشے کے لیئے دھوپ ہے اور بے کفنی ہے
لکھا ہے جو تقدیر میں وہ سب شدنی ہے

۵۴

وہ تخت سلیمانؑ ہے تو یہ تخت سلیمانؑ
وہ طور پہ جلوہ ہے تو یہ طور پہ جلوہ
وہ حسن جہانارا ہے تو یہ حسن جہاں آرا
وہ سدرہ پہ جبریلؑ ہے وہ رحل پہ قرآں

کرسی جو اُسے کہیئے تو یہ عرش علا ہیں
وہ عرش علا ہے تو یہ محبوب خدا ہیں

۵۵

جن کو بخشا تو رولا ملک میں ہے اک جن
دیکھا دشمن ہم سے بگاڑ کا نتیجہ
کونین کے دو باغوں میں کیا ہے بی گل
اس گل پہ دل حضرت شیر ہے بلبل

ایسا کوئی محبوب دو عالم میں کہاں ہے
یہ ثانیٔ محبوبِ خدائے دو جہاں ہے

۵۶

کیجئے شہ اقلیم عبادت تو بجا ہے
سا یہ جو فرش قدم مبارک کا بنا ہے
خادم ملک الموت جو دار قضا ہے
اور پشت پہ دولت کا ترا ید خدا ہے

نیکوں کی طلب جلد ہے دربار خدا میں
سر نذر لیے جاتے ہیں سرکار خدا میں

۵۷

کثرت میں تو ہے فوج عجم صورت قلزم
پر آمد اکبر سے ہے طوفاں کا طلاطم
ایک ایک سے آہستہ کرتا ہے تکلم
تو بیچ تو بیٹھا دو ہے کوا اپنی کہو تم

افراط خبر داروں پہ ہے بے خبری کی
خشکی کی خبر پوچھو تو کہتے ہیں تری کی

۵۸

خود دست نقیب اور خبردار ہیں بیہوش
کہتے تو ہیں کچھ منہ سے نکل جاتا ہے خاموش
پردے میں زرہ کے بدن فوج میں روپوش
ہیں منتظر تیر گی بخت سے بیہوش

شانوں میں کمانیں یہ لٹکتی ہیں ہو کیا ہے
یہ موت نے ایک ایک کو حلقے میں لیا ہے

۵۹

نقارۂ رزمی کی صدا ہے یہی ہر بار
اے شامیو فرماں ہو فرماں ہو فرماں ہو
فرماں کی ندا ہے یہ ہوئے لشکر کفار
موت آئی ہے خبردار خبردار خبردار

ڈوبا یہ سفینہ کہ تباہی کی ہے آمد
ہمصورتِ محبوبِ الٰہی کی ہے آمد

۶۰

ناگاہ ہر اک خیمہ سے ہر سو ہے اغاں
نیزوں سے دریدہ ہوا بکھلا گل دریا
ہر نخل سے درّاں کے اگا ہر درخشاں
مرغان ہوا پڑھنے لگے آیۂ اماں

دیکھا تو نہاں آمد اکبر نے کیا ہے
سب یُمن قدم سب رُخِ روشن کی ضیا ہے

۶۱

رخسار سے اٹھا نہ بدن سے جو لاکھوں
اک آئینے کی دو سے حیران ہو لاکھوں
ابرو کی کماں دیکھ کے قرباں ہوئے لاکھوں
گیسو میں وہ دل ہو کے پریشاں ہوئے لاکھوں

کتنے تھے نثار ان کے تجمل پہ چشم پر
دو نقطوں کی صورت ہیں مہ و مہر قدم پر

۶۲

ہر چشم بنی موزہ پائے علی اکبرؑ
اعدا کے گئے ہوش کہ آئے علی اکبرؑ
لب پر یہ سخن غیظ میں لائے علی اکبرؑ
بس ہو چکی اب مدح و ثنائے علی اکبرؑ

پڑھتا ہوں رجز میں ہمہ تن گوش بنو تم
ہوتا ہوں میں گویا لبِ خاموش بنو تم

۶۳

ہاں بے خرد و بے ہنر و بے ادبانو
وقتِ رجز بھی کا کرو اللہ کو مانو
ہاں واقعۂ الوت ہر اک جان کو جانو
بے لطف جوانی میں عبادت کا جوانو

دیکھو ہمیں طاعت پہ کمر باندھی ہے کس کے
ایماں کے پسینے چھوٹتے ہیں اٹھارہ برس کے

۶۴

کشور جو فنا دست سے جانبازوں ہیں
لشکر جو خجالت سے تہ و بالا رہیں ہیں
نے باغِ فلک میں گل بے خار ہیں
جرّار میں یکتا و ظفر یار ہیں ہیں

چاہیں تو دو عالم کو تہِ تیغ کریں ہم
لاشوں سے ابھی دامنِ افلاک بھریں ہم

۶۵

خلاق ہر اک جان کا جانا نہ ہے اپنا
اوہن کی گلی ہے پہ پروانہ ہے اپنا
بے کینہ ہے جو دل وہ جو خانہ ہے اپنا
جوشن سے برتر ہے وہ کاشانہ ہے اپنا

اللہ کی ہر بات میں حصہ ہے ہمارا
قرآں سخنِ حق ہے سو قصہ ہے ہمارا

۶۶

بسم اللہ قرآں کی ہے بے تول قرآں
اور سین سے الناس پہ قرآں کا بیاں
بسم اللہ سے جو لا سین پہ مقفل ہوا شایاں
بس اپنے لیے ہے سورۂ یوسف بزداں

ہم کو کسی رتبے کی نہ خواہش نہ ہوس ہے
قرآں میں جو حق نے ثنا کی وہی بس ہے

۶۶

بھیجے سے دل کی ہے بھلا یاد خدا کی
ایمان کو دیتی ہے ضیا یاد خدا کی
دوزخ کی کسے پھر ہے بجز یاد خدا کی
بندہ وہ ہے جو کہتا ہے سدا یاد خدا کی

دینداروں کو ظلماتِ عدم نورِ ابد ہے
اخلاص ہمارا قمرِ برجِ لحد ہے

۶۷

مٹنے میں وہ تیغ کبر شیطان خدا ہے
جس نے پرِ جبریل میں قطع کیا ہے
اس اس کے جب کے لیئے ثریا بھی رقابت
کافر کے لیئے قہر خدا نیزہ قضا ہے

چار اس سے تہمتن ہو تو ہو جائے وہیں دو
اک وار میں شیرِ فلک و گاو زمیں دو

۶۸

لو جزا اسی میں ہے کہ اب کوئے بتاں دو
بہتر ہے کہ اب خوف خدا دل میں ذرا لاؤ
باندھے ہوئے ہاتھوں کو حضور شہ دیں جاؤ
جلتی نہیں بجلی کے دو عالم میں مزا یاد

تم راہ پہ اس دم نہ اگر آؤ گے یارو
پچھتاؤ گے پچھتاؤ گے پچھتاؤ گے یارو

۶۹

لکھتے نہیں خط لکھتے مدینے سے بلایا
آئے تو نہ سایا نہیں لنگر کا دکھایا
اک روز بھی مہمانوں کو پانی نہ پلایا
بے نام ہوئے دین کا بھی نام مٹایا

کیوں یارو یہی دعوتِ فرزندِ نبی ہے
یہ اور قیامت ہے کہ بیعت طلبی ہے

۷۰

چوانوں کو خیرات ہے اگر تم کو نہیں چاہ
پانی کا فقیروں کو تو دینے کے لیئے آہ
پڑھتے ہیں تیمم سے نماز ابن یداللہ
بچوں کی وہ حالت ہے کہ کھلائے نہ بنائے

ظاہر ہے کہ دنیا میں ہمیشہ نہ رہو گے
کیا پیش خدا حشر میں زہرا سے کہو گے

۷۱

سب قتل ہوا لشکرِ زہرا و بتولہ
مسلم کے پسر زینب و نیجاہ کے دلبر
گلشن سے یہ باغ حسنی قاسم سے یہ حیدر
بر خاک ہے مقتل میں پڑا نعش برادر

تھرا رہے ہیں ارض و سما آنکی دغا سے
پر تم نے انہیں مار لیا مکر و دغا سے

۱۴۴

اس وعظ و نصیحت سے بھی جب کچھ نہ وہ بہبود ملی
لی تیغ دو دم میان سے اکبر نے سنبھالی تیغ دو دم
تو سن نے کیا نعرۂ تیر انداز دم جست
ہیبت سے ہوا حلقۂ تیر فلک پست

کھولے گرہِ یالِ فرس نے نئے نافے
سمٹے یہ ہرن شرم سے خود بن گئے ناف

۱۴۵

سب ساختہ پرداختہ نے سم کو یہ للکارا
اب عہدہ ترا آیا ہے دو رخ سے سنبھالا
دریا کو کیا یہ لب ساحل نے اشارا
اب موج بڑھی تیغ کی کر جا تو کنارا

گردوں سے زمیں کہتی تھی تو مجھ کو اٹھالے
کہتا تھا فلک تو مجھے دامن میں چھپالے

۱۴۶

اس ضرب میں دو پیکر افواج کٹا تھا
اک مرتبہ میں سینکڑوں گردن کا کٹا تھا
اک دم میں ہوا فلک پہ گذر تیغ دو دم تھا
جس پر کہ یہ کاٹا تھا وہ کیا ہیچ مدم تھا

کیوں منصفو یہ کاٹ سنا تھا نہ ہم نے
عالم کے دو عالم کیے اک تیغ دو دم نے

۱۴۷

الغرض تیغ اس ابلق کا اجلال
بڑھی ہوئی قبضے سے ظفر جیسے کرے بال
یوں ساتھ قضا اور قدر جیسے کرے فال
جوہر سے عیاں ہو سے شیر کے تھے بال

آگے کے سپہ قاہرہ خالق کے غضب کی
پیچھے ملک الموت تھے اور موت تھی سب کی

۱۴۸

تیغ دو دم تیز کی صورت سے ہوئی چوں نیم آب
گلزار سے پھول اڑ گئے گلگوں صورت شیر
تھا ڈر سے طلاطم پہ ہوا کا اور ہوا کا سیم آب
دہشت سے ہوا زہرۂ شیران سیم آب

مانندِ فرات آبرو اعدا کی بھی تھی
تھی ریت مگر کشتیٔ تن ڈوب رہی تھی

۱۴۹

گرز و تبر و تیغ و سناں آٹھ برابر
خود و سپر و تیغ و سناں آٹھ برابر
چار آئینہ سینہ و دیگر وہاں آٹھ برابر
صد درد و قلق و تعب و جاں آٹھ برابر

کیا جوہر شمشیر شہ عقدہ کشا تھے
تن ایک طرف روح کے بھی بند جدا تھے

۷۹

تیغ جو کھنچی شاہ نے پرے تھل آئی
سیدھی تہ تنگ آئی تو سر سے نکل آئی
چمکی جو اِدھر صاف اُدھر سے نکل آئی
سینے میں لیا دم تو جگر سے نکل آئی

دو کر دیا گہ زیر زمیں گاہ زمیں کو
گہ چوم لیا قائمۂ عرش بریں کو

۸۰

کیا سیر پہ آمادہ جو وہ شوخ ستمگر
گہ زیر زمیں گاہ بر اوج فلک زیر
گہ صورت ابرو کبھی گہ قاروں لعیں تھی
گہ قطع کمان گہ خط جیب جبیں تھی

سدرے پہ کبھی پھل کی طرح سے نظر آئی
کرسی پہ قدم رکھے ادب سے اُتر آئی

۸۱

تیغ برہنہ جو ہاتھ سے نکلی
سو سو جوہر کی خنجر اسوار سے نکلی
مغرب میں بھی پہنچی شرق کے گھوڑے نہ تھکے
دریا میں جو ڈوبی کرۂ نار سے نکلی

گہ خونِ دلِ گاوِ زمیں چاٹ کے نکلی
گاہے سپرِ چرخ بریں کاٹ کے نکلی

۸۲

گہ خون میں کفار کو نہلا کے پھر آئی
گہ نار یوں کو نار میں پہنچا کے پھر آئی
گہ تا بہ فلک مثل نظر جا کے پھر آئی
گہ زیر زمیں مُردوں کو چونکا کے پھر آئی

بیکار ہوا کا پر پرواز کیا تھا
شمشیرِ شہ ربار نے اعجاز کیا تھا

۸۳

جس جس کو نظر آئی وہ تلوار ہوا دو
سب سر جو ہوا جسم سے سر دار ہوا دو
تھا ایک مگر لشکر اشرار ہوا دو
کند دم کی طرح سے دلِ کفار ہوا دو

اُس تیغ نے دو ٹکڑے کیا جو نظر آیا
تن سے جو کٹا سر تو عدو دو نظر آیا

۸۴

اعجاز نما جسموں پہ بھی تیغ سر افگن
اس پھل سے کھلا تن پہ بھی زخم گلشن
پر دھار میں تلوار کی پانی تھا کہ روغن
جھٹکے میں چراغ ظفر و فتح تھا روشن

جز تیغ کرامات کا یہ فن نہیں دیکھا
پانی سے کہیں شمع کو روشن نہیں دیکھا

۸۵

نوذرانے میں بیٹھے نیزوں سنانیں
ترکش سے لیتے تیر تو گوشوں سے کھانیں
تلواروں سے لی آب تو تیغوں سے زبانیں
بکتر سے لیکے جسم الگ جسموں سے جانیں

تھے خود جُدا سر سے تو سر تن سے جُدا تھے
سر تن سے بدن قلعۂ جوشن سے جُدا تھے

۸۶

مانندِ قلم عین علم کو جو ترا شے
پھر جائے علم صورتِ ام ہو گئی پیدا
کیسہ وہ قوامی ہوئی اس تیغ سے الّا
اثبات سے بازا گئی منفی ہوئے اعدا

باقی نہ رکھا دشمنوں کو امرِ قدر سے
تھی صورتِ لا جلوہ نما تیغِ دوسر سے

۸۷

کیا نظم ہو اس صاحبقراں کی سواری
کی شعلہ فشانی تو وہ ناری ہوئے پانی
ناری ہوئے پانی تو بجھی منزلِ فانی
فانی ہوئے اور خاک رہ مرگ کی چھانی

چھانی ستم آرا نے جو وہ خاک اجل کی
وہ خاک اجل کی اسے صیقل ہوئی پھل کی

۸۸

صیقل ہوئی پھل کی تو وہ تھی خوری چمک پر
تھی خوری چمک پر تو وہ تھی اوجِ فلک پر
تھی اوجِ فلک پر تو وہ تھی بالِ ملک پر
بالِ ملک پر تو وہ محشر کی کمک پر

محشر کی کمک پر تھی تو آفت تھی بلا تھی
آفت تھی بلا تھی تو وہ مانندِ قضا تھی

۸۹

مانندِ قضا تھی جو ہوا سر پہ سوار
سوار تھا ہاماں بزیرِ سم رہوار
رہوار اور اسوار پھر اک دم میں ہوئے چار
اک دم میں ہوئے چار تو چاروں ہوئے فی النار

چاروں ہوئے فی النار تو جل جل کے دُھواں تھے
جل جل کے دُھواں تھے چہ بابل کو رواں تھے

۹۰

وہ تیغ سکھے عرش بریں پر نظر آئی
گر جوشن سے قدسی کے پروں پر نظر آئی
قدسی کے پروں سے سپر پر نظر آئی
کاٹی سپر پر تو قریب سر نظر آئی

دو کر کے قمر کو وہ در آئی جو ہوا میں
پھر تیر گئی نیزۂ اربابِ جفا میں

۹۱

بڑھ کے خیمے سے ہر اک فخر بھی نکلا ہے
مغفرت کے لیے ہر ایک مغفر بھی نکلا ہے
بڑھے تو لوگ پر مرکب بھی نکلا ہے

مرکب سے ہوا پر تو سرِ خاک ہوا سے
تھی تحتِ ثریٰ خاک سے گردوں پہ ثنا سے

۹۲

ناگاہ یہ شیر بیکسوں سے یہ نعرہ زن
کیا خوب لڑے اے شہِ دیں تجھ پہ فدا من
جرأت پہ فدا اور بہادر پہ فدا من
خیمے میں ہیں سب گور کنارے پہ فدا من

موقع ہو تو تم واں سے بڑھو اور میں ادھر سے
اس لڑنے پہ پیار آتا ہے مل جاؤ پدر سے

۹۳

بچہ کہ جھکا زین پہ وہ غیرتِ شمشاد
جھکنے میں کیے پہ لگا نیزۂ فولاد
ہاتھوں سے جگر گوشۂ شہ ہو گیا برباد
چلائے کہ یا بسطِ نبی ہے دمِ امداد

تسلیم میں امید شہادت کی بر آئی
مجرے کو جھکا تھا کہ سناں دل میں در آئی

۹۴

ہم آنکھ کے آگے ہی اب آئیے بابا
دل ہے تو دلا اے ٹھیر جائیے بابا
دل ٹھیر سے کلیجے سے جو لگائیے بابا

سانس اڑتی ہے سینے میں جو برچھی کی انی ہے
کیا عرض کروں جو قلقِ جاں شکنی ہے

۹۵

اس یاس کے عالم سے جو گھبرائے بھیا را
دوڑے شہِ بیکس مدد احفظ کہ یا را
کہتے تھے کہ بھائی تو ہی ایک سہارا
بیکس ہوئے اب ہم مدد اکوئی ہے ہمارا

مقبول جنابِ احدی و اعلیٰ اکبرؑ
اے وا ولدی و اولدی و اعلیٰ اکبرؑ

۹۶

روشن ہے کہ دیکھے کوئی جاں بخشِ زمانہ
کہتا ہے کہ بھائی دلِ حیران میں گر شہ
جب در دیکھے میں اٹھا بوجھ گئے آہ
یوں آئی نظر لاش جواں بیٹے کی ناگاہ

مُنہ قبلے کو ہے دل طرفِ ربِّ علا ہے
آنکھیں تو ہیں بند اور دہن خشک کھلا ہے

۹۶

لاشے سے لپٹ کر یہ پکارا شہِ ابرار
موجود ہے حاضر ہے حسین امرِ دلدار
اے تشنہ دیدار یہ دیکھ او دیدار
لو آنکھوں کو کھولو ہے عاشق ہے غمخوار

کیا ہم کو بُلاتے ہی سفر کر گئے بیٹا
آنے بھی نہ ہم پائے کہ تم مر گئے بیٹا

۹۷

بانو نے محبت کی رسنا نے کو بلایا
روزن سے کلیجے کا دکھانے کو بلایا
ہمشیرہ تمہیں جلتی سے لگانے کو بلایا
تشنہ ہمیں لاشے کے اٹھانے کو بلایا

گھوڑے سے جُھکے دور سے تسلیم کو پیارے
پاس آیا تو اُٹھے نہیں تعظیم کو پیارے

۹۸

کانوں میں جو پہنچی یہ خبر شہ کے پسر کی
آئے حرکت میں علی اکبر کے سب اعضا
ماتھے پہ دھرا ہاتھ اور ہوئے گویا
مجرا کو کیا اُٹھنا نہیں تعظیم کو بابا

یہ کہتے ہی دنیا سے سفر کر گئے اکبرؑ
اک ہاتھ رہا ماتھے پہ اور مر گئے اکبرؑ

۹۹

بیٹھیں نہ بٹھا دو جو یہ لیٹیں تو لٹا دو
زینبؑ نے کہا بانو کی مسند کو بچھا دو
آئے ہیں یہاں دھوپ دامن کی ہوا دو
کیا کوئی سنے پیار سے پیارے کے یہ ارشاد

لاشے کو لٹایا جو شہنشاہِ امم نے
مرنے کا یقیں ہو گیا کی آہ حرم نے

۱۰۰

پہنچے جو بھری لاش کے گھوڑے سمیت گھر
زینبؑ بھی وہ ناشاد نکل آئی حرم سے
پھر بانو نے بیکس گئی لاشے کے برابر
سر اپنا اُٹھا کر اسے اکبر سے ملا کر

چلائی یہ سکتہ ہے کہ غش آیا ہے کیا ہے
بولو تو کہاں زخم کلیجے میں لگا ہے

۱۰۴

پیارے رسے ہیں دو ابھی نہیں ہوتے
پاپوس کے امام دوسرا بھی نہیں ہوتے
اب مانع فریاد دوا بھی نہیں ہوتے
چپکے میں روتی ہوں خفا بھی نہیں ہوتے

کچھ زور مرا موت پہ چلتا نہیں بیٹا
دم ہونٹوں تک آتا ہے نکلتا نہیں بیٹا

۱۰۵

اٹھو علی اکبرؑ کہ یہ ہے وقت شجاعت
اٹھو علی اکبرؑ کہ ہے بیکس و بے شیر کی حالت
اٹھو علی اکبرؑ کہ بھتیجے مرے کو حضرتؑ
اٹھو علی اکبرؑ کہ پھوپھی ہوئی ہے خفت

تم منہ سے نہیں بولتے گھبراتی ہیں زینبؑ
لو خیمے سے جنگل کی طرف جاتی ہیں زینبؑ

۱۰۶

خاموش فقیر اب مجھے رقت بہت آئی
اس مرثیہ میں تو نے کرامات دکھائی
ہر عقدہ مضمون کی ہوئی عقدہ کشائی
تو مرثیہ گو میر کی عنایات سے بائی

جادو وہ جسے کہتے ہیں وہ تقریر یہی ہے
فرمائش اُستاد کی تاثیر یہی ہے

مطلع

یارب سخنِ تازہ کو تاثیر عطا کر

مصنفہ

میر بادشاہ علی صاحب بقام مرحوم خلف میر وزیر علی صاحب مغفور

شاگرد و خویش میرزا دبیر

بند ۱۰۵

۱۵

بلاریب سخن بانی تازہ کو تازہ طرحکار کرے
مضمون کو خاصیت نسخہ طرحکار کرے
تقلیم سخن کی مجھے جا لیکے طرحکار کرے
بلبل کے اڑیں ہوش وہ نقت بطرحکار کرے

اندازِ فصاحت روشِ حسنِ بیاں دے
چرچا فصحا میں رہے وہ لطفِ زباں دے

۱۶

جس نظم پہ دولھے کیا اگر فخر سخن نے
ہم کو تو پسند آئے نہ بلبل پہ لڑانے
دو دن میں بھی بچپن میں سنے تھے جو فسانے

افسانہ نہیں زمزمہ قلقل کا نہیں ہے
یہ مرثیہ قصہ گل و بلبل کا نہیں ہے

۱۷

لاکھوں میں انتخاب ہوئے یہ جس کے بانی
مقبول ہوئی طرز عجب لطف کی ثانی
لکھنؤ وہ ہوئی سنکے مضامین میں کامی
لاکھوں میں انتخاب ہوئے یہ جس کے بانی
مقبول ہوئی طرز عجب لطف کی ثانی
لکھنؤ وہ ہوئی سنکے مضامین میں کامی

نذرانہ طبیعت کو فصاحت نے دکھایا
آتی ہے ندا لے یہ ترے حصے میں آیا

۱۸

اس رخ کے فدا جان زناں ہوں میں جواں ہوں
کہتا ہے کوئی ماہ کوئی مہر درخشاں
تدلیح کی یہ بعقل ہے اس بات میں حیراں
اک شب کو جو کہتا ہے تو اک دن کو ہے تاباں

تشبیہ مناسب نہیں اس رو سے ہے ان کو
اس رخ کی جو شب کو ہے ضیا ہی وہ ہیں کو

۱۹

لاہو مئو اب فخر سخن سلسلے ہو
صورت نظر آیا نہ تصور جو ذرا ہو
دکھلا دیا لفظ اس نے ہی ہر اک پہ صدا ہو
ہر لفظ پہ آواز یہ تحسین و ثنا ہو

مانی کی نہ طاقت تھی نہ بہزاد نے کھینچا
نقشہ جو مری طبع خداداد نے کھینچا

۲۰

موزوں ہو کیے وصف گل باغ سخن کے
مضمون تر و تازہ ہیں مرغان چمن کے
باغبوں ہیں یہ عرش الٰہی کے چمن کے
بندش کی مضمون کی ہے رنگینیں سخن کے

گوندھا خلفِ ابن ید اللہ کا سہرا
مصرع میں لڑی بند ہے نوشاہ کا سہرا

۷۴

ہے ذہن رسا وصف میں کلی کا ربیع
ہے دیکھنے والا کبھی ممکن نہیں ساماں
ظلمات میں کیونکر ہو گوہر بعض ہے حیراں
ہاں راتوں کو اب دیکھ کر سورۂ قرآں

تاثیر تلاوت سے یہ ساماں نظر آئے
ہاتھ آئے شبِ قدر تو امید بر آئے

۷۵

آئینے سے شفاف کہیں لوحِ جبیں ہے
دو گیسوؤں کا حلقہ یا راد کمیں ہے
ہیں شب دیجور تو وہ ماہ نہیں ہے
ظلمات میں یا چشمۂ حیواں یقیں ہے

اندھیر نہیں پردۂ ظلمات میں دیکھو
دن کو نظر آتا ہے قرات میں دیکھو

۷۶

احکامِ الٰہی جو سنگرستے ہیں یہ کان
ہر کان کی ہے زلفِ شبِ دور نگہبان
دل جن سے خبر ہو کیا اس کا ہے امکان
آیات و احادیث کا اس رہ سے گزر ہے
دل کعبہ ہے ہر گوش اسی کعبے کا در ہے

۷۷

اب چشم کی روشن کرو دل رکھ کے حقیقت
صانع سے ہو بے خوف کی اس نفع کو دقت
فارض ہوا ناظر کی حفاظت
ہے پیش سے جو پردہ میں نظر آتی ہے صورت

ہر دم نظرِ بد کے نگہباں ہیں فرشتے
ناظر کے لیئے حافظِ قرآں ہیں فرشتے

۷۸

مردوں کا یہ مگر تشنہ دہانوں کا ہے مجمع
اس چشمے پہ جنت کے جوانوں کا ہے مجمع

۷۹

ہیں تازہ بنے اور بنائے قضا ہے
اور بھی کے پھولوں کا تو کچھ رنگ بیاں ہے
کھلا گیا کوئی تو کوئی تازہ کھلا ہے

مرجھائے ہوئے پھولوں سے ہمدوش ہیں کلیاں
گل ہنسکے جو مرجھائے تو خاموش ہیں کلیاں

۱۴۱

واں رکاب میں پاؤں دھرا یاں دل میں تھرکا
بنتا ہوا چلتا ہے کس انداز سے دیکھو

اور یک بیک اچھل گیا ہے دولھا کی سواری
گھونگھٹ کیے آتی ہے دلھن ناز سے دیکھو

آتا ہے ذرا جھومتا پاؤں جب اس رن

۱۴۲

کس شان سے شوخی سے تڑپتا ہوا نکلا
اخلاص سے سورے کئی دم کر کے پڑھے ہیں

ارمان بھری بیوہ کے پیارے ہیں رن میں
یہ نام خدا پہلے پہل رن پہ چڑھے ہیں

وا حسرتا ماؤں کے جنے ہیں رن میں

۱۴۳

کس ناز سے بیٹھا ہے جو ہر دم ہے اکڑتا
خوشبو جو اڑاتی ہے صبا جامۂ تن سے

اعدا کے لیے نعل ہے خنجر کا نمونہ
فردوس کے پھولوں کی مہک آتی ہے رن سے

رفتار ہے یا فتنۂ محشر کا نمونہ

۱۴۴

ہے آل نبی جو سر گذشتہ زمانہ
دہشت سے بھرے قدم ہیں آرام تب ہی

موسیٰ کو بھی یہ نعت سے نہ پائی ہوگی
گھر کر کوئی دور تک طرف ہے کوئی آری

خود آپ ہیں اس رن میں آنکھوں کے دوانہ
گردنوں میں پیچھے بکتے ہیں شمشیر سپاہی

کہتے ہیں جسے سب یہ وہی ہے درِ یگانہ

۱۴۵

بیتاب ہے دل بس کسی پہلو نہیں چلتا
ہستی نہ عدم ہے نہ زمیں ہے نہ زمن ہے

باگ انکے جو ہے ہاتھ میں قابو نہیں چلتا
رن بولتا ہے آمد دلبندِ حسنؑ ہے

۱۹

ہر ایک کو تشویش تھی ہر ایک کو دھڑکا
جو شعلۂ حسن آلِ محمدؐ کا بجھا
کر کے یتیموں سے آغاز کیا فوج میں کرکا
ہر سینہ میں ہر طائرِ جاں خوف سے پھڑکا

نامردوں نے دیکھا جو ہیں جرار کا چہرہ
بس زرد ہوا فرقۂ اشرار کا چہرہ

۲۰

پہنچے جو قریں فوج کے سردار کو روکا
اور فوج سے کہا کہ سرِ دار کرو کا
گھر سے ہیں مہمان بلا کر دیا دھوکا
دنیا میں مگر تو بھی ہے ابلیس کی خالہ

پہلے تو بلایا ہمیں یاں مکر و دغا سے
جب آئے تو محروم رکھا آب و غذا سے

۲۱

نانا مرے بابا کے رسول دو سرا ہیں
مشہور دو عالم میں جو یہ خوب خدا ہیں
دادا مرے شہ بخشنے والے کشا ہیں
دادی مری ہیں فاطمہ جو حور لقا ہیں

اک عم ہیں حسینؑ ایک علمدار جری ہیں
بابا مرے مسموم حسنؑ ابنِ علیؑ ہیں

۲۲

ظاہر ہے شرف ختم ہوا اس گروہ پر
قائم ہے ملک سلسلۂ دورِ امامت
جب یہ بھی ہوا ختم تو ہے ختمِ نبوت
الفاتحہ پڑھ لے قیامت ہے قیامت

آمد کی خبر سے ہوئی آباد یہ دنیا
دنیا سے اُٹھے جب ہوئی برباد یہ دنیا

۲۳

محمود ہوئی کفر و ضلالت سے جو مسند
ہم پر وہ ہوا سرورِ آفاق سوا تنگ
ایماں کو بلندی ہوئی اور کفر کو پستی
بت خانوں میں ہونے لگی اللہ پرستی

توحید کے اقرار کا غل پہنچا فلک تک
تکبیر کے نعروں کی صدا گوشِ ملک تک

۲۴

کفر اور ضلالت کا جو چھایا ہوا ابر
اسلام کے پودے پہ بھی بہتان سے گرد
جرأت سے زیادہ وہ مخالف سے گرے جب
اس قوت و طاقت پہ اُٹھایا کیے یہ جبر

بے حکمِ خدا ایک قدم پر نہ اُٹھایا
سر طاعتِ معبود سے دم بھر نہ اُٹھایا

۲۵

افسوس ہے ہوا دین ریاضت سے ہماری
اللہ کو بھلایا ہدایت سے ہماری
بنیاد دی کفر کی قوت سے ہماری
کامل ہوا اسلام خباثت سے ہماری

ہر حال میں اللہ کی امداد ہوئی ہے
دیکھو تو کہاں پہنچے ہیں جب یاد ہوئی ہے

۲۶

افسوس ہے تم لوگ عبث سنتے ہو ہر گاہ
اللہ سے واقف ہو نہ پیمبر سے ہو آگاہ
ہم لوگ ہیں اس ذریت پیغمبر ذیجاہ
بندوں میں نظر کردہ اللہ ہیں بالتبع

ہم باعث ایجاد کل اے قوم لعیں ہیں
بس یاد رہے مالک لولاک ہمیں ہیں

۲۷

افسوس کہ دل میں ذرا اپنے نہ ڈرا را
دریا کیا یا مالک کوثر سے نہ ڈرا را
اور دور تراوی سے ہے ریتی میں اتارا
ہمان کی تلف ہوئی تمسک گرارا

فاسق کے لیئے دین کے رہبر سے لڑائی
تم لڑتے ہو اللہ و پیمبر سے لڑائی

۲۸

افسوس ہے سرداروں کو بھلا دو گمرہ
اس طفل کی باتوں سے پریشان ہوئے شاہ
کیا ہوئے گا جب ایسکے لڑنے کو نہ دیجاہ
کچھ حاکم شامی کے بھی خطے سے ہو آگاہ

آنے میں قیامت کے ابھی دیر بڑی ہے
حاکم سے پھرے اور اجل سر پہ کھڑی ہے

۲۹

یہ سنتے ہی بس آنکھ جو ان سے ملائی
مردود نے گھبرا کے یہ بات اٹھائی
بس اسکے کہا حکم تو وہ بولا کہ بھائی
دھوکے اسمیں نہیں سچ بڑی ہے لڑائی

دل پھر گیا سب فوج کا تشویش بڑی ہے
وہ سامنے قاسم ہیں اجل سر پہ کھڑی ہے

۳۰

افسوس ہے ہر فوج ہوئی سر بگریباں
اور رعب سے ہر اک مفر و بیقرار ہیں
نزدیک تھا میدان وفا سے ہوں گریزاں
اس دم پہ سر سعد ہوا بخت پریشاں

۳۱

میں فوج میں تجھ سے کوئی بہتر نہیں رکھتا
تو نام جواب اپنا ہمسر نہیں رکھتا
جرأت بھی کوئی تیرے برابر نہیں رکھتا
دشمن کے بدن پر تو کبھی سر نہیں رکھتا

شہرہ ہے شجاعوں میں بڑا نام ہے تیرا
یاں کام کسی کا نہیں بس کام ہے تیرا

۳۲

یہ سنتے ہی فوراً کو بول کر وہ پکارا
اس قدر شناسی سے تو بہلوں کا ہے مارا
نیزہ نہیں اس طفل سے ہوگا آرا
یہ جنگ تو کرنی نہیں کہتا ہے کنارا

میں ایسی لڑائی نہ لڑوں گا نہ لڑا ہوں
ہاں سیفِ خدا آئیں تو سر گرم وغا ہوں

۳۳

بولا وہ بہتی خیبر سے کچھ جھگڑا زباں تھا
لیکن دلِ شیر سے اے مالکِ مصحف
یہ شیر بھی فرمانِ الٰہی کا ہے مرغام
ان شیروں سے جرأت کا نہ ہو تجھ کو توہم

توصیف خدا کرتا ہے قرآن میں ان کی
نازل ہوئی ہے نادِ علی شان میں ان کی

۳۴

تو جنگ سمجھتا ہے ارے لڑنے کو جی کا
یہ زیر میں اژدھے ہیں نہ شیر ہیں نر سے
لاکھوں سے لڑا ایک میں نے سر بسر ہوا ہے
یہ بہیں لڑے ہیں جو اس نر سے

روشن ہے سو ابدر سے خیبر کی لڑائی
مرحب کی لڑائی ارے عنتر کی لڑائی

۳۵

میں سمجھا تھی بات مرے ذہن میں آئی
دشوار ہے فتح دل شیر سے لڑائی
اس واسطے جیدل کیا یہ بات بنائی
موقع یہ لگا کہنے جو انات بڑائی

پھر مرد اُسے اہلِ ہنود نہیں کہتے
ہو لاکھ بہادر تو بہادر نہیں کہتے

۳۶

اس نے کہا یہ سب ہی پر اس میں کر غرور
وہ اُن کا زمانہ تھا مگر اب ہے مراد دور
ماضت ہوں میں تیرا ہوں محکوم بہر طور
دے اذن کوئی حکم بجا لاؤں بخدا نور

میں عذر نہیں کرتا کسی خوف و خطر سے
لڑنے کے لیے آیا ہوں اس دشت میں گھر سے

۳۵

اس طفل سے بڑا نامور ہے مرا ادھار
اصرار ہے اس پر بھیجئے اور کو ہے اختیار
اب میری خوشی کر لیا ہوں اس فوج کے سردار
موجود ہیں اس وقت یہاں سیکڑوں سردار

اُن میں سے ابھی بھیجتا ہوں ایک پسر کو
وہ کاٹ کے لا دیتا ہے نوشاہ کے سر کو

۳۶

اک بیٹے کو بھیجا اس نے انار سے بھر کے
یہ سنتے ہی آیا وہ شتابی سے بپھر کے
اور حضرت سے ہوا مصروف مقابل ہو اڑ کے

کہنے لگا تم کون ہو کچھ اپنا پتا دو
گمنام نہ مٹ جاؤ مجھے نام بتا دو

۳۷

قاسم نے یہ فرمایا کہ اے شاہی گداؤ
مرنے کے لیے تم نے بنایا ہمیں دولہا
شادی ہے ہماری ابھی ہونا ہے بیاہ
جلدی ہوں نثار قدم سید ذیجاہ

سر راہِ خدا میں ہے فدا کرنے کی شادی
اس شادی میں ہم کو ہے فقط مرنے کی شادی

۳۸

اور سر پہ نظر آتا ہے یہ ہر وقت جہادی
کہتا ہوا طائف ہے ترا رات کو شادی
جاگے ہوئے ہو رات کے آنکھیں ہیں خماری
سسرال سے آئے ہو ابھی وقت سواری

سب کہنے کے ارمان کو بیہمات مٹا کے
لائی تمہیں مرنے کو اجل دولھا بنا کے

۳۹

کمسن ہو مگر کھیل سمجھتے ہو وغا کو
اور کھیل کی جا جانتے ہو شدت بلا کو
پیتے ہو سمجھتے ہو نہ تم اور نہ قضا کو
ہاتھوں سے ابھی پھینکتے ہو دور دبا کو

ظاہر ہے کہ مرنے کے لیے آئے ہو رن کو
کیوں بیوہ بناتے ہو بھلا تازہ دلہن کو

۴۰

خالق کی عنایت سے تو ہے عقل میں کامل
کاذب ہے ترا دین عقیدہ ترا باطل
تو جانتا ہے اس کو وہ ہے بے مثل و بے زوال
ہے کون ہے یاں کارواں بے برگ و نوا کی منزل

ہستی ہے سرا اور عدم گھر ہے ہمارا
سرہانے پہ ہے قبر میں بستر ہے ہمارا

واقف نہیں نوجیف مرے نام و نسب سے
اشراف ہوں میں شہر کے مشہور زمانہ
اک بندۂ اللہ ہوں پر فخر زمن ہوں
شبیرؑ کا فدیہ ہوں جگر بند حسنؑ ہوں

اس طرح سے بے ساختہ چلا اٹھے مرحوم
ارے شفی کے ہوا ان کے میں تلاطم
ازدق سے جو دیکھا کہ ہوا ظفر مجسم
یوں دوڑ پڑے بیٹے ہوا گرم تکلم

آتش مرے سینے کی بھڑکتی ہے بجھا دے
سرکاٹ کے اس طفل کا جلدی مجھے لا دے

کون ہے وہ بولا کہ ازرق کا پسر ہوں
اس نخل شجاعت کا میں اک تازہ ثمر ہوں
کہتے ہیں سپاہی جسے وہ ابن سمر ہوں
بچپن میں تلواروں سے کھیلا ہوں نڈر ہوں

اب تازہ دلھن دست تاسف کو ملے گی
یہ بولے کہ کھل جائیگا جب تیغ چلے گی

خاموش ہو کب تک ارے بیوہ کرانی
مارو نہ عورات کی لڑاتے ہیں زبانی
لاجرعہ کوئی جرب زبانی تو دکھانی
یہ سنتے ہی مردود نے تلوار لگائی

خالی دیا اُس وار کو نوشاہ نے ہٹ کر
پھر ہاتھ وہ مارا کہ شقی دو ہوا کٹ کر

پہنچا جو فرس پر سے ہوا رہوار کو ڈالا
اک ہاتھ میں لی باگ نواک ہاتھ میں بھالا
نوشاہ کو حلقے میں لیا بن گئی ہالا
جھکے سے فرس کو جو دلاور نے نکالا

رہوار کے اُڑتے ہی ہوا ہوش ہوئے تھے
سارے سپہ جنگ فراموش ہوئے تھے

شعر

پھر کیا کیا آغاز نظر آنے فضا کے
ازدق نے کہا دیکھ سنبھل دار بچا کے
پھر فتح ہیں گھوڑے کو بڑھا کے
فرمایا کہاں جاتا ہے اب بندہ ترا کے

پھرتا تھا وہ مارا کہ رہا تسمہ نہ بالی
دوزخ میں ہوا جا کے برادر سے ملاقی

شعر

پھر تیسرا اظلم بھی وہیں بر فرس آیا
اس کو بھی طرح مرگ نے منزل میں نکل آیا
اور ساتھ ہی مردود کے بیٹا بھی چلا آیا
پہنچا ہے جہاں پہنچے کا سر پیچھے چلا آیا

سر دھڑ سے گرا دو، نہ زخم آیا بدن پر
دھڑ لوٹتا تھا ضربت دلبند حسنؑ پر

شعر

یہ دیکھتے ہی جوش سے بھر لائے کمانیں
دوڑا سے ازل ہو لی شکار اب کا لانیں
آتے ہی جو آغاز کی خالد نے کمانیں
اک ہاتھ میں تھی اسکے تن تیغ عدو شکن

لشکر میں ہوا غل یہ تماشا نہیں دیکھا
یوں گرتے ہوئے لاشے یہ لاشا نہیں دیکھا

شعر

احسنت کا سب فوج نے جو شور مچایا
ازدق عرب شرم ندامت میں نہایا
سر کاٹ کے فرزند کے گھوڑے کو بڑھایا
مرکب کی جو ٹاپوں نے کچلا سر کو آرائی نہ پایا

سردار سے گویا ہوا گھوڑے کو بڑھا کے
میں خاتمہ اس طفل کا کر دیتا ہوں جا کے

شعر

ثابت کے بڑھا نیزہ اڑاتا ہوا آیا
بیٹوں کی جدائی کا تھا قلب پہ طاری
غصے سے بھرا بپھرا تھا اک حملہ میں جاری
بس نیزے کی انی ہی تھی آنی تھی ہماری

فرزندوں کے مرنے سے نہیں نور نظر میں
اندھوں کی طرح ڈھونڈھا انہیں جا کے سقر میں

شعر

ہاں ذہن رسا یہ سخن نغز ہو کہاں کا
سب سحر کہ رزم طبیعت نہ دہل جائے
قبضے کہیں سیف زبانی کا نہ چھل جائے
ہو یک خود اولی بڑھے سنبھل جائے

موزوں کوئی الجھی ہوئی گفتار نہ ہوئے
مضمون نہ لڑے لفظوں میں تکرار نہ ہوئے

۵۴

یہاں اب نظر غور سے نظارہ ہے لازم
ہے دیکھو وہ میدان وہ اندوہ ہے قائم
یہ گلزار نہیں دشت ہیں سیراب وہ عالم
اور جام و صراحی ہے نہ ہمراہ ہیں خادم

غربت میں بھی حاصل اُسے راحت ہے وطن کی
یاں پیش نظر تشنہ لبی شاہِ زمن کی

۵۵

اس شان سے دولھا کے نظر آئے ہیں دولھا
بیٹوں کی طرف سے ہے دل سینے میں کھٹکا
ظالم ہے خزاں کر گئی رخصت ہوا بادل
اب دور میں ہے غربت سے غریبی کی طرح بس

شعلے کی طرح سُرخ ہیں میخوار کی آنکھیں
خوں روتی ہیں یا ظالم غدّار کی آنکھیں

۵۶

دولھا سے یہ غربت کہا تو رو کے یہاں سے
بیٹی یہ نہیں ہے تیرا ماں باپ جہاں سے
جاؤ گے کہاں اب مرے بیٹوں کی اجل سے

دل بیٹوں کے غم سے مرا ناسور ہے قاسمؑ
اب زندہ بچو تم یہ بہت دور ہے قاسمؑ

۵۷

طاقت نے قوی نام کو اور زور کے شایا
بیرام کو اور اوس کے ہمراہیوں کو کھایا
اوس آیا تو کوئی پیش نہ مقابل نہیں آیا
اور آیا تو پھر اوس کو پھڑکنے نہ دیا

جرار مرے سامنے رن چھوڑ کے بھاگے
شیرانِ ژیاں خوف سے بن چھوڑ کے بھاگے

۵۸

ان باتوں سے کان اپنے کو اوس نے نہ دھرا
غیظ آگیا خنجر کو زمیں پر دے مارا
فرمایا غلط جھوٹ سراسر ہے یہ گفتار
بندوں سے لڑی ہے کبھی اللہ کی سرکار

بندوں سے لڑا شانِ خدائی نہیں دیکھی
حیدرؑ کے گھرانے کی لڑائی نہیں دیکھی

۵۹

عالم میں ہے مشہور یہ میدان کی طاقت
تو نے بھی سنی ہوگی جو بندوں کی حکایت
سمجھے ہیں اسے نیزہ کی اللہ کی قدرت
بندوں کی کہاں اب یہ لڑائی کی قوت

تھا کفر کا غلبہ جو پیمبرؐ ہوئے پیدا
بُت توڑنے کو کعبہ میں حیدرؑ ہوئے پیدا

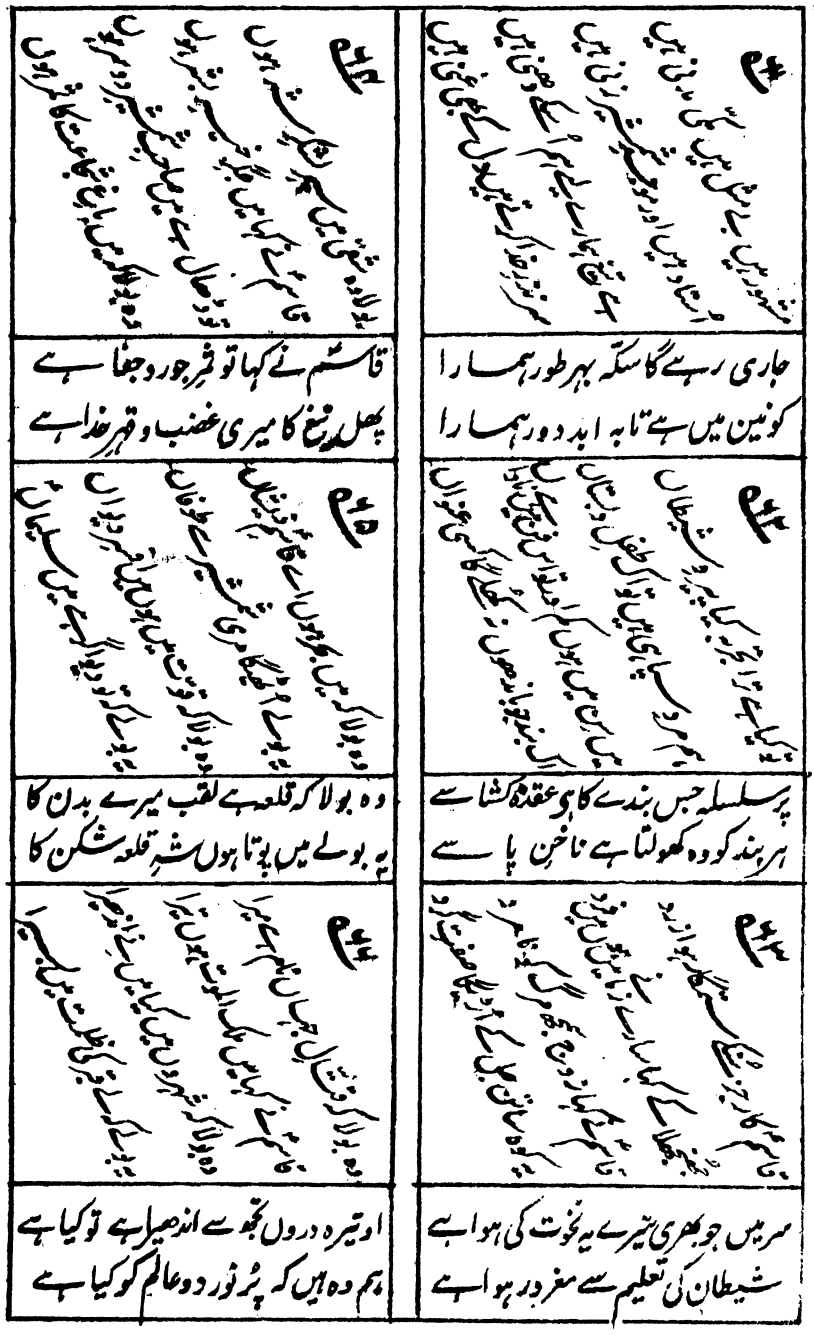

۴۳
قاسم کا جو شنکھ سے مقابلہ ہوا زبد
سنکھلا نے کہا سارے زمانہ میں ہے مشہور
قاسم نے کہا زور مجھ مرگ کو ظالم
یہ کوہ سا تن جل کے ہوا صفحۂ گرد

سر میں جو بھری تیرے یہ نخوت کی ہوا ہے
شیطان کی تعلیم سے مغرور ہوا ہے

۴۴
تو کیا ہے ترا جور کیا پیرو شیطاں
ہم مرد خدا ہیں تو اک طفل دبستاں
میں سن میں ہوں کم اعتقد اس فن میں ہیں یکتا
اک سنبلہ باندھوں نہ کھلے گا کسی عنواں

پر سلسلہ جس بندے کا ہو عقدہ کشا سے
ہر بند کو وہ کھولتا ہے ناخن پا سے

۴۵
وہ بولا کہ میں جوہوں اے قاسم فرخندہ
یہ بولے میں ہوتا ہوں شہ قلعہ شکن کا
وہ بولا کہ قلعہ ہے لقب میرے بدن کا
یہ بولے کہ تو دیو اگر ہے میں سلیماں

وہ بولا کہ قلعہ ہے لقب میرے بدن کا
یہ بولے میں ہوتا ہوں شہ قلعہ شکن کا

۴۶
وہ بولا کہ قاسم ہے مرا نام گرامی
قاسم نے کہا میں ملک الموت ہوں تیرا
وہ بولا کہ شہروں میں کیا میں نے ہے ویراں
یہ بولے کہ قبروں کی ظلمت میں ہے بسیرا

او تیرہ دروں تجھ سے اندھیرا ہے تو کیا ہے
ہم وہ ہیں کہ پُر نور دو عالم کو کیا ہے

۴۷
جاری رہے گا سکہ بہر طور ہمارا
کونین میں ہے تا بہ ابد دور ہمارا

قاسم نے کہا تو ہے جو رو جفا سے
پھل دینے کا میری غضب و قہر خدا ہے

۴۸
بولا وہ شقی میں ہوں ستمگار شقاوت
قاسم نے کہا میں ہوں جگر خستہ و رنجور
تو دشمن جاں ہے میں ہوں بیمار محبت
وہ بولا کہ میں تیشۂ بیداد و ستم ہوں
یہ بولے کہ میں باغ شجاعت کا ثمر ہوں

۶۶

کہا یہ سن کے حسن بولا بھتیجے وہ تلوار
اور پیاسا تھا لب خشک میں غش کھا کے گرا بھاری

پیاسا ساہوں مگر بہرِ عدو سیلِ فنا ہوں
بھوکا ہوں تو ڈر مجھ سے کہ میں شیرِ وغا ہوں

۶۷

وہ بولا کر سکے ہے مری تیغ کا جاری
یہ بولے کر کیا کہتا ہے بیہودہ قماری

ہم نذرِ خدا کرتے ہیں خود کاٹ کے سر کو
چہرے پہ لیا کرتے ہیں نامرد سپر کو

۶۸

مشہور جو قوسِ قزح و کہکشاں ہیں
دونوں اسی شمشیرِ دو پیکر کے نشاں ہیں

تھک تھک کے ہوا سست خطا کار کا بازو
بیکار ہوا شل ہوا بیکار کا بارو

۶۹

قاسم سے کہا کاوے پہ رہوار لگا کر
دکھلائیے ہاں اپنا ہنر وار لگا کر

میدان میں ہر دعوائے بد ذات تھا جھوٹا
سچا تھا جو ظالم کا وہی ہات تھا جھوٹا

۳۶۳

پھر شاہ نے ناری سے لیا حلقہ کمان کا
چلّے سے جو فوراً ملا تیر دماں کا
چلایا کہ اب دیکھو تو کیا ہوتا ہے واں کا
یہ تیر ہے یا موت ہے یا موت کا ہے تیر

۳۶۴

چھپ جائے کوئی جا کے اگر قاف کے اندر
جاں بر نہ ہو اس تیر سے پر قاف کے اندر

۳۶۵

فرمانے لگا شہ سے کہ ہاں بھیجئے اس میں
ارزاں ہے بہت بھی مرد و نہیں چھوڑتا اس میں
تو کیا کہ ہے یہ لاف زنی سب تری عادت
یہ سنتے ہی یہ کمان کی بارش کی بگڑ گئی

۳۶۶

نوشاہ کے صدقے ہوئے چوگرد پھرے تیر
دیکھی جو چمک تیر کی پرکٹ کے گرے تیر

۳۶۷

گھر گرگس کو بھی خالی جو خطا کار نے پایا
گھبرا گیا اور گرد پھر انبار اٹھایا
غصے سے بھبھک کر سر افلاس پہ لگایا
یہ تیر گیا پھر نہ پلٹ کر وہ منہ کے آیا

۳۶۸

خالی جو گیا وار تو گرز آیا زمیں پر
لنگر سے شقی جھک گیا خود خانۂ زیں پر

۳۶۳

نوشاہ سے فوراً ہوا کیا نعرہ تکبیر
فرمایا کہ تیر دار ہو کیوں مجھ سے بے پیر
کیا ملتا ہے گھوڑے سے گرا کر مجھے دلگیر
سب جوڑ بدن ہو گئے ٹوٹے ہوئے سارے

۳۶۴

اب دیکھنا جو کرتی ہے تلوار ہماری
اک ہاتھ میں دو کرتی ہے تلوار ہماری

۳۶۵

وہ زیں پہ سنبھلا تھا کہ ہوا وار ہوا پے
یہ تیغ جری خون عدو کی تھی جو درپے
یہ موت بھی اس سے لگے ہاتھ کیا ہے
وہ ہو کے گرا وہ بھی چلی یہ بھی چلا پے

۳۶۶

اُس کوہ سے پیکر کا نیا ڈھنگ بنایا
رہوار اور اسوار کو چوں رنگ بنایا

۳۶۷

میداں میں کھڑا دیکھتا فوج کا لشکر
جب ازرق شامی کو کیا آپ سے افگن
چلّا کے کہا فوج سے ہشیار جسے دار
موقع ہے یہی وقت نہ دو پھر یہ زنہار

۳۶۸

شل ہو گئے ہیں ازرق شامی سے یہ لڑکے
اک مرتبہ سب ٹوٹ پڑو تیغیں پکڑ کے

۷۹

یہ سنتے ہی گرد اُٹھ جفاکار ہزاروں
ہر سو سے بڑھے کھینچے تلوار ہزاروں
پیدا ہوئے اک دم کے خریدار ہزاروں
بیچا تھا کہ پھولوں ایک خدا اور خریدار ہزاروں

۸۰

مسابان ہوئے قتل جگر بند حسنؑ کے
اور جیمے میں دھڑکن ہوئی واں دل کو دھڑکن کے

۸۱

مطلع

جب خانہ میں گھوڑے لگے دلبند حسنؑ کے
تلواروں سے ٹکڑے ہوئے اس دین و فا کے
اور ان سے خاک میں ملی شمشاد قدوں کے
یاں بال کھلے جیمے میں اک شور بکا کے

واں خاک پہ ہوا رسے قاسم گرے رن میں
یاں حشر ہوا خیمۂ سلطانِ زمن میں

۸۲

یہ سنتے ہی خیمے میں بپا ہو گیا ماتم
اور لاشۂ قاسم پہ چلا سید اکرم
ہمراہ ہوئے اکبر و عباس و علی اعظم
جب پہنچے سر لاشۂ قاسم پہ آیا عالم

فاقے کی شکایت نہ غم تشنہ لبی ہے
بس دردِ زباں ابنِ علیؑ ابن علیؑ ہے

۸۳

رہوار سے گرتے ہی یہ حضرت کو پکارا
جلدی سے آئے آقا میں بے جس نے مارا
آمادہ ہے لشکر ہے فوج ستم آرا
یاں کر میں اب لاشہ نہ ہمارا

ہم زخمی ہیں اور ایک بیاباں پہ پڑے ہیں
گھیرے ہوئے ہر سمت سے سو رکھے ہیں

۸۴

یہ سنتے ہی گرنے سے زیادہ ہی بیقرار
لاشے سے لپٹ کر شہ ذیجاہ بیکار
روتے تھے عمو آ میں قربان نہ مار سے
تو بھی تھے عمو تو کو کہاں چھوڑ کے پیارے

سہنے کے لئے رنج و تعب آئے ہیں قاسمؑ
اک ہم کو پکارا تھا یہ سب آئے ہیں قاسمؑ

۸۵

اے ابن حسنؑ بیوہ کی بیری کے سہارے
تنہا ایک جہاں دیدہ ترین ہے ہمارے
چھینے ہوئے ہو کیوں ہم سے ہمارے
تم آنکھ کے تارے ہو ہمارے

مشتاق لقا گنبہ کے سب چھوٹے بڑے ہیں
ہم آئے ادھر وہ در خیمہ پہ کھڑے ہیں

۸۶

یہ کہتے تھے حضرت کہ قضا گرد گئی تھی
عباسؑ پکارے سو سنے کو ترس گئے تھے
اکبرؑ نے کہا باپ سنبھالے نہ سنبھالے
حضرت نے جو دیکھا تو کہا مر گئے قاسمؑ

جنت کو گئی روح واں تن سے نکل کے
اکبرات کے بیاہے ہوئے مہمان اجل کے

۸۷

حضرت کو تو اس واقعہ ہوش نہ غش آیا
ہوش آیا تو یوں روئے کہ گردوں کو رلایا
پھر اکبرؑ و عباسؑ سنے لاش کو اٹھایا
خیمہ پہ نہ پہنچے تھے کہ قاسمؑ نے قضا پایا

ساماں کر و رخصت کا کہ لینے کو دلہن کے
اے بی بیو آتے ہیں جگر بند حسنؑ کے

۸۸

شق سینے تھے ماتم سے گریبان پھٹے تھے
اور گیسو و رخ گرد مصیبت میں اٹے تھے

۸۹

ماں خاک پہ بادیدۂ تر پیٹ رہی تھی
ساس ایک طرف سینہ و سر پیٹ رہی تھی

۹۰

کہنے کے نہ رونے کی نہ دولہا کی خبر تھی
پر حد سے زیادہ طپش قلب و جگر تھی

۱۴۱

باجوں کی صدا کان میں آتی تھی جو رن سے
گھبرا کے کبھی پوچھتی تھی بھوئی بہن سے
صغرا کا ہے کیا حال کوئی آیا وطن سے

کیوں روتے ہیں سب حال مرا غیر ہے بی بی
یثرب کا ہے کیا حال یہاں خیر ہے بی بی

۱۴۲

بولی یہ سکینہ کہ قسم اپنی بہن کی
سب کہتے ہیں یوں بانو بھی اچھی ہے دلہن کی

بخلاوہ سب کہتی دلہن حسن کی
روداد مفصل نہیں معلوم ہے رن کی

کیا جلد رچا بیاہ اُجڑ جانے کو افسوس
یہ پھول کھلے سہرے کے کمھلانے کو افسوس

۱۴۳

دل کھول کے رولو کہ سفر کر گئے دولھا
کیا قہر ہے چُپ بیٹھی ہو تم مر گئے دولھا

۱۴۴

صدقے گئی سب غم سے پریشان نہ ہوتے
کچھ خیر اگر ہوتی یہ سامان نہ ہوتے

۱۴۵

بیتاب مگر غم سے ہر اک چھوٹا بڑا تھا
دیکھا تھا وہ تم نے بھی جو کہرام پڑا تھا

۱۴۶

رنڈیاں سہاگن کی طرح بھوبی کو تھا بھایا
اب حال نہارا وہی قسمت نے دکھایا

اور خاک کا جھابا بوبی ماتھے پہ لگایا
سر کھولے کھلے بالوں کو بیتاب بنایا

۱۴۷

مسند پہ شہِ دیں نے رکھے لاش کے ٹکڑے
پامال ہوئے تھے تنِ صد پاش کے ٹکڑے

۱۴۸

آنکھوں سے لگے پھرنے گی دنیا کی تصویر
پہچانے سے کہا اتنا کہ جو آتش تقدیر

کبرا کے جگر کیا ہوا من سینے پہ یہ تیر
سنسنے سے قریب لاش کو لائے شہِ دلگیر

۹۶

الفقصہ کر اس لاش کو مسند پہ لٹا کر
روتے ہوئے مقتل سے چلے گھر کو پھر آکر
اس لاش پہ زینب نے فغاں ڈال کے چادر
کبرا سے یہ فرمایا کہ اب بین کرو مضطر

۹۷

کیا شرم کا موقع ہے سفر کر گئے دولھا
صدقے گئی تم کھولدو سر مر گئے دولھا
دل رنج و الم سے ترا بیچین ہے کبرا
جو منہ سے ترے نکلے وہی بین ہے کبرا

۹۸

کیا دولھا دلہن سے اب شرم ہے گھونگھٹ کو ذرا کھولو
جو دل پہ گزرتی ہے مری جان بتا دو
اب ضبط کا تم صدمے پہ صدمہ نہ اٹھاؤ
یوں منہ صفت اشک نہ آنکھوں سے بہاؤ
تقدیر کو بی بی تن صد پاش پہ رو لو
دل کھول کے لو بین کرو لاش پہ رو لو
کیا کہکے تمہارے تن صد پاش پہ روؤں
کس بین سے صاحب کو بھلا لاش پہ روؤں

۹۹

کبرا نے اشارہ کیا مادر کو بلا کر
منہ دیکھوں میں دولھا کا چادر تو ہٹا دو
رو کر کہا زینب نے کہ بھائی ادھر آؤ
داماد کا منہ آکے بیٹی کو دکھاؤ
تقدیر میں چوتھی کا نہ تھا چاے کا جوڑا
تم آکے پہناؤ انہیں رنڈسالے کا جوڑا
تنہا رہوں یا فاطمہؑ کی آل میں صاحب
میکے میں رہوں یا رہوں سسرال میں صاحب

۱۰۰

ماں سنکے جو ڈولی کے اٹھانے کی خبر کو
خاتون قیامت کے ہوا گنگنے میں محشر
منھ نوچ لیا اور گلے کا ہار توڑ کر
بانو نے کہا بین کرو کھول کے اب سر

سلام

سب کہتے ہیں بیکار ہے تجھ کو بڑھاوا
اور بال پریشاں کرو افشاں بھی چھڑاؤ
نظر انداز ہوئیں انگوٹھوں کی شکل بناؤ
کچھ چین نہیں آتی مجھے تدبیر بتاؤ

کس طرح رہائی ملے قیدِ غم و ہم سے
صاحب سلے دو بے رنج یہ سب چھوٹ کے ہم سے

سلام

بیٹی کو لگے تر نہ شدھر ہن ولد سے میت
جیتی رہی روسنے کو لیں بیٹا سے میت
مکروہ ہوا ہر عضو بدن ڈالے میت
پامال ہوا پھول سا تن خاک سے میت

اعضا جو پریشاں ہیں بہم کر نہیں سکتے
افسوس تمہیں دفن بھی ہم کر نہیں سکتے

سلام

خاموش بقا بزم میں ہے گریہ و زاری
خالق سے یہ کر عرض کہ اے غفار باری
درگاہ میں تیری ہے اب عرض ہماری
احکام متی ہے تو اب ہوں جاری

ہو عمر کی اقبال کی دولت کی ترقی
ہو جاہ کی حشمت کی ریاست کی ترقی

مطلع

مشہورِ جہاں خاکِ شفا خاک ہے کسکی

مصنفۂ

جناب منشی محمد اسمٰعیل حسین صاحب منیر مرحوم

بند ۹۱

۱۳

کس خاک میں نہیں ہے تجلی ترا ظہور
ذرہ ہو یا کہ مہر ہو قطرہ ہو یا کہ بحر
اور خاک بسر کسے لیے عرش پہ ہے سریر
آلودہ کس کی خاک رخ خاکی قبا ہے
فردوس کا جو باغ ہے وہ داغ ہجر ہے

ہنگام بہار آئی خزاں کس کے چمن میں
کس کا وہ مرقع تھا کہ جو مٹ گیا رن میں

۱۴

مشہور جہاں خاک شفا خاک ہے کس کی
امراض سبھی کی دوا خاک ہے کس کی
اور بعد شفا آب بقا خاک ہے کس کی
سب ایک طرف نور خدا خاک ہے کس کی

کس خاک کے ہر ذرہ سے پُر نور جہاں ہے
کس خاک میں اللہ کا خورشید نہاں ہے

۱۵

وہ نور خدا کون سے بھاگ ہے جس کی
شکتی سمواتی میں یہ قدرت ہے کسی کی
جانبدی جہاں بخش یہ طاقت ہے کسی کی
کس گنگا دھر کو سر کار ہے کس کی

کس قبر کے زائر کی قبا سیتے ہیں ایلے
کس خاک پہ مر مٹنے کے لیے جیتے ہیں ایلے

۱۶

کس پھول نے پت جھڑ کا مزا چکھا ہے بہر میں
کس عرش سے پرکاش ہے کس تارہ کا بھاسور
کس گھر میں ہے آنند کا بدھاوا سدا بھرپور
کس باغ میں یوں مرغ سحر نو کا ہرا ہے

ہر شاخ پہ بلبل کے ہیں دو چار ہزاروں
کس باغ کی کوئل کی ہیں یہ کوکیں مدھ بھری
کس دیس کے یہ ہنس ہیں یہ کس دیس کے سارس
کس دیس کے یہ ہنس ہیں یہ کس دیس کے سارس

ملبوس حرم فرش عزا خانہ ہے کس کا
تسبیح ملک عرش پہ افسانہ ہے کس کا

۱۷

کس گیان کی گنگا ہے کہ جس کا ہے یہ ساگر
کس گیان کی گنگا ہے کہ جس کا ہے یہ ساگر
کس گیان کی گنگا ہے کہ جس کا ہے یہ ساگر
کس گیان کی گنگا ہے کہ جس کا ہے یہ ساگر

سب تعزیہ ہر سال لیا کرتے ہیں کس کا
پرساشہ مرداں کو دیا کرتے ہیں کس کا

۱۸

کس پھول نے پت جھڑ کا مزا چکھا ہے بہر میں
کس عرش سے پرکاش ہے کس تارہ کا بھاسور
کس گھر میں ہے آنند کا بدھاوا سدا بھرپور
کس باغ میں یوں مرغ سحر نو کا ہرا ہے

کس پھول نے پت جھڑ کا مزا چکھا ہے بہر میں
مشتاق ہے جو شیشہ دل سنگ زنی کا

۸

کس طن کی کشتی کا لگر یہ خاطر خواہ ہے
جوشن جو ہوا تیروں سے وہ جامہ ہے کسکا
کس مالک دارین کا برباد ہوا گھر
سہرہ جو بنا کٹ کے وہ عمامہ ہے کسکا
جو جیغ الم گرن ہے عالم کے جگر پر
جو تاج ملک فرش کو زینت ہے اثر پر

۹

کانوں میں جو بالیاں علی کے یہ اثار ہے
جس پیاسے کے حلقوم پہ تلوار چلی ہے
کونین میں مشہور ہیں یہ واقعہ سارے
وہ شاہ شہیداں وہ حسینؑ ابن علیؑ ہے
اب وقت وہ پہنچا ہے کہ مرنیا لکھے کسکے
بیاختہ ہر شیعہ جیدر یہ پکارے

۱۰

مظلوم ازل حامی دین مالک دیں
سلطان ابد ہادی کل کشتی شفقت
شہزادۂ حور و ملک و آدم و حوا
زیر تخت و آرزوئے حیدر و زہرا

شمع حرم و مقصد محبوب الٰہی
مطلوب خدا اُس کا وہ مطلوب الٰہی

۱۱

بنسلا وہ ہے کس وطن آوارہ کا شاہ
ماں باپ ہو جو سم ایماں سے کہا یا
کیوں صاحبو شہا ہے وہ فرزند ہے کسکا
ہار اگیا تین شب و روز کا پیاسا

عترت ہے وہ کس کی جو گرفتار رسن ہے
شادی میں جو لوٹی گئی وہ کس کی دلہن ہے

۱۲

مشہور ہے عاشور یہ سم کا فسانا
حضرت کی وہ پیاس اور وہ پانی کا نہ پینا
وہ بے وطنی اور وہ بد گشتہ زمانا
آنا بھی خیمہ میں کبھی لاشوں پہ جانا

بھائی کو کہیں ہاتھ کٹائے ہوئے دیکھا
برچھی کہیں فرزند کو کھائے ہوئے دیکھا

سلام

کہتے ہیں کہ باری علی اصغر کی جو آئی
گہوارے سے غنچہ اسے میدان میں لائی
کہتی تھی کہ اے دادر یں خلق خدائی
بیداد اجل کرتی ہے بانو کی کمائی

ہے ہے کوئی اس درد کا چارہ نہیں کرتا
پانی کا بھی یہ اب تو اشارہ نہیں کرتا

سلام

لشکر کے قریب آ کے پھرے ہاتھوں پہ ہاتھ مارے
بیر حوں کو سوکھے ہوئے ہونٹوں کے دکھائے
فرمایا کہ بچے کی سفارش کو ہم آئے
اللہ کرے کوئی پانی کی بوند اس کو پلائے

اس وقت نہ پیارا کرو معصوم سے پانی
پھر دو گے تو اترے گا نہ حلقوم سے پانی

سلام

دروازے کے معصوم سے گھبرا کے کو دیکھے
اور رخسار پہ گردن کے دھلک جا کے کو دیکھے
ان ہی بند مٹھی ہاتھوں کے ٹھرا کے کو دیکھے
مجبوری سے میرے یہاں سا کے کو دیکھے

پانی کا صلہ حشر میں اصغر تمہیں دینگے
قطرہ جو انہیں دو گے یہ کوثر تمہیں دینگے

سلام

بچا بھی شبیر سینے پہ لگے بے پیر
مارا پسر کاہل مرد و سنا کر یہ
زخمی ہوا بچے کا گلا باز و شکستہ
گر کر گیا دودھ اگلتا ہوا شبیر

دل چاک تھا مولا کا جواں بیٹے کے غم میں
ناسور پڑا یہ جگر شاہ اُمم میں

سلام

مقتل کو چلے لاش پہ شبیر شہیداں
نیزے بھی کھڑے تھے کھڑی سر پہ سناں
لاش اس میں ٹکا کر یہ چلا رستہ ذبیحاں
اے قبر میں تری آیا ترا مہماں

جنت کا شرف عرش معلّٰی کا شرف ہے
گر خاکِ شفا تو ہے تو یہ دُرِّ نجف ہے

سلام

اس وجہ سے تیغ دو زباں ہو گئی بانو
بر دیدۂ جوہر سے بہا اشک مسلسل
گویا ہوئی یوں اس سے خلف اکبر و اصغر
کیا خوب مجھے آج رفاقت کا ملا پھل

تو قبر مری خواہش تقدیر نے کھودی
پر قبر مری نوک سے شبیرؑ نے کھودی

۲۱

نعشِ شیریں کی ہوئی کاہ کنی کے زد پر
قربان مروت پہ تری ساری خدائی
اُٹھ کے مروت ترے اصغر پہ نہ آئی
تصویر بنی سامنے حضرت کے ثنائی

زخمی کیا بچے کا گلا سینہ جواں کا
کھینچو بھی خدارا مجھے اب رحم کہاں کا

۲۲

نعشِ شیریں کی حفاظت پہ شہِ شیر شکار
جھک جھک کے ہوئے قبلہ الٰہی لب گویا
فی الفور کھلے عاشق و معشوق کے اسرار
آئی یہ ندا حاجتِ پرسش نہیں زنہار

غالب ہے یہ الفت تری ہر ایک مدد پر
تو ساتھ مرے روتی ہے اصغر کی لحد پر

۲۳

جب حکم دیا جنگ کا مسجود ملائک
پر نور کیے دیدۂ زیں نورِ خدا نے
الہوت خدا نے کیا لشکر قضا نے
خود اس کے بڑھی نادرِ علی ارض و سما نے

ہاں لاشوں سے رن روحوں سے دوزخ کو بھرو تم
مختارِ بد و نیک ہو جو چاہو کرو تم

۲۴

انوارِ رسالت قدم دارتِ حیدر
اندام زمیں ہفت قبا سے ہوا باہر
ہاتھوں میں لیے کاسۂ خورشید منور
دریوزہ گر نور ہیں عیسیٰ خوش تر

نورِ نظرِ حور کا چہرہ نظر ی ہے
جو خار ہے چشمک زنِ مژگانِ پری ہے

۲۵

گرد رہ سے تیرے ہوئی سرمہ جہاں
ہر گرد و دہن پڑھنے لگا کلمۂ ایماں
اس درجہ ہوا نور سے لبریز بیاباں
ہر مور بنی مورد لطف سلیماں

یہ پاک کیا عکس شہ ارض و فلک نے
کی جمع یتیم کے لیے خاک ملک نے

۲۶

تھا فوج بلند کی میں وہ شہ کا قد بالا
اور سایہ تھا قد پہ رحمت کا سایا
کی سایہ نشینی کی دعا سب نے تمنا
تا روز جزا ہوں نہ دم حشر سے تنہا

کونین تہ ظل ہمایوں جو در آئے
سایہ کے تلے صاف دو نقطے نظر آئے

۲۷

صحرا کا ہر اک ذرہ بنا شعلۂ ادراک
اڑ اڑ کے گئی عالم بالا کی طرف خاک
اک دم میں بنے شیشۂ ساعت خس و افلاک
الفت کی تاثیر غضب یار قدم یار

پکڑا نہ قرینہ روش شمس و قمر کا
ہے ٹھیک حساب آج تلک آٹھ پہر کا

۲۸

یہ دیدبہ مولا کے جو دشمن میں نظر آئے
دہشت سے جزاروں کے بندھے کوچ کے بکرے
بجلی سے بنا تابے ہوئے رنگ میں در آئے
بیتاب رجا جو وہ شہ بحر و بر آئے

مقدور ہے انسان کو انسان سے دغا کا
اب جنگ کہاں سامنا ہے قہر خدا کا

۲۹

ہر صف میں جب سردار ہجو آ کر یہ پکارا
ہیبت نے کیا دل سے دلیروں کے کنارا
تھا تیغ زبانوں کو نہ گویائی کا یارا
حضرت کی طرف آنکھ سے کرتے تھے اشارا

ہیبت سے یہ رعشہ ہوا سب کے بدن میں
مانند زرہ چاک پڑے پیرہنوں میں

۳۰

نوفل تو چلا ڈوبنے کو جانب دریا
اور سیغ کے شانوں کا لہو تن سے نہ نکلا
مرتے کسی سنکہا اب ہوش میں آجا
خون علی اکبر سے بھرا ہے ترا نیزہ

پھل برچھی کا دھو بچنے کی تدبیر یہی ہے
چھپ جا ارے بے پیر کہ شبیر یہی ہے

۳۳۱

فراشوں کو دور کر عبث بھاگا
اب ان سے کہیں دور کر خیمہ ہمارا
ہر چند اجل کا ہے نہ درمان نہ چارا
پر فکر حفاظت کی کروں چارہ گر اپنا

توبہ پر عید پر کرار رکے گا
واللہ دو عالم سے نہ اک وار رکے گا

۳۳۲

لشکر کو ندا دی کہ ذرا ہوش میں آؤ
حاکم جو اڑا ہے دل سے نہ بھلاؤ
گھوڑوں کو کسو اسلحہ جنگ لگاؤ
ہاں جلد سر کار رو ہر جنگ دکھاؤ

دل کو نہ کرو نرم کہ یہ جنگ کڑی ہے
سنبھلو ارے سنبھلو کہ اجل سر پہ کھڑی ہے

۳۳۳

تیر برسے ہوئے سب سے مقدم جنگ
پیادوں سے نکل آئے مثال شرر تنگ
دل کھولے ہوئے اسواروں کے گھوڑوں کے لیے رنگ
پھر ہر دو کی طرح اڑنے لگا رنگ

باندھیں کمریں کھولے علم دشت ستم میں
تلواریں تلیں تیر ترازو ہوئے دم میں

۳۳۴

گہ صلح کے حیلے تھے کبھی جنگ کے فن تھے
جتنے تھے دہن اتنے ہی بیہودہ سخن تھے

۳۳۵

نا چار ہوئے گرم دغا بن جناب
عقرب کے طریقے پہ چلے صورت عقرب
دل سست تھے خوبیت تھے اکبر کے سب
لشکر کی صفیں ہو گئیں میداں میں مرتب

مائل ہوئے میداں میں جفا کار ہزاروں
دریا پہ گئے رن سے کماندار ہزاروں

۳۳۶

جو بیں جو بڑیں جنگ کے نقاروں پہ یکبار
گونجا فلک رعد کی آواز ہوئی پست
اسوار دکھانے لگے بجلی کی طرح جست
ہر نامور آشفتہ جرأت کی طرح مست

تلواروں پہ ایک ایک کی پڑنے لگیں آنکھیں
جوہر کی طرح تیغوں میں گڑنے لگیں آنکھیں

۳۳۷

بانسوں بڑھے ہوؤں کی طرح برچھیوں والے
رستے کے سب درختوں میں بیٹھے ہوئے بھالے
ڈھلکے ہوئے بھالے کو بڑھے دیکھ کر بھالے
سب کو سنبھالے ہوئے وہ گرز سنبھالے

نو لاکھ چلے ایک شہِ جن و بشر پر
لاکھوں کی چڑھائی ہوئی زہرا کے پسر پر

۳۳۸

ناخن کی طرح ہاتھوں میں پیوست کمانیں
ابدی ہوئیں تلواروں کی بے نیام نیامیں
گرمی سے سبب جسم میں گھبرا گئیں جانیں
نالو سے نکلنے لگیں تیروں کی زبانیں

تھی دھوپ کے باعث یہ چمک تیروں کی پھل میں
گویا کہ اُڑی آتی ہیں بلّور کی قلمیں

۳۳۹

جلتے پہ یہاں دست بشر جلد ور آیا
ہر سالک اموات اب ارمان بر آیا
اک دختر جوانِ سر تیغ دو سر آیا
میدان میں کس سر کا بھی نظر آیا

حیراں ہوئے سب دیکھ کے تیغ دو زباں کو
اک شمع میں دو شعلے نظر آئے جہاں کو

۳۴۰

ہر ضرب پہ تلوار کی آتش برستی تھی
ہر ایک سے شدت
جوہر کی طرح خود پہ لگے رنگ تھی
تلواریں ہوئیں ماہیِ بے آب کی صورت
سانپوں میں کسے پیچ تپِ حرق کی حرارت

اس آگ سے آثار نرالے نظر آئے
چار آئینوں میں عکس سے چھالے نظر آئے

۳۴۱

دن گرد میں اور گرد نہاں چشمۂ خوں میں
چھپتا تھا بدن روح تھی پوشاک بدن میں
پوشیدہ سخن کان میں آواز دہن میں
قبروں میں کفن اور کفن مردوں کے تن میں

ہیبت سے یہ گم ہوش ہوئے پیرِ فلک کے
غش کھا کے گرا عرش سے دو تیر سرک کے

۳۴۲

شمشیر ترا بسکہ اجل ساز دکھائی
ہر ضرب سے فوارۂ خوں تازہ بنائی
سیماب صفت آگ گلے مل کے سمائی
کفار کے سائے سے دھواں اٹھنے اٹھایا

اسپند صفت سائے اُچھلتے نظر آئے
ہمزاد بھی اُس آگ میں جلتے نظر آئے

۴۳۳

خالی کریں ہو گئیں ڈھالوں کی طرح سے
کٹ کٹ کے گرہ نیزہ کمانوں کی طرح سے
پانی ہوئے سب خود جبانوں کی طرح سے
تھیں پتلیاں آنکھوں میں رکابوں کی طرح سے

جنگاہ میں بازاروں کے سامان عیاں تھے
دنیا کے تماشے تھے طلسمات جہاں تھے

۴۳۴

ہر جا سے جو سنبھالے ہوئے تھے شاخ کی نکہ
نیزے پہ اٹھائے گئے اُنکو شیف سر
اک اک رکب و مرکوب بنے نیزے میں برابر
جس طرح کباب آتے ہیں نظر سیخ کے اندر

ہر قطرۂ خوں غنچے کی تصویر بنا تھا
پھولوں کی چھڑی نیزۂ شبّیر بنا تھا

۴۳۵

ہر جوہر سے بجلیاں اس شیخ کی فانوس
جوہر کے چمن سے جو وہ بابچے ہوئے باہوس
جلوہ کیا تخوں نے فرشتاں پر طاؤس

ٹھیری نہ کہیں تیغ شہِ قلعہ شکن کی
کاٹھی نہ پسند آئی اُسے ایک بدن کی

۴۳۶

مشہور الف نیزہ کی تھی فاتح اعراف
منکل سے لگر کھولتا تھا نان کی وف
کیا نیزے میں تھا تاف کہ مثل الف تاف
قائم کبھی ہاتھ میں جگر تھا صفت کاف

پھل نیزے کا جس وقت میان کمر آیا
پھر کافِ کمر کا یہی مرکز نظر آیا

۴۳۷

سب دو ہوئے کوئی نہ اکیلا نظر آیا
پھر آیا ہوا آنکھوں کا دھوکا نظر آیا
موجوں کی طرح فوجوں کا ریلا نظر آیا
کیا گھاٹ تھا لوہے کا جو میلا نظر آیا

توبہ کہاں میلہ کہ عیاں حشر نیا تھا
اس گھاٹ نے مُردوں سے سقر پاٹ دیا تھا

۴۳۸

جھوٹے کٹے لاف سے سب مدعی لڑنے
دانت اُنکے پے قطع سخن بن گئے اژدر
جنبھلا کے گرے شرم سے نر نیزے پہ تیتر
اژدر شہ چھپا دڑوں میں جوں شیر میں ژدر

طاؤس نہاں ہو گئے اژدر کے گھروں میں
شہباز چھپے ڈر کے کبوتر کے گھروں میں

۴۹

ناگہ غضب انداز دوں کو یہ شست سے پکارا
آمادہ کماندار ہوئے باندھ کے اسنارا
چلّے چڑھے کاندھوں کمانوں کو اتارا

ترکش ہوئے خالی دہن غار کی مانند
تیر اُڑنے لگے اضحیٰ پر دار کی مانند

۵۰

اس تیغ سے سب تیر و کماں چھوڑ کے بھاگے
ہر ایک طرف عمرو ان چھوڑ کے بھاگے
جسموں سے قفس طائر جاں چھوڑ کے بھاگے
کیا قفس تن کر جہاں چھوڑ کے بھاگے

تھی قہر خدا جنگ شہ تشنہ دہاں کی
خود مرگ طلبگار ہوئی امن و اماں کی

۵۱

ناگاہ ندا ایک منادی سے سنائی
بس مالک کونین کی تم نے فتح پائی
خنجر سے سنبھالیے اب دعوے وفائی
سر گود میں رکھنے کے لیئے فاطمہ آئی

تھرّا گیا فرزند خوش اقبال پیمبرؐ
یاد آ گئی بے پرد گیٔ آل پیمبرؐ

۵۲

کی زینب غم ابن برادر نے خبردار
سنتے ہیں لب نہر نظر جا پڑی یک بار
کشتوں کے ہوئے ہاتھ نظر آیا علمدار
چلائے کہ اے میرے برادر مرے غمخوار

نرغے میں ہزاروں کے ہمیں چھوڑ کے سوئے
کیا چین سے بھائی کی کمر توڑ کے سوئے

۵۳

مطلع

جب ضعف اعجاز سے گرنے لگے ہر دم میں
یعنی کہ لگے زخم تن شاہ زمن میں
گر ہی سے زباں خشک تھی تھرتھ کے دہن میں
طاقت نہ رہی قوت بازو ئے حسن میں

تنہائی کا بلوہ تھا شہ جن و بشر پر
اک ہاتھ تھا سینے پہ اور اک ہاتھ کمر پر

۵۴

القصہ لب نہر جو وہ آیا
بھائی کو جو بیدست مقدر نے دکھایا
بالائے زمیں آپ کو گھوڑے سے گرایا
لاشے کو کلیجے سے لگا کر یہ سنایا

کچھ اس کی دوا تم سے برادر نہیں ہوتی
سیدھی کمر سبط پیمبرؐ نہیں ہوتی

۵۵

ناگہ فلک سے گرد زمیں پر ہوا بپا
گھبرا کے نظر کرنے لگا لشکر اعدا
حیران و دہشت زدہ جو تھی حضرت موسیٰ
زینب سے کہا فاطمہ نے اے دختر زہرا

قربان گئی بوئے وطن آتی ہے رن سے
حضرت کی مدد کو کوئی آیا ہے وطن سے

۵۶

نکلا جو گرد سے پھریرا لشکر اسد اللہ کا
سوا نکھرا ہوا دن چڑھے جوں شاہد اقبال
پہنچا جو در خیمہ پہ تو دیکھے یہ آ کر
اک قافلہ روتا ہے پڑا فرش عزا کا

یوں سوگ میں سب بیبیاں سر کھولے ہوئے ہیں
گویا کہ ابھی سارے عزیز انکے موئے ہیں

۵۷

اک بچی نے یہ کہتی ہوئی دوڑ لگائی
کیا گت گئی لوگو مری اماں کی کمائی
اک کہتی ہے بھیا مجھے کیوں موت نہ آئی
منہ دیکھتی ہوں ماں سے میں جو واں بیٹے کھائی

اک بچی یہ کہتی ہے قضا کر گئے عمو
میں پیاسی تو جیتی رہی اور مر گئے عمو

۵۸

ہو کر محبت شمر اسوار سے پوچھا
اے سوگ نشیں کون ہو یہ خیمہ ہے کس کا
غصہ سے کہا ہائے غضب ہو گیا ہے کیا
بھاگا ہے بچا جانے جو یہ ہے سر عباس کا

مقتل میں پڑے سوتے ہیں سب گودوں کے پالے
اللہ اب اس خیمے کے وارث کو بچالے

۵۹

اس نے کہا یہ بچی جو رونی ہے بلاؤ
پانی مرے بھائی کا ہے چھاگل میں بھلاؤ
چلائی سکینہ کہ نہ یہ بات سناؤ
پانی کا نہ لو نام خدا کے لیئے جاؤ

منہ حشر کے دن کیا میں دکھاؤنگی خدا کو
فریاد ہے پانی میں پیوں کھو کے چچا کو

۶۰

اول سے زیادہ ہوا حیران شمر اور
بالا پہ نظر آیا سر لشکر ہو نمودار
دل میں کہا شاید یہ فوج خیمہ ابرار
کون وہ بیبیاں ہیں مصیبت میں گرفتار

حال اپنا مفصل نہیں کہتی ہیں زباں سے
پوچھونگا میں یہ حادثہ شاہِ دو جہاں سے

۱۱۱

جولاں کیا نانے کو سوئے لشکرِ کفّار
اور جا کے برابر پہ پکارا وہ خوش اطوار
اے لشکرِ بدکار یہ ہوں میں سببِ ناہموار
ہے خیر سے تو لشکرِ اسلام کا سردار

۱۱۲

حضرت کے قدیمی وہ مددگار کہاں ہیں
جاں باز علمدار یدِ قوّتِ حیدر کہاں ہیں
اس وقت جنابِ سببِ ابرار کہاں ہیں
خدّام میں کس سمت خبردار کہاں ہیں

۱۱۳

یہ کہہ دیں سنہ دو ہے ہمارا
آقا جو ہمارا ہے بڑا اس کا پیارا
دشمن کی بھی تکلیف نہیں ان کو گوارا
یہ واقعہ کیا ہے مجھے بتلاؤ خدارا

۱۱۴

یاں نہر پہ اُترا ہے ہمیشہ کا نواسا
اک قافلہ کا قافلہ وہ مرتا ہے پیاسا

برگشتہ ہوا کون شہنشاہِ عرب سے
بتلاؤ یہاں مورچہ بندی ہوئی کب سے

۱۱۲

مشتاق ہوں پابوس شہِ جنّ و بشر کا
عہدہ ہے کسے صادر و وارد کی خبر کا

۱۱۳

آسودہ تھے سب عصرِ یدِ اللہ و نبیؐ میں
یہ فاقے سے ہیں عہدِ حسینؑ ابنِ علیؑ میں

۱۱۴

قاتل پہ ترحّم کیا تعذیر کے بدلے
شربت دیا آبِ دمِ شمشیر کے بدلے

۱۱۴

وہ سامنے مقتل کے جو اک خیمہ ہرا ہے
اک خوں وہاں بہتوں کا مشکوں سے بہا ہے
بچوں کے لیے ہائے سرِ پانی نہ خدا ہے
حیرت ہے کہ عہدِ شہِ مظلوم میں کیا ہے

۱۱۵

شبیرؑ نہ اُن لوگوں کی امداد کو پہنچے
منصف کے زمانے میں نہ یہ داد کو پہنچے

۱۱۵

ہلتی ہے زمیں جبکہ وہ دیتے ہیں دُہائی
کیا اُنکی صدا کان میں شہ کے نہیں آئی
اب تک مرے مولا نے نہ کی عقدہ کشائی
دربارِ حسینیؑ میں نہیں ان کی رسائی

۶۶

حاصل جو مجھے ہوگی قدیموں کی سند سے
بخشا وہ بھگا پیٹے اپنی لوگوں کی نفیس سے
یہ سنتے ہوئے خندہ زناں ظالم سے بیٹے
کہنے لگے آہو ش میں کیا کرتا ہے تقریر

۶۷

شکر ہے کہ اب ہم سے سردار ہمارے
یہ لوگ ہیں سادات گنہگار ہمارے

۶۸

ہاں اور ہی چہرے ہیں وہ دربار نہیں بھائی
ہم میں سے کوئی شیعہ حیدر نہیں بھائی
ہاں لاکھوں کی گنتی ہے پر نہیں بھائی
اکبر کہاں زندہ علی اصغر نہیں بھائی

۶۹

اب سلطنت نائب حیدر ہوئی آخر
فوج اس پہ فراخیز سیہ ہوئی آخر
نسل حسن و مسلم و حیدر ہوئی آخر
ذریت زہرا و بتول ہوئی آخر

۷۰

اُن کا تھا کب اس حشمت و توقیر کا لشکر
وہ گنج شہیداں میں ہے شبیر کا لشکر

۶۶

خاتمے کے گرد افلاک پہ وہ صاحب توقیر
چھوڑا طرف خیمہ یہ کہتا ہوا تقریر
تسلیم مری اے حرم صاحب تطہیر
خط لایا ہوں صغرا کا پیے اکبر دلگیر

۶۷

سنکر یہ خبر اور مرض اُسکا بڑھے گا
اکبر کے تو پرزے ہوئے خط کون پڑھے گا

۶۸

بیبیوں نے نوید آمد قاصد جو یہ پائی
غل پڑ گیا صغرا کی وطن سے خبر آئی
بانو نے کہا بیٹ کے ہے میری جدائی
بھائی کو نہ دیکھا سنے خبر میری نہ پائی

۶۹

برچھی لگی اکبر کے دل پاک میں صغرا
ارمان ترے مل گئے سب خاک میں صغرا

۷۰

زینب نے جو خیمہ سے یہ اکبر کی سنا بات
حضرت سے کہی میدان میں کی قتل ملاقات
اٹھے کہا رن میں تو نہیں بیٹے کی وفات
غل پڑ گیا یا قتل ہوا وارث سادات

۷۱

بولی کوئی اغلب ہے کہ زخمی میں گھرے ہوں
یا قبر پہ معصوم کی غش کھا کے گرے ہوں

۱۱۳

زینبؑ نے کہا میں قربان ہوں اس غم میں گر تو تار
مجبوس ہے ہوں نہ کہیں سید ابرار
گر قتل ہوئے بھائی تو اب جینا ہے دشوار
ہے ہے مری امید میں یکسر مرا غمخوار

۱۱۴

تحقیق جو شہ کی نہ خبر پاؤں گی لوگو
سر ننگے بخدا کو میں چلی جاؤں گی لوگو
پیدا ہے شمشیر عدو حلق ہوا تھا
ان زخموں کی خاطر یہ بدن خلق ہوا تھا

۱۱۵

پھر مڑ کے زہرا کی طرف کو یہ پکاری
لو بی بی بس اب ہوتی ہے رخصت تمہاری
کیا سوتی ہو یاں سوگئی تقدیر ہماری
کیا جانے کدھر کو گئی بھائی کی سواری

۱۱۶

مرقد سے اٹھو عرش کے پایے کو ہلا دو
صدقے گئی اماں تجھے بھائی سے ملا دو
خط آنے سے پہلے ہی سب آخر ہوئے صغرا
مقتول جب تیرے مسافر ہوئے صغرا

۱۱۷

ہے رات کے ڈھب جوش پہ محشر ہوا برپا
چلنے لگا عباس کا لشکر لب دریا
خیمے کو سکینہ کے یہ سید نے کہا جا
چلائی سکینہ کہ دوا دے مرے بابا
میں صدقے مرے رونے سے گھبراتے ہیں حضرت
آواز مری سنکے چلے آتے ہیں حضرت

۱۱۸

عرضی لیے خیمے میں گئے سید ذیشاں
سب بی بیاں سب جمع ہوئیں گرد شہ جاں
کھولا شہ ذیشاں نے خط الفوت کو ناگاہ
ہر فقرے پہ تھا نالہ کی ہر لفظ پہ اک آہ
مضمون ہر اک سطر میں تھا رنج و الم کا
دل ٹکڑے ہوا جاتا تھا سلطان اُمم کا

۸۴

القاب میں سے ایک حرف الفاظ و لغت
لکھا تھا فقط فقیر کو تین سلامت
خط نکلا وہ میں لکھوں آپ کو کیا میری طاقت
یہاں سمجھے اپنے مقدر سے شکایت

تسکین نہ دل کو ہے نہ آرام جگر کو
دیدار تو اک سمت تڑپتی ہوں خبر کو

۸۵

جب دھوپ سے بیتاب ہوئی اصغر ذیشان
کہتی ہوں کہاں ہو مرے بھیا میرے ارمان
سنتی ہو کہ اس سال ہے سخت گرمی کا زمانہ
گرمی سے عجب رنگ ہے اس وقت ہوا بھی پانی

کیا جانیئے حضرت وہاں بھوکے ہیں کہ پیاسے
نفرت ہے کچھ ان روزوں مجھے آب و غذا سے

۸۶

مرجاؤں کہ جیتی رہوں میں شدت غم سے
اس دھوپ میں آئینہ مرے لینے کو آئے
اُن بیٹیوں سے لوگ دغا بازیں اکثر
حضرت سے جدا ہوئیں مرے بابا وہ لاڈلی

ناموس شہنشاہ مدینہ کی خبر لیں
بھولے وہیں مجھ کو وہ سکینہ کی خبر لیں

۸۲

اس فکر سے پوشاک کھا کے گرے شہیداں
بیمار کا خط پڑھنے لگی زینب نالاں
کیا دیکھتی ہے آہ وہ فوجِ دوران
اصغر نے یہ لکھا ہے کہ اچھی ہوں اماں

میں آپ کے صدقے گئی حضرت سے خبردار
پردیس میں دادی کی امانت سے خبردار

۸۳

اماں کو بھی اصغر کی حفاظت کا رہا دھیان
ارشد سے اس لڑکے نے بھی سیکھے ہیں یہ عرفان
کچھ چوڑیاں کچھ کرتے بھیجے ہیں میں قربان
پہنیں گے جو بھیا تو مرے نکلیں گے ارمان

کہنا کہ مری یاد بھلائی علی اصغرؑ
ہدیہ مرا مقبول ہو بھائی علی اصغرؑ

۸۴

یہ سنتے ہی سادات نے اک حشر مچایا
وہ ٹوپیاں اور کرتے کو خیمے میں لایا
بانو کو بہت رنج یہ ہدیہ جو دکھایا
سینہ کرکے لپٹا کہ قربان علی اصغرؑ

پوشاک بدلنے کے لیئے آیئے رن سے
بیٹا علی اصغرؑ کفن آیا ہے وطن سے

۸۵

لو کھنچیں مرقدسے چلّا و بلا لوں
کرتا جو پسند آئے پہن جاؤ بلا لوں
کچھ تم بھی بہن کے لیے بھجواؤ بلا لوں
قاصد سے اشارہ کوئی فرماؤ بلا لوں

یہ کیا کہے صغرا سے مری جان بتا دو
ننھے سے گلے کا اسے سوراخ دکھا دو

۸۶

پھر غنچہ کو وہ ٹوپیاں کرتے دیواں سے
بھر کر کہا صغرا یہ اور اصغر یہ کرتا حسان
جا کر یہ اس ہوئے کو دکھا دے تو زبان
یہ تیر یہ کھنچ کر کھب کر ہوئے دونوں پر ارمان

اے زائرو اس غم کا نہ پایاں ہے نہ حد ہے
صغرا کا یہ ہے یہ ہے یہ اصغر کی لحد ہے

۸۷

قاصد سے یہ فرمانے لگے شاہ خوش اوقات
جا جا بھائی مری سمت سے کہدیو یہ بات
صغرا ترے بھائی کو بلاتی ہے کئی بار
دنیا سے پدر جان سے گئے اکبر خوش ذات

اب راہ نہ تم دیکھیو دن رات ہماری
بے حشر کے ہوگی نہ ملاقات ہماری

۸۸

یہ سنتے ہی مدینے کو چلا قاصد غم ناک
خاکم بسر گرلٹے ہوئے پہر سے پہلے خاک
رخصت ہوئے یاں بیبیوں سے شاہ لولاک
مقتل میں گئے شہ حسن و عبّاس و علی پاک

تیروں سے عدو نے شہ عالم کو گرایا
بالائے زمین عرش معظّم کو گرایا

۸۹

چاروں طرف آواز مبارک کی ہوئی دھوم
جلّاد پکارے وہ گرا گھوڑے سے مظلوم
رستے سے جو قتل کو مڑا قاصد مغموم
بربادی ایمان و شریعت ہوئی معلوم

کلمہ شہ مظلوم کو پڑھتے ہوئے دیکھا
اور سینے پہ جلّاد کو چڑھتے ہوئے دیکھا

۹۰

غش کھا کے گرا خاک پہ وہ پیک مفطر
ناگاہ بجے فوج میں نقارے برابر
قاصد نے نظر کی سوئے مقتل جو مکرر
نیزے پہ لیے سر کو پھرے شمر ستمگر

بیٹوں کو تلواروں سے کٹتے ہوئے دیکھا
زینبؑ کو شہ دیں سے لپٹتے ہوئے دیکھا

۹۱

خاموش ہیں سب بیٹھے ہیں اک مجمعِ خاموش
اس نطق کے ہیں منتظر اب کلمۂ دیں بھی
ہر چند کہ تھی شرکتِ گویائی نہ عادت
اُستاد کے صدقے سے یہ محفل ہوئی گویا

محفوظ و خوش و خرّم و آباد سلامت
یارب رہے دائم مرا اُستاد سلامت

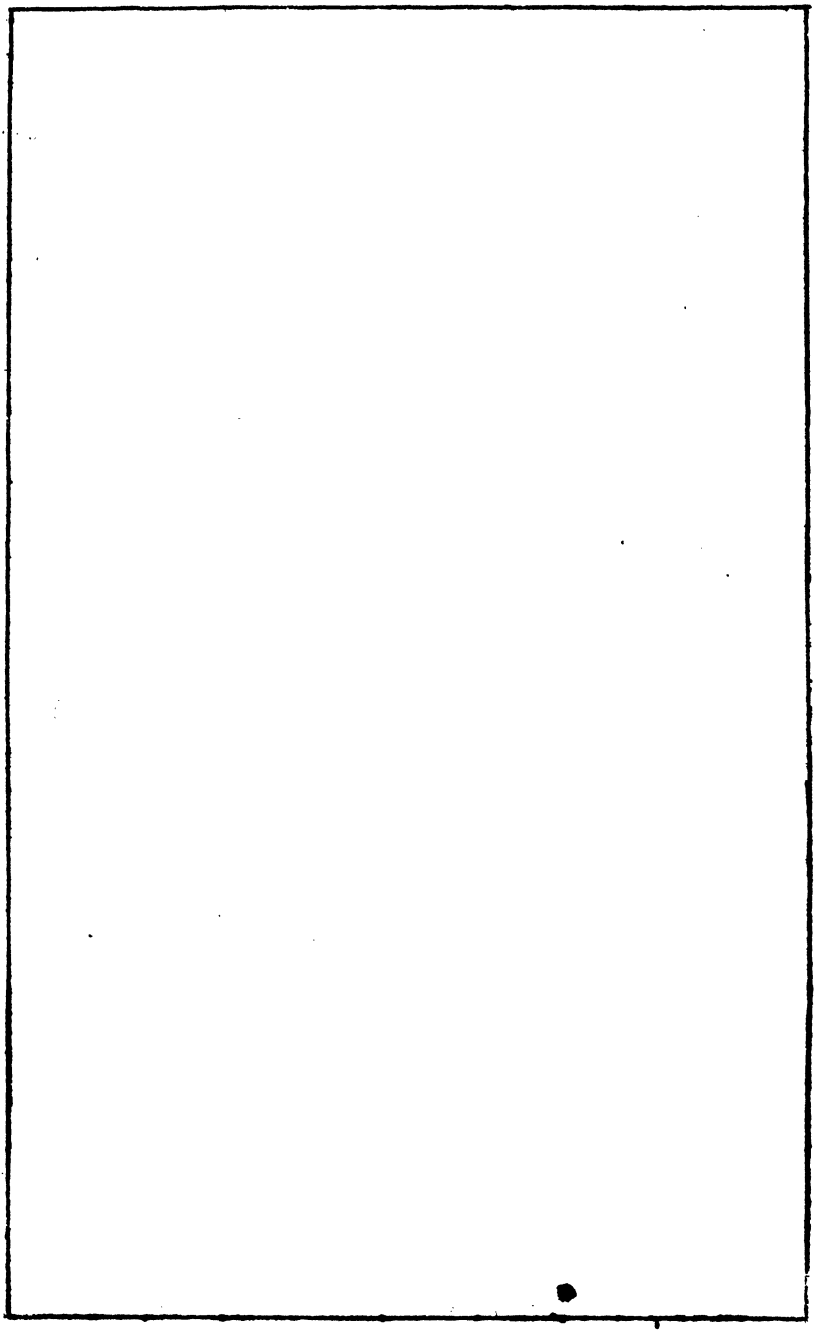

مطلع

اے حُسنِ نطق سحر بیانی دکھا دے آج

مصنفۂ

جناب مولوی سیّد ظفر مہدی صاحب مہدی شاگرد رشید حضرت دبیرؒ

بند ۱۰۵

۱۴

اے حسنِ نطق سحر بیانی دکھائے آج
اے بحرِ طبع اپنی روانی دکھائے آج
اے فکر قوتِ ہمہ دانی دکھائے آج
اے فکر روئے جوہرِ معانی دکھائے آج

اہلِ مذاق رنگِ فصاحت کو دیکھ لیں
وضعِ سخن کو طرزِ بلاغت کو دیکھ لیں

۱۵

ہر ایک خوب و زشت کی طرفیں نہیں پسند
جو ہر شناس کرتے ہیں دُر کم نہیں پسند
اشیائے کہنہ کرتے نہیں تازہ بیں پسند
رنگِ خزاں بہ رنگِ نہیں کیوں نہیں پسند

مرغوبِ ہر بشر کو متاعِ جدید ہے
مضمونِ تازہ گنجِ نہاں کی کلید ہے

۱۶

ہو دیکھ کر نظم رخصتِ فصاحت پہ کیا کہے
تازہ سخن بیاض میں تازہ دہن سکھائے
رنگیں کلام گلشنِ اردو میں بھا گئے
یادِ خزاں فریبِ بہارِ چمن سے آئے

ظاہر فضا ہو زینتِ نقش و نگار کی
دیکھیں بہارِ باغِ ہمیشہ بہار کی

۱۷

اس کیمیا کو غیب کی امداد چاہیے
فکرِ رسا و قوتِ ایجاد چاہیے
ذہنِ ذکی طبیعتِ وقاد چاہیے
روح القدس کی ہمت امداد چاہیے

تائید گر نہ ہو تو مجالِ بشر نہ ہو
بے جنبشِ نسیم وجودِ سحر نہ ہو

۱۸

ہر عضو طبعِ شبیہ زنانِ سخن بنے
نقطوں کا ارتباط صفِ ہم خنان بنے
نقطہ سر اور تیر الف مدعا سبنے
حرفِ خمیدہ تیغ کشیدہ و ناں بنے

ذہن رسا بتائے پتہ فرد و زوج کا
دیکھوں گا آج جائزہ مضمون کی فوج کا

۱۹

ہر گز کسی کی ہمت سے خائف ہوں مرتبر
تو ڑوں گا ایسا سر پہ غنیم کے بال و پر
دیکھے جو آستانِ شہنشاہ کی سمر
مسند وہاں نہ لے مجھے اس سرزمین پر

نقشے مٹا دیئے مرے حسنِ مآل کے
خاکِ نجس کو خلد سے پھینکا نکال کے

۸

کیوں کر بلا دوبارہ بھی پھر بلائیگی
مانند گرد و باد ذرا تو اٹھائیگی
میت کو میری خاک درد میں اپنے ملائیگی
مٹی کو میری خاک شفا تو بنائیگی

مدفن جو رو سیاہ کا تجھ کو پسند ہو
صحبت سے تیری قدر مری بھی بلند ہو

۹

ناقہ کہہ رہی ہے کہاں دل کو روکیئے
مژگاں کا قافلہ ہے خیر خدا کا لال
ہاں دل بلا ہے بخت سیہ کار کیا مجال
کاغذ اڑا کے ہاتھ میں اور قلم سنبھال

مولائے جن و انس کی جانب رجوع کر
ہاں مرثیہ امام کا اپنے شروع کر

۱۰

مطلع صاف ہے وقت طلوع آفتاب کا
منظر کو اب ہے وقت رجوع آفتاب کا
فرش زرد ہے بوقت خضوع آفتاب کا
مضمون دلنشیں ہے بخشوع آفتاب کا

روشن ہے شش جہت شہ دیں کے جمال سے
خورشید مرتضےٰ کو بچالے زوال سے

۷

پہلو سے رخ کے اوڑھنی مقنع طلائی ہے
زردی حیات مہر کے چہرے پہ چھائی ہے
تنویر آفتاب کی ذروں نے پائی ہے
صف دونوں سمت فوج ملک جمع آئی ہے

ارواح انبیائے سلف کا ہجوم ہے
ہے غلغلہ سلام کا مجمع کی دھوم ہے

۱۱

کیا ہوا ہے ابر کرم شش جہات کا
چھوٹا کلاہ ہوتا ہے آب حیات کا
حاضر ہے دست بستہ نمو کائنات کا
پیمانہ بن خشک سے جام نبات کا

ریتی پہ سبزہ زار کی تازہ اُمنگ تھی
صحرا کے زیب دوش قبا سبز رنگ تھی

۱۲

بیلیں ہرے ہرے ہیں سبزہ زمرد آبدار
ہے پارہ ہائے خشت سے یاقوت شرمسار
ہے ذرہ خاک عنبر سارا سے مشکبار
شبنم کے قطرے بیلے میں ہیں دُرِ شاہوار

فیض نمونے جلوۂ قدرت دکھایا ہے
صحرا کے ہر درخت میں طوبا کا سایا ہے

۱۴	۱۴
ساماں پیشوائی سشبیر آیا ہے رضواں کلیدِ ہشت جناں نذر لایا ہے	حیرت ہوئی نظر میں اندھیرا سا چھا گیا لازم ہوا دوار تو چکر سا آ گیا
۱۵	۱۵
ہیں خاکبوس درد و ملک آستاں پر کرتے ہیں جبہہ سائی قدم کے نشاں پر ہے مشغول کلام ہیبت کی زباں پر جلتے ہیں پر بروں فدا آسماں پر	مثلِ حسینؑ عاشقِ جانباز کب ملا واللہ دو جہاں میں نہیں کوئی دو بدو کیونکر نہ ہو کہ ہیں جگر بند مرتضیٰ اللہ کی طرف سے ہیں عالم کے مقتدا
ہے دھوم تا بہ عرش بریں زیب و زین کی دربارِ حق سے آج طلب ہے حسینؑ کی	اس درجہ شوق در گہِ ربّ العباد ہے بھولے ہوئے ہیں رنج و قلق حق کی یاد ہے
۱۶	۱۶
ہر ہفت آسماں پہ تسلیم جھک گئے ہیبت سے ہفت پیکرِ سیارہ رک گئے	صبر و رضا و شکر کے جوہر دکھاتے ہیں یہ لوگ ہے حق سے کہ خود مرنے جاتے ہیں

۲۱

آیا جو وہ رواں صفِ لشکر سے سر بسر
اک زین لفنگہ کار و مرصع کھنچا ہوا
گرد و غبار و دشت سے سارا اٹا ہوا
دامانِ زین تمام لہو سے بھرا ہوا

دھبے نہیں ہیں خونِ شہِ کم سپاہ کے
یاقوت کے نگین ہیں خاتم پہ ماہ کے

۲۲

بچپن سے تو نے حق کی رفاقت ادا کیے
تیری وفاشعاری پہ جھکتی ہے ناز سے
جب ہو گئے جدا ترے سب یار دشمنی
بیکس سمجھ کے چھوڑ نہ جائیو ہمیں

سچ ہے کہ بگڑے وقت میں سب چھوڑ دیتے ہیں
اپنے یگانے سختی میں منہ موڑ لیتے ہیں

۲۳

ناناکے آگے بیٹھے ہو کیا کیجیے سوال
بچپن سے جو خطا سے نہیں ننگِ شرمسار
اس وقت گر ہماری سواری سے ہے نگوار
ہم بھی تجھی کو دیتے ہیں ہر طرح اختیار

تیری خوشی ہو گر تو یہ رحمت اٹھائیں ہم
مرنے کو اب پیادہ سوئے دشت جائیں ہم

۲۴

فرمایا یا اخی تجھے دن ہے کہ ایک بار
اس وقت تو ہے کس لیے اس درجہ بیقرار
کیا تیرے دل میں ہے مری غربت سے بیقرار
یا ضعف میں ہماری سواری ہے ناگوار

باخوفِ تیغ و نیزہ سے یا اشکباری ہے
کیا جانِ فاطمہؑ سے تجھے جاں پیاری ہے

۲۵

گھوڑے سے جب زمیں پہ شہِ ابرار کا قدم
بولا کہ اے شہِ امم و انبیا و اولیا
تا قائم اس زمیں پہ رہے نام کربلا
دل میں یہ عرض کی کہ خدایا بحقِ ما

مجھکو عتابِ شاہِ زماں سے پناہ دے
نطقِ فصیح گنگ زماں کو الٰہ دے

۲۵

مفتوحِ بارگاہِ اجابت دعا ہوئی
حیواں زبانِ گنگ سے عذب البیاں ہوا

۲۶

کی عرض ذوالجلال نے مدّاحِ بادشاہ دیں
اعجاز ابنِ صاحبِ دُلدُل عیاں ہوا

۲۷

قرآں زباں سے جبکہ دوتا آں آپ ہیں
خاتم اگرہے مہرِ رسالت نگیں ہیں آپ

۲۸

جس کو رسولؐ دوش پہ اپنے چڑھاتے تھے
حقا سوارِ دوشِ رسولِ امیں ہیں آپ

۲۵

مفتوحِ بارگاہِ اجابت دعا ہوئی
حیواں زبانِ گنگ سے عذب البیاں ہوا

۲۶

کی عرض ذوالجلال نے مدّاحِ بادشاہ دیں
اعجاز ابنِ صاحبِ دُلدُل عیاں ہوا

۲۷

قرآں زباں سے جبکہ دوتا آں آپ ہیں
خاتم اگرہے مہرِ رسالت نگیں ہیں آپ

۲۸

جس کو رسولؐ دوش پہ اپنے چڑھاتے تھے
حقا سوارِ دوشِ رسولِ امیں ہیں آپ

۲۸

میں بخششِ خدا سے شہِ لافتیٰ ہوں
حاصل غلام کے لیئے یہ افتخار ہے
میرا سوار دوشِ نبیؐ کا سوار ہے

۲۹

دو روز بھوک پیاس کے صدمے اٹھائیں میں
ایسا خیال جب مرے جی میں سمائے گا
قاسم کی لاش قتل کے میدان لاؤں میں
قہار مجھ کو نارِ سقر میں جلائے گا

۳۰

حرمت عزیز آپ کی ہے میں کہ بن کہے
مرجاؤں آج لڑکے جو اہلِ نفاق سے
طاعت امامِ عصر کی ہے طاعتِ خدا
دعوے ہو ہمسری کا مجھے بھی براق سے

۲۸

میں بخششِ خدا سے شہِ لافتیٰ ہوں
حاصل غلام کے لیئے یہ افتخار ہے
میرا سوار دوشِ نبیؐ کا سوار ہے

۲۹

دو روز بھوک پیاس کے صدمے اٹھائیں میں
ایسا خیال جب مرے جی میں سمائے گا
قاسم کی لاش قتل کے میدان لاؤں میں
قہار مجھ کو نارِ سقر میں جلائے گا

۳۰

حرمت عزیز آپ کی ہے میں کہ بن کہے
مرجاؤں آج لڑکے جو اہلِ نفاق سے
طاعت امامِ عصر کی ہے طاعتِ خدا
دعوے ہو ہمسری کا مجھے بھی براق سے

۳۱

اس دم جو میری آنکھوں سے آنسو بہے رواں
اُنکا سبب بھی عرض کروں گا زبان سے
سمجھا میں یہ سواری آخر ہے کس کی شان
اس پر ہے گھر نہ آئے گا سلطانِ دو جہاں

ابرِ غم و ملال مرے دل پہ چھا گیا
آنکھوں میں اشک آئے جگر مُنہ کو آ گیا

۳۲

پھر اس خیال سے مرے دل میں قرار آیا
ہونگے برائے فدیہ سلطانِ بابؑ و ماںؑ
جب روزِ حشر آئینگے سب پیش کردگار
تو دم بدم ہوگا فیضِ قدم سے یہ رہوار

پوچھیگا کوئی بات نہ مجھ دل کباب کی
حاصل نہ ہوگی مجھ کو سواری جناب کی

۳۳

واماں از دوری قامت سے ہے دونا
اے مددگار لطف ہوں یا شاہِ سر فراز
پھر شاہ دیں سے اٹھائے ہیں میرے ناز
ہے ذاتِ پاک بندہ و آزاد و جہاں نواز

حاصل غلام کو شرف و افتخار ہوں
مولا بروزِ حشر مجھی پر سوار ہوں

۳۴

گویا ہوا جواب میں یوں دلبرِ بتول
بس اتنی بات کے لئے قادر ہے لاکھوں
ہے یہ سبب میں دوستی و محبت رسولؐ
خاطر سے تیری ہوگی یہ خواہش بھی پوری

پروردگارِ حشر میں جس دم بلائے گا
تجھ پر سوار ہو کے یہ مظلوم جائے گا

۳۵

جس دم سنا یہ وعدہ جنابِ رباب کا
پھر تو پری سے یک بیک ہوا عالم شباب کا
چڑھنے لگا فرس پہ خلف بوتراب کا
آیا نہ کوئی تھامنے والا رکاب کا

یاد پسر میں آنکھوں کے دریا اُبل پڑے
عباسؑ کے خیال میں آنسو نکل پڑے

۳۶

حال رکاب دار سے سلطانِ دیں پناہ
کس طرح سے رفیق ہوا احوال سے تباہ
چھایا ہوا ہے فوج کا غم پر وہ دو سپاہ
رخسار کے لیے ہیں بنی قاسمؑ کو راہ

طاری ہے یہ قلق قلمِ سینہ چاک پر
گر گر کے اپنے سر کو پٹکتا ہے خاک پر

۳۷

آئی ہیں دو دو بیبیاں اس حال میں نظر
اک بیکس و غریب جب آتے نہیں نظر
جاتا ہوں ہر طرف کوئی ان کا مددگار
کوئی ان کا غمگسار نہ دیکھا ادھر ادھر

۳۸

درد کمر سے جا نہیں سکتے تھے زین پر
اک پاؤں تھا رکاب پہ اور اک زمین پر

۳۹

نالہ کیا جو خان افلاک و دنس و جاں
مرغ نشیمن خاک ہوا غیب سے عیاں
نخجیر گاہ کرب و بلا میں ہوا جو ظلم
روح الامیں لباس میں ملائک سے تھے نہاں

۴۰

حیرت یہ ہے کہ قتل جو شاہ زمن ہوئے
جبریل کیوں نہ لاش پہ سایہ فگن ہوئے

۴۱

مضمون دوسرے بیان میں ہے گریہ انگیز
عالم ہے مثل دیدۂ یعقوب اشک ریز
زخم جگر دلوں کے ہیں پھولوں سے تیز تیز
قالب میں سرد ہیں دل سینے میں قلب لرزاں

۴۲

اغلب ہے اشک شور کا طوفاں اُبل پڑے
ضبط بکا کریں تو کلیجہ نکل پڑے

۴۳

بیٹا تباہ ہوتا ہے آل رسولؐ کا
طوفاں میں ہے جہاز جناب بتولؑ کا

۴۴

بہنوں کے ہاتھ شہ کی کمر میں پڑے ہوئے
دو غول ہیں کنیزوں کے در پر کھڑے ہوئے

۴۵

وارث جو ہیں وہ کنبے سے منہ موڑ جاتے ہیں
نرغے میں دشمنوں کے انہیں چھوڑے جاتے ہیں

۴۳

شہ اشکبار و رو پیٹ ہیں اور پشت پر ہے جرم
تعظیم صبر کرتے ہیں مولا قدم قدم
دل تھام تھام کر ہے ہیں سنبھلتے نہیں ہے دم
کہتے ہیں شہ کہ جاؤ تمہاری جان کی قسم

پردے کے پاس روتے ہیں سب بلبلاتے ہیں
مولا کے ساتھ اہلِ حرم نکلے آتے ہیں

۴۴

پھر پھر کے کہتے جاتے ہیں بیکس شہِ انام
پیچھے میں جاؤں اب نہیں تھمنے کا یہ مقام
صف بستہ سامنے ہے سپاہ ابیر ستم
سمجھا کے سب کو لاتے ہیں زینب فرس امام

طاری تھا ضعف قلبِ شہِ دیں پناہ پر
گردوں پہ گہ نظر تھی کبھی قتلگاہ پر

۴۵

زینب کی حال شاہ امم پر پڑی نظر
ڈوبا قلق میں شش جہت و بیم و دل و جگر
پھیلی کنیز دیکھ کے دونے سے پھیلا کر
خواہر نثار اے خلف حیدر کرار شہ

زہرا نہیں یہ خادمۂ پنجتن تو ہے
کوئی رکا بدار نہیں ہے بہن تو ہے

۴۶

بھوکے اور پیاس کی شدت سے جی بہ لب
قوت کو اختلاط ہے اور ضعف کو کیماں
داغ غریبی سر پہ سفر کیا اور با تکاں
حضرت کے جسم زار میں باقی نہیں ہے جاں

غش آنہ جائے آپ کو میں خوف کھاتی ہوں
بھیا ابھی سوار نہ ہونا میں آتی ہوں

۴۷

نکلی دریچہ سے یوں بنت مرتضیٰ
چادر میں جسم پاک تھا سر تا قدم چھپا
موزے قدم میں پاؤں تلک گوٹہ دار تھا
قامت کو خم کیے ہوئے شرم و حیا کی جا

حالت تھی غیر فاطمۂ زہرا کی جائی کی
تھامی رکاب کانپتے ہاتھوں سے بھائی کی

۴۸

بیٹے حسن کے زین پہ جب شاہ سرفراز
دست دعا بلند کیے سوئے بے نیاز
کی عرض اے کریم و خداوند کارساز
بالذات تو غنی ہے و عالم ہے بے نیاز

تو قادر و کریم و فرید و یگانہ ہے
محتاج تیرے فضل و کرم کارخانہ ہے

۴۹

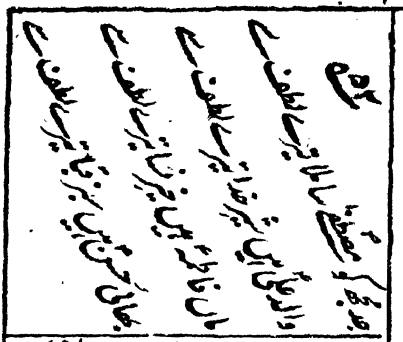

گردش فلک کو دیتا ہے ریزش سحاب کو
زورِ نمو زمیں کو ضیا آفتاب کو

۵۰

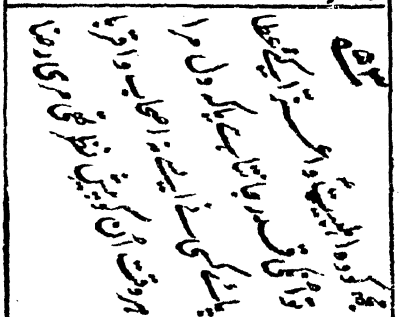

ہر خوب و زشت کا نگراں ہر زماں ہے تو
ماں باپ سے زیادہ کہیں مہرباں ہے تو

۵۱

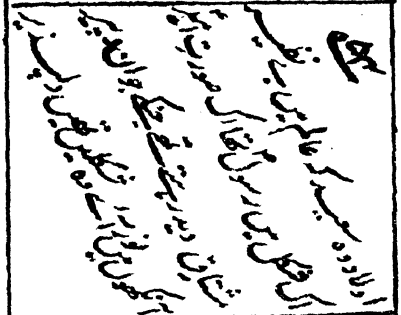

سرکار سے تری جو تحمل عطا ہوا
ثابت قدم رہے تو نسزدں مرتبا ہوا

۵۲

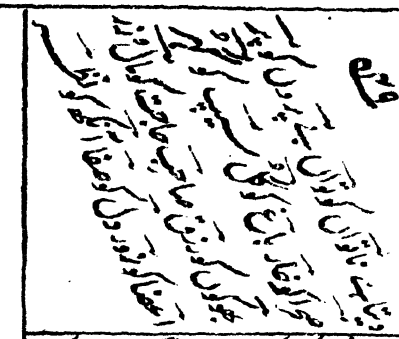

پہلی غذا لعاب دہن تھا رسولؐ کا
پھر پرورش کے واسطے دامن بتولؑ کا

۵۳

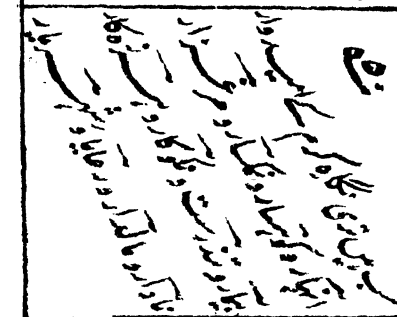

سنگِ محک پہ سب زرِ کامل عیار تھے
ثابت قدم تھے آلِ نبیؐ پر نثار تھے

۵۴

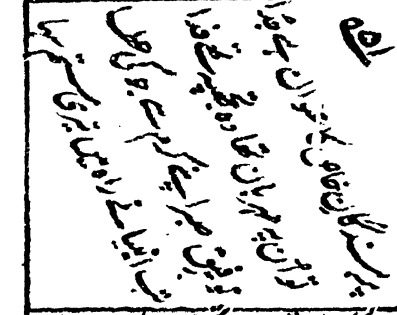

در دِ فراقِ جدِّ و پدر جب ستاتھا
دونوں کو دیکھ لینے سے کچھ چین آتا تھا

۵۵

تقدیر نے جو موردِ رنج و بلا کیا
پیاروں سے دوستوں سے بھلا کیا جدا کیا
کیونکر کہے حسین کہ تجھ پر خدا کیا
تو نے دیا تھا تو نے لیا میں نے کیا کیا

۵۶

پیدا ہوئے تھے مرنے کی خاطر سو مر گئے
مجھ کو امانتوں سے سبکدوش کر گئے

۵۷

دشمن بھی جن سے وہ پیار کرتے رہے
دشمنانِ دوست رہا اور وہ مرتے رہے
دانوں سے میرے بیٹے کو گلزار کر گئے
خوش ہوں مگر کہ دوست وفادار مر گئے

۵۸

باقی ہے مرحلہ تن و سر کی جدائی کا
اب سامنا ہے بندے کو وعدہ وفائی کا

۵۸

سو بھی زباں پہ شکر گزاری میں تر رہے
شہ رگ پہ آبِ خنجرِ قاتل رواں رہے
تیرے سوا کسی کا نہ دل میں اثر رہے
ہر دم خدا خدا مجھے ورد زباں رہے

۵۹

کتابوں میں تیری حضوری میں کربلا
سرنذر کر کے میں تو جہاں سے گزرتا ہوں
حرمت ترے نبی کی ہے موقوف میں بلا
وارث ہیں سب ترے نہ انصار و اقربا
تیرے حوالے تیری امانت کو کرتا ہوں
الحاکمی کو فیل نہیں ہے ترے سوا

۶۰

الطاف سے ترے تو سفر ہو چکا تمام
دشوار ہیں یہ منزلِ آخر کے خندقام
بندے کے واسطے بھی اجازت کا ہے مقام
تیری مدد نصیب ہو گا کچھ انصرام

۶۰

لوٹیں جفا شعار مرا گر بھلے نصیب
چھن جائے سر سے بہنوں کے چادر بھلے نصیب
ہو دشمنِ گیر حافظ بھلے نصیب
زنداں میں جائے آلِ پیمبر بھلے نصیب

انساں کی تاب کیا جو بلا اپنی رد کرے
سب مشکلیں ہوں سہل جو مالک مدد کرے

ثابت قدم ہر ایک دم امتحاں رہے
ڈگمگنے نہ پائے پاؤں جو تو مہرباں رہے

۶۱

جب کربلا سے صرف مناجات تھے امام
اور دوشِ انبیاء سے سوا لخت تھے امام
اور گرد و پیش شاہِ ولا کے تھا ذوالفقار
تھے بیقرار شیر جگر سوز یہ کلام

دل سے نثارِ شاہِ امم ہوتے جاتے تھے
تحسین کرتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے

۶۲

اشکِ رواں کی طرح سرشکِ دمیدہ ہو
چشمِ حبیب پہلے فرس کے نشاں ہو
سنگِ سیاہ خالِ رخِ مہ وشاں ہو
دندانِ جبلک سے گوہرِ جوہر فشاں ہو

آنسو کلاہِ عرش کا درِ ثمین بنا
قطرہ گرا جو خوں کا دلِ حور میں بنا

۶۳

اے سیف دو زبان قلم ذوالفقار ہو
اے جوہرِ حسام ہنر آشکار ہو
اے خطِ دستِ معجز کرب کا گزار ہو
اے جوہرِ اجل خطِ تقدیرِ یار ہو

آمد ہے بادشاہِ ثریا جناب کی
مضموں کی فوجیں آئیں جلو میں کتاب کی

۶۴

آیا سیاہِ شام میں زہرا کا مہ حسیں
نورِ جمالِ حق سے فروزاں ہوئی زمیں
نیزے سے در ازل کے بڑھے دستِ شیطاں دیں
ابرو کی طرح جھک گئی فوجِ ستم قریں

زنگِ حسد سے آئینۂ دل سیاہ تھا
چہرہ سوادِ کفرِ نہاں کا گواہ تھا

۶۵

تقریرِ احتجاج ادا کی امام نے
سختی قلب سے بہ شکستی فوجِ شام نے
پھر گرد از کرد دیدہ سوزِ کلام نے
لوہے کو موم کر دیا عالی مقام نے

داؤد کی زبور رجز تھے امام کے
زرہیں بنی تھیں چھن کے کلیجے لئام کے

۶۶

بولا جواب میں سرِ سعد بے حیا
بیعت نہیں قبول تو پھر کیوں ہے التجا
پانی کی ایک بوند بھی دینا نہیں روا
تم کو کسی طرح کی مروت نہیں ذرا

گر حوصلہ ہو تیغ کے جوہر دکھائیے
کچھ آج زورِ حیدرِ صفدر دکھائیے

۶۸

دیکھا امام نے غضب فوج شام کو
ٹھہرا یا شاہ نے فرس خوش خرام کو
حیدر کی ذوالفقار نے چھوڑا نیام کو
ہیبت سے تپ چڑھی فلک نیلفام کو

غصے سے دست شہ جو گیا آستین پر
جبریل نے بچھائے پر اپنے زمین پر

۶۹

بیٹھے نہ جبل سے زمین پر جو غرت جوشان کے
نکلی جو شام حیدر کرار میان سے
پایا نہ نور ہوا آسمان سے

بیر الالم سے شاہ بنی جاں نکل پڑا
یا قہر کے تنور سے طوفاں نکل پڑا

۷۰

نکلی زبان نور سے بہر دعا
یا آیت مفی نفخ
یا غار کوہ طور سے نکلا ہے اژدہا
یا چاہ سے یہ چہرۂ یزدان نما پڑا

یا قلب غم رسیدہ کا یہ دود آہ ہے
یا چشم مہر چرخ کا مادِ نگاہ ہے

۷۱

قدرت خدا کی صورت دیبر بنا ہے
جو صفت ہے اسے خدا دادی بنا ہے
عرش کریم سے پیا حیدر آئی ہے
اسکی ملک میں دھوم جنوں میں دہائی ہے

دست خدائے پاک کی یہ دست بوس ہے
حجلہ ہے جس کا عرش خدا وہ عروس ہے

۷۲

ایکبار سو کو شعلہ جوالہ ہے یہ تیغ
چمکا آسمان کو آگ کا پرکالہ ہے یہ تیغ
گر برق قہر ہیبت صد ہالہ ہے یہ تیغ
ہے دار دو دنیب ہے تو دو بالہ ہے یہ تیغ

لاسیف اس کی شان میں بے قیل و قال ہے
یہ آسمان فتح و ظفر کا ہلال ہے

۷۳

فرت خدا کی زیر کیا شش جہات کو
کاٹا ہے اسکی برق نے صد میں حیات کو
اک ضرب میں دولت کرے کائنات کو
کاٹے خدا کرے کو ملے قدم میں ثبات کو

الحاد و کفر دہر سے یکسر فنا کرے
یہ ایک ضرب میں حق و باطل جدا کرے

۱۴۳

تیغ ہے کہ برق فنا کا نمونہ ہے
ہے موت کی شبیہ قضا کا نمونہ ہے
یہ آفت زمانہ بلا کا نمونہ ہے
سب ایک سمت تیر خدا کا نمونہ ہے

فولاد و سنگ میں نہیں وہ کاٹ اسکی کاٹ کی
قلزم برابری نہ کرے اسکے گھاٹ کی

۱۴۴

گھوڑا عجیب قدرت پروردگار ہے
خوش بیلوں میں باغ میں یا دربہار ہے
آہو جبل میں دشت میں صیقم شکار ہے
اسکی سبکروی سے صبا شرمسار ہے

گلگوں سمند راکب دوش رسول ہے
دوش صبا پہ گلشن جنت کا پھول ہے

۱۴۵

سرعت یہ ہے کہ چشم زدن میں فلک پہ جائے
اک دم میں سارے عالم ایجاد میں پھر آئے
پہنچے جہاں وہ برق تجلی تو دل کہ دیکھا سے
ممکن رکھے تو دیدۂ نرگس نہ کھلے پائے

یوں آئے جھوم کر یہ صف لالہ زار میں
رنگ آئے جیسے عارض گل پر بہار میں

۱۴۶

تار شعاع مہر کو جادہ بنا ہے
مثل نگاہ جس پہ جا کر پھر آتا ہے
افلاک پر براق کا جلوہ دکھاتا ہے
کیا کیا بیان اسکی بہ مضمون کیا بنا ہے

تصدیق میں یہ پیش تصور روانہ ہے
اسوار کا خیال اسے تازیانہ ہے

۱۴۷

دریا ہو آب آب وہ جولاں یہ ہے کہ
آتش ہے جال کی موج طپاں یہ ہے کہ
دوش صبا پہ تخت باغ جناں یہ ہے کہ
کیا کیا غبار دشت میں فرقاں یہ ہے کہ

گلگوں ہے مصطفےٰ کی امانت لیئے ہوئے
رفرف مثال بار امامت لیئے ہوئے

۱۴۸

گردن کا خم ہے تیغ بلا کی سپر کے پاس
شبنم کی طرح ہیں گہر اشک تر کے پاس
گردن کا وہ نشاں ہے گلوئے گہر کے پاس
رخسار و گوش کی ہیں یہ بالیاں جو ہیں ڈھال

سانچے میں نور کے قد موزوں ڈھلا ہوا
دشمن کا منکا منکے سے جسکے ڈھلا ہوا

۷۹

واں فوجِ اشقیا میں ہوا شور گیر و دار
لشکر پہ مثلِ قہر خدا آ پڑا ہوا
چلنے لگی سپاہ پہ شمشیر بے شمار
گرنے لگے سروں پہ قضا کی گھٹا ہوا

لپٹی ہوئی تھی فتح و ظفر یاں رکاب سے
طوفاں اُٹھا تھا تیغِ شرر خو کی ناب سے

۸۰

اک ضرب میں کیے ہوئے صف دل کے سر قلم
ضرب دگر میں دوسری صف کی کمر قلم
بانو قلم کیے سینے میں قلب و جگر قلم
اسواریاں قلم پیادے اُدھر قلم

ناخن پہ ہے شمار یہاں شیخ و شاب کا
کرے قضا مقابلہ فردِ حساب کا

۸۱

ممکن نہ تھی بیاں سپاہ ضرور کو
کیسے ہلاک کرتی تھی تیغ دو دور کو
کاٹا سکوں میں سروں میں غرور کو
کیجے تو قلب کہیں میں بیت میں زور کو

راکب جو چار پارہ تھے مرکب دو نیم تھے
سب ایک بار داخلِ نارِ جحیم تھے

۸۲

بھاگے کہیں مجال نہیں اضطرار کی
پاؤں میں قطع ہو گئی قوت فرار کی

بیحد لگے جو زخم تو سنبھلے نہ زین پر
کانپا، فلک گرا مہِ انور زمین پہ

۸۳

تخفیف کی محاسب اعمال تھی فقار
قطع و برید سے قاعدہ دانی سے آشکار
گر صفر کی جگہ پہ سروں کو کرو شمار
دس سے ہو بیک دو سے سو بیک سو سے ہزار

مقتول و دست و مشک کا ہے سی الف شمار
عاجز ہوئی سپاہ اماں کی ہوئی پکار
انعدد سے رحم بہر خدا کی حضرت نے کار
بہر سو دیا نام ہیں کی شہ نے ذوالفقار

فرمایا ہم تو سیر ہیں لطفِ حیات سے
رجعت میں اب کھنچیگی یہ قائم کے ہات سے

۸۴

گھوڑا بڑھا کے آئے تلے پر شہ انام
چاہا نباہ بھیجے کو فرمائیں اہتمام
دیکھا یہ جب سپاہ نے ہو یہاں میں صبح شام
چاروں طرف سے ہو گیا تیروں کا ازدحام

۸۵

آگے گئے وہ حال سخت ہے کیا ذکر دل یہاں
دل کا نشان ہے نہ خشک ہوئی جائی ہے زباں
گر کر زمیں پہ ہوگئے غش شاہ دوجہاں
آیا جو ہوش پھر گیا بیٹے کو بیچیں

نیت نمازِ عصر کی فرمائی شاہ نے
کی فکرِ قتلِ شہ سپہِ روسیاہ نے

۸۶

اب کیا کہوں کہ شمر نے کیا کیا ستم کیا
زینب کے سامنے سرِ شہ کو قلم کیا
اک نیزہ بلند پہ سر کو علم کیا
لشکر نے قصد سوئے خیامِ حرم کیا

اُس وقت کانپتی تھی زمیں قتلگاہ کی
ہر سو سے آرہی تھی صدا آہ آہ کی

۸۷

منقول ہے یہ یوسفِ زہرا سے خبر
فرماتی ہیں یہ حضرتِ فضہ سے نکو سیر
جب لٹ چکے خیام شہنشاہِ دیر و بر
اولادِ بیبیاں سے نکلے برہنہ سر

غارت پہ تھا ہر ایک ستمگر پڑا ہوا
اک شخص تھا قنات کے باہر کھڑا ہوا

۸۸

تھا درد دل تو صورتِ مغموم سے عیاں
روتا تھا زار زار کہ بہتی تھیں نیزیاں
نزدیک جا کے میں نے یہ پوچھا کہ اے جواں
روتا ہے کم کہ نیزوں کی خاطر وہ بولا ہاں

لیکن مری بکا کا فسانہ طویل ہے
کیونکر کہوں میں تجھ سے کہ فرصت قلیل ہے

۸۹

لشکر میں ابنِ سعد کے میں نے جو جا کیا
یارا نہیں کہ تجھ سے کہوں اُس کو بر ملا
اصرار جب کیا تو یہ اُس نے کہا
سننے سے ایک نامہ بر آیا ہے کربلا

خط میں لکھی ہوئی خبرِ دلخراش ہے
سُننے سے جسکے شیشۂ دل پاش پاش ہے

۹۰

ابنِ زیاد لکھتا ہے اے افسرِ سپاہ
قتلِ حسینؑ پر ہے بس تری نگاہ
منظور ہے یزید کو یہ گھر کرے تباہ
باقی رہے نہ ظلم و تعدی کی کوئی راہ

پہلے تو خیمہ لوٹ کے تو مال لیجیو
لاشوں کو پھر شہیدوں کے پامال کیجیو

۹۱

نامہ بر پر کیا حکم دیا ہے عوض دام
لاشوں کی بائیگا ہو جلد انتظام
انعام پائیگا جو کرے ایکا انضرام
ورنہ اسیر شام کا محبوب ہے مُدام

بیعت ہے اُسکی گردنِ برنا و پیر میں
کچھ فرق آنے پائے نہ حکمِ امیر میں

۹۲

آمادہ اس جنگ پہ ہوئے دس جانثار
افسر ہے اور سالہ و صاحبِ شکوہ و بار
حکمت ہے حکیم و بہادری ساتھ ایل نار
واعظ ایسے مفتی ہے دین کا یادگار

ہیں مستعد یہ قبر نبیؐ کے ہلانے کو
کمریں کسے ہیں عرشِ خدا کے گرانے کو

۹۳

لشکر میں یہ خبر ہوئی جس وقت منتشر
حیرت سے سر بجیب ہوئے بانیانِ شر
بھولے لبِ زبان کے بجائے کہ الحذر
تن بن لاش سبط پیمبرؐ کی اس قدر

شور و بکا سپاہ ستمگر میں پڑ گیا
لیکن رسالہ حُرؑ کا تو فوراً بگڑ گیا

۹۴

تلواریں کھینچ کھینچ کے پیچ کے وہ جزدہ
بولے وہ ابن سعد سے لے افسرِ سپاہ
ثابت نہیں ہے جرم جو کی کا کوئی گناہ
افسر ہو اس کا خواہ وہ خونخوار دل سیاہ

شرط وفا ضرور ہے چاہے جو حال ہو
ممکن نہیں کہ لاشۂ حُرؑ پائمال ہو

۹۵

یہ جنگ جب موت گوارا نہ ہوسکے گا
الفت سے اسکی ہمکو کنارا نہ ہوسکے گا
سرور اور قوم سے کوئی پیارا نہ ہوسکے گا
تو ہین حُرؑ کی لاش کی ہونے نہ پائیگی

آساں نہیں ہے جان رسالے کی جائیگی

۹۶

ترچھی نگاہیں دیکھکے بولا وہ بدنما
ایسے سنے دی اماں سے ترسب ہو خفا
لیکن ہے شرط لاش کو حُرؑ کی کرو جدا
لے اؤ اس کو خوں میں اپنے تو ہے بجا

ایسا نہو کہ میری اماں میں فتور ہو
بہتر ہے لاش گنجِ شہیداں سے دور ہو

۹۸

بولا کہ خیر جو ہم کو ہے یہ خیال
لیجا کے قتل کرے نافع بن ہلال
منظور یہ نہیں کہ تجھے بیچ کھائے کوئی
غیرت سے تیری جگر کو مرے ہوئی کہاں

تو نے منایا حیدرِ روزِ نہر اُسکے چین کو
پانی کی ایک بوند نہیں دی حسینؑ کو

۹۹

پھر آیا ابجر اسکے بن کاہل شریر
مارا تھا خیر خوار کی گردن پہ جس نے تیر
بولا کہ جا بتا تجھے اب کون ہے امیر
تو بھی اسی سے ہے قربت بھی کثیر

واقف تری سپاہ کا ہر بانمیز ہی
ہیرا حبیبؑ ابنِ مظاہر عزیز ہی

۱۰۰

بولا حبیبؑ سن کہ مجھے کو بھی دنیا ہوں جی عام
لاتی ہے جب حبیبؑ کے لیکر سے فوج نظام
گو ہم سے برخلاف تھا وہ مردِ نیک نام
خاطر سے تیری پر نہیں لیتا میں انتقام

جو ناز تو کرے مجھے وہ سب گوارا ہے
تیرِ سہ شعبہ گردنِ اصغرؑ پہ مارا ہے

۱۰۱

جب لاشۂ حبیبؑ پہ سید نے آنکھ کی
سر پر حسینؑ سن کے ابن سعد سے کہا
گو مجھ کو تھا خیال کہ قرابت کا ہے لحاظ
لیکن ترے ہے ہوتے ہوئے بس نہ چلا

رشتے میں میرا بھانجا وہ حق شناس ہے
اس سلسلے سے اُنکی بھی حرمت کا پاس ہے

۹۸

گھوڑے جو اُسکی لاش پہ دوڑائے جائینگے
ہمقوم میرے عیب یہ مجھ پر لگائینگے

اس دم مرا سکوت حمیت سے دور ہے
پاسِ حبیبؑ ابنِ مظاہر ضرور ہے

۹۹

بولا عمر کہ ہے ترا کہنا بجا ولے
ابنِ زیاد کے ہیں ستمگر ستم شعار
بولا کہ ہے حبیبؑ مظاہر کا جو پسر
جبسے ہے شامل اسکا فوج میں ہوا ہے ڈر

بچپن کے یار سے قادیں قلب جگر نہیں
ہجرت کے یار سے قادیں قلب جگر نہیں

۱۰۰

بولا کہ ہے حبیبؑ مظاہر کا جو پسر
اپنی تمام قوم میں ہوگا میں سرکیں
جبسے ہے شامل اسکا فوج میں ہوا ہے ڈر
ہجرت کے یار سے قادیں قلب جگر نہیں

۱۰۱

پایا ملا حبیبؑ اگر ہو گئی کمی
ہیں ہم رکاب اسکے بنی اسد کے سب قبیل
ہیں ہم رکاب اسکے بنی اسد کے سب قبیل
ہیں ہم رکاب اسکے بنی اسد کے سب قبیل

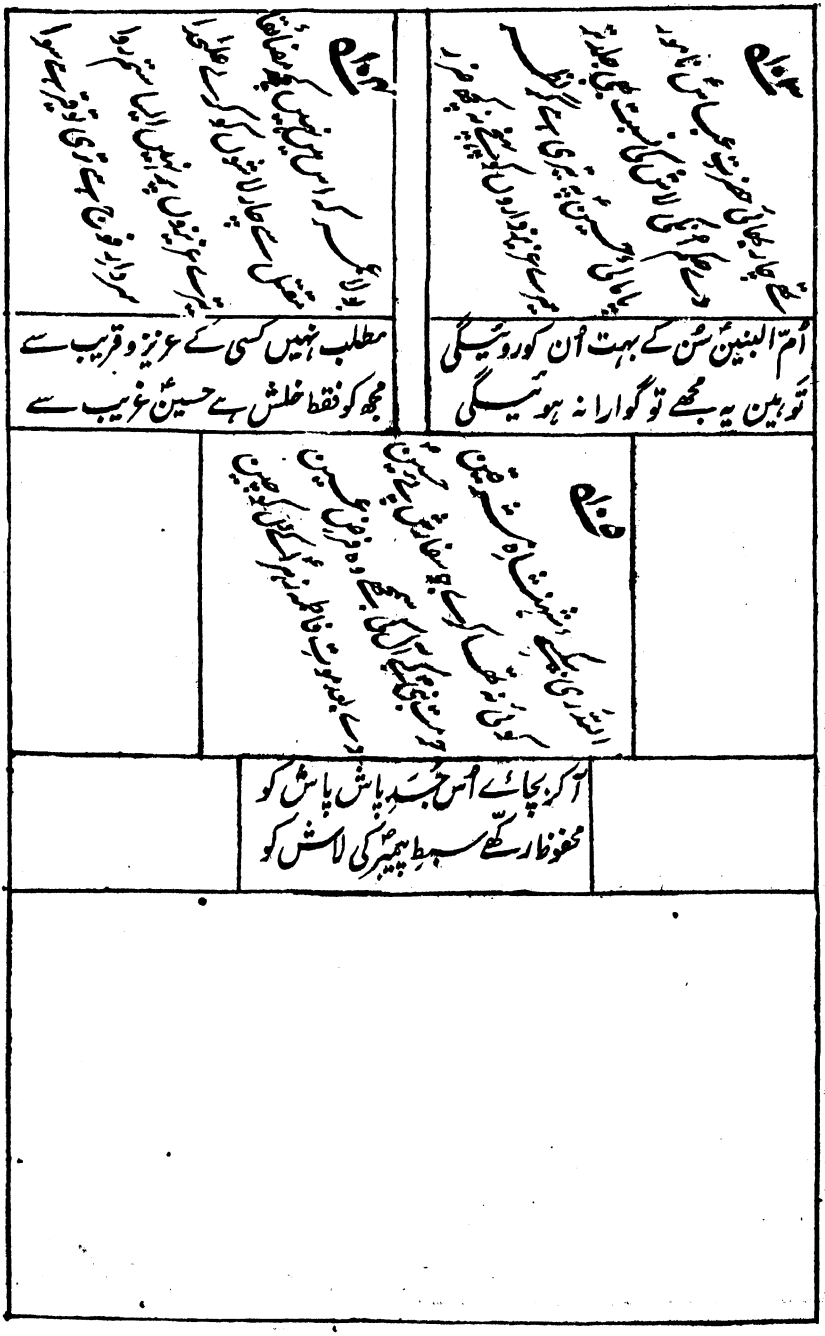
۱۴۸
ہے چار بھائی حضرت عباس نامور
دے کر علم انکی لاش کی نسبت بھی جلد تر
پیارا علی حسینؑ تو تیری ہے گر نظر
میرے سوا عزیزوں کو کہیئے نہ کچھ مفر
اُمّ البنینؑ سُن کے بہت اُن کو روئیگی
تو ہین یہ مجھے تو گوارا نہ ہوئیگی
۱۴۹
بولا کہ اس میں کچھ نہیں میرے مخالفا
مقتل سے جا رہا ہوں کروں کیا علیؑ کا
تیرے عزیزوں پر نہیں ایسا ستم روا
سردار فوج ہے تری تو فیصلہ سوا
مطلب نہیں کسی کے عزیز و قریب سے
مجھ کو فقط خلش ہے حسینؑ غریب سے
۱۵۰
اکثر دری پہ بیٹھے تھے شہ شاہ دین
کوئی نہ تھا کہ جو نہ ہو غمناک دیکھ کر
حرمت بچا کے آل کی سمجھے وہ فرض حسین
بعد از ممات فاطمہؑ ہم اسکے کفل تھے
آکر بچائے اُس جسدِ پاش پاش کو
محفوظ رکھے سبطِ پیمبرؐ کی لاش کو

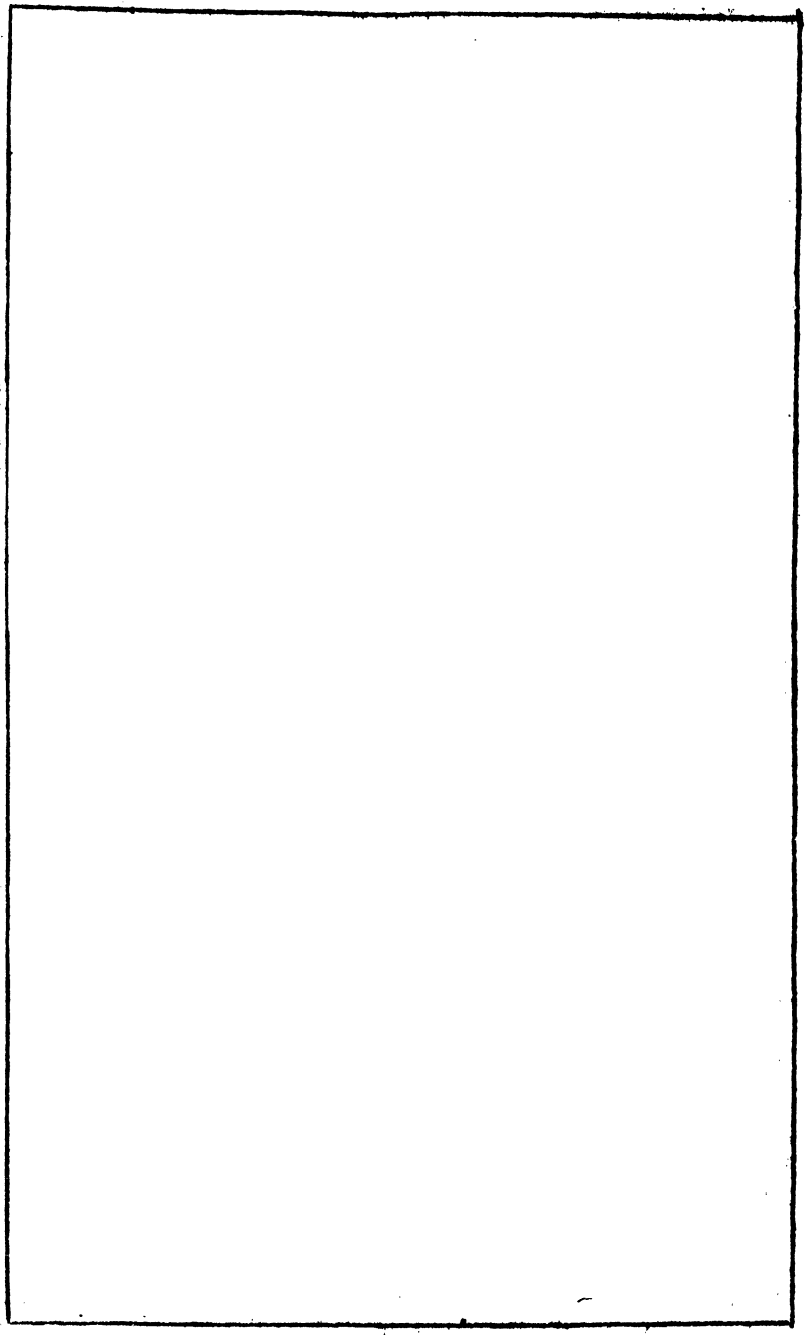

مطلع

آفاق کو اے فوجِ سخن زیر و زبر کر

مصنفۂ

جناب عظیم مرحوم

بند ۱۵۹

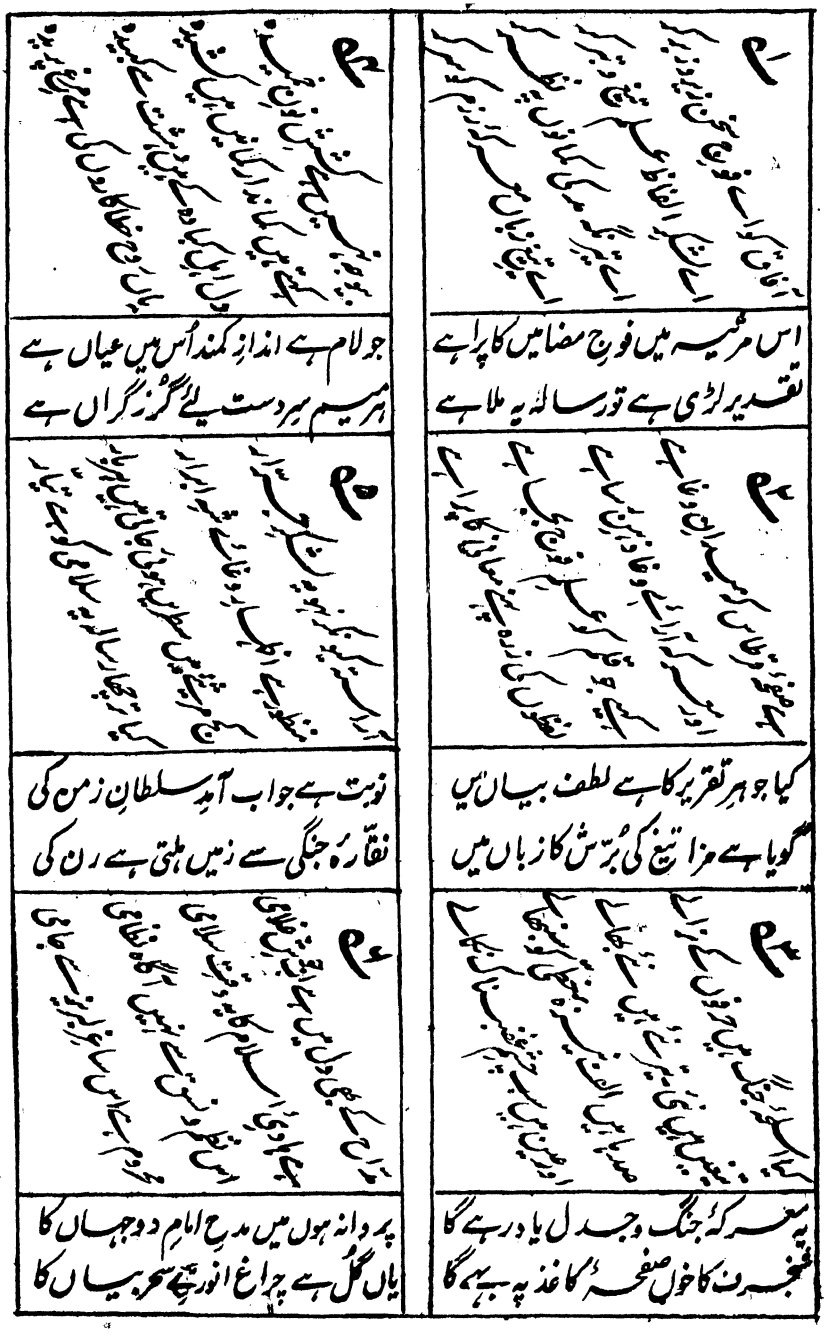

۱۴
آفاق کو اب فوجِ سخن زیر و زبر کر
اے لشکرِ الفاظ علم تیغ و تبر کر
اے تیرِ نگہ مرکزِ کمانوں پہ نظر کر
اے تیغِ زباں معرکۂ رزم کو سر کر

اس مرثیہ میں فوجِ مضامیں کا پرا ہے
تقدیر لڑی ہے تو رسالہ یہ ملا ہے

۱۵
ہے صفحۂ قرطاس کو میدانِ وغا ہے
اور خامہ کہ آرائشِ وفاذرین سپاہ ہے
کہیے جو قلم کو علمِ فوجِ جدا ہے
نقطوں کی نہ دیکھ پیچھے معانی کا پرا ہے

کیا جوہرِ تقریر کا ہے لطف بیاں میں
گویا ہے مزا تیغ کی بُرّش کا زباں میں

۱۶
کیا لشکرِ جنگ میں حرفوں کے نرالے
نقطے ہیں کہ تیغیں ہیں سنے ہیں بھالے
صدہا ہیں الف نیزہ بخطی کو سنبھالے
اور عین ہیں سب حضرتِ عباس کے بھالے

یہ معرکۂ جنگ و جدل یاد رہے گا
صفحہ ترا کاغذ پہ بہے گا

۱۷
جو لام ہے اندازِ کمند اُس میں عیاں ہے
ہر میم سپر دست لیے گرز گراں ہے
بے جوہر تیغ سین کشش نونِ کماں ہے
کہتے ہیں کہ انداز کماں میں یہ نشاں ہے
دل ابرو کی بادہ کے بیٹھ پشت سے کھینچ
ہاں تیغ خطا کاروں کی ہے فتح پہ بیچ

۱۸
ہے نعت کہ جنگ و جدل یاد رہے گا
صفحہ ترا کاغذ پہ بہے گا
مدّاح کے بھی دل میں ہے اب تیغ علی کی
ہے ادعیٰ اسلام کا یہ وقتِ سلامی
اس نظم و نسق سے نہیں آگاہ نظامی
محروم ہے اس سا غزلِ نو سے جامی

پروانہ ہوں میں مدحِ امامِ دو جہاں کا
یاں گل ہے چراغ انورِ سحرِ بیاں کا

۸

ہر شعر یہاں فضلِ خداوندِ جہاں سے
لکھتا ہے قلم طوطیٔ سدرہ کی زباں سے

۹

الطافِ الٰہی سے عروج آج ہے اپنا
آقا پسرِ صاحبِ معراج ہے اپنا

۱۰

تعظیم میں افلاک جھکاتے ہیں سروں کو
رستے میں بچھاتے ہیں ملک اپنے پروں کو

۷

مطلع ثانی

ہاں غلغلہ برپا ہے شجاعانِ زمن میں
آمد ہے خداوندِ اولوالعزم کی رن میں

۱۱

غل ہے سرِ گردوں نہ کہیں گرد میں ملجائے
خطرہ ہے یہی قائمۂ عرش نہ ہلجائے

۱۲

غل ہے کہ نہ اب دورۂ افلاک رہے گا
گر کاخِ فلک اُلٹے تو پھر خاک رہے گا

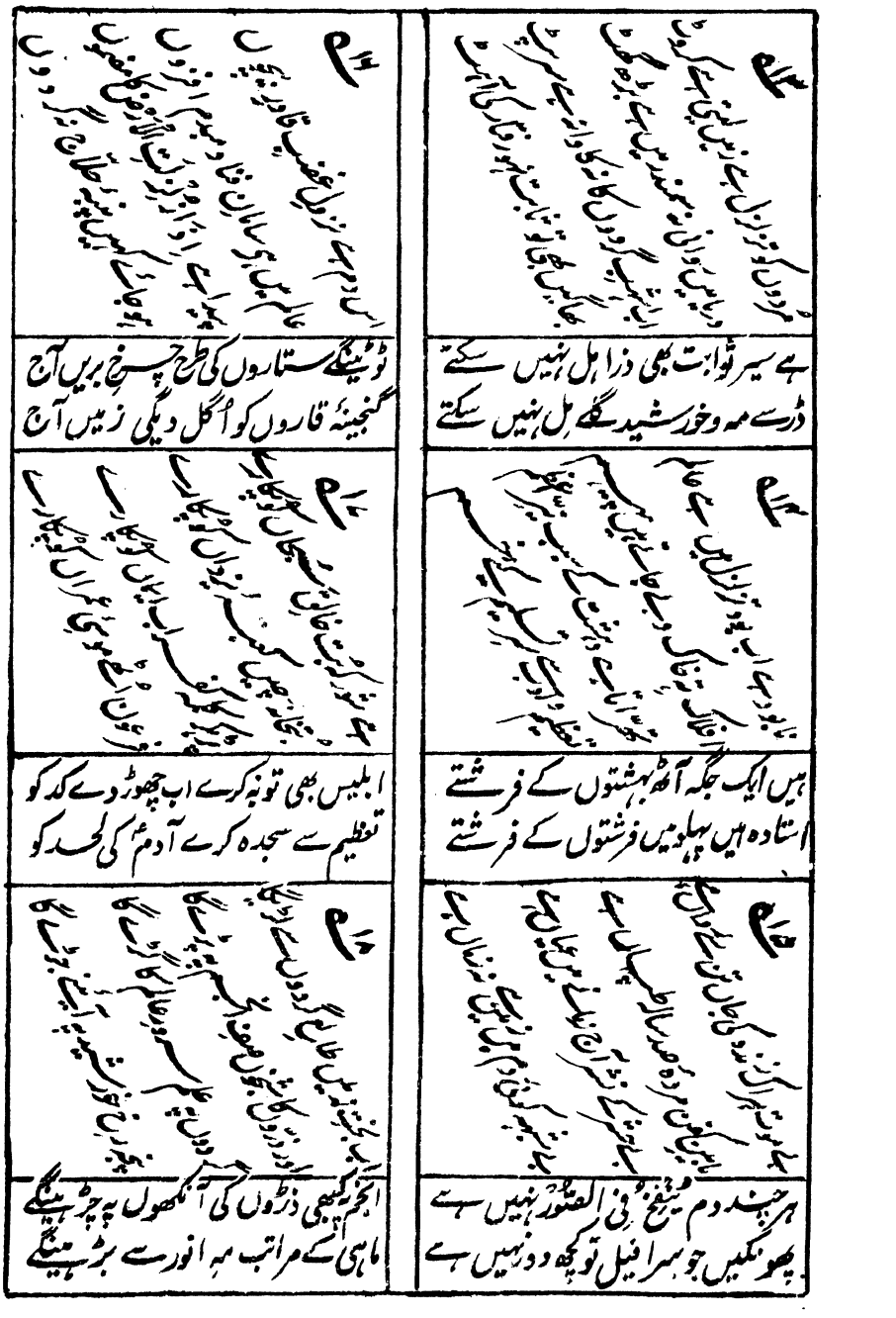

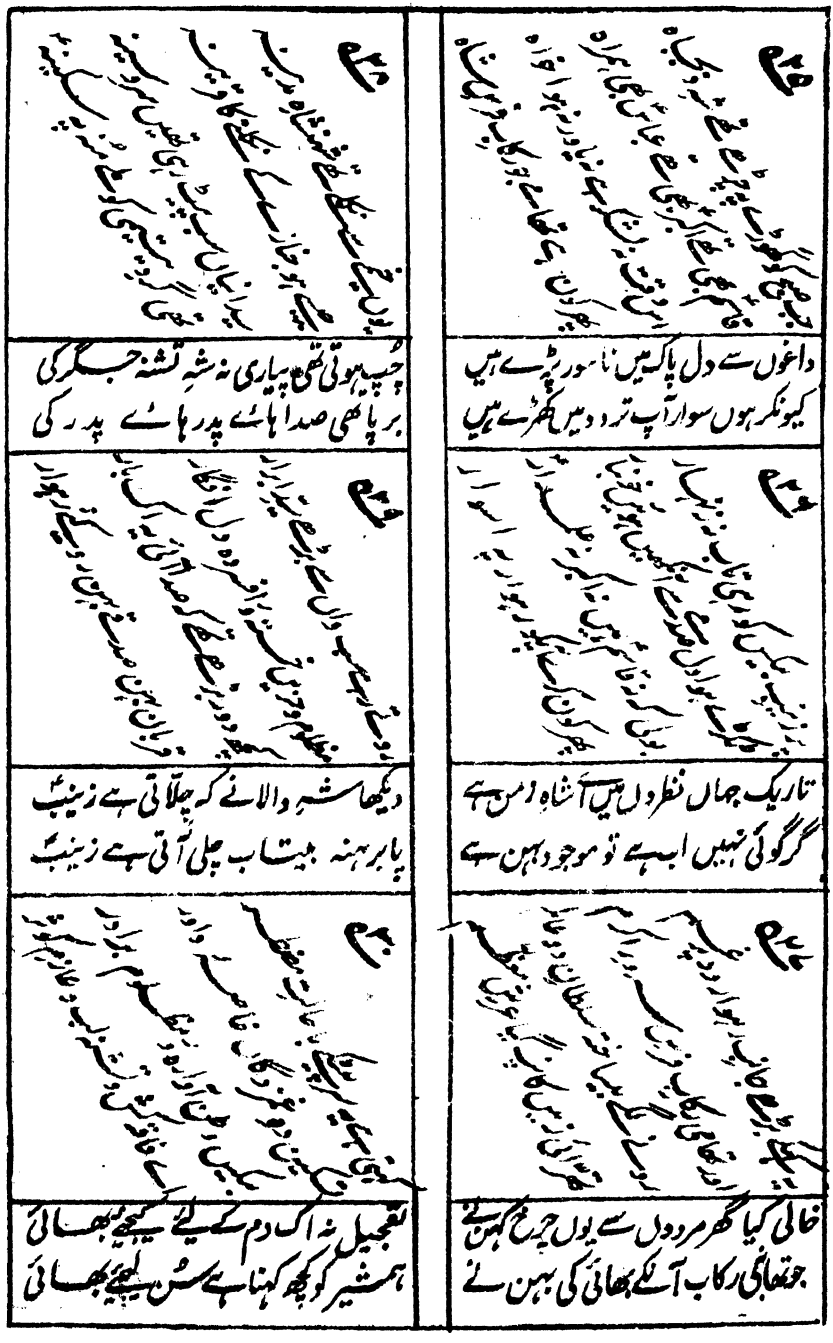

۲۹

جب چلے گھوڑے پہ چڑھ کے شہ دیں شاہ
فاتحہ بھی نہ پڑھی اکبر بھی ساتھ عباس بھی ہمراہ
اس وقت زلف بکھری ہوئی تھی نہ بانو روتی تھی نہ آہ
پھر کون ہے تماشے جو رکاب نہ تھامے شاہ

۳۰

بیبیاں سب کو دی جناب نے رخصت
بولے گھوڑے پہ سوار ہو کے اکبر
بولی کر فاطمہ میں صدقے گئی
پھر کون کرے گا ایسا سوار

۳۱

دوستو دیکھو وہ خیموں سے نکلتا ہے کون
وہ علمدار وہ جرار وہ صفدر وہ جواں
کچھ دلیری کا بھی عالم ہے کہ صدقے ہیں ہزار
قربان ہیں صدقے ہیں دیکھے ہیں ہزار

۳۲

یوں تو بچے سے نکلتے تھے شہنشاہ مدینہ
پیچھے ہو جاز سے نکلے کا قرینہ
سیدانیاں سب پیٹ رہی تھیں سر و سینہ
تھی گریہ و زاری کی مچی شور و شغب سے

۳۳

چپ ہوتی تھی پیاری نہ شہ تشنہ جگر کی
برپا تھی صدا ہائے پدر ہائے پدر کی

۳۴

داغوں سے دل پاک میں ناسور پڑے ہیں
کیونکر ہوں سوار آپ تردد میں کھڑے ہیں

۳۵

تاریک جہاں نظروں میں آشاہ زمن ہے
گر گوئی نہیں اب ہے تو موجود دہن ہے

۳۶

یہ بھی بڑھے جانب رہوار دوپیدل
اور تھامی رکاب زینب سوگوار کی
رونے لگے بیبیاں خیمہ سلطان دو عالم
تھرا گئی زمیں کانپ گیا عرش معلی

۳۷

خالی کیا گھر مردوں سے یوں چرخ کہن نے
جتھا بھائی رکاب آ لگے بھائی کی بہن نے

۳۸

دیکھا شہ والا نے کہ چلاتی ہے زینب
پا برہنہ بیتاب چلی آتی ہے زینب

۳۹

تعجیل نہ اک دم کے لیے کیجیے بھائی
ہمشیر کو کچھ کہنا ہے سن لیجیے بھائی

۳۱

غش کھا کے گرے کیوں کیا ہوا اے فوارۂ غم خوار
میں غیر سے سب کہتے ہیں جلدی کرو اظہار
زندہ ہے کہ جنت کو سدھارا مرا بیمار
پانی کے چھڑکنے سے اٹھا صاحب آزار

خیمے میں ہے یا خیمے کے باہر وہ کھڑا ہے
کچھ ہوش میں آیا ہے کہ بیہوش پڑا ہے

۳۲

زینب نے کہا بیٹھے ہیں سب زندہ ہیں بھائی
بیمار وہ بیکس ہے دیتی ہے حضرت کی دہائی
بجائے غش سے ابھی فرصت نہیں پائی
میں کیا کہوں بھائی کو گئے اب نہ آئی

بے آپ کے اب خیمے میں ٹھیرا نہیں جاتا
اُجڑا ہوا گھر آنکھوں سے دیکھا نہیں جاتا

۳۳

اب ہے یہ بیٹی ماں کی برائے بھائی
دکھلائے کو دیدار نہ تھیں آپ بھائی
تکلیف ہیں سکینہ کے لیے فرمائیے بھائی
اک دم کے لیے گھوڑے پہ جھک جائیے بھائی

ہاتھوں سے بلا آپ کی مغموم لے زینبؑ
اک مرتبہ پھر بوسۂ حلقوم لے زینبؑ

۳۴

جس وقت بنی شاہ سے الفت کی یہ تقریر
یہ دل ہوا بیتاب کہ حالت ہوئی تغییر
رقت ہوئی مظلوم کو دیکھا کی جو تحریر
بھائی نے بہن کا ہاتھ اور دیکھے زمین پر

سر اپنا جھکایا جو شہ تشنہ دہن نے
حلقوم کا بوسہ لیا رو رو کے بہن نے

۳۵

کی عرض کہ بھیا یہ بلا وہ ہے میرے سر
پوچھا جو بہن سے شہ ذی جاہ و حشم نے
کرتے تھے ستانے سے ادا جو ستم گر
آساں کیا مرنا سخت ہوا حال پریشاں

آج آپ پہ یہ ظلم ہے یہ جور و جفا ہے
بے پانی کے لب سوکھے ہیں اور خشک گلا ہے

۳۵

بندے کی طلب آج ہے دربارِ خدا میں
تاخیر میں فرق آئے نہ وعدے کی وفا میں

۳۶

چھن جائے اگر سر سے ردا فوجِ جفا میں
فرق آئے نہ پابندیٔ تسلیم و رضا میں

۳۷

دل اُمڈا چلا آتا ہے گھبراتی ہوں بابا
لوسن کو ذرا رونے میں آتی ہوں بابا

۳۸

بیتاب کیا دخترِ ناداں کی فغاں نے
رہوار کو ٹھیرا لیا شاہِ دو جہاں نے

۳۹

قربان گئی عذر نہ فرمائیے بابا
میری بھی یونہی آرزو بر لائیے بابا

۴۰

آغوش میں لے لیجئے اب ہونٹوں پہ دم ہے
میں صدقے گئی تم کو سکینہؑ کی قسم ہے

۴۴۳

بیتاب تھا دل بیٹھ گئے گرم زمیں پر
بوسہ دیا سوکھے ہوئے ہونٹوں سے جبیں پر

۴۴۴

فرطِ غم و اندوہ سے بیکس کو اختیار
تھا غیر کا اب اس کے زیادہ نہیں یار
لو جاؤ تمہیں جان سے اے بیکسو غمخوار
یہ کہتے ہی بیمار نے ہاتھ سر سے اٹھا لیا
پیشانی پہ ٹھنڈے پسینے کا بلبلا

۴۴۵

اب ہونگے عیاں حشر کے آثار سکینہ
آنا درِ خیمہ پہ نہ زنہار سکینہ
امت سے نہ پیار اکیا گھر آپ نے آنا
فدیہ کیا اولاد کو کس باپ نے آنا

۴۴۶

تھرائیں جو افلاک نہ گھبرائیو بیٹی
گھبرا کے نہ خیمے سے نکل آئیو بیٹی
پر تو نگنی رُخ نے جو کی روئے زمیں پر
صیقل ہوئی آئینۂ خورشید مبیں پر

۴۴۷

بیتاب تھا دل بیٹھ گئے گرم زمیں پر
بوسہ دیا سوکھے ہوئے ہونٹوں سے جبیں پر
درد و قلق و رنج وہ نادان و حزیں کا
اور چھوڑ کے اُٹھ جانا شہ عرش نشیں کا

۴۴۸

یہ روئے کہ دامانِ فلک تر ہوا سارا
فرطِ غم و اندوہ سے بیکس کو اختیار
تھا غیر کا اب اس کے زیادہ نہیں یار
لو جاؤ تمہیں جان سے اے بیکسو غمخوار
یہ کہتے ہی بیمار نے ہاتھ سر سے اٹھا لیا
پیشانی پہ ٹھنڈے پسینے کا بلبلا

۴۴۹

اب ہونگے عیاں حشر کے آثار سکینہ
آنا درِ خیمہ پہ نہ زنہار سکینہ
امت سے نہ پیار اکیا گھر آپ نے آنا
فدیہ کیا اولاد کو کس باپ نے آنا

۴۵۰

تھرائیں جو افلاک نہ گھبرائیو بیٹی
گھبرا کے نہ خیمے سے نکل آئیو بیٹی
پر تو نگنی رُخ نے جو کی روئے زمیں پر
صیقل ہوئی آئینۂ خورشید مبیں پر

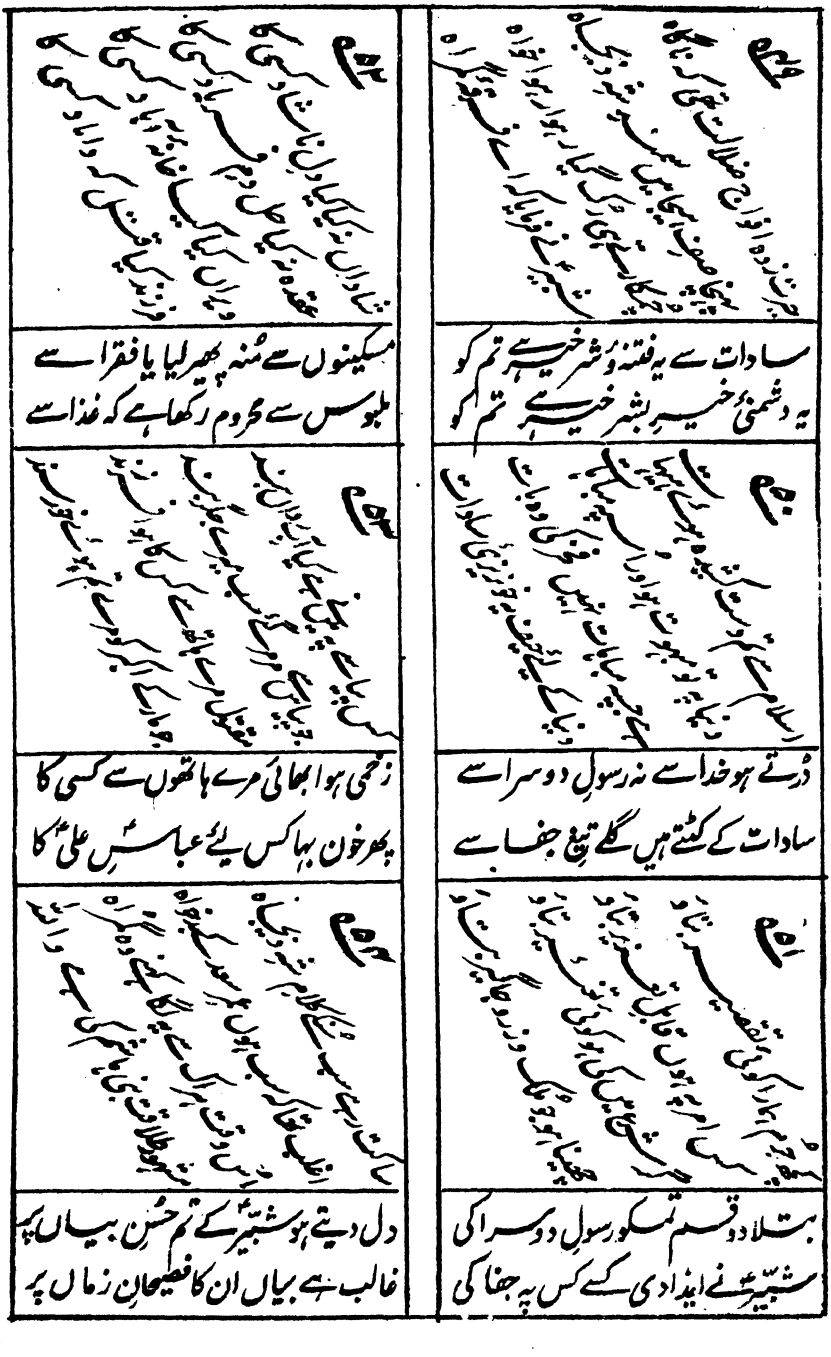

۴۱۱

جرأت زدہ اوفاج ضلالت تھی کہ ناگاہ
پہنچا صفِ اعدا میں سمندِ شہِ ذیجاہ
شبیرؑ نے فرمایا کہ اے فرقِ گمراہ

سادات سے یہ فتنہ و شر خیر ہے تم کو
یہ دشمنیٔ خیرِ بشر خیر ہے تم کو

۴۱۲

شادان نہ کیا کیا دلِ ناشاد کسی کا
عقدہ نہ کیا حل دمِ فریاد کسی کا
ویران کیا کیسا خانہ آباد کسی کا
فرزند کیا قتل کہ داماد کسی کا

مسکینوں سے مُنہ پھیر لیا یا فقرا سے
ملبوس سے محروم رکھا ہے کہ غذا سے

۴۱۳

اسلام سے کم دست کشیدہ ہوئے کیا تم
دنیا پہ تو بہبود ہوا اور اسے پیہم
ہے جیسے مساوات نہیں فرقِ دوعالم
دنیا کے لیے حیف یہ جوڑی رسولؐ اور

ڈرتے ہو خدا سے نہ رسولِ دوسرا سے
سادات کے کٹتے ہیں گلے تیغِ جفا سے

۴۱۴

کس پیاسے پہ پانی ہے پیا آبِ رواں بند
جو پیاس سے مرتے گئے سب پر ہے جاں بند
مقتول مرے ہاتھ سے کس کا ہوا فرزند
جو مارے گئے کوئی ہوا تم سے تو ہوا بند

زخمی ہوا بھائی مرے ہاتھوں سے کسی کا
پھر خون بہا کس لیئے عباسؑ علیؑ کا

۴۱۵

کچھ جرم ہمارا بھی تو ثابت کیا ہوتا
کس امر میں ہم قابلِ تعزیر ہوئے تھے
کیا شرع میں کوئی حد اس کی ہے بتاؤ
کچھ ہو بھی تو ملک و زر و جاگیر بتاؤ

بتلا دو قسم تم کو رسولِ دوسرا کی
شبیرؑ نے ایذا دی کسے کس پہ جفا کی

۴۱۶

ساکت رہے سب سُنکے کلام شہِ ذیجاہ
اغلب تھا کہ سب ہوں گے مرعوب سکندر جاہ
اِس وقت ہر اک سے یہ لگا کہنے وہ مکرہ
شبیرؑ کو طاقت نبی ہاشم کی ہے واللہ

دل دیتے ہو شبیرؑ کے تم حُسنِ بیاں پر
غالب ہے بیاں ان کا فصیحانِ زماں پر

۵۵

کیا فائدہ سنتے ہو کھڑے ہو کے تو فوراً
تدبیر کرو وقت ہے کیا آج ہو قت سیر
شمشیر کا ہے وقت مناسب نہیں تاخیر
تلوار میں کھینچیں میان سے پہلوں کی طرح تیز

اس معرکۂ جنگ میں جانوں کو لڑا دو
بے سر کرو شبیرؑ کو قصہ کو چکا دو

۵۶

سنتے ہی یہ لشکر ہوا آمادۂ پیکار
دینار کمر بند زر و دل تھی ہوس زر
درہم کی طمع میں انہیں تقدیر نے دی مار
تلوار میں کھینچیں بزرگ ہو گئے اکبار

گردن جھکے سر اسر سر گردوں گئی رن سے
آغاز ہوئی جنگ و جدل شاہ زمن سے

۵۷

مطلع ثانی

آمد ہوئی جب ران میں رشک خضر کی
سر سبز تھی شمشیر فلک خاک در کی
بر آئی تمنائے دل تیغ دو دم کی
شمشیر دو دم سر پر عالم علم کی

تھرائے تھے افلاک زمیں کانپ رہی تھی
گھٹتا تھا جو دم گاہ زمیں ہانپ رہی تھی

۵۸

نقارہ و طبل و علم و کوس و دمامہ
آواز سنی جاتی تھی ہر ضرب پہ پیہم
ہاں اسم محمد سے ہوا گنبد گردوں خم
کیوں مائل دنیا ہوا فانی سے عالم

فرعون نہ قاروں ہے نہ ضحاک و فریدوں
دنیائے دنی دوں ہے آرے دوں ہے آرے دوں

۵۹

دریا سے جب رکاب کا لشکر ہوا دوچار
طوفان کا طوفان تھا طوفان کا طوفان دو بارا
کیا اس دم پہ اعتبار کسی کو جب آیا
کیوں نیند دوا ربتاب کو کوئی جب آیا

گردش میں تجھی سب سے تجھے بد نظر تھی
اس دور عدالت کی تجھے کیا نہ خبر تھی

۶۰

بدر و حنین و خیبر و خندق ہوا زوال آج
کعبہ و کعبہ کے کہیں بدلہ ہوا جلال آج
گردوں کیا تیغ دکھا کیوں کسی کا ہے اقبال آج
ہاں دیکھ شرر ریز جو تیغ شہ دیں ہو

مچھلی نہ کباب آج کہیں زیر زمیں ہو

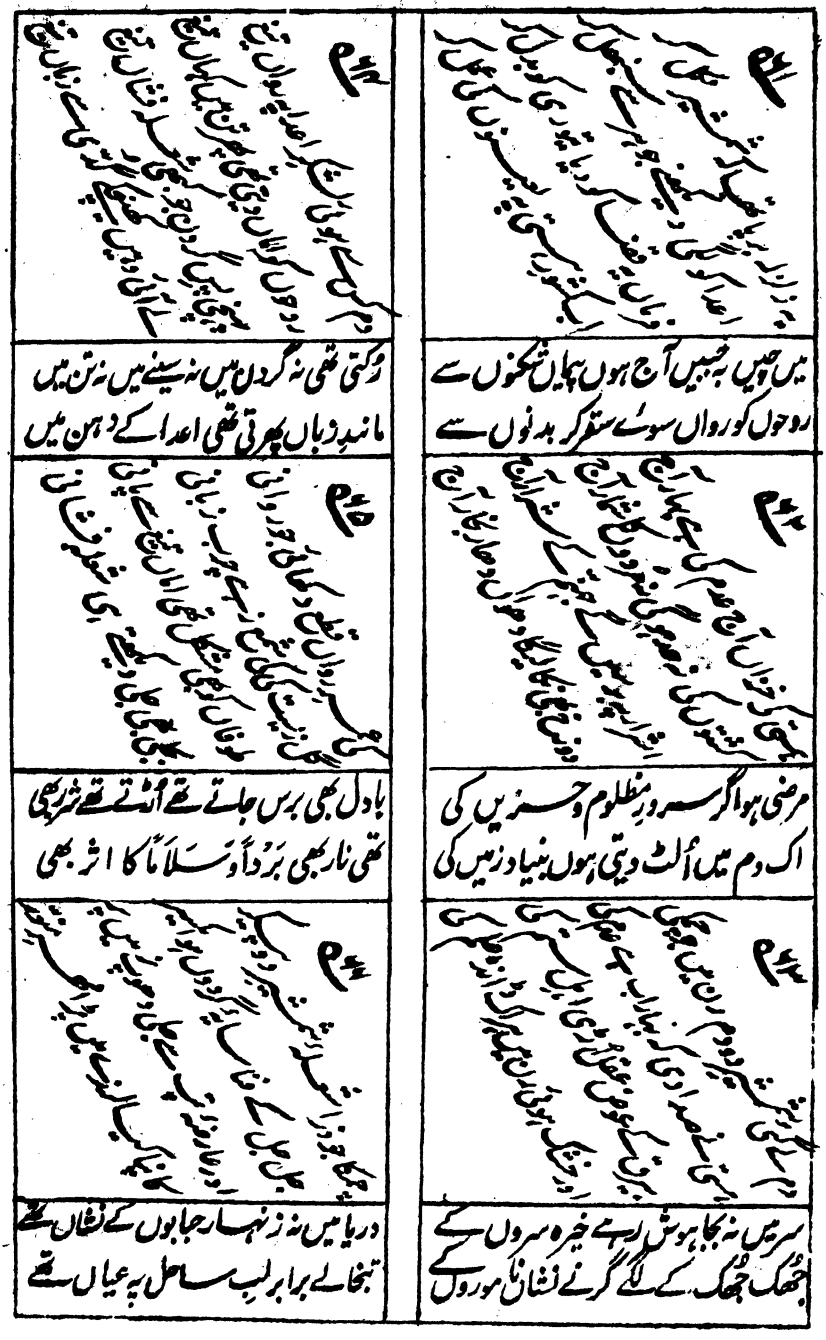

۱۱۱
یہ زلزلہ یہ کپکپی یہ شور یہ فغاں
اعدا کو لگی دیکھنے جو ہر سے بھر کر
وہاں یہ وقف کر دیا پوری کو بیٹھ کر
سب کشورِ زمیں یہ لیٹوں کی مار کر

میں چیں بہ جبیں آج ہوں یہاں تکنوں سے
روحوں کو رواں سوئے ستر کر بدنوں سے

۱۱۲
ہستی کی خزاں آج عدم کی ہے بہار آج
کشتوں کی نمو ہو گی نمودِ دگر آج
اشرار ہوں بیس سے جیسے کہ شرار آج
دوزخ بھی بنا دیگا دھواں دھار غبار آج

مرضی ہوا گر سرورِ مظلوم و حزیں کی
اک دم میں اُلٹ دیتی ہوں بنیاد زمیں کی

۱۱۳
دم سادھی کشتیرِ دوم رن میں بچی
ہستی نے صدا دی کہ بہار اب ہے تھمی
برچھوں کے ہوئی غیظ کی ڈالی میں کمی
اور جنگ ہوئی ان کی بہادر کی ازل کی

سر میں نہ بجا ہوش رہے خیرہ سروں کے
جھک جھک کے لگے گرنے نشاں نامروں کے

۱۱۴
دم سادھ کے بولی لشکرِ اعدا پہ سواں تیغ
روحوں کو رواں کرنے کی پھر تن میں کہاں تیغ
ہچکی پہ گری گردنِ جرار پہ جاں تیغ
لے آئی وہیں کھینچ کے تڑپی سے زباں تیغ

رُکتی تھی نہ گردن میں نہ سینے میں نہ تن میں
مانندِ زباں پھرتی تھی اعدا کے دہن میں

۱۱۵
کی سر پہ سواروں پہ دھائی جو روانی
گرنیت کی بجلی سی زہے چرب زبانی
طوفاں کی بھی مشکل تھی اماں تیغ سے پانی
بجلی بھی جل دیکھتے ہی شعلہ فشانی

بادل بھی برس جاتے تھے اُٹھتے تھے شرر بھی
تھی نار بھی بَرْداً وَسَلاَماً کا اثر بھی

۱۱۶
چمکا جو ذرا شعلہ رشید دلیر کا
جل جل کے فنا ساتھ گرا دوں ہوا تیغ
اور عارفِ حق سے جلی دوں ہوا تیغ
کانپا کبھی الوند میں بڑھا کبھی تیغ

دریا میں نہ زنہار جابوں کے نشاں تھے
تہ تالے برابر لبِ ساحل پہ عیاں تھے

۷۱۱

اور آب دم تیغ سے بھی تیز تھے کاری
زد پر جو گیا جس سے تو دو ٹکڑے ہوا جاری
دریا کو زکام اس کے سبب سے ہوا جاری
چھینکے کہ سنے بیٹھ کے پشت پہ نہنگ اپنی

صدمے سے کہیں گاؤ زمیں اب نہ دہل جائے
قاروں نہ کہیں عطسہ کے ہمراہ نکل جائے

۷۱۲

تلوار تھی شبیرؑ کی یا میلِ قضا تھی
سرمے کی طرح آنکھوں میں تلوار کی جا تھی
رفرف نے کیا شبہ یہی چشمۂ بریں پر
پھر خلد سے پہنچا وہ براق آج زمیں پر

۷۱۳

کٹتے تو سواروں کے پیادوں سے بڑھے تھے
اسوار بھی کب بچتے کہ نظروں پہ چڑھے تھے
تھا کبکِ دری کوہ میں طاؤس چمن میں
ضرغام نیستاں میں آہو تھا ختن میں

۷۱۴

طوبےٰ کے تو پنچے تھے فدا کان کے اوپر
چہرے پہ پری صدقے تھی جن جان کے اوپر
قالب میں فلک کے تھا دلِ جان جہاں تنگ

۷۱۵

اس سینے کا اس بیٹھ کا اس کان کا گھوڑا
جن کھیتوں میں پھرتے تھے انہیں اس جا کا گھوڑا

۷۱۶

زیں ہر سہ میں خلد بال اور قمر تھے
تھا شبہ کہ پریزاد ہیں یا جن کے پسر تھے
گلشن میں صبا تھا تو سمندر میں تلاطم

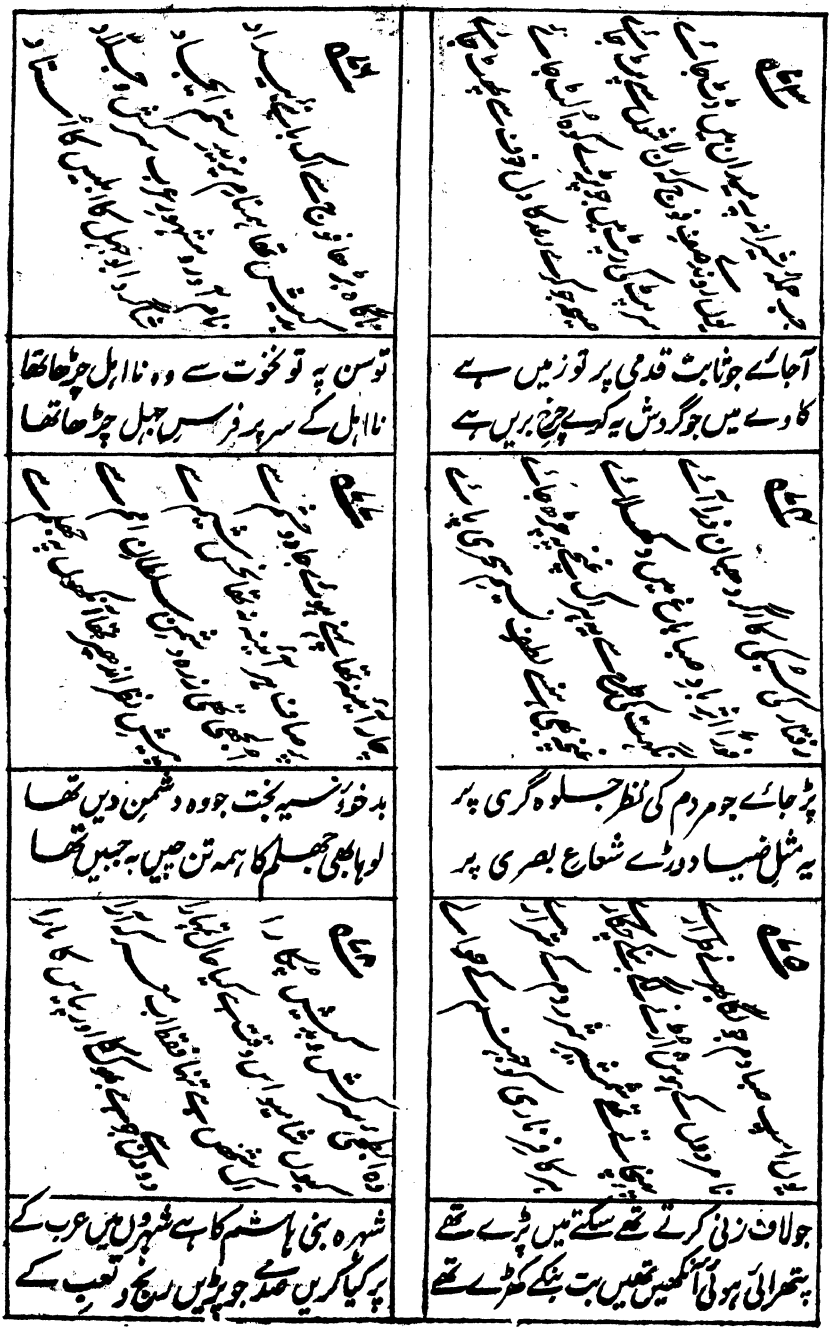

جب جلوۂ خیرہ یہ میدان میں ڈٹا جائے
جولاں دہ صف فوج کو لاکر خم سے پرے جائے
سرپٹ کی لڑت میں جو پٹکے کو گاٹا جائے
سمجھو کہ اسے دل ذوق سے پٹ جا جائے

آجائے جو ثابت قدمی پر تو زمیں ہے
کاوے میں جو گردش یہ کرے چرخ بریں ہے

رفتار کی بجلی کا اگر دھیان ذرا آئے
فوراً اثر باد صبا باغ میں دکھلائے
نکہت کی طرح سے یہ ہر اک غنچے پہ جا جائے
غنچہ بھی ہنسے لطف نسیم سحری پائے

پڑ جائے جو مردم کی نظر جلوہ گری پر
یہ مثل ضیا دوڑے شعاع بصری پر

یوں اسپ صبا دم جو لگا بھرنے نظر سے
تا مرد کے ہوش اڑنے لگے بنکے بچکارے
پہنچا نہ غبار اس کا کسی شہسوار کے
ہر کار زاری کو جہنم کے شعلے

جولاں زنی کرتے تھے سکتے میں پڑے تھے
پتھرائی ہوئی آنکھیں تھیں بت بنکے کھڑے تھے

تو سن پہ تو نخوت سے وہ نااہل چڑھا تھا
نااہل کے سر پر فرس جہل چڑھا تھا

بنگالہ بڑھا فوج سے اک بانکا سپاہی
کمبیش تھا ہمنام پیمبر سے ایسا
نام آور و مشہور عرب سرکش جبار
شاگرد ابوجہل کا ابلیس کا استاد

بد خو نسیہ بخت جو وہ دشمن دیں تھا
لوہا بھی جھلم کا ہمہ تن چیں بہ جبیں تھا

چار آئینہ تھا پہنے ہوئے جاوہ خسروی سے
پیدا تھا ہر آئینہ سے دشمن کش سلطان امم سے
ابھی تھی نہ زندہ دشمن دیں کسی ستم سے
پیش نظر اندھیر تھا آنکھوں پہ جہل سے

وہ کاوہ بھی سرکش و پیش پا رہا
کیوں شاہ یہ اس وقت سے بیحال تباہ
اک شخص سے تنہا فقط اب سر کرار
دو دن ہے ہوا بھوکا اور پیاس کا مارا

شہرہ بنی ہاشم کا ہے شہروں میں عرب کے
پر کیا کریں صدقے جو پڑیں لشکر و تعب کے

۷۹

جس کو غم اولاد کا سانپ سے وہ ڈسے گا
چودہ غزیزوں کے اٹھائے وہ اٹھے گا
غم کھانے کا دندان جو کھائے وہ رہے گا
اس دھوپ میں جو پانی نہ پائے وہ رہے گا

۸۲

شبیر کا اک قلب ہے اور لاکھ عزیز
کس کس کے لیے روئیں دل اک آنکھوں سے بہت
مقتل میں کسے چھوڑ دیں اور کس کو اٹھائیں
اب کون ہے خیمے سے مدد کو جو بلائیں

افتاد ہو جس پر غم و اندوہ و بکا کی
ممکن ہے رہے تاب و تواں اس کو وغا کی
جس شخص کا تازہ کوئی داماد مرے گا
مر جائیگا خود وہ کہ وغا رن میں کرے گا

۸۰

عباس سا کیسا تھا برادر کا برادر
دیکھا نہیں مارا گیا دریا پہ وہ کیونکر
ٹوٹی کمر زلزلہ میں گر سنبھلا نہ ہمدم

۸۳

اب فوج ہی میدان سے بھاگے تو بھاگے
ممکن نہیں بے فتح کئے جنگ پلٹ جائے
اے تو بھی سر شہ کا فری تیغ سے کٹ جائے

گر گر کے نہ اٹھ سکتے تھے اس گرم زمیں سے
سیدھا نہ ہوا جاتا تھا رن میں شہ دیں سے
لو دیکھو تماشا مری شمشیر زنی کا
سر نیزے پہ لاتا ہوں امام مدنی کا

۸۱

اس طرح تو ہر ایک کا داغ آج ملا ہے
اظہار ہے بس دل کا ہر داغ سوا ہے
نیزہ دل اکبر پہ غضب کا وہ لگا ہے
جس نیزے سے زخمی دل شبیر ہوا ہے

۸۴

فرمایا سلیماں نے سنا ہے دیو سے یہ کام
اڑتے ہوئے لاتا ہوں میں بلقیس کا گھر بھی
آصف نے کہا میں ہوں وہ اے ابلیس بد انجام
جھپکے جو پلک تخت سبا لاؤں یہاں پر

بیکار ہیں اب تن میں توانائی نہیں ہے
زخمی ہے جگر آنکھوں میں بینائی نہیں ہے
موسیٰ نے کہا جادوئے باطل سے حذر کر
او سامری سحر منش حق پہ نظر کر

۸۵

اسلام سے فقیہ کی طرف سے یہ پکارا
پڑھ کلمہ تو جسے نہ ترا کفر سے گوارا
چلائی اجل جس نے مسلماں کو سنا یہ
تیرے لیے ہے نام مغاجات ہمارا

بدلی طمع و حرص رکا اب تو خطا کی
غیرت نے یہ آواز دی لعنت ہے خدا کی

۸۶

اور فیل دماغش ہوا الٹی طرف ناری کے بھاگا
دوزخ کی ہوا تن میں لگی آگ سے جاگا
بھولا کلمۂ شکر خدا آتش دم زن سا
بھولا کہ ہے شیطان بھی اک بندۂ بیکار

اسوار جو مانندِ بلا دشمنِ دیں تھا
آسیب زدہ تو سنِ بدبختِ لعیں تھا

۸۷

ہاں دیر بہ کوشش سے کیا دشمن رب سے
ہے یاد جسے دار جزا تاز و طرب سے
واقف نہیں سلطان دو عالم کے غضب سے
یاں تیغ کی چلتی ہے تو دم خون کی لب سے

چلتی ہے تو رکتی ہے فلک پر نہ زمیں پر
دم لیتی ہے گر کچھ تو پر روح امیں پر

۸۸

خنجر تھا لعیں کا کہ تھا جنگل بھی بھاری
ہر گام خطا گھوڑے کی دقت سواری
اس دم وہ پہنچ گیا ملائک کی جو تاری
دانتوں میں دبا لیتا تھا ظلمت سے نہاری

سنگینی کافر کے سبب کانپ کے گھوڑا
دم لیتا تھا ہر ایک قدم ہانپ کے گھوڑا

۸۹

تھا خار جو اک حرص سے خود بین و خود آرا
کرتی نہ تھیں کچھ بھی بیاباں کی فضائیں
پڑھ پڑھ کے جو بھرتا تھا وہ اپنے بزرگوں کے قصیدے
ہر نام پہ شیطان لعیں دیتا تھا دشنام

بدکیش نہ آگاہ تھا کچھ حسنِ بیاں سے
خون اُس نے فصاحت کا کیا تیغ زباں سے

۹۰

اس تیغ کی زد کافروں کے سر پہ پڑی جب
مرجھے ذرا پھر نخلِ شجاعت کے لگے سب
ہر بادیۂ ظلمت کے لگے کرنے ذرا پیچھ
ہر بادیۂ ظلمت کو نصیب ہوئے ذرا پیچھ

گر مدِ نظر شہ کو نہ تسلیم و رضا ہو
تو کیا ہے جہاں ایک ہی ضربت میں فنا ہو

۹۱

قالم کو ہوا دھیان نہ کچھ نفع و زیاں کا
کھینچا نہ اگر یار نے اک بار کماں کا
اور پھر کہیں ہاں شہ نے ذرا تسمہ عناں کا
بالائے ہوا رخش اڑا شاہ زماں کا

نیزے کا بندھے بند کہاں بادِ صبا پر
بائیں یہ اُڑا دہنے رہا نیزہ ہوا پر

۹۲

بالائے ہوا نیزہ ظالم ہوا برباد
گوتاہ ہوئی حرص دراز ستم ایجاد
پھر سامنے سید صاحب آئے فولاد
تیغ دو زباں اس پہ بڑی داد ری افتاد

سمجھا کہ فقط خط کا سناں پر اثر آیا
دیکھا تو قلم نیزۂ خطی نظر آیا

۹۳

نیزہ جو کبھی رہ گیا ہوا میں جھک کر
غصے سے کماں کھینچی نظامی نے اڑک کر
اور تیر لیا شست میں دو سر کو سرک کر
زور اس کماں پر کیا جو آگے کھسک کر

چلائی کماں پڑ گئے جھٹکے وہ غضب کے
سو فار نے منہ کھولدیا چٹکی میں دب کے

۹۴

رستے کو ہوا پر تو پر تیر نے کاٹا
پہنچا جو یہاں تیر کو شمشیر نے کاٹا

۹۵

دانتوں کے تلے ریش دراز اپنی دبا کے
اک تیغ لیے کند چلا رخش بڑھا کے

۹۶

اُڑنے کا کیا قصد جو سر تاج صبا نے
کاندھے پہ لیا تختِ سلیماں کو ہوا نے

۹۷

جب ہاتھ سے تلوار گری ہو اکیا ستم آرا
ظالم نے کیا حوصلہ پھر تیغ زنی کا

۹۸

جرأت تھی فقط شاہ خوش اطوار کے دم تک
سر ننگا کیا ستمگر نے امام مدنی کا

۹۹

جب ہاتھ سے تلوار گری ہو اکیا ستم آرا
ظالم نے کیا حوصلہ پھر تیغ زنی کا

۱۰۰

دلتنگ نہ ہو ہوش میں آ چشت ہو زیں پر
لے سر پہ سپر سر کہیں لوٹے نہ زمیں پر

۹۷

ظاہر ہوئی شمشیر کی ہر آن تڑپ اور
بجلی سی چمکتی ہے ہر اک وار میں ہر اک وار

۹۸

بلکتہ یہ کہ چار آئینے پر یا کہ زرہ پر
یارو کیا گا ظالم اسے ابرو کی گرہ پر

۹۹

انصاف نے کی عرض خداوند زمیں و زماں
تا چند کیا قتل میں اس کے تو مجھے ہیں

۱۰۰

رکتی نہیں جب تیغ یہ جھکتی ہے خداوند
گرتی ہوئی بجلی کہیں رکتی ہے خداوند

۹۷

اس تیغ میں جب شعلہ برق دم کھائی
آفت کی تڑپ برق میں کیا دم کھائی

۹۸

نے تن میں تو اتانی تھی نے ہوش تھا سر میں
ہاتھوں میں تو رعشہ تھا چکا چوند نظر میں

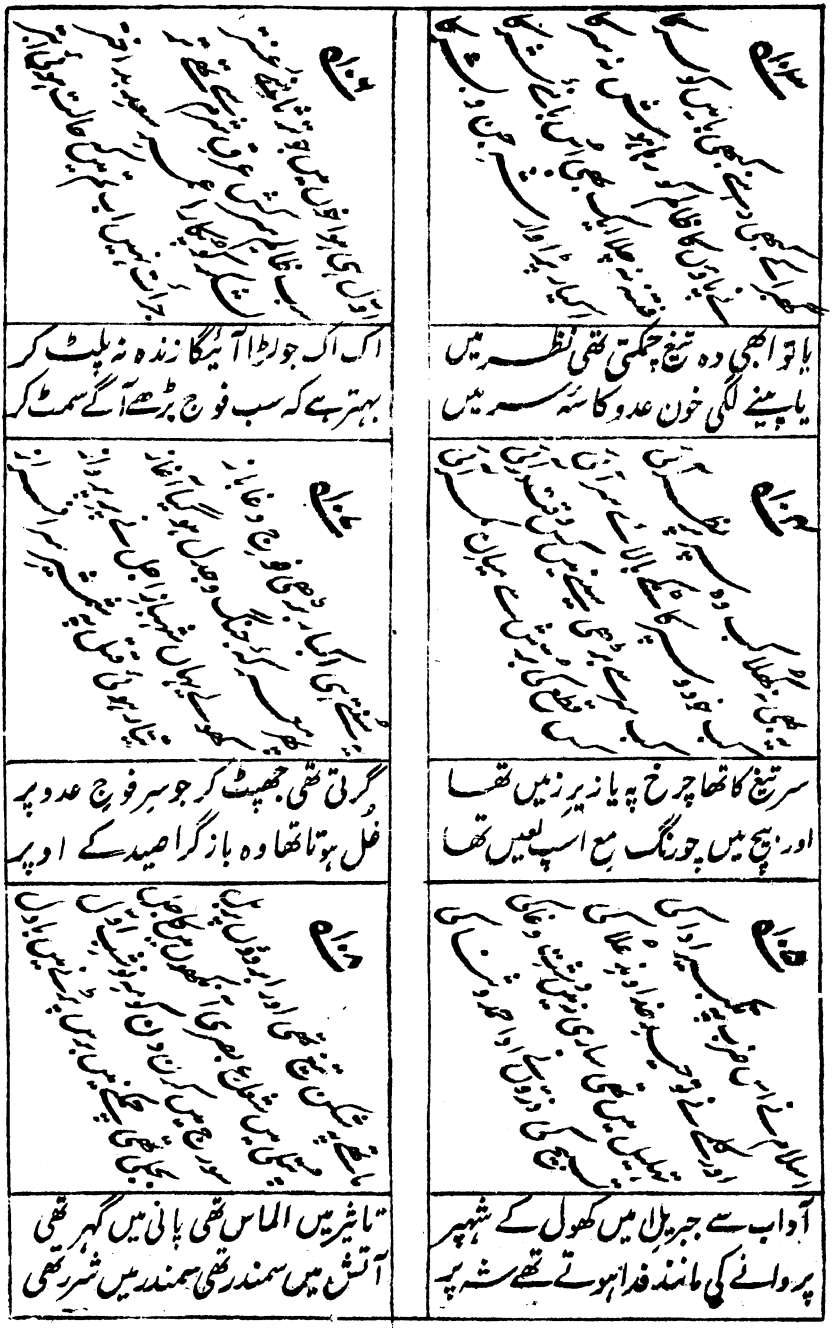

۱۱۰

تلوار کی کمال یہ تھی کیا ادھر تھی کیا
پانی نہ نظر کو تا تھا نہ جی کو زنہار
ڈوبی ہوئی تھی آبِ دمِ تیغ میں تمام
جب چلی تھی شمشیر دو دم کی کاٹ

یوں جل کے ملی خاک میں لاش اہلِ ستم کی
اُٹھا نہ دھواں دھار سے شمشیرِ دو دم کی

۱۱۱

کوتاہ تھی دست کہ بہ شاہ زمن میں
بیتاب تھی بیدرد و خادوپیکرِ دشمن میں
ماں اور اب شاہ تھا عریاں تنِ تن میں
جوہر کی طرح چست وہ پھبتی تھی بدن میں

چلنے میں اُلجھنے کا جو دھیان اُسکو ہوا تھا
داماں کو خود تیغ ہی نے قطع کیا تھا

۱۱۲

پی پی کے لہو تیغ کا دم اور بڑھا تھا
جوہر کی رگیں اُبھری تھیں یہ خون چڑھا تھا

۱۱۳

ڈھالوں کے تو بادل میں تھی وہ برق چمکتی
رد بادلوں میں تھی نا برق ضرب دمکتی
جس مورچے پہ پہنچی دو دم تال دمکتی
چیونٹی نہ رہی نام کو اک نوع میں زندہ

ہر صف میں یہ تھا شور کہ یہ قدرتِ رب ہے
لو مورچے کو لوہے نے کھایا یہ غضب ہے

۱۱۴

اُٹھتی تھی گھٹا جب سیہ خاصہ کی پیہم
بڑھ بڑھ کے برس پڑتی تھی وہ تیغ چھپا چھم
اک سیل رواں خوں کی بیاباں میں تھی ہر دم
برسات لہو کی تھی کہ طوفان کا عالم

اُس وقت نگاہوں میں بگولا بھی اگر تھا
چھٹتا ہوا فوارۂ خوں پیشِ نظر تھا

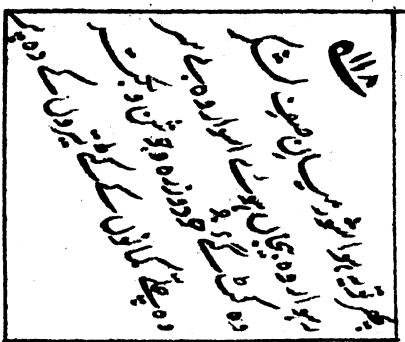

جو بیرِ الم میں تھی علم وہ ہی علم ہے
یہ تیغ قیامت ہے سلیماں کی قسم ہے

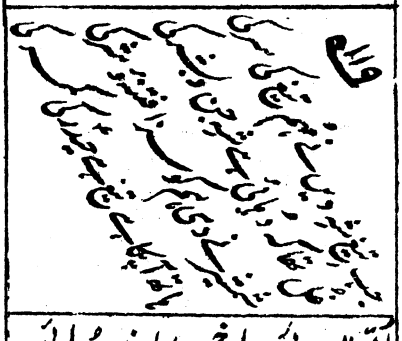

نے ہوش تھا ترکش کا نہ تھی تاک کماں کی
کھنچتی تھیں دمِ نزع رگیں پیر و جواں کی

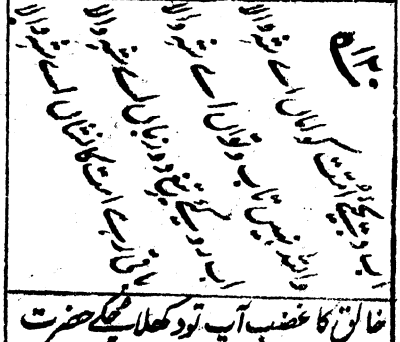

جو چڑھے چڑھاتے تھے وہ نظروں سے گرے تھے
حلقے میں قضا کے قدر انداز کھڑے تھے

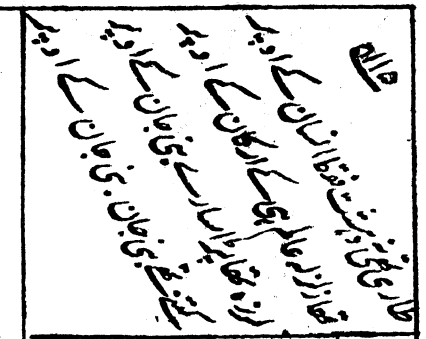

صف اُلٹی اُدھر مورچہ پامال اِدھر ہے
انبار ہے وہ لاشوں کا وہ خرمنِ سر ہے

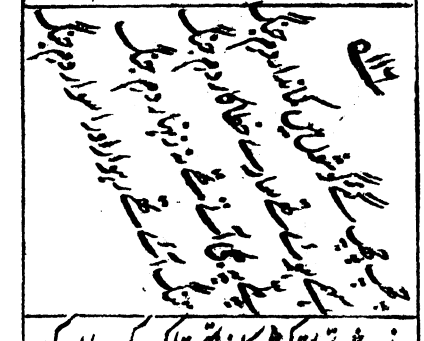

اُمت ہوئی برباد خداوند دُہائی
شبّیر پیمبر کے جگر بند دہائی

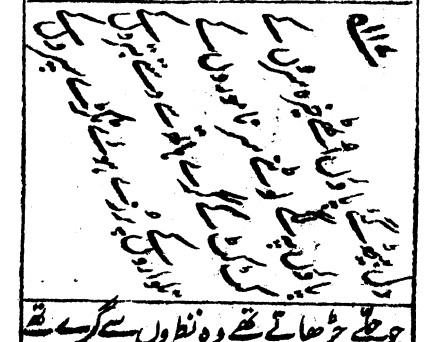

خالق کا غضب آپ تو دکھلا چکے حضرت
اعمال کی ہم اپنے سزا پا چکے حضرت

۱۲۱

نصرت کو کیا خالق عادل نے مقرر
مانند ہما سایہ فگن ہوگئی سر پر
فرمان خدا ہے کہ اسی کا ہے یہ پیمبر
جو تیری خوشی ہے وہی ہے مرضی داور

لو کہدو کہ ہے تم پہ عنایات ہماری
منظور ہے نصرت کہ ملاقات ہماری

۱۲۲

اخلاص شہ دیں سے کیا سر کو جھکا کر
مولا یہ تری ذرہ نوازی ہے کہ اس پر
شکر اس کا ادا ہو نہیں سکتا مرے آقا
میں کیا ہوں رضا کیا مری اے خالق اکبر

حاکم کا جو فرمان ہو محکوم ہے حاضر
جس طرح رضا ہو تری مغلوم ہے حاضر

۱۲۳

اک سر کے فقط عجز کا پابند ہوا ظلم
پروا نہ ذرا کی تو نے اے ظالم و بیدرد
جب تجھ سے خدا خود ہی ہوا برسر پیکار
پھر تجھ کو بھی دنیا ہی ہوا اے خالق قہار

تب لطف ہے جب اور سر ہدیہ بہم ہوں
شرمندہ سے تو گنتی میں کسی طرح نہ کم ہوں

۱۲۴

بڑی آرزو تھی مری حاصل ہوا مطلب
اعتماد سے کچھ بڑھ گئے صدقے ترے صاحب
فرزند جو تو نے دیئے فدیہ ہوئے سب
بانی ہے فقط ایک ہی بیمار پسر اب

فرمائے جو تو اور بھی اک ہدیہ بڑھا دوں
سجاد کو بھی گنج شہیداں میں لٹا دوں

۱۲۵

نصرت کے لئے تیرا ہوا ورد ثنا ہے یارب
یہ تیری عنایات ہے امداد ہے یارب
پر اب تو نہ اولاد نہ گھر یاد ہے یارب
بیتاب ہیں مضمون دل ناشاد ہے یارب

خواہش ہے کہ بندہ ترے دربار میں آئے
سر نذر لیئے ہاتھوں پہ سرکار میں آئے

۱۲۶

بڑھ جانے ضرر یا شرف سجدۂ پیہم
مقبول جو تو آج کرے فدیہ ہے اتم
یہ منزل دشوار ہے پر اس سے برادر
تیری جو مدد ہو تو آسان ہے ہر گام پر

بھولوں میں تری یاد میں ہر کرب و الم کو
کٹنے لگے جب سر تو نہ لغزش ہو قدم کو

۱۲۸

فارغ ہوئے جس وقت مناجات سے دونوں
پھر غور کیا کیا میان میں داخل ہوئی برچھی

بڑھ بڑھ کے پرے جم گئے تا اوک فگنوں کے
تلواریں لیے غول جھکے تیغ زنوں کے

۱۲۹

کس منہ سے کہوں بھوکے ہیں اہلِ ستم کا
اور ٹوٹ کے گرنا ہے سپہ پر جو ستم کا

پھر تو کوئی حربہ نہ بچا فوجِ عدو میں
جو بھر نہ گیا ہو شہ والا کے لہو میں

۱۳۰

جاری تھا لہو ماتھے سے بیٹھوں سے بہوں سے
جنبش تھی دنواں دھوپ میں خاتم میں سے

صدمہ ہوا گھوڑے کا دلِ سرور پہ دیں پر
جلدی سے اُترنے کا کیا قصد زمیں پر

۱۳۱

کس ہاتھ پر رکھا زمیں پہ اک بال پہ ڈالا
اور پاؤں رکابوں سے نکالا

کیا کیا نہ زمیں بوس ہوئے سرور والا
ممکن نہ اُترنا ہوا سلطانِ زمن سے

۱۳۲

گھوڑے سے مخاطب ہوئے سرورِ زمانہ
فرمایا کہ کیوں اسپِ سبک سیر و جواں تو

تکلیف تری اب تو گوارا نہیں مجھکو
پر حیف اُترنے کا بھی یارا نہیں مجھکو

۱۲۷

نیزوں کی ہر اک سمت سے ہونے لگی بوچھار
اس وقت پریشان ہوا شاہ کا رہوار

گہ سینے پہ گہ ماتھے پہ چل جاتی تھی برچھی
گہ توڑ کے سینے کو نکل جاتی تھی برچھی

۱۳۴۳

یہ سنتے ہی بارانِ فرس کو رہا نہ ہوا
اتر کے پاس دلِ دریا سے سید ابرار
بٹھا کے گود میں سر بھر لیا خاک سے پر بار
اور پونچھ کر خونِ سر و رخ زمیں کر دیا اک بار

اس پر بھی اُترا نا ہوا دشوار حزیں کو
آہستہ مگر غش نے اُتارا شہِ دیں کو

۱۳۴۴

مانندِ رطب چوسا تھا محبوبِ خدا نے
زخمی کیا افسوس اُسے اہلِ جفا نے

۱۳۴۵

بیٹے نے جھکائے سرِ اقدس سوئے ابرار
سنے بار ہا وارثِ زہرا نے سخن زار
تنہائی میں سایہ کی طرح عباس تھا ہر بار
تھا حاضر کرب و بلا میں جنگ سے فارغ ہر بار

زخموں سے نہ ملتی تھی دلِ افگار کو مہلت
تیروں سے نہ تھی راکب و رہوار کو مہلت

۱۳۴۶

شکا دیا سر سانس رکی تشنہ گلو کی
اور گلیاں کرنے لگے شبیرؑ لہو کی

۱۳۴۷

سلطانِ رسالت کو جو پیارے تھے بخدا
آلودہ بخوں وہ لبِ اعجاز نما تھے

۱۳۴۸

کیوں خوں میں آلودہ رُخِ پاک و جبیں ہے
کیا وجہ ہے جو خاک نشیں عرش نشیں ہے

۱۳۹۱

کچھ اور نہیں ہے یہ فقط قصۂ کشتی
منظور ہے آقا کو غلاموں کی رہائی
ہم عاصیوں کی ہو جو شفاعت میں صفائی
شعلوں سے جہنم کے ہیں سینوں کی رہائی

آقا کو فقط فکر تمہاری ہمہ تن ہے
پیمانہ لہو تم سے ہے نے سر نہ بدن ہے

۱۳۹۲

بیمار ہیں ظلم اور نہ سینے میں درد ہے
اب کیا کہوں حال جگر و سینہ سرد ہے
وہ صدمہ ہوا جس سے کمال ہوش گم ہے
سینے کے بیٹھ جانے سے نکلی نہ آہ کی

اُفتادہ تھا جو غش میں ستاتا اُسے کیا تھا
مجروح تھا جو سینہ دہانا اُسے کیا تھا

۱۳۹۳

پوچھ اس اندوہ دل پہ ہے یہ بار
اس زخم کا مرہم ہے نہ اس درد کا چارہ
جب دشت میں تنہا رہا اکبر کا پیارا
ان ماؤں کا ہوا اس جا نہ گذارا

تنہائی میں بیہوش شہ کون و مکاں تھے
جو روتے ہیں اس بزم میں اُس وقت کہاں تھے

۱۳۹۴

بند آنکھیں تھیں چہرے کا رنگ زرد ہوا تھا
لوگوں نے یہ جانا کہ بلا شبہ قضا ہے
فرمایا کہ میں کون ہوں آنے کا نہیں ہے
اٹھے کہا جو خدا کے جگر دوں

جو آپ کے رُتبے ہیں وہ سب ہم پہ جلی ہیں
دلبند بتولؑ آپ ہیں فرزند علیؑ ہیں

۱۳۹۵

اس وقت میں کیا تھا جوانوں کا کہاں آہ
سینے میں کلیجا تھا نہ بازو میں تواں آہ
اور لوگ سناں بہت سے باہر تھی عیاں آہ
اس وقت کہ جب حضرت جوزیر تھے واں آہ

ناوک تھا لگا ماتھے پہ سر ضعف سے خم تھا
لے سکتے نہ تھے سانس رُکا سینے میں دم تھا

۱۳۹۶

فرمایا کہ یہ روز ہے کون اس کا ہے اعوان
دن جمعہ کا ہے اور نماز اس سے ہے شایاں
فرمایا مجھے وقت ظہر نہیں ہے آساں
یہ روز عبادت کا ہے ہنگام دعا کا

یا آل نبیؐ پرستم و جور و جفا کا

۱۴۴۵

سب مسجدوں میں پڑھتے ہیں خطبہ ہر سہ سر
جس خطبہ میں یہ ہے حمد خدا نعت پیمبر
پڑھتے ہیں درود و صلوات آل نبی پر
انصاف کر اب دل میں ذرا اپنے ستمگر

تا نا کی تو اس وقت میں نعت اور ثنا ہو
اور تیغ تلے ہاتھ نواسے کا گلا ہو

۱۴۴۶

پہنچے ہی تھی اس حق سے بازار میں گر آہ
طبلوں پہ زمیں کے جو تو گل تھے تو لگ آہ
جبریل نے آن سے کہا با نالۂ جانکاہ
اب حشر کے آثار ہیں اے رشک مسیحا

جو باعثِ ایجاد ہے افلاک و زمیں کا
کٹتا ہے گلا آج اُسی سرورِ دیں کا

۱۴۴۷

محبوب خدا نے اسے سینے پہ ہے پالا
عالم کو آرٹ دیکھا یہ خون سر والا
افسوس ستم ہے اگر تم نے نہ سنبھالا
ہو جائیگا طبقہ بھی زمیں کا تہ و بالا

خنجر تو دھرا جا چکا حلقِ شہِ دیں پر
اب دیر ہے کیا سمجھو زوال آیا زمیں پر

۱۴۴۸

ناحق کشیوں کا نالہ و فریاد ہے بیکار
یارب ترے پیارے پہ ستم ہوتا ہے اس بار
پیاسے کے گلے پر جو چلا خنجر خونخوار
آئیگا کیا زلزلہ میں عرش معظم

پھٹیں گے پیمبرؐ کے حرم جبکہ سروں کو
ہم عرش کو تھامینگے کہ اپنے جگروں کو

۱۴۴۹

کونین میں تھا زلزلہ و نالہ و فریاد
پہنچے میں بھی بیچی جب رخصت و بیداد
سیدانیاں گھر کے گھر میں بادل ناشاد
تھا شور کہ افسوس بھرا گھر ہوا برباد

کچھ ہوش نہ تھا زینب تفتیدہ جگر کو
مقتل میں روانہ ہوئیں بھائی کی خبر کو

۱۴۵۰

یوں نکلی تھی جو زلف میں تیغ بریں تھا
مونہ قبلہ یا کعبے میں میسر نہیں تھا
چادر کے بھی گرنے کا کھٹکا نہ کہیں تھا
سر پر تھا کبھی اور کبھی بالائے زمیں تھا

پر سر سے سرک جاتا تھا گوشہ جو ردا کا
صدمے سے لرز جاتا تھا مقتل شہداؑ کا

۱۵۱

گر وا بنے جاتی تھی کبھی باتیں طرف آہ
ملتا تھا نہ زینبؑ کو مرا ہاتھ کا طف آہ
منہ کرکے بقیعہ کو کبھی سوئے نجف آہ
کہتی تھی کہ ہائی ہوئی اماں کی تلف آہ

فریاد ہے بابا ستم چرخ کہن سے
پردیس میں اب بھائی بچھڑتا ہے بہن سے

۱۵۲

یہ کہتی تھیں اور چار طرف پھرتی تھیں مضطر
تھی خاک بیاباں کی پڑی پھول سے اوپر
کھیرے ہوئے تھے قبلۂ عالم کو ستمگر
زینبؑ کو نظر آتے نہ تھے بھائی برابر

پر ایک بلندی تھی اُسی دشتِ وغا میں
تشریف وہاں لے گئیں اُس رنج و بلا میں

۱۵۳

قائم تھیں بلندی کے تئیں پر وہی آثار
پہچانتی زینبؑ وہی دیکھے تھے جو ہموار
استادہ اُسی جا پہ ہوئیں با دیدۂ خونبار
تھا مورِ نظر سر پہ مظلوم کا دیدار

نرغہ تھا مگر گردِ شہِ دیں جو عدو کا
چہرہ نظر آیا نہ شہِ تشنہ گلو کا

۱۵۴

تب رو کے پکاری مرے بھائی مرے بھائی
مظلوم و غریب الوطن و بے کس و تنہا
کس وقت میں ہو تی ہے برادر کی برادر
دیتے نہیں اب آپ دکھائی مرے بھائی

ہمشیر کو آواز سُنا دو میں تصدق
دیدار دمِ نزع دکھا دو میں تصدق

۱۵۵

ظاہر کی فضا غش میں حسینؑ جو ہوئے بیکار
قاتل سے کہا دم سلذوالا دستِ اطوار
تعجیل نہ کر روک ابھی خنجر خونخوار
سر بیچ ہے میرے یہ زینبؑ جگر افگار

تاریک جہاں نظروں میں اب ہو گیا ظالم
پردے سے نکل آئی غضب ہو گیا ظالم

۱۵۶

قاتل نے جو مہلت دی شہِ تشنہ دہن کو
گھبرا کے پکارے سکینہؑ مظلوم بہن کو
ہمشیر گوارا کر وا فرمودہ و سخن کو
بھولو مری الفت میں نہ اماں کے سجن کو

ٹھہرائیں گے افلاک وہ سامانِ ستم ہے
لو خیمے میں جاؤ تمہیں بابا کی قسم ہے

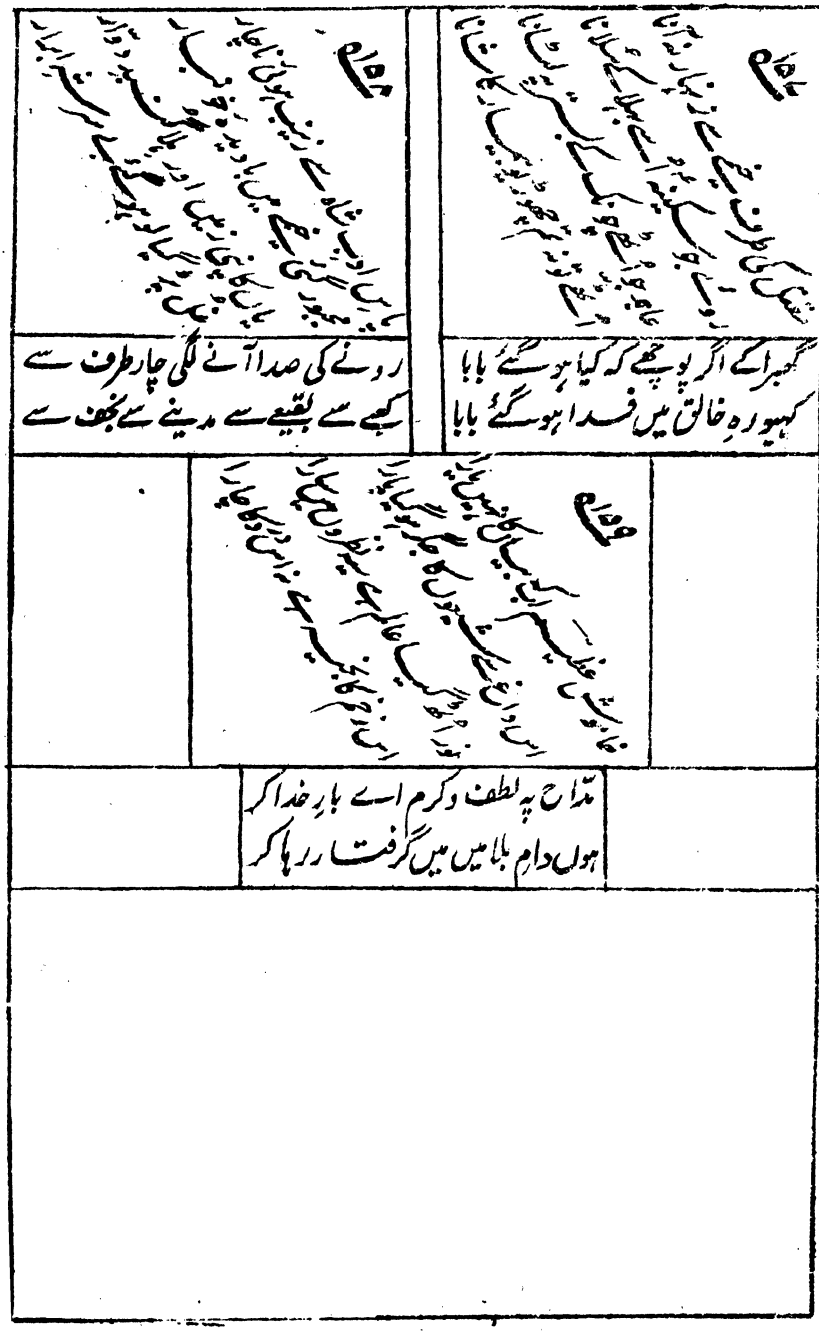

۱۵۸

۱۵۹

گھبرا کے اگر پوچھے کہ کیا ہو گئے بابا
کہیو رہِ خالق میں فدا ہو گئے بابا

رونے کی صدا آنے لگی چار طرف سے
کعبے سے بقیعے سے مدینے سے نجف سے

مدّاح پہ لطف و کرم اے بارِ خدا کر
ہوں دامِ بلا میں میں گرفتار رہا کر

مطلع

دنیا میں انقلاب کی کیا دھوم دھام ہے

مصنفہ

جناب خطیر شاگرد جناب دبیر مرحوم

بند ۱۲۶

۱۴

دنیا میں انقلاب کی کیا دھوم دھام ہے
گردش ہی میں سر فلک نیلہ فام ہے
بعضوں کے گھر میں شادیوں کا اہتمام ہے
اکثر کو فکر دسخ و نسب صبح و شام ہے

سارے جہاں میں دور ہے اس چرخ پیر کا
رونا امیر کا کہیں ہنسنا فقیر کا

۱۵

چرخ کہن کا شیوہ ہر دم نیا ہے ایک
عیاں ہے ایک مالک زریں قبا ہزار ایک
گھر سو طرح کی لاش ہے پر مرنے والا ایک
اک لال دفن ہوتا ہے دو لحد بناتا ہے ایک

یہ کیا ہے چرخ دون پرائے دکھاتا ہے
اک مسکرا رہا ہے اک آنسو بہاتا ہے

۱۶

اجلاف کے لیے تو ہے جاگیر جاہ و ماں
اشراف کے لیے ہے ہر اک دم غم و فغاں
غمخوار ہیں جو جاتو ہیں اس باغ میں نہاں
اور ہر طرف ہیں گل و غنچہ بے نشاں

گلشن تو اے فلک ہو خزاں ظلم و جور سے
جنگل میں ہو بہار چمن تیرے دور سے

۱۷

ہے دھوم اک طرف کہ تو ٹلتا ہے سر ہوا
اک سمت غل ہے خاک میں یہاں کا گہر ہوا
اک کہہ رہا ہے اب سر آباد گھر ہوا
شور اک طرف ہے ہائے میں بے بال و پر ہوا

ساماں چھٹی کا ہے کہیں شادی کی دھوم ہے
چہلم کا غل کہیں ہے سوم کی رسوم ہے

۱۸

کیا کیا میں اک فلک کی دو رنگی کروں بیاں
داغ جگر تو کر گئے آہ الاماں
ہو ظالموں کے واسطے تو دولت جہاں
خاصان حق پہ ٹوٹے مصیبت کا آسماں

بس میں خزاں کے آہ بہار چمن پڑے
ابر سیہ کا مہر مبیں پر گہن پڑے

۱۹

اس آسماں کے دور کا سامان دیکھنا
پوشیدہ گھر میں کفر کے ایمان دیکھنا
ایماں کے گھر میں کفر ہے شان دیکھنا
بہت تو جرم میں دیر میں قرآن دیکھنا

اس دعوے کی سند ہو تو دل مستقیم ہو
کیا وجہ گھر میں کفر کے ایماں مقیم ہو

۷۴

دھوئے کیا خدا ان کا فرعون سے سدا
اور اسکے گھر میں ایسا دانا و پارسا
کیوں یار دیکھ کر نہ کرے ایماں خطا یزید
ایماں سے گھر میں کفر ہو جس کی وجہ کیا

۷۵

کشتی کہیں یزید نے بھی ہند کی نہ سدا
بولا نہ شمع خوش ہو یہ بک رہی ہے کیا
جب اسکے عقد میں تھی بی بی غم کی مبتلا
بہتر ملا بجز حسینؑ سفلہ کم کیا دیا

اسما رہی ہمیشہ حسنؑ کے مکان میں
ایماں کے گھر میں کفر بھی تھا جہان میں

۷۶

اک روز بھی نہ رنج و الم سے افاقہ تھا
ہر روز گھر میں سبطِ پیمبرؐ کے فاقہ تھا

۷۷

عمدہ کفن ہوا نہ شہِ ابرار پر فدا
اور تھا یزید دشمنِ فرزندِ مصطفےٰ
ایماں تھا گھر میں کفر کے یہ بھی چھپا ہوا
یا حسینؑ ہند کو بھی تھی یاں سدا

سامانِ قتل کا وہاں بے پیر کرتا تھا
ویرانیٔ مدینہ کی تدبیر کرتا تھا

۷۸

عزت ہماری دیکھ کے یاں شرف ملا
لازم ہے صبح و شام مرے حق میں تم دعا
یہ فخر و حکم و زور و ریا سب ہے دنیا
شبیرؑ کو نصیب ہوا تھا کبھی بھلا

آرام تو ہماری بدولت سدا کرے
شانِ خدا حسینؑ کی خاطر دعا کرے

۷۹

بعد نماز و ورد زباں تھا یہ صبح و شام
یارب ہمیشہ خرم و شاداں رہے امام
دشمن حسینؑ امام کے پائینہ ہوں تمام

یارب نبیؐ کا باغ ہمیشہ ہرا رہے
زہراؑ کا پھول غنچہ کی صورت کھلا رہے

۸۰

بچھونا خاک کا بنا کر بس بیاں بچھا
ہے خاک میرے سامنے یہ سب متاعِ دل
غارت ہوا حسینؑ ترے مکر میں فلاں
اپنی بھلا حسینؑ سے دنیا ہے یا جہاں

تو نار ہے وہ نور تو خار اور وہ پھول ہے
تو نطفۂ زنا ہے وہ سبطِ رسولؐ ہے

۱۳

تو بحر لعن ہے وہ برائے درود ہے
تو تارک الصلوٰۃ وہ فخر سجود ہے

۱۴

عقرب ہے تو وہ فاطمہؑ زہرا کا ماہ ہے
روباہ تو وہ دلبر شیر الٰہ ہے

۱۵

تو شربت خبیث وہ ہے گنگ وہ نجات ہے
تو ایک دن فنا وہ ہمیشہ حیات ہے

۱۶

تو خار وہ بہار خزاں تو وہ باغ ہے
سب ایک سمت قبر نبیؐ کا چراغ ہے

۱۷

جبریل نے ندا اسے جھولا جھلایا ہے
تعریف میں حسینؑ کی قرآن آیا ہے

۱۸

مرنے کے بعد پائیں نہ غسل و مزار تک
زندہ حسینؑ کا نہ بچے شیر خوار تک

۱۹

تو کب سناں پہ سر سے علم حسین کا
تنہا نہ تھا حسین ہوں حرم سر پہ دار سے
یہ بات سنکے دل سے اٹھا گیا واں سے وہ نہیں
سامان قتل سبط نبی کا کیا نہیں

آخر یہ دورِ چرخ نے انصاف کر دیا
کوڑا کے باغِ فاطمہ سب صاف کر دیا

۲۰

جب ان میں گرم موت کا بازار ہو گیا
ہر ایک جس سے فوج کا خونخوار ہو گیا
دشمن جو جنگ سے کبھی رکتے تھے رہ گیا
سردے کے صدمے شہ پہ ہر اک وار ہو گیا

برپا تھا شورِ شہ عدو کی سپاہ میں
فوّارے خوں کے بہنے لگے قتلگاہ میں

۲۱

پہلے تو ان میں قتل ہوا جو مخنصاں
اور بعد جس کے زینبِ بیکس کے دونوں لال
پھر ایک شب کا رہ گیا ہوا ان میں باقیاں
قاسم کے بعد جس پہ عدد کا تھا زور سال

اکبر اشہید سینے پہ کھا کر سناں ہوا
بے شیر پھر نشانہ تیرِ کماں ہوا

۲۲

اصغر کو دفن کر کے جب شاہ دوجہاں
آئے خیمے کے در پہ آ کے پکارے بصد فغاں
اے زینب و سکینہ و رقیہ و خواہراں
لو الوداع جاتے ہیں ہم بھی سوئے جناں

آہ بتول سے کہیں دنیا الٹ نہ جائے
ساعت ہمارے قتل کی میداں میں کٹ نہ جائے

۲۳

اے اہلبیت صاحبِ توقیر الوداع
اے انورِ عین صاحبِ تطہیر الوداع
زینب الوداع فاطمہ و شبیر الوداع
جاتا ہے سر کٹانے کو شبیر الوداع

شبیرؑ کو بہشت میں یہ رات ہوئیگی
اب تا بہ حشر پھر نہ ملاقات ہوئیگی

۲۴

اے اہلبیت آتا ہو جس کو جلد اجل
زینب بھائی بس نہ زیادہ مجھے ستا
آؤ بہن حسین کو آ کر کفن پہنا دو
زینب بھائی بس نہ زیادہ مجھے رلا

یہ خدمت آہ زینبِ ناکام کے لیئے
پیدا بہن ہوئی تھی اس کام کے لیئے

۲۵

فریاد ہے خدائے زمن کی کدھر کو جاؤں
قسمت میں یہ لکھا تھا یہی کہتے کفن بنواؤں
دو دن تمہیں نہ آئے فرزند کو بس اوں
تکفین کون بنواؤں یہ دل میں کہاں لاؤں

ارشاد یہ بہن سے اٹھایا نہ جائے گا
بہتا تمہیں کفن تو پنہایا نہ جائے گا

۲۶

حسرت یہ تھی کہ آپکے سایہ میں ہم رہیں
ہاتھوں سے اپنے غسل دیں کفن آپ کو دیں
سودہ قبول کے دل ہی دل میں سب سہیں
ہے ہے کفن حضور سے مانگا کریں نہیں

للہ یہ کلام نہ زینب سے کیجئے
مٹی تو اپنے ہاتھ سے خواہر کو دیجئے

۲۷

لیجا تمہارے بعد بہن جانیگی کدھر
خوف خدا کریگا نہ ہرگز خدا پر سر
درد دل ہم پھر کہیں گے اور ہم پر سر
شیشہ بدلے جو شیشہ خلاق کرو دبر

خوش ہو کے رنج و صدمہ و ایذا اٹھائیو
پر امت نبیؐ کو دعا دیتی جائیو

۲۸

یہ سنکے کچھ نہ بن پڑا زینب کو زینہار
لالی اخی کا جامہ دیکھ ہوئی بیقرار
پھاڑے کپڑے پیٹ کے کرنے لگی پکار
غش کھا کے گر پڑی نہ رہا دل پہ اختیار

صدمہ اٹھانہ سجر شہ دل ملول کا
احوال غیر ہو گیا بنت بتولؑ کا

۲۹

ہوش آیا جب تو رو کے یہ بیکس نے کہا
زندہ حسینؑ ہے ابھی کیوں کر رہی ہو بھا
زینب پکاری کیا کہوں ٹکڑے ہوا دل مرا
دیکھا عجیب حال ہے اس وقت ماجرا

پوچھا تو بولی دل ہے عجب اضطراب میں
اماں کو سر کھلے ابھی دیکھا ہے خواب میں

۳۰

بالوں سے سر کھلا تھا نہیں زینت خضاب
رو کر یہ بین کرتی تھیں با حالت تباہ
مرتا ہے کیا بھر یہاں فاطمہ کا شاہ
پوچھا سب نے بوا نہ تھیں تو یہ کیا آہ

لوٹیگا اس مقام پہ پیکر حسینؑ کا
خنجر سے شمر کاٹیگا یاں سر حسینؑ کا

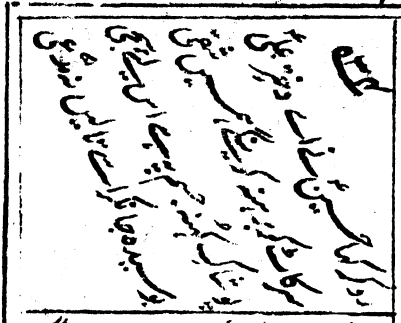

یاں مقطعے و شیر خدا خاک اڑائیں گے
ہم روز اس مقام پہ رونے کو آئیں گے

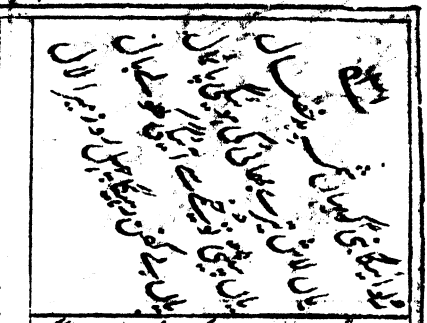

راغب نئے پہ لشکر بے پیر ہوئیگا
غربا یاں تو نہ لاشۂ شبیرؑ ہوئیگا

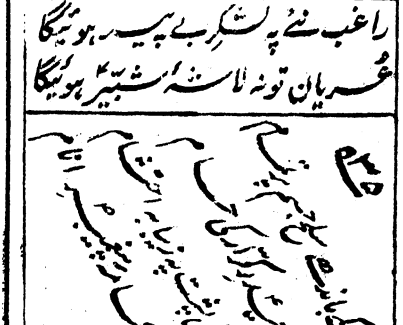

سجاد یاں اسیر جفا ہو کے آئے گا
پھر سوئے شام کانوں پہ پا ننگے جائے گا

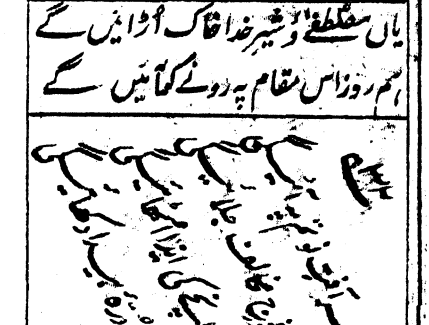

رخصت دوبارہ ہو کے ہر اک نیکنام سے
پردہ اٹھا یا فضہؑ نے نکلے خیام سے

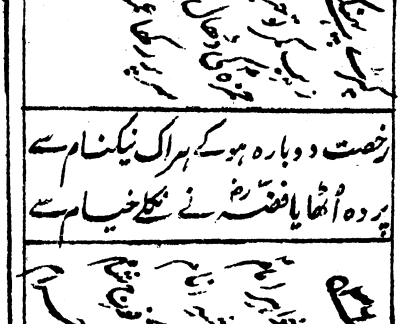

زینبؑ پکاری اب نہ زیادہ رلائیے
رخت کہن پہننے کا باعث بتائیے

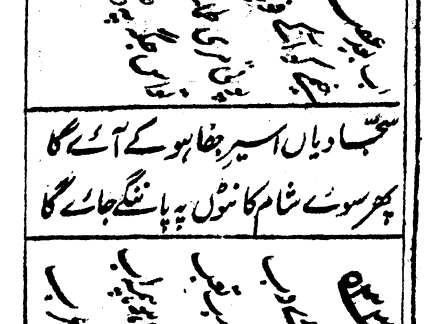

غل تھا نہ رحم کھاؤ شہ مشرقین پر
نیزے لگاؤ جسم جناب حسینؑ پر

۴۵۵

ناگہ سنان ابن انس فوج سے بڑھا
مارا گرز سے بازو سلطان دوسرا

کھینچی سناں شقی نے تو برعکس پھل پڑا
تیزے کے ساتھ شہ کا کلیجا نکل پڑا

۴۵۶

ناگہ گرا زمین پہ زہرا کا مہ جبیں
غل پڑ گیا عرش کانپے فلک ہل گئی زمیں

کیوں عرش حق نہ گر پڑا شہر پلید پر
موزے رکھے شقی نے کلام مجید پر

۴۵۷

واں ذبح ہو رہے تھے شہنشاہ بادقار
یاں بیٹی کے جگر پہ بدل تھی چھری کی دھار

جیسے یہاں حسینؑ کے آتش سے جلتے تھے
واں شعلے دل سے ہند کے باہر نکلتے تھے

۴۵۸

واں لوٹنے تھے آل نبی کا جو اقتدار
یاں لوٹتی تھی ہند میں خاتون نامدار

یاں تو سرا اہلبیت نے عریاں کر دیے
واں ہند نے بھی بال پریشاں کر دیے

۴۵۹

واں سوگ خاص لے چلے بیوں کو بیقرار
یاں بیکسی کا ہند کی ہوتا تھا سوگوار

زہرا کا حال شدت غم سے تباہ ہے
بیہوش ہے زمین پہ اور لب پہ آہ ہے

۴۶۰

پھر ہے یہ خون تازہ کسی کا بہا ہوا
اور سر بھی سوگواروں کی صورت کھلا ہوا

یہ دیکھتے ہی روئی بہت ہند خواب میں
ناگاہ آنکھ کھل گئی جو اضطراب میں

۴۴۹

ایک دفعہ بھائی دل کی بات سنئے کہیں
بولیں تو اصیل خبر ہے کیا کہیں
کچھ خواب میں دیکھا ہے شدت ہے کیا کہیں
چلائی ہند کیا کہوں واحسرتا

حالت تباہ ہے نبی مشرقین کی
اللہ خیر کیجو آقا حسینؑ کی

۴۵۰

سکتے میں ہے سخن جو فضل شہر ہوں ٹھٹھا
دیکھو تو ہے آثار سے کنبہ حسینؑ کا
یہ شور سنکے کانپ گئی ہند بارہا
اور ڈوبڑیوں سے پوچھا کہ یہ ماجرا ہے کیا

کیوں چار سمت غلغلہ ہے شور و شین کا
یہ لوگ نام لے رہے ہیں کس حسینؑ کا

۴۵۱

خیرالنساء کا فخر جگر گوشہ ہے یہ
بنت نبی کا نور نظر گوشہ ہے یہ
بر حق رسول کی قسم گوشہ ہے یہ
مشکل کشا علی کا پسر گوشہ ہے یہ

پہنچو شتاب پوچھو کہ دل ہول کھاتا ہے
سر ننگے کس حسینؑ کا ناموس آتا ہے

۴۵۲

سبط نبیؐ نہ فاطمہؑ کا نور عین ہے
سنتے ہیں اس کا نام بھی بی بی حسین ہے

اور دوں یزید مارے خوشی کے اچھلتا ہے

۴۵۳

سروخزاں فاطمہؑ کے تھے کھلے ہوئے
بارہ گلے تھے ایک رسن میں بندھے ہوئے

۴۵۴

عطر آمدہ ہے ایڑیوں کی بزم میں
زندہ ہے آج قبر رسول مجیب میں
بیٹوں اہل شام ہیں سامان عید میں
ہے شور و غوغا و عشرت شاہ شہید میں

گھٹتا ہے یاں حرم کا گلا دم نکلتا ہے

۴۹

نکلی ہے کہ آلِ فاطمہؑ آتی ہے سر کھلے
شانے سروں میں گردنوں کے ساتھ ہیں بندھے
نیزے پہ شمر سب سے بڑھا بھی رسن لیے
اور پیچھے پیچھے اونٹوں پہ اہلِ حرم ہیں سر کھلے

۵۰

دیکھا جو بنتِ فاطمہؑ نے ازدحام کو
آنکھیں جھکا لیں دیکھ کے دربارِ عام کو
آیا تھا جب یہ شیر جری رزمگاہ میں
ہیبت سے اسکی تہلکہ تھا سب سپاہ میں

۵۱

تھا تخت زرنگار پہ وہ دشمنِ قدیر
اور گرد دو پیش کرسیوں پہ سات تھے امیر
کس منہ سے اب کہوں کہ دمِ اعتدال سے تھا غیرتِ شراب میں مشغول وہ شریر

۵۲

کہتا تھا آج عید کے ساماں بپا ہوئے
مارے گئے حسینؑ حرم بے ردا ہوئے
کھینچے ہوئے یہ شیر جو شمشیر رن میں تھا
لرزہ ہر اک شجاعِ ازل کے بدن میں تھا

۵۳

ناگاہ بڑھکے شمر لعیں سے کیا سلام
بولا کہ اے امیر یہ شادی کا ہے مقام
امید وار خلعت و جاگیر ہے غلام
حاضر ہیں سر شہیدوں اور عترتِ امام

۵۴

کون ایسا تھا کہ فاطمہؑ کے لال سے لڑے
تب بولا شمر میری بہن کے پسر ہو تم
پر اے امیر ہم ترے اقبال سے لڑے
آتا ہے مجھکو رحم کہ تشنہ جگر ہو تم

۵۵

سوچو تو دل میں بہر خدا رحمت خدا
کس وقت میں میا بابا ہوں اسے بھول جائیے
اب بھی سمجھ لیا نہیں مانو مرا کہا
اس لاڈلے فوج کے بوجھ ہوا ہوا

فرزند مصطفےٰ کی طرف بھوک پیاس ہے
جاگیر و مال و جاہ ادھر بے قیاس ہے

۵۶

آکر کرو خلعت و جاگیر سب لیجیے
زہرا کے نور عین کو اب چھوڑ دیجیے
دریا پہ سم قبضے میں ہے پانی نہ دیجیے
فرزند مصطفےٰ کی مخالفت نہ کیجیے

آؤ ادھر عمر تمہیں خلعت پہنائیگا
پچھتاؤ گے یہ وقت نہ پھر ہاتھ آئے گا

۵۷

کیا بھائی اپنے بھائی کا لاشہ لیے ہوئے
ہے جسکے ساتھ نعش پسر زخم کھائے ہوئے
غالب ہوں اپنی جوگات کے لاؤ لشکر آئے ہوئے
دلوا دو ان کو حضرت شبیر جیتے ابھی

قصر و محل میں جا ہو تمہارے عیال کو
سر ننگے ہم پھرائیں پیمبرؐ کی آل کو

۵۸

ہے حکم پانی دو نہ ذرا سا حسینؑ کو
مارینگے تین روز کا پیاسا حسینؑ کو

۵۹

آؤں تری طرف شہ ذیشاں کو چھوڑ کر
سیکھوں طریقہ کفر کا ایماں کو چھوڑ کر

۶۰

بس بس زبان کو تھام لے او فاسق خراب
افسوس میرے قبضے میں اس نہر کا ہو آب
اور آکر سوال کرے ابن بو تراب
عباس نہر کو پھیر کے بیچے دے جواب

پاس وفا بھلا دوں میں اپنے امام کا
آقا کے ساتھ یہ نہیں شیوہ غلام کا

۴۴۱

آقا کو بندہ چھوڑ دے سکیوں اور زبوں حال
آقا بھی وہ جو خسرو بحر و بر خیر البشر کا لال
یہ بھی ذوالفقار علیؑ پر کیا خیال
بجلی نیام ابر سے وہ صورت ہلال

۴۴۲

سینہ چمک سے تیغ شرر دم کی پھٹ گیا
روباہ کانپ کانپ کے پیچھے کو ہٹ گیا

۴۴۳

بالکل نہ قتل کیجیو اُمت رسولؐ کی
بھائی تمہیں قسم ہے علیؑ و بتولؑ کی

۴۴۴

یوں تیغ برق دم ہوئی باہر میان سے
طوفاں سے جیسے نوحؑ ہلال آسمان سے

۴۴۵

وہ گھر گیا یہ دو ہوا وہ چار ہو گیا
یہ سر گرا وہ خود بھی فی النار ہو گیا

۴۴۶

بھیا زیادہ طیش نہ اُمت پہ کھائیو
مظلومیِ حسینؑ بھی انکو دکھائیو

۴۴۷

یہ برق دم ہیں اس چپ و پیش و پس گری
دم قید کر لیا جہاں مثل قفس گری

۴۴

خنجر تیز و تند کو غصہ سے کر لیا اٹھا
گلا کاٹا سر کو خود کاٹ کے سر کو اڑا دیا
دل سے بھری تو پھونک کر کو اڑا دیا
دو کے حلق و سینہ جگر کو اڑا دیا

گویا دہن میں دو دو کیا جس کر زبان کو
اللہ رے کاٹ جسم میں کاٹ آئی جان کو

۴۵

یوں کاٹا خود سر کو کہ سر کو خبر نہ تھی
یوں کاٹ کاٹ ڈالی گلا کو خبر نہ تھی
ہوئے کر کو کاٹا کس کو خبر نہ تھی
یہ مستند وہ تھی کہ خنجر کو خبر نہ تھی

جبریلِ پر عیاں یہ برش کے اثر کیے
دو شہپر ایک ضرب میں ہا صد ہنر کیے

۴۶

وہ غش ہوا یہ تیغ شہ بار ہو گئی
دو ٹکڑے کیا یہ دو ہوا وہ چار ہو گئی
دو سر کیا یہ ہاتھ بھی بے کار ہو گئی

جوہر سبھوں کو تیغ نے اپنا دکھا دیا
تڑپایا مارا کاٹا جلایا اڑا دیا

۱۳۴

بجھاں خدا کے واسطے اُمت پہ رحم کھاؤ
عباسؑ میرے سر کی قسم اب نہ ہاتھ اٹھاؤ
دیکھا بھائی علیؑ کی شجاعت و ادب دکھاؤ
مظلوم حسینؑ کا دل میں خیال لاؤ

۱۳۵

یہ سُن رہا تھا تیغ کو غازی علم کیے
پھر کر پکارا اُمّہ کہ اپنا ہنر ہے یہ
جو ہم نے جا کے پشت پہ شانے قلم کیے
لے ہمشیرہ خاص پیمبرؐ کا سر ہے یہ

۱۳۶

اور ایک تیر شک سے گزرا گلوئے زار کے
بھورے طلاؤ نقرہ سے اس فتنہ بیری ڈھال
ہاتھوں سے میرے قتل ہوئے حق کے کالا
تھا شب کو تھپتھپا کے جو ہوی لاش بالیں
روشن ہے سدا تیرے اقبال کا ہلال

۱۳۷

دیکر صدا حسینؑ کو تیورا کے رہ گئے
گھوڑے سے جب گرا تو نہ خیمے میں کل پڑی
شبیرؑ ضعف سے غش کھا کے رہ گئے
زینبؑ بہن حسینؑ کی باہر نکل پڑی

۱۳۸

جلکر وطن رہا تھا ابھی آہ یہ سخن
آتے ہی عرض کی سر ابن حسنؑ یہ ہے
دیکھا تو ایک دختر شیریں خلائق دوا لٹن
اور سر برہنہ سامنے اسکی دلہن یہ ہے

۷۹

بانو کے ہوش اڑ گئے دونوں طرف سے جو
سوراخ تیر ظلم کے سینے میں پڑ گیا
ہے خون حلق حلق کے اوپر چڑھا ہوا
تھا سانس منہ سے پیاس کے کھلا ہوا

اُس فرق پر یزید نے جس دم نگاہ کی
اُس سے بھی ضبط ہو نہ سکا رو کے آہ کی

۸۰

بولا بتا تو اس سے بھلائی بھی کی کبھی
تو نے اسے بھی زخم لگایا ہے تیر کا
پوچھے پہ بھی نہ کھایا یہ پس تو نے کیا کیا
تھا سانس اگلا وہ ترا ادب جب

بتلا تو کس فلک کا یہ مہر منیر ہے
دل میں کہا رباب نے میر اصغیر ہے

۸۱

بولا کہ اے لعین پسر شاہ دیں ہے یہ
ہے پیشوائے دین محمد کا بردار ہے یہ
بابا ہے اسکا سبط نبی شاہ بحر و بر
اس نور عین دل ہے امیری کماں سے تیر

دم سہکر نکل گیا اس نور عین کا
گردن چھدی صغیر کی بازو حسین کا

۸۲

ناگاہ لایا شمر سر شاہ ارجمند
مجلس میں شور تھا یہی ہر خاص و عام کا
الشور سر شہید و دیبہ شاہ قرن بند
آتا ہے سر حسین علیہ السلام کا

۸۳

کس حیثیت سے لایا گیا شمر فرق شاہ
زلف حسین کو پکڑے تھا وہ سیاہ
بیٹی حسین کی پیچھے پیچھے پیادہ پا حالت تباہ
سر ہو حسین کا بھی تھیں گرد امام آہ

چلاتی تھی سکینہ کہ دل غم سے پھٹ گیا
بابا حسین آپ کا سر تن سے کٹ گیا

۸۴

آیا جو قریب سر شاہ دوسرا
یک دفعہ اہل مجلس حاکم میں پڑ گیا
سب اٹھ کے سلام کو ہوئے اور یہ کہا

ظاہر ہے بعد قتل بھی رتبہ امام کا
کیونکر نہ ہو نواسا ہے خیر الانام کا

۸۴

ہاتھوں پہ رکھی خرقۂ خاکم کو سر دیا
اور بولا بھر دے مال سے اسپ و شتر مرا
وارث اس کو دیں یا نہیں مختار تھا جبھی
جو جان مصطفےٰ تھا جبھی بتول کا

ثابت نہ کچھ قصور کیا بھوکے پیاسے کا
غارت کرے خدا تری حشمت کو جاہ کو
خنجر سے کاٹا حلق نبیؐ کے نواسے کا
رکھ لو ایا تو نے روح رسالت پناہ کو

۸۵

ناگاہ غل ہوا کہ حسینؑ آبرو گئی
دیکھا تو اس کے خیمہ سے اک تیز سو گئی
بے پردہ حسینؑ ہاشمی بیمار کی طرف
بھاگے ادھر کو تیغ برہنہ اٹھا لئے

حاکم سے کہدو ہند جہاں سے گذر گئی
ہے ہے حسینؑ منہ سے کہا اور مر گئی

۸۶

جب ہند قتل شہ سے ہوا فارغ و دلیر
تب بجوا اس وہ جگر افگار ہو گئی
خیمہ کو حسینؑ کے بھی دنیا پار ہو گئی
حاکم کو حسینؑ سر دربار ہو گئی

بیکس کے غم میں ہند جہاں سے گذر گئی
ہے ہے حسینؑ منہ سے کہا اور مر گئی

۸۷

یہ سنتے ہی غل میں گیا وہ عدو کے دل
دیکھا کہ ہند خوش میں بڑی ہے سر زمیں
خوش آیا ہند کو نہ لگا کہنے وہ لعیں
رونے کی وجہ کیا ہے بجا ہے بجا ہے وہ دلبریں

غارت کرے خدا تری حشمت کو جاہ کو
رکھ لو ایا تو نے روح رسالت پناہ کو

۸۸

بولا یہ ہند سے کہ ہوا اسپ و ہند ہاں
ہو جائے کہہ کے بھاگا نہیں فاطمہؑ کا لال
وہ بولی خیر یوں ہی کرے رب ذوالجلال
پھر کس حسینؑ کو یہ کیا شمر نے وبال

کیونکر مجھے یقیں ہو کہ پیاسا نہیں ہے یہ
کھا تو قسم نبی کا نواسا نہیں ہے یہ

۸۹

بولا یہ بات سنتے ہی وہ بیر زبوں سیر
ہم گر نہیں ہے یہ پسر فاطمہؑ کا سر
کیا کہہ رہی ہے تو یہ کرا اس سے ہند باور
خنجر کہاں کہاں نبیؐ پاک کا جگر

تجھ کو تو رنج ہے خلف بو ترابؑ کا
مجھ کو نہیں خیال رسالت مآبؐ کا

۹۱

بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے خامشی سے اور کیا
مجرا ب محل میں قیدیوں کو بھیجدو زرا
اور یافت میں اُنہی سے کرو بندگی یہ ماجرا
سمجھا ہے بیڑیوں میں قیامت سے اس نے کیا

وہ خود نہ یہ بتائینگے شرم و حجاب سے
رشتہ ہے ہم کو سبط رسالت مآب سے

۹۲

الفقصہ آ گئے وہ سر دربار دو شریر
بولا کہ جائیں جلد محل میں یہ سب اسیر
پہنچے محل میں حال دختر جو ہم نے سنا
دوڑ کر کہا بہن سے کہ اے دشمن شریر

ہے قصر اور محل تو امیروں کے واسطے
زندان شام بس ہے اسیروں کے واسطے

۹۳

خطبہ ہوا یہ پڑھ کر اس گستاخ نے کہا
ہے حکم یہ ہمارا علی اسپہ ہے روا
الفقصہ سونے قصر میں آل مصطفےٰ
پہنچے محل پہ لوٹ کر بانوں تھکے ہوئے

گردن جھکی ہے جسکی گرانبار طوق سے
بس یہ نہ جانے پائے حرم جائیں شوق سے

۹۴

ایک طفل اور بھی ہے انہی قید میں سکینہ نام
یاں اسکو بھی ہے سیٹ اوادر بھائی کا کام
پہنچے محل پہ روئے سب حرم شاہ کائنات
زینب پکاری مجھ سے یہ ہرگز نہ ہوگی بات

برداشت مجھ سے ہوگی نہ اسکی جدائی کی
تنہا نہ چھوڑونگی میں نشانی کو بھائی کی

۹۵

بولا کہ ہیں اسکے پاس بھی بیبیاں نصب محل میں جا
بھیجو وہیں سے کہ نہ ہم کو وہاں بلاؤ
صدقہ رسول حق کا اسیروں پہ رحم کھاؤ
اللہ بیکسوں کو زیادہ نہ اب ستاؤ

غش ہر قدم پہ آتے ہیں کیونکر جُدا کروں
اسکو بھی کوئی قتل کرے تو میں کیا کروں

۹۶

چلائی سنکہ دیکھو نہ ظالمو بیبیاں
ہے وہ تو خود اسیر ملالت سے ناتواں
کیا دیکھیگا وہ ہم کو کہ ہے آپ بیجاں
داخل ہوئیں محل میں یہاں فوج بیکساں

زنجیر پا میں طوق گلے میں پڑے ہوئے
سینوں پہ سر حجاب سے سب کے جھکے ہوئے

۹۷

اس شکل سے ملی ہیں سکینہ کو حرم تمام
چلائی ہند مسند زریں پہ کر سلام
پوچھیں پکار کر یہ ہم اہل حرم تمام
پھر قیدیوں کے واسطے تو خاک ہے مقام

مسند پہ تو ہی بیٹھ یہ تیرا مقام ہے
اس واسطے کہ تو زنِ سلطانِ شام ہے

۹۸

یہ کہکے آہ بیٹھ گئے خاک پر حرم
سب دست بستہ ہند یہ بولی بہ چشمِ نم
اے بی کس دیار میں تیرا کہاں ہے غم
اے بی حسین ہوا کشتہ ستم

ہے ہے حسینؑ کہکے جو تم لوگ روتے ہو
بتلاؤ کیسا حسینؑ پیمبرؐ کے ہوتے ہو

۹۹

زینب یہ سنکے ہند سے بولی بہ چشمِ خوں
اے بیکسوں کی بیکس و غربت کی غمگساں
ہے ہے کہاں ہے ظلم کہاں فاطمہؑ کا لال
ایسا ہے کون جس کو نہ ہو خوف ذوالجلال

کلمہ بھی صبح و شام پڑھینگے رسولؐ کا
اور ٹکڑے بھی کرینگے انکے بتولؑ کا

۱۰۰

چلائی ہند مسند زریں پہ کر سلام
اب اپنے شہر کا ہے ارشاد ہے بجا
پوچھیں پکار کر یہ ہم اہل حرم تمام
اب تو ٹھکانے خوار ہر شہر و بیکسی ہے کہاں
جس شہر میں ہے قبر شہنشاہ دو جہاں

پہلا تو گھر مدینہ منیر الانام ہے
اور اب تو گھر اسیروں کا زندانِ شام ہے

۱۰۱

وہ بولی کس سکے میں گھرا ہے کروبیاں
یثربیں قبر خانہ بنی محترم زماں
چلائی ہند واللہ غریب ہے ابکہاں
یعنی حسینؑ ابن علی شاہ دو جہاں

بیچین دل ہے سینے میں مجھ دل ملول کا
ہے خیر و عافیت سے تو پیارا بتولؑ کا

۱۰۲

مشکل مصطفےٰ کا کشا میں حضور حال
ہے خیر و عافیت سے تو بیٹی علی کا لال
اصغرؑ ہے اکبرؑ حسینؑ کا فرزند خوشخصال
مشکی ہوں سکینہ علی ہے وہ نونہال

خالق مراجواں کرے اس نورِ عین کو
روشن رکھے یہ چاند کنارِ حسینؑ کو

بند ۱۰۳

فرمایئے تو کیسی ہے اب اُن کی خوشحالی
میں تیرے تصدق ہوں مجھ سے تو نہ کر خالی
اب کیجئے مجھ سے دخترِ حیدرؑ کی ثنا خوانی
سنتی ہوں میں کر رحم کہ کیا فاطمہؑ کا لال

بنتِ علیؑ بھی اُس شہِ صفدر کے ساتھ ہے
زینبؑ نے اپنے دل میں کہا سر کے ساتھ ہے

بند ۱۰۴

واں ہند حال پوچھتی تھی ایک ایک کا
یاں سینہ پھٹتا تھا حرمِ شاہِ نیک کا
اور سر جھکائے رو رہی تھی عترتِ امام
حیران تھی اپنے دل میں بہنِ بیکس و غلام
کس کس کی طرح اوشتہ تھے سب حرم تمام

بند ۱۰۵

ہاتھوں سے دل سنبھالے اک ایسی آہ کی
تھرّا گئی جو قبرِ رسالت پناہ کی
اس کی خبر نہ ہند کو تھی نہ بی بی نیز کا
بانو کے تو نہال کو پھل نیز کا
اصغرؑ کا حال پوچھ رہی تھی یہ بار بار
معلوم یہ نہ تھا کہ کٹا سر حسینؑ کا

بند ۱۰۶

یہ حال پوچھتی تھی شہِ مشرقین کا
پر یہ نہ علم تھا کہ کٹا سر حسینؑ کا

بند ۱۰۷

پھر آہ کھینچ ہند نے بانو سے یہ کہا
ہاں کہیے خیر تو ہیں عباس نامدار
اس دم کسی کے منہ سے نہ نکلا وائے افسوس
رو کر پکاری ہائے چچا جان مر گئے

بانو پکاری وہ تو جہاں سے گزر گئے
چپکی رہو تمہارے چچا جان مر گئے

بند ۱۰۸

جلاس کو پوچھتی تھی بار بار یہ
کیا جانتی تھی ہند یہ ہوتے ہیں ظلم
بانو نے بولی زینب بیکس جو یہ سنا
ہے ہے نہ پوچھ مجھ سے اللہ کی قسم

دل غم سے چاک چاک بصد شور و شین ہے
معلوم کچھ نہیں نہیں حالِ حسینؑ ہے

۱۱۰

چلائی بہن آپ کی آواز پر فضہ
بیٹی نہیں ہو فاتح بدر و حنین کی
واللہ تم بہن ہو جناب حسینؑ کی

۱۱۱

زینب عجب بیکاری بس ہے غضب سوہی ہزار
اک خواب میں نے دیکھا ہے اک آسمان بلند
سر ننگے دیکھا ہے نبی امت قبیل کو
اور ذبح ہوتے دیکھا ہے میں نے حسینؑ کو

۱۱۲

دیکھا ہے فاطمہؑ کو کہ خوں سے جبیں لال
اور مرتضیٰؑ کو دیکھا ہے خوں فشاں خضاب
کھلے ہوئے دیکھے ہیں سر ایساں سے بال
پھوپھی کو دیکھا ہے بھرائے ہوئے گریباں

۱۱۳

دیکھا ہے ایک شیخ کو بیمار و ناتواں
اک طفل ہے پڑا ہوا گردن کے درمیاں
پیاسا ہے طفل شیر کو سنگ ہے بیقراں
اور اک ضعیفہ کہتی ہے با نالہ و فغاں

۱۱۴

جب سے یہ خواب دیکھا ہے وحشت ہے بیحد
حیران ہوں رسولؐ خدا کیوں ہیں سرنگے
کیوں فاطمہؑ نے خون بہایا ہے جبیں پر
کیوں جناب نے آہ جلایا ہے کس کا غم

سر ننگے بیبیوں کو جو دیکھا وہ کون ہیں
بیمار کو اسیر جو پایا وہ کون ہیں

۱۱۵

زینبؑ کو تابِ ضبط نہ اس دم ہری ذرا
اور واحسینؑ کہکے ہوئی غش بعد دیر کا
ناگاہ آسمان سے پیدا ہوئی صدا
اے ہند گر قدم یہ تا مل سے تھک گیا

لرزہ ہے قبرِ فاتحِ بدر و حنین کو
مارا ترے یزید نے پیاسا حسینؑ کو

۱۱۶

لیزہ لگا کلیجے پہ اکبرؑ کے ناسماں
فاسم کی لاش پر ہوئی لاش خوں چکاں
زینبؑ کے دونوں لال بھی پہنچے جو بیچ میں
آغوش میں پدر کی ہوا قتل بے زباں

سب اقربائے شاہ شہیدِ ستم ہوئے
عباسؑ کے فرات پہ شانے قلم ہوئے

۱۱۷

اے ہند بہ جوش میں ہے بڑی بی دشورتیں
ہے خواہرِ حسینؑ یہ دختر کی نورِ عینؑ
ہمراہ خاک سے ہے بھرا منہ بھانجے حسینؑ
تعظیم آل احمدِ مرسل سے ہے ترا دین

سر کٹ گیا بدن سے شہِ ثقلین کا
دے خواہرِ حسینؑ کو پرسا حسینؑ کا

۱۱۸

آتش لگائی سبطِ نبیؐ کے خیام میں
سر ننگے لائے ہیں ہمیں دربارِ عام میں

اے ہند گر پہ تجھ سے ہو بڑی زیادتی اور کبھی
بے جا ہے بات تو بھی مری فریاد سنی
زینبؑ کو بیکسی کی کیا کہوں اسے ہند بیٹا ہوا
شوہر سے نیزے ذبح ہوئے بھائی کو کیا

۱۱۹

اے ہند ہے یہ بانوئے شاہِ زمن کی دلہن
یہ دخترِ حسینؑ ہے اکبرؑ کی ہے بہن
اے ہند سر کھلے ہوئے وارث ہیں زین کے
بیٹی ہوں میں بتول کی شبیرؑ کی بہن

جس کا جنازہ شب کو اُٹھا اُسکی جائی ہوں
اور اب تو ننگے سر سرِ بازار آئی ہوں

۱۲۰

اے ہند گر یہ غش کھلک خاک پہ
یہ ننگے سر یہ بال کھلے منہ پہ خاک ہے
بیہوش بانو گود میں سر پہ ہے آہ ننگے سر
اس حال سے ہوا ہے سرِ دربار جب گزر
اور ہند پر یہ دیکھ کے حالت پڑی نظر

دل میں کہا کہ ہند نے ذلت کمال دی
جلدی سے اُٹھکے اپنی عبا اُسپہ ڈال دی

۱۲۱

یہ کیا کلام کرتا ہے مجھ دل ملول سے
عزت تری زیادہ ہے آلِ رسولؐ سے

۱۲۲

سب عیش چھوڑ کر کفنی اک سیاہ لی
اُس عاشقِ حسینؑ نے جنگل کی راہ لی

۱۲۳

جس کی ثنا میں سورۂ تطہیر آیا ہے
بلوے میں اُسکی آل کو تو نے پھرایا ہے

۱۲۴

ہر فکر و رنج میں مری امداد کیجیئے
اور کربلا میں ہند سے اب یاد کیجیئے

۱۲۵

در در پھرایا تو نے جو کنبہ بتولؑ کا
کیا حال ہوگا قبر میں روحِ رسولؐ کا

گلِ صدرنگ

یہ مراثی کے ایک بے نظیر مجموعہ کا نام ہے۔ جس میں حضرت انیسؒ۔ جناب دبیرؒ۔ وحیدؒ
انیس۔ قفیس۔ آوج۔ رشید۔ ماہر۔ ذاکر۔ عارف کی تصنیف سے ایک ایک معرکۃ الآرا مرثیہ لیکر
نہایت صحت کے ساتھ طبع کیا جائے گا۔ تاکہ ان مداحانِ اہلبیت کے زورِ طبیعت کا اندازہ ہوسکے
اس وقت تک مطبوعہ مراثی کی اہل مطابع کے ہاتھوں جس جس طرح صورت مسخ کی گئی ہے وہ اہلِ
بصیرت کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔ ہم نے تہیہ کیا ہے۔ کہ اس بدنامی کو پریس کے دامن سے دُور کریں
اور اعلیٰ قسم کی کتابت اور طباعت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان بیش قیمت مراثی کو شیعہ پبلک کے
ہاتھوں تک پہنچائیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حسین علیہ السلام کے گرانبہا کارناموں کی حقیقی اور علمی
قدر کرنے والے اس بوجھ کے اٹھانے میں ہمارا کہاں تک ہاتھ بٹاتے ہیں۔ ہم نے آجتک اس امر کو
اپنے لئے کبھی جائز نہیں رکھا۔ کہ خریداروں سے کسی امید موہوم کی بنا پر پیشگی قیمت منگالیں۔

ہماری صرف یہ خواہش ہے

کہ اس مایہ صد ناز مجموعہ مراثی کے سچے خریدار اپنے اسمائے گرامی رجسٹر خریداری میں ثبت
کرالیں۔ تاکہ کتاب مکمل ہوتے ہی انکی خدمت میں بذریعہ وی۔ پی روانہ کردی جائے جو صاحب

بذریعہ منی آرڈر قیمت

بھیجدیں گے۔ ان سے دو روپیہ (۲) فی جلد۔ اور وی پی منگانے والوں کو (۲۱/۲) کا وی پی
کیا جائے گا +

منیجر مطبع اثنا عشری دہلی

قیمت (۴) علاوہ محصول ڈاک

جلاء العینین
فی سیرۃ
علی ابن الحسین ؑ

قیمت (۴) علاوہ محصول ڈاک

جتنی قومیں اسوقت زندہ رہ کر حقیقی عزت کی زندگی بسر کر رہی ہیں اگر غور سے دیکھو گے تو انکی حیات کا راز بستہ اسمیں مخفی نظر آئے گا کہ انہوں نے اپنے بزرگوں کی یاد کو ہر وقت دلوں میں تازہ رکھا۔ صرف زبانی دعووں کی بنا پر نہیں بلکہ ایسے حضرات کے کارنامے اور سوانح عمریاں انہوں نے شائع کر کے دنیا کو شاہ راہِ حقیقی کی پگڈنڈی پر لگا دیا۔ کسقدر افسوس اور شرم کا مقام ہے کہ وہ فرقہ جو حقانیت کا مدعی اور متصوفین کی تاسی کو اپنا شعار قرار دینے والا ظاہر کرتا ہے۔ اس کے جمود و غفلت کی یہ حالت کہ مجلس میں دیکھو تو رونے کی آوازوں سے آسمان سر پر اٹھالے اور جس مظلوم کی پیادہ پائی اور وادیٔ محبت میں کانٹوں پر چل کر تلووں کے فگار ہو جانے والے واقعات کو سُن سُن کر سر دُھنے۔ اس کی مقدس زندگی کے واقعات سے اس قدر نابلد ہو کہ امام زین العابدین علیہ السلام کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ وصال بھی نہ معلوم۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ہمنے ہزاروں روپیہ صرف کر کے آئمہ علیہم السلام کی سوانح عمریاں طبع کر کے شائع کیں لیکن آج وہ جلدیں طاقِ نسیان پر رکھی ہوئی ہیں۔ اور انکو دیمک چاٹ رہی ہے۔ قوم کی ناقدری اور طلب العیش کی یہ حالت ہے کہ "طرحدار لونڈی" کی خریداری کو باعث نجات اور امام زین العابدین علیہ السلام کی سوانحعمری پڑھنے کو تضیعِ اوقات سمجھتے ہیں۔ بہرصورت جناب مولانا مولوی السید مظہر حسن صاحب قبلہ کی یہ جدید تصنیف پھر ایکمرتبہ "حسینؑ حسینؑ" کہنے والوں کے سامنے پیش کیجاتی ہے دیکھئے کون کون لبیک کہکر آگے بڑھتا ہے

منیجر مطبع اثنا عشری دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من بکی علی الحسینؑ او ابکی او تباکی وجبت لہ الجنۃ

مدّاح ہوا کلک امام دوسرا کا

تصنیف

قاری یعقوب علی خاں نصرت

مرتبہ غیر منقوطہ در حال امام حسین علیہ السلام

جسے

سیّد صغیر حسن شمس زیدی الواسطی دہلوی

نے

بماہ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۱۸ء

پہلی مرتبہ

مطبع یوسفی دہلی میں طبع کر کے شائع کیا

تعداد طبع ۵۰۰ قیمت ۴؍

۴	۳	۲	۱
وہ کس کا فاطمہ عدو گرہ و مکّار اور مرّہ ملک سر پر ہو سردار دو عالم کا اُدھر آہ ہر دم الم اولاد کا وہ حال دگرگوں صد مردہ علمدار کا وہ درد کر آہ	در داد و ہم ماہ محرم کو وہ معصوم حاکم ہو مگر ہو ع سعد کا محکوم الماد ہو مورد اور ہو صد آہ وہ محروم ہو عسکر و ہر اہل ولا مردہ و معدوم	سردار دو عالم ہے رسول مدنی کا دلدار مداح کا مولا ملک و حور کا سالار صلّ علیٰ ہم اور دو عالم کا مدد گار مالک کا ہو احکم رسولؐ ارکا ہو پرچار	مداح ہوا کلک امام دوسرا کا مسرور ہو دل کلمۂ کلمہ صلّ علیٰ کا مطلع ہو کہ عالم ہو مہ و مہر سما کا مداح ہو مورد کرم و مہر و عطا کا
وہ دل کہ ہر اک ہمدم و دلدار کا صدقہ صدقہ وہ داماد و مددگار کا صدقہ	داماد و ولد اور علمدار کا ہو درد ہر ہمدم و ہمدرد و مددگار کا ہو درد	ممدوح ہوا مہر و مہ و لوح و سما کا اور حامد و محمود رسولؐ دوسرا کا	سردار دو عالم کا اگر رحم و کرم ہو اس مدح کا واللہ صلہ حور و ارم ہو

۵	۶	۷	۸
تا کجا اعدو اک کرام آوادھ کو دکھلاؤ حواس اور پراک وار کو روکو صمصام کو لو و لولہ حملہ اگر ہو مردہ دل اظہر ہو اگر راہ عدم لو	گر توصلہ ہو سرور و سردار کو آمادۂ حملہ ہو کرو دور کرم کو ہو دہاک علم گرز و صمصام دودم کو معلوم اسد اللہ کا ہو موکہ ہم کو	اک گرز ادھر کا ہو اگر حملہ ورا کو صمصام کا اک وار ہو حملہ ہو مکرر گر دو بیع ہو وار ہو وہ گرز دلاور ہمسر وہ آگر کہ ہو کہسار کا ہمسر	ہو ہو کہ گر عسکر کرار کو لاؤ داماد و ولد اور علمدار کو لاؤ ہر ہمدم و ہمدرد و مددگار کو لاؤ گر ولولہ حملہ ہو رہو ار کو لاؤ
اک مرد ہو گر ہمدم و دلدار ہو آکر اسلام دم حملہ وہ مددگار ہو آکر	کامل ہو ور ہو اگر وار ہو روکو کرار ہو کرار ہو کرار ہو روکو	اک وار گر اسکا ہوا سالار کو مارا ہو دھوم کہ لو سرور و سردار کو مارا	درد و الم و صدمہ ہو گر راہ عدم لو دل کو ہوا گر حوصلہ صمصام دودم لو

۹	۱۰	۱۱	۱۲
وہ سرور و سردار دو عالم ہے اسوار وہ دار حسام اسد اللہ کا وہ ہے دار صمصام دو دم اور وہ رہوار ہما وار وہ حملہ وہ آہو وہ ہوا وہ ملک اطوار	سردار دو عالم سا سوار اور وہ گھوڑا دوڑا وہ اگر کوہ دم دم ہو وہ روڑا اک لحظہ کا گر وہ ہوا کا ہو اوڑا کوڑا وہ ہوا کا ہو اور اسکو وہ موڑا	رہوار وہ رہوار کہ طاؤس ہما گرد رہوار وہ رہوار کہ ہو مہر سما گرد رہوار وہ رہوار کہ آہو شہ ہوا گرد رہوار وہ رہوار کہ ہر دم رسا گرد	حملہ ور و ہر اک ضرب سے کاہوں کا ہو لال آنکھوں کا حسام اسد اللہ کا رومال گر کبکہ ہوا عدا کا ہوا دود گر احوال سر اس کا گرا اور وہ دھڑ اسکا ہوا لال
صمصام کو رو کا وہ ہو سر دہ ہلاک گرد اور عسکر اعدا کا ہو اگر دہ ہلاک گرد	اس سرور و سردار کا رہوار وہ رہوار اوڑ کر ہوا حور و ملک اطوار وہ رہوار	گھوڑا دم حملہ ملک اطوار اوڑا وہ اور آہو و طاؤس و ہما ور اوڑاوہ	رہوار وہ رہوار وہ رہوار ہوا گرد حور و ملک و آہو و طاؤس و ہما گرد

۱۳
وہ عسکر اعدا کا وہ اسوار ہو ادھر
اسوار وہ دو اور وہ رہوار ہو ادھر
رہوار وہ دو اور وہ سالار ہو ادھر
سالار وہ دو اور علمدار ہو ادھر
۱۴
اک وار حسام اسد اللہ کا گر ہو
دل مردہ ادھر ادھر ہو ارواح ادھر ہو
دھڑ کا ہو ادھر اور سر کوالگ گرد کا ہو
دو ڈھال ہو دو صدر دو ہو اور کمر ہو
۱۵
سردار دو عالم اسد اللہ کا اژدہ
اور حاکم اعدا عمر سعد اژدہ
دس لاکھ عدو اک وہ حسام اسد اللہ
صمصام ادھر اور ادھر ہم سر گم راہ
۱۶
وہ دور ہوا ولولۂ عسکر مکار
حملہ وہ اسد کا ہوا صمصام کا دھار
اعدا کا گرا دھڑ وہ اوڑا ادھر سر دار
وہ سر ہوا لوٹا وہ ہوا دو نح رہوار
دہلا وہ ہراک کوہ ہوا رعد کو دھڑکا
اعدا کو ہوا ڈر عمر سعد کو دھڑکا
وہ دو ہوا رہوار اڑا سر وہ عدو کا
صحرا کو ملا حلۂ احمر وہ لہو کا
ہو مہر کہ ہو ماہ کہ کہسار ہو دو ہو
صمصام دو دم کا اگر اک وار ہو دو ہو
گر کر وہ دم اکھڑا ادھر اسکا ادھر اسکا
دھڑ اسکا دم حملہ الگ اور سر اسکا

۱۷
اک وار ہوا عسکر مکار کو مارا
عسکر کو وہ مارا وہ علمدار کو مارا
مارا وہ علمدار کو سالار کو مارا
سالار کو مارا وہ ہر اسوار کو مارا
۱۸
وہ وار ہوا صمصام کا دہلا دل ہر رد
صد مسہ وہ ہوا روح کو وہ دل کو ہو درد
سرگرم حسام اسد اللہ عدو سرد
وہ عسکر اعدا کا ہر اک گرد ہوا گرد
۱۹
صمصام دو دم کا ہوا سردار کو دھڑکا
سردار کو دھڑکا ہوا سالار کو دھڑکا
سالار کو دھڑکا ہوا اسوار کو دھڑکا
اسوار کو دھڑکا ہوا رہوار کو دھڑکا
۲۰
گرد وار ہو صمصام امام دوسرا کا
گرگ وہ اسد آہو وحش طاؤس ہما کا
روح و دل و دیم ہوس و حرص ہوا کا
تہمور ملک دہر دہم و لوح و سما کا
کہسار کا صحرا کا ادہر حال دگر ہو
اور سر الگ اس عسکر اعدا کا ادہر ہو
رہوار کو دھڑکا ہوا عسکر کو ہوا ڈر
عسکر کو ہوا ڈر کہ ہر اک سر کو ہوا ڈر
رہوار ادہر دو ہوا اسوار ادہر دو
لو سر ہوا اعدا کا مع صد و کمر دو
اسوار کو مارا ہوا رہوار ادہر دو
رہوار ادہر دو ہوا کہسار ادہر دو

۲۱

اعدا کو حسام اسد اللہ کا ہو آڑ
دم ہم ہوا سارا عمر سعد کا عکر
آمادۂ حملہ ہو اک گرد دلا ور
اور ہم سر و رہو ا ہو ار اوڑا کر

۲۲

اک وار ہمارا ہو اگر سرور و سردار
ہر گرد ہو سو دم حملہ مع کہسار
گادہ ہو کہ ہو طوس کہ ہو سام یا اسوار
ہم سر اگر آ کر ہو وہ دو ہو مع ہوار

۲۳

اسدم دم حملہ ہو اگر وار ہمارا
ہو دھوم کہ سالار کو سردار کو مارا
مداح ہو عکر عمر سعد کا سارا
گر مو کہ ہو سرور و سردار گوارا

۲۴

صمصام وہ صمصام گر اک وار ہو اس کا
دا ر اکو ہو ڈر اور ہو کاوس کو دم کا
ہو کوہ احد گند سر طمہ ہو سرما
دل کو ہو اگر حوصلہ آدم صحرا

رہوار ہما وار و ملک وار کو رو کو صمصام کو لوٹ دھال کو لو وار کو رو کو	صمصام لو حملہ کرو رہوار اوڑا کر دکھلاؤ حسام اسد اللہ کو آ کر	اسدم اگر اک وار ہو صمصام دو دم کا دہڑ دور ہو سر دور ہو سردار اُمم کا	للکارا عدو سرور و سردار اُمم کو لو وار ہمارا کرو رد روک لو ہم کو

۲۵

سردار دو عالم مرا اک وار اگر ہو
کہسار کو دھڑکا ہو ہمہ وقت سر کو دوڑے
ہو طوس کا دھڑکا دور لگ سام کا ہم ہو
گاؤ ہو اگر دودہ مع صدر دگر ہو

۲۶

دھڑکا ہو اگر دل کو مدد گار کو لاؤ
گر دولہ حملہ ہو کرار ہو آؤ
سہ ہوار ہما وار و ملک وار اوڑاؤ
اک وار حسام اسد اللہ کا دکھاؤ

۲۷

تو وار ہو اسد ورد سر دار اُمم کا
اور رحم و کرم دُھد ہو اہل کرم کا
وہ حملہ ہو وار وہ صمصام دودم کا
سہ ہر دو ہو امر دود سہ ملک علم کا

۲۸

اک حملہ سر دو ہو امر دود کو مارا
مکار ڈرا اور دم معرکہ ہارا
کاؤس کو دھڑکا ہو دہلا دل دارا
دھڑکا ہو اعدا عمر سعد کا سارا

دامادو ولد اور علمدار ہو لاؤ	آگاہ ہو معلوم ہو سردار اُمم کو	سہ دو ہوا دھڑ دو ہوا امکار ہوا دو	اسوار ادہر دو ہوا رہوار اُدہر دو
گر ہمدم و ہمدرد مدد گار ہو لاؤ	دس لاکھ کو لو مار اگر مارو ہم کو	وہ گرد دلاور مع رہوار ہوا دو	سردار ادہر اور علمدار اُدہر دو

۲۹	۳۰	۳۱	۳۲
اک وار ہوا عسکر سکا ہوا گرد عسکر وہ ہوا گرد وہ سالار ہوا گرد سالار ہوا گرد علمدار ہوا گرد ہر گرد دلاور مع ہوار ہوا گرد	وہ سر دروسر دار وہ صمصام وہ ہوا وہ طور اسد اللہ کا صمصام کا وہ وار ہوار وہ ہوار ہما و ملک اطوار اور ہمہمہ اس کا وہ دم حملہ اسد وار	صمصام وہ صمصام وہ سر دار دولدل ہوار کا عالم ملک و ہور کا عالم عسکر ہوا سارا غم سعد کا درہم سر کا ہوا دھڑکا ہر اک اسوار کو اسدم	سر دار ہو و عالم کرم و مہر و عطا ہو للہ حرم اسد اللہ کو روکو ہوار ہما وار کو روک لو دم لو حلال ہم رحم کرو راہ دو ہم کو
ڈر اہل سما کو ہوا اور حور کو صدمہ کہسار کو دھڑکا ہوا اور طور کو صدمہ	ڈر حور و ملک کو ہوا اور دام کو دد کو دھڑکا سر صحرا ہو ہر گرگ اسد کو	روکر کہا ہوار ہوا گام کو روکو للہ کرو رحم کہ صمصام کو روکو	مالک ہو مدد گار ہو سردار امم ہو کامل ہو دلاور ہو مگر اہل کرم ہو

۳۳

گواہ ہوا حاکم مکار ہمارا
ورحم و کھاؤ اسداللہ کا سارا
ہو مہر کہ عکر عمر سعد کا ہارا
سردار دو عالم کو ہو ارحم گوارا

۳۴

راحم ہو امعصوم اسداللہ کا دلدار
صمصام کرو کاٹ سر ہو اور ہمارا
آمادہ حملہ ہو اسلام ہر اک سوار
دوڑا عمر سعد مع عسکر مکار

۳۵

وہ درد وہ صدما وہ مددگار دو عالم
وہ ہوسم گرما وہ مددگار دو عالم
وہ عسکر اعدا وہ مددگار دو عالم
وہ وار ہر اک کا وہ مددگار دو عالم

۳۶

اس عسکر مکار کو طبع گر و نال
دس لاکھ عدو گرد وہ معشوکا کا لال
وہ حال امام اور وہ سرداروں کا احوال
وہ گھاؤ سراسر وہ لہو اور وہ سر لال

لو سرور و سردار و مددگار گرا آہ
درد اسداللہ کا دلدار گرا آہ

دس لاکھ عدو اور وہ اک اہل حرم آہ
صمصام سہا دم اور وہ سردار امم آہ

اک سرور و سردار امم لاکھ عدو گرد
گہرا وہ ہر اک گھاؤ وہ صحرا وہ لہو گرد

صدمہ ہوا گو دل کو مگر آہ کورو کا
رہوار و جام اسداللہ کورو کا

۳۷

وہ گردہ سردارِ اُمم کا سرور واہ
جملہ اودھر اعدا کا ادھر گروہ ہے
وہ صدر امام دوسرا کا وہ عدو
صمصام دودم اور وہ سرور کا گلو

۳۸

صدر مہ ہوا روح اسد اللہ کو اسلام
اور حال رسول دوسرا کا ہو درود
صد آہ وہ درد دل معصوم عالم
وہ صدمہ وہ حال جرم سرور کا

۳۹

آوا اسد اللہ مدد گار کو مارا
آوا اسد اللہ کہ کرار کو مارا
آوا اسد اللہ کہ سردار کو مارا
آوا اسد اللہ کہ سالار کو مارا

۴۰

درود کو کس طرح ہو آہ گوارا
معصوم کو سالار کو کرار کو مارا
صد آہ علم سرور و سردار کا مارا
درد اوہ غم اور وہ مدد گار ہمارا

دھڑ دور ہو اہل کرم و مہر و عطا کا
اور سر ہو الگ آہ امام دوسرا کا

معصوم کا مردہ ہو ہر اک اہل خرد ہو
آوا اسد اللہ مدد گار ولد ہو

رو کر کہا لو سرور و سردار کو مارا
آوا اسد اللہ کہ دلدار کو مارا

صد آہ کہ معصوم کو کرار کو مارا
سردار اُمم سرور و سالار کو مارا

۴۱	۴۲	۴۳	۴۴
وہ سر جو ہے معصوم وہ بیمار اشد	اعدا کو ہو احکم عمر کا ادھر آؤ	ستمگار کرو گھر حرم اہل کرم کا	صدآہ کہ ہو آل محمدؐ کا کھلا سر
معذور مروہ معصوم ئہ عالم کا ہو اماں	اوّل دل اہل حرم اس طرح دکھاؤ	مسرور ہو دل مردہ ہراک درد و الم کا	صدمہ ہو علیؑ اللہ کو ہو کہرام ہو گھر گھر
درد ہو اسے سرور دل عبدِ کراہ	ہمراہ سر سرور و سم دار کو لاؤ	لال و گہر و مال لو کل اہل حرم کا	سینہ سے ہو معصوم کا گھر آہ سراسر
درد و الم و صدمہ حرم کو ہو اصدہ	اور وہ سر دار اُمم کل کو دکھاؤ	ہمراہ لو سر درد سر دار اُمم کا	مسرور ہو دل اعمر سعد کا عسکر
حور و ملک و لوح و سما کو ہو اصدمہ	مسرور ہو دل لو گہر و مال و درم کو	حاکم کو دکھا کر کہو کرّار کو مارا	داؤدؑ کو روح اللہ و موسیٰ کو ہو صدمہ
صدآہ رسولؐ دوسرا کو ہو اصدمہ	اور آگ لگا کر کرو محصور حرم کو	لو عہدہ کہ معصوم کو سردار کو مارا	حور و ملک و آدمؑ و حوّا کو ہو صدمہ

۴۴	۴۵	۴۶	۴۷
وہ ظاہر و باطن اسد اللہ کا دلدار سردارِ دو عالم ملک و حور کا سالار معصوم کا وہ لال محمد کا وہ پیارا دشمن کا سکا ہو گا ولد گر داور کا ہو پیارا	مسرور ہو درد اعمر سعد کا عسکر مہموم ہر اک اہل ستم آہ ہو روکر وہ آگ وہ صحرا وہ الم اور وہ حرم آلودۂ گرد آہ وہ معصوم وہ مسرور	درد اہو امام دوسرا اور ہو مصمم ہو مالک و سردار گھرا اور ہو مصمم معصوم ہو وہ تو دعا اور ہو مصمم صد آہ ہو سر دکا گلا اور ہو مصمم	صد آہ وہ معصوم وہ معصوم کا دلدار وہ ماہ رسولِ دوسرا اور وہ کرار ہے اسد اللہ ملک و حور کا سالار وہ سرور و سردارِ دو عالم کا ہو پیارا
صد آہ ہو اس سرور و سردار کا سر پر ہر اک ستم اہل کا ہو دور اور ہو گھر دور	درد اکہ ہو روح اسد اللہ کو صدمہ ہو مہر و سما و سمک و ماہ کو صدمہ	ہو صدر امام اُمم اور اہل حرم ہو الماں ہو درد اور اسد اللہ کا ماتم ہو	وہ گرد و وہ صحرا وہ لہو آہ ہو اس کا صمصام عدو اور گلو آہ ہو اس کا

رباعی

ہر کام روا ہم دلِ آدم کا ہو
مولود الم بلہ محرم کا ہو
حرص و ہوس جو روزوام ہو دلکو
مداح مدد گر دِ عالم کا ہو

رباعی

مداح امام دوسرا کا ہو مدد
ممدوح ہو وہ سما کا ہو مدد
لکھ مصرع اوّل و سرِ لوح و کلک
مورد کرم و مہر و عطا کا ہو مدد

۵۸

ہو اسد اللہ کرم و مہر و عطا ہو
قسمت کر و حرم امام دوسرا ہو
وا واسطہ معصوم کا مسموع دعا ہو
مداح کو عطا حور و وارم اس کا صلہ ہو

۵۹

وہ گرد و پھرا وہ ہو اہل کرم کا
دھم دھوم وہ سردار و مددگار امم کا
وہ عسکر مکار و وہ گھر اہل ہوم کا
مورد ہوا اور دوالم و صدمہ ہم کا

رباعی

گر ملک عدم ہم کو گوارا ہوگا
دل کو اسد اللہ کا سہارا ہوگا
معصوم ہر اک ہوگا دم مرگ محمد
اللہ مدد گار ہمارا ہوگا

حلال ہم راوہر اہل حسد ہو
سردار امم آو مدد گار مدد ہو
صدمہ ہوا روح اسد اللہ کو سراسر
لو رو کہ سر آہ محمد کا کھلا آہ

۱ لکھا گر مدح سردار دو عالم ولا گر حرص حاصل دارم ہو امام دوسرا محصور ہو آہ دل آل محمد کو الم ہو	۲ سر دربار آم ہو دل کو دم گ امام دوسرا کا گر الم ہو او ہر حرف کو ہو اصد مہ کہا و ولد آو مدد گار حرم ہو	۳ ولا صمصام سرور گر علم ہو عدو ہر مہرہ و ملک علم ہو ۴ ولا ہر اک سلام اسطرح کا لکھ سرور سرور والا ہم ہو	۵ ولا مدّاح سردار امم ہو صلہ اس کا عطا تو روادم ہو اگر مدح علمدار و علم ہو ولا سردار عالم کا کرم ہو
عمر لشکار اسرور کو گراؤ اگر طمع در و مال و درم ہو	۹ گھر اصد آہ احمد کا ہو دلدار حسام و سہم و سردار امم ہو	۱۰ گروہ عام اعدا ہو سر راہ کھلا در دا سرا لحرم ہو	۱۱ الگ سر اور دھڑ سرور کا ہو آہ دل معصوم کو درد و الم ہو

رباعی

دارا کہ بود امام معصوم ما
ہر بار حج ما کرد محروم ما
آبش ہوا ما عل کافور شده گراه
امداد شاه امام عصر محروم ما

رباعی

بدار کہ بود امداد دل
کھ لاد در مدح کہ دادد دل
خلال ہم سر کل کل دل
دالله رسولہ اللہ اولاد رسول

رباعی

گلا س کا ہو صمصام دو دم کا
ہر دو اسطرح لدر دکر دعا کا
امام دو سرا رحم دکرم کا ہو
نام شہ

رباعی

ا گر ہو ہر سر دار دو عالم
ہم حل سہل ہر امر ا ہم ہو
ادھر ہر سر دار دو سر دار کا ہو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من بکیٰ علی الحسینؑ او ابکیٰ او تباکیٰ وجبت لہ الجنۃ

ہم طالع ہما مرا و ہم رسا ہوا

تصنیف

میرزا سلامت علی صاحب المتخلص بہ دبیر و عطارد

مرثیہ غیر منقوطہ در حال امام حسین علیہ السلام

جسے

سید صغیر حسن شمس زیدی الواسطی دہلوی

نے

بماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۳۶ھ مطابق اگست سنہ ۱۹۱۸ء

پہلی بار

طبع ہوا

مطبع یوسفی دہلی میں طبع کر کے شائع کیا

قیمت ۴ عہ

مربیہ	۵۲	۵۳	۵۴
ہمطالع ہمامرادھم رسا ہوا طاؤس کلک مدح اوڑا اور ہما ہوا مطلع ہمارا مطلع مہر سما ہوا اور دودۂ کلام سراسر ہرا ہوا	اودل سرور دل کو ہوا سرم وہ کام کر ہر اہل دل ہو محو وہ مدح امام کر حاصل صلا کلام کا دارالسلام کر کر اس محل کو طور وہ اسلام کلام کر	سرگرم مدح ہو کہ ارم اسکا ہو صلا حاصل بداد مردک حور کر دلا لوح طلا و حرّہ نہر سما کو لا امد ہو کمال کلک گہر سلک کا مکا	او کلک لمع طوبکا لا اور کہ داد عالم اد ہر طلوع سحر کا ادھر سواد حاسد کو آگ آگ کر او لمعہ وداد ہر حور ہر ملک گر اسدم ہو محو یاد
مصرع ہوا کہ سرو وہ دارالسلام کا عطر گل ارم ہوا حاصل کلام کا	عالم ہو سارا مہر کا اور طور ماہ کا اسدم ہو دور دور مگر واہ واہ کا	وہ مدح ہو کہ صلّ علیٰ زور زور ہو وہ واہ واہ ہو کہ ہر اک کو سرور ہو	لکھ آہ آہ سرور والا گہر کا حال حال وداع اہلحرم اور سحر کا حال

۵	۵	۵	۵
دُور دور آہ اہلِ حرم کو پکارکر آؤ اولاد کو دلاسا دو تسلّہ رحم کھاؤ گرد ملال دُور کرو دل کو کر بٹاؤ روح رسولؐ و مادرِ اطہر کو کر رولاؤ	اسلام ہو امام کو ہر طرح کا ا اس طرح کا الم دلِ عالم پہ تھا مگر رو کر کہا کہ دل کو ہو گو صدمہ مہ کرو سر ہو ہم اگر ہوا اللہ کا کرم	ہر گاہ مہر طالع درد و الم ہوا سر گم کا درگ امام اُمم ہوا ہر سُو علم ملال کا اس دم علم ہوا اعدا ہمہ حسام دو دم اسکام ہوا	
۶	۶		
ہو دُور درد دل کا وہ اسلام دو اکرو ہو مدعا حصول ہمارا دُعا کرو	اسلام کا وہ ہراس وہ وسواس مُردہ وہ چول مرگ اور وہ دہشت کا وہ دل کا درد وہ دُکھ وہ درد اور وہ الم اور وہ ترس وہ مہر کا طلوع سحر گاہ سا رگرد		
اس امر کا امام کو صدمہ سوا ہوا سر ہو گا آہ اہلحرم کا کھلا ہوا	حاصل دلِ امامؑ کا وہ مدّعا ہوا حورِ ارم کا حوصلہ دل کو سوا ہوا		
محوِ رہ الٰہ ہوا دل امامؑ کا مردم کو حوصلہ ہو دارالسلام کا			

۱۲	۱۱	۱۰	۹
ہمراہ لاؤ اور دو ہم کو ملال امام اور گر ہلاک ہوگا ہر اک آہ لاکلام سوکھا گلا امامؑ کا اور آہ وہ خیام سو حصہ ہو گر وہ اگر ہو ہمارا کام	کشکر کو کھڑا ہوا معصومہ کا وہ لال اس دم کمال اہتمام کو ہو اعتلال مولا کو روک کر کہا صدمہ ہوا کمال معلوم کس طرح ہو مگر آہ دل کا حال	سرور کو وداع کر و آہ مار مار سہہ لو ہمارا درد و الم اور کر و سوار ہوگا عمدؑ کا رہ ہمارا وہ کردگار دل لو کہ ہوگا عصر کو فتح اللہ ہمارا کام	اور آہ لاؤ ہم معصومہ کو دو ہمر ہوگا کمال اسکو الم کھولا ہوگا سر اس دل ملول کو کہو دل لو اک دگر اس ام کا مدام رہا آہ اسکو دو دعا
کس طرح مرگ سرور عالم گوارا ہو ہو ہم کو کس کا آسرا کس کا سہارا ہو	ہو کس طرح کہ سرور عالم سوار ہو لو آؤ ہم کو نار کے اسدم سوار ہو	کم طول دو کلام کو ہم کو رہا کرو سرکار کردگار کا لو آسرا کرو	دل ہوگا دل ملول کا مسرور کسطرح طالع کا ہوگا لکھا ہوا دور کسطرح

۱۳

اسلم درود ہمسر معصوم کا ہوا
سُن لال کی جو اس سے اس کا کھلا ہوا
آکر کہا کہ روح کو صدمہ ہوا ہوا
مادر کا آہ آہ سے اسر کہا ہوا

۱۴

ہوگا امام والدہ کا آہ کھلا
ہم کو دم وداع لحد رو رو کر کہا
گر ہو ورد ہلاک ہمارا ہو لاڈلا
روک اسکو اور رہ کو ہمراہ رہ سدا

۱۵

مادر کا وہ کلام اگر ہو کر دعل
اس کا وہ حال ہم کو ہو کھطرح ہو کل
سرور کا وہ کلام کہ ہر دل کو ڈاؤں
ہر لاڈلا ہلاک ہوا او دہاں دہاں

۱۶

اس کلمہ و کلام کو عرصہ ہوا ہوا
وہ سوگوار گرد سم وریدا
پھر ام آہ آہ معصوم کا ہوا
اسلم کہا کہ لوگو ہو دل کو ام ا

مادر کا لو ورود ہوا کم کرو صدا
کم کم کرو کلام کہ معلوم ہو صدا

للہ کو درد والم کو اکھاڑ دو
اسدم لحد کو کھود لو اور ہمکو گاڑ دو

عالم کل اس امام اُمم کا عدو ہوا
دُکھ اسکو وہ ہوا کہ کم اسکا لہو ہوا

دم لو امام مادر اطہر کا واسطہ
اور سر کو کھول کر کہا اس سر کا واسطہ

۵۲	۵۱۹	۵۱۸	۵۱۷
وہ سارا گھر اوداس کس وہ بیحال کا حال اجلاد کا امام کو درد و الم کمال اسکا ملال دل کو ہوا اُس کا غم ملال ہر دم مگر ہوس کہ ہو اللہ کا وصال	معصومہ کا کلام ہوا مصرع الم اللہ کہہ کر آہ ہوا سرد اسکا دم رو کر کہا لہو ہوا سلام ہمارا کر لو لو کو لو ہلاک ہوا سر در امام	معصومہ کو الم ہوا اور رو رو کر کہا او دل ملول کھول سر اوہ ہو گیا ہوگا ہلاک عصر کو وہ لاڈلا مرا اسکو رہا کر اور کر اللہ کا نام	رو کر کہا کہ مادر اطہر کو السلام کو وہ الم گرا کہ ہوا آہ دل کا کام کس کام کا وہ دم کہ ہو اسلام ہلاکام دکھ درد کہہ لو واللہ وہ ہو گیا کلام
اور آہ مار کر کہا مل لو امام آو اسوار ہو سدھارو امام اور کام آو	گر لاکھ روک اسکو مگر ہوگا وہ ہلاک عالم ہو گرا دہر کا اُدہر ہوگا وہ ہلاک	ہمراہ ہم کو لو کرو مسرور والدہ اس درد لا دوا کو کرو دور والدہ	

۲۱	۲۲	۲۳	۲۴
گرگرد واح اہل حرم کو بال کا	عالم وہ تحو تحو امام ہوا ہوا	وہ دور دور تہر وہ عرش سکا دور دو	عسکر وہ واہ واہ کہ اسطرح کا ہو کا
طالع ہوا رسول کا وہ مہر دار	ہر عدم امام سرہ کھڑا ہوا	وہ عالم طلوع سحر اور وہ سرور	وہ معرکہ گروہ مددگار کار
اور طور سا کھڑا ہوا مولا کا ہوا	گرگرد سلام امام کو تحو دعا ہوا	ہر روز وہ تہر وماہ وہ صحرا وہ کوہ طور	وہ ہمہ امام ہوا ہوا کرم
دم کر دعا کو سرور عادل ہو اسوار	گرد سر امام علم وہ کھڑا ہوا	حکم امام ہر دو سر کا ہوا صدور	دولہ وہ ماہ رو وہ علم اور وہ علم
اسدم مگر کلام ہوا دور دور کا	ہر سو کلام عام ہوا واہ واہ کا	آمادہ ہلاک ہو محکم کمر کرو	وہ امام کا ہمر ورسول کا
موسے ہوا سوار وہ رہوار طور کا	گرد سر امام ہوا ہالہ ماہ کا	کس کر کمر کو معرکہ سر کو سر کرو	آرام اور سرور دل اس دل ملول کا

۲۵	۲۶	۲۷	۲۸
ہر درد کا وہ دل کہ اگر ہو وہ درد حملہ وہ ہم گروہ موکہ ہو ہو کمال دوڑ للکار کر اسد کو کھڑا وہ اسد ہو گا وہ سرد ہو دم اسکا ہوا دوڑ ہا دوڑ	وہ مالک ممالک محروسۂ ولا وہ سالک مسالک اسلام اوہیلا وہ مورد عطاء کرم طالع ہما وہ گرد راہ سرور سردار دوڑ ہا	ہر ماہ رو امام کا استقبال اوہم اوہم اور رو لو کمال علمدار کو گلو کھولا علم کہا کہ دلا کر قدم کو سر رومال کو ہلا ہلا ہر دم وہ گرد سر	ہر دل کو آمد آمد سر کار کا ڈھوا ہر دم کو درد آہ ادھر اور ادھر ہوا طالع ہوا وہ مہر طلوع سحر ہوا اور کلمہ و کلام مگر ہم دگر ہوا
وارد ہوا اسد اسد کردگار کا سنتے ہی لگاؤ گرد سم رہوار کا	مہر و داد ماہ کرم ہمدم امام کوہ اساس سرور ام محرم امام	وارد ہوا عدو کہا گھوڑا اوڑا اوڑا گرد سر امام اُمم وہ ہُما اوڑا	ہو معرکہ علم دم حملہ حسام ہو اسدم حلال گاہ سلک کلام ہو

۲۹	۳۰	۳۱	۳۲
آمد اور سرور عالم کو سواہو	رو کو گل مراد ہو اور کھلا ہو	سر کہ ہیچ مدح سر سرور ہیں	سرور ہر ملک ہو اور محمد مرد
دل تحو آمد آمد ہر عطا ہوا	اور روح طاہر دل اہل دلا ہو	کس طرح ہم کر سکا سر تو ہو دو سر	اعدا کو درود سرور دہ مگر
ہر ہمدم امام ع کو وہ ولہ ہوا	اور لمعہ طور کا ہو ہر سما ہو	اور کلک دو دو لمعہ طور اسکو لکھ سدا	عالم وہ عکس رو کا کہ دل ہر ملک کا ہو
اسلام علم امام دو عالم کھڑا ہوا	اور طالع ملک ہو صل علا ہو	اسلام مگر عمامہ کھلا اس کلام کا	عالم وہ گرد رہ کا ہو کہ طور گرد
ہر دم گل درود ملا اس امام کو	دل کو کہو کہ سورہ کلام اللہ کا	عمامہ رسول دو عالم دھرا ہوا	مامور ہر ملک ہوا اسدم درود کا
اور گھوم کر کھڑا ہوا ہر اک سلام کو	مطلع لکھ اسکو مہر کا اور لمعہ ماہ کا	اللہ کا کلام سراسر کھلا ہوا	ہر سو صدا کہ گرم کرو دم درود کا

۳۳	۳۴	۳۵	۳۶
اسلام ہوا کلام کا طوطی کلام کا	فتح سر امام اُمم طالع ہما	وہ فرح آدھر اور ادھر واہ دو ہلال	اس تاریخ کا ہو اولی ملاح کو ملال
گرد سر امام ہوا دہم کا وصول	اوّل کرو مطالع اس کا لکھا ہو	حاصل ہوا ہلال کو لو ماہ کا وصال	درود رسول کا کسطرح ہوگا حال
او کلک سلسلہ ہوا اسلام گر قبول	آگر لگا وہ وار کہ اس کا لہو گرا	ہکر مگر ہلال محرم ہوا ملال	کہہ اور مدح فتح کہ اسلام ہو وہ کمال
لکھ کا کل امام کو آہ دل رسول	مل مل کر اسلام آہ لہو رو رو کر کہا	مردم کرو مطالعہ وہ مطلع کمال	لو دم کرو درود کہو اسکو لوح لال
کا کل کو دو دلمعۂ رو لا محالہ لکھ	اللہ گواہ رہ گرا اسلام لہو مرا	حاصل مگر سرور ہو اہل کمال کو	لکھو مطلقاً لوح کلام اللہ کو
لکھ اسکو ماہ کا کل والا کو بالا لکھ	دل کو ہوا ملال ہوا لال رو مرا	لو ورد کر لو سطر دعائے ہلال کو	اور لوح سر کا عکس لکھو ہر وماہ کو

۳۷	۳۸	۳۹	۴۰
طرح محفل مردم چہر عطا کر دو ہو دل کو وہ سرور کہ مکرر وہ دو دہر ہو حاصل ہو ہم کو سر علم و عمل کو لو مردم کو آہو اور محل کو وم باہو	اور حال سیدا وسط رو کر کھلا دلا کس طرح ہم سے اسکا مگر ہوگا دوسرا مردم کو لا دوا کہو اسکو کہو عطا اسکو اگر سمک کہو رو کو کہو سما	رو ماہ کامل اور وہ ہو مالہ دار ادہر عالم ادہر سما کا ادہر عالم سحر مردم کہو دعاء حصار اسکو ہلا گر در وا ہم مدح گلو کس طرح ہو سر	اسلم ہمدا کلک ہوا ہمدم حسام کامل ہو مہ ماہ ہدا کم ہوا وہ کام دل لعل اور صلد ادم صلد لا کلام مدح کر کا تو صلہ دل کو رہا مدام
عالم سحر کا اور وہ مردم کا واہ واہ ہر ڈورہ لال سکا رگ گل سا واہ واہ	ہر گال کو کہو گل احمر کھلا ہوا لو کہد و لعل و دُر کا معما کھلا ہوا	سرو ارم امام اُمم کا گلو ہوا اور رو سمہ اس گلو کا گلو کا لہو ہوا	عالم دلا کر کا ہو معدوم کسطرح ہم کو رہ صراط ہو معلوم کسطرح

۴۴۱

تم دو حسام دو کو ادھر ہر اور کرم
دل کو ادھر سرور ادھر درد اور الم
وہ مار اور یہ سوروہ دو لاکھ اونکے
ہر سو ادھر قدح و حسام و علم علم

۴۴۲

واللہ راہوار کو دیکھ رہا ہو
آہو کو ہے علم اسکا کہو اور ہوا ہو
دلدل کا ہے سم اسکو کہو گرد اہو
طاؤس اسکو گاہ کہو گہہ ہما کہو

۴۴۳

وارث ہوا امام کا حاصل کلام
اسلم ادھر گروہ عمر اور ادھر امام
اس معرکہ کو سر کرو اعدا کا صاف کام
دوڑا دو راہوار کو کر دو علم حسام

۴۴۴

لو رو تو اور گلو کو کرو ہم دم حسام
رو دو عطا دو ماہ کرم ساعد امام
گر ہمسر اسکا دوسرا ہو ہوا کلام
اللہ کا کرم ہو سرور کو والسلام

اعدا ادھر کو اور ادھر ہمدم امام
سرگرم معرکہ ہوا ہر دم امام

ہر ہر عدو مسلح ادھر کو اڑا ہوا
کالا علم گروہ عمر کا کھڑا ہوا

گم گردہ راہ عکس ادھر اور ادھر رہا
کوڑا صدا کا اسکو صدا کا گر رہا

اسلم کہو ہما کو حسام ہلال دو
مردم کہو کہ مردمک حور ڈال دو

۴۲

کہا مکر آؤ ادھر کو امام آؤ
سرور دل ہمارا کرو اور رحم کو لاؤ
ہم کو حلال اور حرام آؤ سکھاؤ
لو مایدہ اور ہوا و طعام کھاؤ

۴۳

صدمہ کمال ہوگا ہمارا رسول کو
معلوم ہوگا مرکہ سارا رسول کو
کس طرح ہوگا درد گوارا رسول کو
گر ہم کو مارا حاسدو مارا رسول کو

۴۴

سرگرم آہ آہ ہوا سرور اُمم
دل کو ہوا کمال علمدار کا الم
اولاد کا الم ہوا کچھ صدمہ حرم
اور دولہ کا ہلاک ہوا آہ دل کو ہم

۴۵

ہر سُو بحاصرہ ہوا ہر سُو کو مر کا
ہر ہر علم امام ہوا عرصہ کم ہوا
وہ رنج اور آہ وہ ہم سر رسول کا
وہ حزن و ملال اور آہ وہ معصوم کا گلا

تو لاؤ پانی سر دکھلاؤ طعام کو
آرام دو سرور دکھاؤ امام کو

واللہ اسکا معرکہ کل ہوگا حاسدو
واللہ کل ہمارا عمل ہوگا حاسدو

گاڑا علم کو اور کہا لو آؤ حاسدو
معصومہ کو رسول کو رو لو آؤ حاسدو

سرور کا دل وہ مرگ علمدار آہ آہ
دولہ کا مردہ اور یہ رہوار آہ آہ

۵۲	۵۱	۵۰	۴۹
الحمد کہ دردِ غم کو ہوا گریہ ہوا ہمارا کام گلہ ہوا الگ ہوا آرام کو دوام اسلام تو ہوگا مگر آہ لا کلام حاکم کو ہوگا آہ ہمارا الم پیام	کلثوم رحم کھاؤ اور آکر مدد کرو اور دور حرص اور طمع اور حسد کرو حاکم کو لکھو صلح کرو اور کد کرو اسلام کہا ہمارا کرو اس کو رد کرو	وہ وعدہ اور مکر و حسد واہ حاکمو تو مطلع ہو اور ہو آگاہ حاسدو اسلام سمجھ کر دلشہ حاسدو مسلم ہو کلمہ گو ہو ڈرو آہ حاسدو	اسطرح لکھوا دو کہ واللہ کو گواہ وہ وعدہ اور وہ عہد کرو اور کرو نباہ دو ہم کو صدمہ اور الم اور ہو سزا تباہ اس طرح کا سمجھ کہ ہوگا آہ آہ
گم رہ ہو آہ آہ کرو ڈر معاد کا واللہ ہوگا محکمہ کل عدل و داد کا	آرام دو رسولؐ کو ہم کو رہا کرو آلِ رسولؐ و المجرم کو رہا کرو	حاصل ملال ہوگا دعا گو کو مار کر صدمہ کمال ہوگا دعا گو کو مار کر	سودا کرو معاد کا امر ملال کا تو حوصلہ ہو اگر ملک و مال کا

۵۵۱

کیا کس حکم و لعل دل و گوہر یتیم
مہر عطا و ماہ ہدا ہا لہ کرم
واللہ ہمارا سرور کل مالک الامم
طور مارعلم طول عمل سرور الامم

۵۵۲

معلوم ہوگا حال مرا کل کو کم سوا
واللہ ہم کو آہو ملا عرصہ کم لگا
اور خلقہ الامم ہوا ہم کو سدا عطا
وارد ہوا ملک مع عمامہ و ردا

۵۵۳

ہو ورد اہل مکہ کو گو سورہ مہر کا
کہدو اگر ہو حال ہمارا لکھا ہوا
مداح کردگار ہمارا رہا سدا
کس طرح دوسرا ہو اولی الامر ہم ہوا

۵۵۴

معلوم کر لو حاسدو آدم ہوا ہلاک
آگاہ ہو رسول مکرم ہوا ہلاک
والد مرا رسول کا ہادم ہوا ہلاک
ہمسر مرا امام دو عالم ہوا ہلاک

واللہ ہا وہ محرم اسرار کردگار
ہوگا سدا وہ مالک سرکار کردگار

اور وہم گر ہو لاؤ کلام الہ کو
اسدم گواہ مہر کو لو اور ماہ کو

ہم سا امام دوسرا کم ہوگا حاسدو
مور دیگر ہمارا ارم ہوگا حاسدو

ہوگا دوام عمر کو کس طور حاسدو
کہدو مدام کس کا رہا دور حاسدو

۵۶	۵۷	۵۸	۵۹
جو کلام اُدھر کو وہ روح دل رسولؐ	مدّاح کردگار ہوا اس امامؑ کا	مولد کہو کہ کس کا گھر اللہ کا ہوا	رد و دلو حملۂ اسد اللہ کہو مگر
صد مہ اِدھر گروہ عمر کو ہوا حصول	مولا وہ کہہ و مہ کا ہوا اور انام کا	کرّار کس کا اسم دم موکد رہا	وہ موکہ وہ دور حصار اور وہ ۱۰ دد
اسلام عمر کمال بڑا اور ہوا ملول	مالک ہوا وہ حور کا دارالسلام کا	اور کس کو سرور و گرم دو عالم عطا ہوا	وہ کو ہی ساعد و کہ ہو عالم کو اسکا ڈر
اثر کہا کلام کو کم دو امام ؑ طول	عالم گواہ ہوگا مگر اس کلام کا	کہو اور دگر ہو اور اسد اللہ دوم ا	للکار کر ہوا اسد اللہ حملہ ور
گر حوصلہ ہو صلح کا تو عہد دو امامؑ	کوہ اسکو حاسد و کہو کل کو عدس کہو	واللہ وہ اسد ہوا محرم رسولؐ کا	آکر کھڑا ہوا علم احمدؐ کا گاڑ کر
محکوم حکم حاکم اسلام ہو امامؑ	مولا کہو امامؑ کہو دادرس کہو	ہمسر رسولؐ کا ہوا ہمدم رسولؐ کا	اور رد کا وار کو در محکم او کھاڑ کر

۶۱	۶۲	۶۳	۶۴
للکارا وہ امام کہ تو مصدر حرام	وہ حرص ہم کرم وہ طمع اور ہم عطا	گر راہ اُسلام آگ ہوا رو کو موڑ کے	صمصام کو علم کرو آؤ دلا دو رو
محکوم ہوگا حاکم مردود کا امام	ہم طوف وہ گروہ سجر اور ہم دعا	للکارا گھوڑا ڈال کر اُسلام ہم لو ہم	تو حملہ ور ہو گھوڑا اوڑا اوڑا دلا دو رو
گر اس طرح کا دوسرا ہوگا ادا کلام	ہم لمحہ اور وہ دود وہ درد اور ہم دوا	اور ہر سوار کو کہا حکم کرو کر	اور ہم کو طور حملہ دکھاؤ دلا دو رو
سر ہوگا اس گروہ کا واللہ شاہد حام	طاؤس ہم وہ مار وہ سگ اور ہم ہما	آؤ رسالہ دار کہ اس ہم کو کر	گمراہ اور وار لگاؤ دلا دو رو
اللہ کا عدو ہو وہ ہمسر ہمارا ہو	گمراہ اسکو ہم کو کہو سالک وداد	کا وا لگاؤ گرم کرو راہوار کو	وسواس ل کا دور کرو اسکو مارلو
اول وہ امر کسطرح ہم کو گوارا ہو	مردود اسکو ہم کو کہو مالک وداد	لو ملک و مال مارلو گر اس سوار کو	آرام اور سرور کرو اسکو مارلو

۶۵	۶۶	۶۷	۶۸
التماس تو کہ گھوڑا و صلا اور لال لو گھوڑا لو اور علم و رسالہ و ڈھال لو واللہ ہر ملک و صد ہا محال لو محصولِ ملک دام و درم ماہ و سال لو	اور ہوگا مالدار وہ سردار دو سرا محصول ملک و مال کا سکہ ملا ملا واللہ ہوگا مال ادہر اور ادہر دھرا لو اسکو مار اور لو مالِ حرم سرا	دل اس گروہ کا ہو آمادہ ہوس آمادہ ہر عدو ہو اسلام کر کوکس حکمِ عمر ہوا کہ الگ ہو سوار دس اور دل ملول ادہر کو وہ عالم کا دار دس	وارد ہوا محمد و دارم کا مال دار اسم اسکا دعم ہو کہ آمادہ کردہ کار ہمراہ سو سوار مدد کو تمہید کار کوہ احد وہ اور وہ رہوار کوہسار
آکر کہا کہ حکم گرامی عمر کا ہو واللہ کام سرورِ والا گہر کا ہو	کہرام اودہر اودہر کو کہ لاؤ سر امام سر کرم آہ آہ مگر مادرِ امام	اس گھر کو گھسکر آگ لگاؤ دلاور و سر کھول دو حرم کا رولاؤ دلاور و	سر لاؤ اسکا مار لو اس دل ملول کو حاکم کو دو سر و رلاؤ رسول کو

۶۲

وہ ڈکر کمال وہ عدو آدم حملہ ور ہوا
اور سر آدم کو ہر سر معصوم کا کھلا
گہہ آہ مار کر کہا رو سر دبید ا
گہہ سر کو کھول کر کہا لو گو کہ دو دعا

لشکر دو صدا اسد کردگار کو
لو آڑ کر لو ڈھال کو اور رد کو وار

۶۱

للکار کر کہا کہ لگا وار او عدو
کر رام گھوڑا اور ہو ہموار او عدو
دکھلا کمال ہم کو وہ کر کار او عدو
سر کر ہم کار کو آ ار او عدو

کس کام کا وہ دل کہ کمال اس میں ڈد ہوا
معلوم ہوگا حال الگ کس کا سر ہوا

۶۰

کر کر وداع غم کو وہ ورعم ہوا سوار
گرم اسطرح ہوا کہ ہوا گرد راہوار
سر مکھ ہوا امام کا آ کر وہ کو پٹا
سر کو ہلا ہلا کہا اول ہو کس کا وار

در ہم ہوا اسد اسد کردگار کا
گھوڑا ادہر کھڑا ہوا اس راہوار کا

۵۹

سرور دل غم کا ہوا اظہار کیا کیا
ہمراہ سو سوار لیا اور عصہ کم لگا دیا
کر لو علم حسام کو رہوار کو اوڑا دیا
لو ملک و مال لعل و گہر اور سر کٹا دیا

عالم کو ہو سرور کہ دد و ملال ہو
اسدم مگر ہلاک اسد اللہ کا لال ہو

۷۶	۷۵	۷۴	۷۳
اسدم ہوا دل غم سعد کو ملال ورڑ کر کہا کہ واہ ہوا اسطرح کا حال گر ہر سوار الگ الگ اسدم پڑا کمال ہوگا ہلاک کس طرح معصوم کا وہ لال	اسدم لگا وہ وار کر کرڈالا اسم کو دو کر ڈالا اسم کو دو کہ اسم کر کو دو کر ڈالا واہ واہ سگ حملہ ور کو دو ہر سوار ادہر کو دو ہوا سوار ادہم کو دو	وار اس کا روک کر وہ اسد حملہ ور ہوا کر کر علم حسام دود م کو کہا کہ آ مردود وار روک ہمارا وہ سر اڑا گر دل کو اور جو صلہ ہو وار کو لگا	اسدم دل امام ادہر گاہ گہہ ادہر وار اس کا سعد کا نصیح کو صدمہ ہوا مگر اس دل ملول کو کہا رو آہ مار کر سر کو دعا کرو کہ کرالتیم کو سر
حملہ ہوکل کا وار ہو ہر سو حسام کا مل کر لڑو کہ کام ہوا اسدم امام کا	وار اسدم اس لائم کا وہ کارگر ہوا آدہا عدو ادہر ہوا آدہا ادہر ہوا	اسدم کمال ڈر ہوا اسکو حسام کا گو سر کا وہ مکر ہوا سر گھر حسام کا	للکار کر کہا کہ عدو اور وار کر مردود الگ کھڑا ہو صمصام مار کر

۵۸

دلال مرگ کا دم حملہ ہوا ورود
سودا گر عدم کو ہوا ہر طرح کا سُود
وار حسام سے کہ شہ دم دل حسود
اطلاک اور حسد کا ہوا مرتہ ورود

۵۹

اسدم حسام گاہ ادہر اور گہہ اُدہر
گہہ مارا اس سوار کو گہہ اسکو دوڑکر
دم اُکھڑا اس عدو کا گرا اُس علو کا
اسکو ہوا ملال ہوا اُس علو کو ڈر

۶۰

گرگر صلاح ہمدگر اسدم کہا کہ آؤ
ملکر لڑو امام سے مگر گر اؤ
وار حسام درج دعلم دور ذکر کاؤ
اہل حرم کو ہے سو معصوم کر دلاؤ

ہر اک عدو ہلاک ہوا اسم حک ہوا
رو کالا ہو کر اہل حسد کا محک ہوا

اسطرح محو سر ور والا گہر ہوا
وہ یہ وکا اسکو مارا اُدہر حملہ ور ہوا

ہر سو کہ حملہ ور وہ امام ہدا ہوا
رہوا رہر سوار کا ڈر کر کھڑا ہوا

الہام امام کو ہوا اُسدم کہ لو حسام
دل کھو لکر امام لڑو اور کرو حسام

۸۱	۸۲	۸۳	۸۴
مددِ ملک ملک ہوا الملک الامام	محصول دو حسام کو سردار و سر کو لاؤ	حاصل ہوا حسام کو محصولِ حلم کم	ہر سُو گرا لہو ہوا صحرا لہو لہو
ہمدم امامؑ کا دمِ حلم و دمِ حسام	تو آؤ اور حملہ کرو اور سر گراؤ	سردار کا سر اور علمدار کا علم	اور دم ہوا حسام و دودم کا لہو لہو
اسدم ہوا وہ کام ہوا ہر عدو کا کام	مولا کو ماردِ سرد دیکھا کہ کہو کہ آؤ	دل اہلِ دل کا اور حسام دودم کا دم	سارا ہوا امامؑ کا گھوڑا لہو لہو
ہر سُو ہوا حسام و دودم کا کلام عام	کر لو علم حسام کو رہوار کو اڑاؤ	لوہا سلاح کا حسد و مگر کالعدم	ہر دم لہو لہو دل اعدا لہو لہو
راہ عدم کا او عمرِ سعد و ہم کر	آ آ کر اور وار لگاؤ امامؑ کو	ملکِ عدم ہلاک ہوا دم عوام کا	سر لال لال اہلِ حسد کا گرا ہوا
رد وار کر حسام کا آ سہم سہم کر	دکھ دو الم دو اور رولاؤ امام کو	اسدم رہا امامؑ کا دم اور حسام کا	ہر سُو کو واہ لالۂ احمر کھلا ہوا

۸۸

کس کس کو کھو کر آہ امامؑ تم رہا
آرام کس طرح رہا کس طرح دم رہا
ہر لحظہ ہم کو صدمہ ہوا اور الم رہا
عالم کا ہم کو حوصلہ واللہ کم رہا

آرام ہو ہمارا اگر آہ کام ہو
سوکھا ہوا گلا ہو مرا اور حسامؑ ہو

۸۷

ہمدم ہلاک اور مددگار ہو ہلاک
ہمدرد سول صبر کا مراد لدار ہو ہلاک
آرام کس طرح ہو علمدار ہو ہلاک
ہر مجورہ و دردمند و داد دار ہو ہلاک

صدمہ ہو کس کا کس کا گوارا امامؑ کو
ہے آہ آہ کس کا سہارا امامؑ کو

۸۶

وہ رحم دل امامؑ وہ ہر کلمہ گو کا حال
کر رحم رو کا وار کو دل کو ہوا ملال
سر ڈالکر کھڑا ہوا معصومہ کا وہ لال
رو کر کہا کہ آؤ ہوا درد دل کمال

تو آؤ ہم کو مارو کہ حاصل ہمیں ہو
ہر ہو الگ کہ درد و الم دل کا دور ہو

۸۵

ہر سو صدا کہ رحم کرو سبط مصطفیٰ
ہر کلمہ گو ہلاک ہوا واحسینا
اس طرح اور حملہ ہو اگر امامؑ کا
عالم ہو ہلاک کہو کس کا دم رہا

رو کو حسامؑ سرور عالم کا واسطہ
معصومۂ امامؑ مکرم کا واسطہ

۸۹	۹۰	۹۱	۹۲
اور یہ کہا کہ آؤ علمدار ہو کدھر	تھی ملک ادھر کو امام ہدیٰ ہوا	مسرور ہر سوار رو لاکر امامؑ کو	تھا کردہ وار آہ امامؑ اثر گرا
آؤ کرو وداع مدد گار ہو کدھر	اعدا کا آہ گرم ادھر ہو کر ہوا	للکارا گہہ دہ گھوڑا ملاکر امامؑ کو	سر مثال کر دہ سر دبالا گہر گرا
آمادہ مرگ کا ہوا سردار ہو کدھر	اسوار گرد اندوہ سر ور کو ہوا	دوڑا ادھر وہ وار لگاکر امامؑ کو	ماہ رسولؐ و مالک کونین و دیں امام
لو آؤ رو کو وار کو دلدار ہو کدھر	ہر دل کو ولہ ہوا اور تو صلہ ہوا	اور مارا آہ سم دکھاکر امامؑ کو	خاک مذلت کا سر زمیں تاک علم گرا
ہر سو محاصرہ ہوا آکر مدد کرو	اور ہمدگر کلام کہ مار والامؑ کو	گہ وار رمح کا لگا اور گہہ حسام کا	در ہوا ادھر وہ سرور والا گہر گرا
اعدا کو رو کو وار کو دلدار رد کرو	حملہ کرو گراؤ سوار والامؑ کو	اور آہ آہ کر رہا دل اس امام کا	عمامۂ رسولؐ دو عالم ادھر گرا

۹۴	۹۵	۹۶	۹۷
پھر اس امام کو کہا للہ رو دکھاؤ ڈھلواؤ گرد اور لہو رو کا آؤ آؤ آگر وداع ہم کو کرو اور رد اڑھاؤ للہ ہے کلام ہو اور آہ سنا ؤ	مڑ کر کہا کہ او ع سعد رحم کیا ہوگا حصول مار کر اس کو امام سوا احمدؐ کو مارا آہ کر اس کا لہو ہوا وہ واحسام اور وہ شوکھا ہوا گلا	والد کدھر ہو مادر اطہر کدھر ہو آؤ سرور کا آہ کام ہوا ماہ سر دلاؤ مل آکر اس ہم کو کر دو داد کو دلاؤ ڈھارس دو ہم کو رحم کر دو صدمہ کم کرو	ہر گام آہ آہ اور ہر اور ادھر ہوا سر اس دم آہ ہے سر معصوم کا کھلا گہہ رو کو موڑ کر کہا سر ور مرا ہوا گہہ آہ مار کر کہا کوہ الم گرا
لو آہ راہ ملک عدم ہم کو مار کر ہمراہ دل ملول کو لو وار وار کر	آ کر ہمارا کار رہا کر امامؑ کو للہ ہم کو مار رہا کر امامؑ کو	لو والدہ وہ سر دلہو ڈال کر ہوا للہ آؤ آؤ الگ اسکا سر ہوا	گہہ دھول اڑا کر آہ کہا وا محمدا آؤ ہلاک امامؑ ہوا وا محمدا

۹۷

معصومہؑ کا ورود ہوا اسدم آہ آہ
گر گر کر اور آہ اوڑا کر وہ گرد راہ
سر کھولا سارا اور کہا اللہ رے گلہ
مل کر لہو گلو کا کہا وا محمدا آہ

۹۸

کوئے حرم کو وارد عالم ہوا
در وا وہ سگ ہوا اور ہوا وہ صنم رہا
دکھلا کر اس کو آہ وہ سوکھا ہوا گلا
رو کر کہا کہ مار گیا ماں سردلا

۹۹

قم یا ابل در وا امام دو عالم ہوا ہلاک
رو لو کہ وہ امام مکرم ہوا ہلاک
مولا ہمارا ہم سے آدم ہوا ہلاک
کہہ کہہ کر آہ سر وہ اسدم ہوا ہلاک

۹۶

اسدم الم کمال ہوا اس امام کو
رو کر کہا کہ اہل حرم کو دلاسا دو
اللہ کا آسرا کرو اور آہ کم کرو
سر کو ردا کو ہم سے معصومہ اوڑھ لو

تو آؤ داد دو کہ مرا لاڈ لا مرا
در وا کہ وا ادھر سر اہلحرم ہوا
دل کو ملال ہوگا ادھر رو کو موڑ لو

معصوم اسدم آہ مرا دو سرا ہوا
اور سر ادھر امام امم کا علم ہوا
سرور ہلاک ہوگا ادھر رو کو موڑ لو

رُباعیات غیر منقوطہ

رباعی

ہو دردِ والم مدام دردا دردا
ہم ہم ہو دوچشم دردا دردا
آوارہ ملک ملک ہا دردا
محرومِ لحد امام دردا دردا

رباعی

جو کو مدد حرم کا الہام ہوا
ہر دردِ دوا الم سے دور آرام ہوا
مسلم ہوا شرع کا حرام اول ہو کر
فاضل جو کو کمال اسلام ہوا

قبلہ نما

۱۰۱ ہاوگا خطا ردا ز سم مقرا ہمارا عام
کس کس کا اسطرح کا مسلم ہوا کلام
روکے آہ ملک کو کہ ہوا ابل دل کا کام
اسلام حل دعا کا ہو کہ اول کا ہو کام

ہو کر صلا کلام کا اسلام عطا کرو
نقشہ کو مہر دل کا ہمارا روا کرو

رباعی

آرام دلِ حرم کا معدوم ہوا
کم عمر کا حال مرگ معلوم ہوا
دودھ اکلا ہمدرد لاڈلا کھا کر یہ
اور سرد وہ معصوم کا مصحف ہوا

رباعی

واللہ کہ طالع رسا حر کو ملا
سردار امام دو سرا حر کو ملا
گھر حر کا ہوا حرم سرا حر کو ملا
حر وارم دعلہ صلا حر کو ملا

رباعی

سر گرم دلاور لہا حر سر ہوا
معصوم کا وہ ہمدم و ہمدر ہوا
درد اور الم امام طالع کو ملا
سو حر کا علم ہاتھ عدد در ہوا

رباعی

اعدا کو دیا حرام کا مال ملا
حر نے کیا اسد اللہ کا در لا ملا
واللہ کلاہ سر علم ہمدم حر
حلہ ملا معصوم کا رومال ملا

قصیدہ در منقبت جناب علی ابن ابیطالبؑ

تصنیف زایر زیدپوری

همدم ما در همه درد و الم — حمد صمد مدح امام امم

مدح امام دو سرا هر که کرد — کرد عطا در صلهٔ او ارم

والهٔ و دل دادهٔ او هر رسول — مدح سرا اهل هم در کرم

داد عدو را سر عرصه حسام — مهر لوا سرور والا همم

کرد دو صد صرّهٔ درهم عطا — هر که دلا کرد سوالِ درم

داد گدا را سر آرا طعام — کرد مدد در الم و درد هم

داد که در صوم مکرر طعام — کرد مکرر که ادا صوم هم

هم ملک و ملک و ملک هم گدا — گو همه مملوک امام امم

لمعهٔ مهر سر طومار او — مهر دم عام که اولا و لم

داد رس عام مدد گار کل — کرد مدد در همه کار اهم

مطلع مهر کرم و علم و حلم — محرم اسرار رسولِ امم

موہم اسرار ملک علم او | علم ملک کم ملکہ کا لعدم
مہر ہمہ حورارم مہر او | اما بلا مور و مہر و کرم
واسطہ مادہ دوسرا | محکمہ ہر دو سرا احکم
در دو سرا حاسد اورا دم | حاصل ہر علم و عمل لاؤ لم
مرگ سر عسکر اعدا ہمہ | گزرہ آورد حسام دودم

قطعہ

دام رمہ کرد سگ و گرگ را | عدل دل آرام امام ہمہ
مہر گرامدح سرا ہمدگر | در گہہ و صحرا اسد و گرگ ہم

مطلع ثانی

مہر سما مولد اطہر حرم | مصرع گل گارو اوارم
مدہ او سود سر سدرہ را | ہمہ او در دو سرا کالعدم
گرد در در گہ او ہر سحر | کحل ملک سرمہ حورارم
مہر سما مہرہ درگاہ او | لمعہ عکس در او ماہ ہم

داد احد احذ او احسام	کرد مدد گار رسول امم
کرد مدد و همه خسان محال	هر که صدا داد در آلام و هم
گاه صدا رعد صدا کوس او	سمع عدد همه سمع اصم

مطلع ثالث

مولد و مولود عدو لا ولم	عمر همه وهم و سر اسر علم
مهر دل هر که و مه مهر او	سکهٔ او در درم مهر هم
گاه کرم کرده و گه عدل و علم	گاه علم کرد حسام دو دم

قطعه

او هم مه کم دم و هم سر دو	دلدل او گرم رود دور دم
گرد سم گرد همه عطر سا	مرگ عدو هر سم و صمصام سم
گه سم او داد سمار اکلاه	گاه عطا کرد سمک را درم
گه دم او همدم بهوا	گاه محد و رادم او صور دم
نطفه هر گام سم گرم آه	داد سر گاو سمک زا ورم

مروحه سردم اورا مگو | گودم او کاکل خورازم
کرد ادا مدح دل ما مگر | کرد دعا و لولهٔ مدح کم
لحم عدو طعمهٔ کرگس بدام | حاسد او مورد صد درد و هم

کرد دلا ورد درود و سلام
طالع او کرد عدو هم کرم

تمام شد

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی، مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

16 APR 1991

لکھنا

جامعہ عثمانیہ

۱۔ داخلہ امتحان بی۔ اے (آنرس) قدیم

۲۔ سند

۳۔ طلبا جو امتحان میں کامیاب ہوئے ہیں

۴۔ طلبا جو امتحان میں ناکام ہوئے ہیں

۵۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۶۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۷۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۸۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۹۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۱۰۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۱۱۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۱۲۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۱۳۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۱۴۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۱۵۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۱۶۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۱۷۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۱۸۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۱۹۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۲۰۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۲۱۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۲۲۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۲۳۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۲۴۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۲۵۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۲۶۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۲۷۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۲۸۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۲۹۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۳۰۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۳۱۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۳۲۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۳۳۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۳۴۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۳۵۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۳۶۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۳۷۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۳۸۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۳۹۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۴۰۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۴۱۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۴۲۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۴۳۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۴۴۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۴۵۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۴۶۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۴۷۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۴۸۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۴۹۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۵۰۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۵۱۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۵۲۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۵۳۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۵۴۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۵۵۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۵۶۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۵۷۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۵۸۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۵۹۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۶۰۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۶۱۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۶۲۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۶۳۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۶۴۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۶۵۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۶۶۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۶۷۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۶۸۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۶۹۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۷۰۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۷۱۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۷۲۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۷۳۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۷۴۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۷۵۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۷۶۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۷۷۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۷۸۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۷۹۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۸۰۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۸۱۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۸۲۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۸۳۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۸۴۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۸۵۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۸۶۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۸۷۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۸۸۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۸۹۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۹۰۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۹۱۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۹۲۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۹۳۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۹۴۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۹۵۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۹۶۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۹۷۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۹۸۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے

۹۹۔ طلبا جو امتحان میں شریک نہیں ہوئے

۱۰۰۔ طلبا جو امتحان میں شریک ہوئے